زیمل

تحریر: طوبا میر

بھائی بھائی ایک آدمی جس کا رنگ اڑا ہوا تھا وہ بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا جو شان سے بیٹھا سیگار کے کش لے رہا تھا

آدمی: بھاؤ

بھاؤ: آبے کتوں بولا بھی تھا مجھے دیسترب

بھائی ڈسٹرب ہوتا ہے۔ ہاشم نے اس کی غلطی پکڑتے ہوئے کہا اور شاید وہ بہت بڑی غلطی کر چکا تھا

وہی سیگار کو بجھاتے ہوئے اس شخص نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا

اور پھر پاس پڑی شراب کی بوتل کو منہ لگا کر بولا

سالے کی اچھی خاطر تواضع کرو

مجھے سیکھا رہا تھا سکندر بھاؤ کو

توڑو سالے کی ہڈیاں۔

اور وہ دو آدمی ہاشم کو اٹھا کر لے گئے جو سکندر کا اپنا بہت خاص بندہ تھا

ہاں بول تُجھے کیا موت پڑی ہے

بھائی وہ۔ وہ اس آدمی کی آواز کانپ رہی تھی اور پھر تھوک کو نگلتے ہوئے بولا

بھاؤ وہ

دراصل ہمارے شراب خانے میں آگ لگ گئی ہے۔

اچھا پھر۔

بھائی سب جل گیا

اور کچھ

بھاؤ کچھ بھی نہیں بچا

بس یہی ؟

سکندر کے اتنے عام سے انداز میں بات کرنا اس آدمی کی موت کا اعلان تھا۔

اور پھر وہ آدمی اس عام انداز میں چھپی اپنی موت کو دیکھ کر سکندر کے پیروں میں گر گیا اور رونے لگا

بھاؤ مجھے معاف کر دے

میرا قصور نہیں ہے مجھے معاف کر دے

شراب کی بوتل کو منہ سے لگائے اس نے ایک ٹانگ اس آدمی کے سینے پر ماری اور اُسے خود سے دور پھینکا۔

تیرا قصور نہیں ہے تو سالے میرا قصور ہے۔

بول کتے

میرا دھندھا تباہ کر کے بولتا ہے تیرا قصور نہیں۔

سکندر کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھی

اب تُجھے بھی اُسی طرح آگ میں جھنکوں گا۔

پھر پتہ چلے گا کہ کس کا قصور تھا

بھاؤ پلیز مجھے معاف کر دے

اتنے میں جمال سامنے کے دروازے سے بھاگتا ہوا آیا

بھاؤ باہر پولیس آئی ہے

سکندر ایک دم اس کی بات سُننے پر ہنس پڑا اور پھر بولا

کون بولتا ہے کہ پولیس وقت پر نہیں آتی ابھی جرم ہوا نہیں اور پولیس حاضر بھی ہو گئی

بھاؤ آپ کو گرفتار کرنے آئی ہے۔

راجر

راجر

سکندر چیلا کر پکارتے ہوئے بولا

کہاں مر گیا ہے

جی بھاؤ

اس کتے کی بھی خاطر تواضع کرواؤاور اچھے سے کرنا ورنہ آکر تم لوگوں کی ایسی تواضع کروگا کہ بیٹھنے کے قابل نہیں رہو گے ۔سمجھے

لے کر جاؤ۔

جی بھاؤ کہتا وہ اس آدمی کو وہاں سے لے کر چلا گیا

بھاؤ کیا کرنا ہے۔پولیس کو آنے دوں یا

لے کر آو میرے سالوں کو سسُرے لگتا سسرال لے جانے کی تیاری سے آئیں ہیں۔

جی بھاؤ میں لاتا ہوں۔

اس کے پلٹنے پر ہی پولیس اندر داخل ہو گئ۔

بنا اجازت اندر داخل ہونے پر معافی چاہتا ہوں۔ایک آواز سکندر کے کانوں سے ٹکرائی۔

پولیس کا یوں داخل ہونا سکندر کو بلکل پسند نہ آیا۔

جو لوگ سکندر کے تلوے چاٹتے تھے اُن میں سرِ فہرست پولیس فورس تھی

اور یوں پولیس کا اس کے گھر میں داخل ہونا اس کا پارا ہائی کر رہا تھا

سکندر اپنی جگہ پر بیٹھا سامنے سے آتے ڈی ایس پی کو دیکھ رہا تھا

آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا سکندر صاحب۔

کہاں جانا ہے سکندر شراب کو۔ منہ سے لگاتے ہوئے بولا

تھانے وہ آفیسر سکندر کے سوال پر بولا

ارے سسرال جانا ہے سالے صاحب بتایا ہی نہیں آپ نے کہ آپ

سسرال سے ہمیں اتنا کشت اٹھاتے ہوئے لینے آئے ہیں

کچھ خاطر تواضع تو میری طرف سے بھی بنتی ہے

بہتر ہوگا مجرم کا پولیس سے کوئی رشتانہ بنائیں کیوں کہ گٹر کی گندگی سے ہمارا

کوئی تعلق نہیں۔

یہ باتیں تو پھر بھی ہوتی رہیں گی تھانے میں بھی۔۔۔فلحال آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے کورٹ سے آرڈر ہیں ہمارے پاس

سکندر اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

اور پھر

سکندر شراب کا گلاس ڈی ایس پی کی طرف کرتے ہوئے بولا

لو پی لو سکون دے گی تمھیں۔۔تم نے تو پی بھی نہیں اور دماغ کو تمھارے چڑھ بھی گئی ہے۔

یہ میرا علاقہ ہے اور تم اور تمہارا اندھا قانون اندھا ہی رہے گا نہ میرا کچھ بگاڑ پائے گا نہ تم سب کو مجھ سے رہائی دلا پائے گا۔

ڈی ایس پی سخت تاثر دیتے ہوئے بولا

پنچ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر میں پانی بھی نہیں پیتا یہ شراب تو پھر بھی حرام ہے

سکندر اس کی بات پر پھر سے قہقہہ لگا کر بولا

ویسے ایسی باتیں تم جیسے حرام خروں پر بلکل سوٹ نہیں کرتی

اور پھر اچانک سخت تاثر دے کر سکندر بولا

شرافت سے بات کر رہا ہوں ڈی ایس پی یہی سے واپس چلے جاؤ ورنہ

ورنہ کیا سکندر صاحب ابھی تو میں نے کچھ کیا بھی نہیں اور آپ۔ دھمکیوں پر آ گئے ہیں۔۔۔ آپ کر کیا لو گے۔ اور شرافت کا لفظ آپ جیسے لوگوں کے لیے نہیں بنا۔ اور دھمکیاں دینا بند کریں اور ساتھ چلے ورنہ

ورنہ کیا کر لو گے ڈی ایس پی تم میری مرضی کے بغیر مجھے یہاں سے ایک قدم باہر نہیں لے کر جا سکتے۔ بہتر ہو گا خود کو میری جہنم سے بچا لو ورنہ یہی تیری وردی اتروا کر کوٹھے پر تیرا مجرہ کرواؤ گا۔ اور یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور سکندر اپنے کہے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا بیشک وہ دھمکی ہو یا پھر وعدہ ڈی ایس پی سالار صاحب۔

سکندر نے اس کی قمیض پر لگے اس کے بیج سے اس کا نام پڑھتے ہوئے کہا

سالار کی موٹھیاں تن سی گئی سکندر کو مارنے کی غلطی کرنے سے پہلے ہی اس کا فون بجنے لگا

لو سن لو فون۔۔۔ تمہاری وردی اترنے کا ایک ٹریلر ہے سالار صاحب۔۔۔

سالار فون اٹھاتے ہی سلیوٹ کرتا بولا۔

سالار رپورٹنگ سر

جس پر سکندر ہنس پڑا کیوں کہ جس طرف سالار نے سلیوٹ کیا تھا اس کے سامنے سکندر کھڑا تھا۔۔

جو بات سالار کو ایک گنڈے کے سامنے سلیوٹ کرنے کی تکلیف پہنچا رہی تھی۔۔

مگر سر

اوکے سر

الرائٹ سر

یہ کہتے سالار نے فون بند کیا اور بنا کچھ سکندر کو کہے وہاں سے پلٹ گیا۔

سالوں سسرال نہیں لے کر جا رہے مجھے۔ سکندر نے با قاعدہ طنز کرتے ہوئے کہا۔

سالار پیچھے کو پلٹا اور سکندر کو سخت تاثر دیتے ہوئے بولا

گیدڑ ہمیشہ پیچھے سے ہی وار کرتا ہے دشمن بہادر ہو تو جنگ کرنے میں بھی مزا آتا ہے پر یہاں شیر کی کھال میں گیدڑ کی مکاریاں ہیں بہتر ہوگا پہلے اکیلے میدان میں لڑنا سیکھ لو ورنہ جس بھاؤ کے مرتبے پر تمہیں آج بڑا غرور ہے کہیں وہ تم سے مرد ہونے کا بھی اعزاز نہ چھین لے اور دیکھنے والے تمہاری مکاریوں کی وجہ سے تمھیں نامرد کے اعزاز سے نوازیں اور پھر ایک طنزیہ مسکراہٹ دیتا سالار دو قدم سکندر کی طرف بھرا

اس قدر ذلالت سے سکندر دانت پیس کر رہ گیا آنکھیں سرخ مائل ہو گئی اور غصے سے اس نے اس شراب کی بوتل کو زمین پر مارا اور بولا

میرے ٹکڑوں پر پلنے والے حرام خور آج وردی پہن کر میرے ہی گھر پر مجھے ہی وردی کا رعب دیکھا رہے ہیں

سالوں کی اوقات میرے جوتوں کی نوک پر بھی نہیں ہے اور آئے بڑے وردی کا پاٹ پڑھانے والے۔

سکندر صاحب آپ جیسوں کو کوئی پاٹ نہیں پڑھایا جا سکتا۔

جن کے دن کی شروعات ہی حرام خوری سے شروع ہو اُن کو پاٹ پڑھانا خود اپنی عزت کی دھجیاں اُڑانے کے برابر ہے۔

اس بار سکندر نے ایک زوردار مکا سالار کے منہ پر دے مارا تیری اتنی اوُقات نہیں ہے ڈی ایس پی کے تو میرے تلوے بھی چاٹ سکے جس وردی کا تُجھے بڑا غرور ہے یہ وردی کسی کام کی نہیں ہے صرف کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے جو آج تک نہ کسی بے قصور کو بچا سکی اور نہ ہی انصاف کر سکی۔ صرف ایک کپڑا ہے تیری یہ وردی۔

مجھے اس دن کا انتظار رہے گا جس دن تمھیں سکندر، ہتھکڑیاں پہنا کر تمھارے اصل مقام تک لے کر جاؤ گا یہ کہتا سالار اپنے آفیسرز کی گنز کو نیچے کرواتا وہاں سے چلا گیا اور باقی سب اس کے آرڈر پر وہاں سے چلے گئے۔

سالار کے وہاں سے جاتے ہی سکندر نے شیشے کی میز پر دوسری شراب کی بوتل کو اٹھا کر زور سے مارا اور وہاں موجود جمشید کے ساتھ فاروق اور عظیم کے خوف سے پسینے چھوٹنے لگ پڑے۔ کیوں کہ غصے کا اصل رنگ تو اب سکندر کا واضح ہوا تھا جس کی وجہ سے اب سب کا سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔

تم لوگوں نے اسے اندر کیوں آنے دیا اور تم نے گولی کیوں نہیں ماری اس کی کھوپڑی میں سالوں کی اتنی ہمت کیسے ہوئی میرے سامنے اتنی بکواس کرنے کی میرے ٹکڑوں میں پلنے والے کتے آج میرے ہی گھر کے سامنے بھونکنے لگ گئے ہیں ان کی زبانیں اب منہ سے باہر آرہی ہیں جو میرے سامنے سر نہ میں ہلانے سے کتراتے تھے وہ آج مجھے ہی حوالات لے جانے کو آئے ہیں۔

جمشید مجھے دو گھنٹوں کے اندر اندر ان سب کی وردیاں اتری ہوئی چاہیے ہر حالت میں ورنہ تم سب کی کھال اتار کر کتوں کو ڈال دوں گا۔

یا خود اُن کے ساتھ تم لوگوں کو کوٹھے پر نچواؤ گا۔ تمھارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں ورنہ تمہاری موت کا پروانہ میں جاری کروں گا۔

بھاو آپ پریشان نہ ہو۔ میں ابھی بات کرتا ہوں۔

وہاں کھڑے جمشید کے ساتھ ساتھ باقی سب سکندر سے خوف زدہ ہو گئے تھے اور اپنی خیر کی دعا کے سوا اُن کی زبان پر کچھ نہ تھا اور خیر اِسی میں تھی کہ جو سکندر کہہ رہا تھا اس کو پورا کیا جائے ورنہ سکندر اُن میں سے تھا جو سانس لینا تو بھول سکتے ہیں مگر اپنے کہے سے پھر نہیں سکتا۔

جاؤ دفع ہو جاؤ اور دو گھنٹوں میں اُن کی وردیاں اُترواؤ اور یہ کہتا وہ شیشے کی کرچیوں سے گزرتا بولا

تمھیں تو کسی صورت نہیں چھوڑو گا سالار اس بے عزت کا بدلہ تو تمھیں اپنی آخری سانس تک چکانا ہو گا۔۔۔

پورے گھر میں صبح فجر کی اذان گونج رہی تھی سب بے خبر غفلت میں پڑے سو رہے تھے گھر کے ایک پرانے سے کمرے میں جس کی حالت سٹور روم سے بھی بتر تھیا س کمرے کے ایک کونے میں ایک وجود سجدہ ریز ہوتے ہوئے رو رہا تھا

کمرے میں سسکیوں کی آواز تھی۔ایک خوبصورت ساوجود سر سجدے سے اٹھاتے ہوئے آنکھوں کو صاف کرنے لگا

پلکوں کے بال انسوں کی روانی سے آپس میں جوڑ گے تھے اور آنکھیں مزید دل کش لگ رہی تھیں۔

پر آنکھوں سے انسوں کی بارش اس کے گالوں کو سرخ کر رہی تھی۔جائے نماز کی طرف کچھ دیر دیکھنے کے بعد اس نے اپنا چہرہ دعا کے لیے اٹھاتے ہوئے ہاتھوں میں چھپالیا۔اور پھر سے دبی آواز میں رونے لگی۔

وہ معصومانہ چہرہ نور کی روشنی سے چمک رہا تھا۔اور اللہ کے سامنے اُن موتیوں کی ایک کے بعد ایک ادائیگی اُسے اپنے رب کے ہاں محبوب کر رہی تھی۔ مگر اس کی زبان۔۔۔دعا میں ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکی۔

کس مشکل میں وہ اس گھر میں زندگی گزار رہی تھی۔اچانک آنکھوں نے دائیں طرف ایک تصویر کو دیکھا جس کو اس نے کتاب کے گھتے پر چپکا یا تھا جو اس کے لیے اس کمرے میں سب سے قیمتی چیز تھی اس کی اپنی سانسوں سے بھی زیادہ۔۔۔۔

اور پھر اس تصویر میں اپنی ماں اور باپ کا چہرہ دیکھ کر اس کی سسکیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

اس پوری دنیا میں اس کا واحد آسرا صرف اس کا خدا تھا۔

روتے روتے سسکیوں کی آواز زیادہ ہونے لگی تو زیمل نے فوراً سے منہ کو ہاتھ کی مدد سے زور سے دبایا کہ آواز کمرے سے باہر نہ جا سکے۔اور اس کی

خالہ ایوا اس کی آواز نہ سن لے۔ کیوں کہ جسم کے پہلے زخم ابھی تک نہیں بھرے تھے۔ اور روح تو اس کی پہلے ہی بہت زخمی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ اس کمرے میں اکیلی سمٹ کر بیٹھی رہی۔ اور پھر جیل نماں اس کھڑکی کے باہر دو بچیوں کو دیکھنے لگی جنہوں نے سینے سے قرآن کو لگایا تھا۔ قرآنِ پاک کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں انسوں تیرنے لگے اور فوراً سے اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا آج گیارہ سال ہونے کو تھے کہ وہ اس کتاب کو چھو نہ پائی تھی۔ دل زوروں سے دھڑک رہا تھا محبتِ رب میں دل اس کتاب کو ایک بار چومنے کو تھا مگر پھر اللہ کے ہاں سجدے میں گر کر رونے لگی اور سسکیوں میں شکر ادا کرنے لگی۔

اللہ میں۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔ دیدارِ قرآن پر تیری شکر گزار ہوں۔ بہت شکر گزار ہوں۔ ان یہودیوں کے گھر میں پر۔۔۔ ورش۔۔ پاتے ہوئے بھی تو میرے ایمان کا محافظ بنا رہا ہے۔ زیمل کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ اور دعا بس ایک تھی کہ اے اللہ

مجھے بس میرے دین سے دور نہ کرنا۔

یہ دل یہ جان صرف تُجھ پر اور تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہے۔ تو بس میرے ایمان اور محبتِ دین کو مضبوط رکھنا۔ دین کی راہ پر چلنے کے لیے میں ان زخموں کو برداشت کرنے کو تیار ہوں بس موت دینِ حق پر لانا۔

ہر روز کی مار اور دین کی تبدیلی کا زور اس کی خالہ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ زیمل کے ہر دفعہ انکار پر اُسے گھوڑے کی لگام سے مار کھانی پڑتی۔ پہلے زخموں کے بھرنے سے پہلے ہی ایوا نئے زخم دے دیا کرتی تھی۔

زیمل کی والدہ تالیہ ایک یہودی خاندان سے تھیں۔ تالیہ اور ایوا دونوں ایلینا اور لیوی کی دو بیٹیاں تھیں۔ یہودیت مذہب کے مطابق دونوں کی پرورش ایلینا اور لیوی نے بہت دیکھ بھال کر کی کیوں کہ یہودی مذہب میں عورتوں کی پرورش بہت دیکھ بھال کر کی جاتی ہے ایوا بچپن سے ہی یہودیت مذہب کی پکی پیروکار تھی اور ایلینا اور لیوی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ اپنے مذہب

کے مطابق گھر میں بنی عبادت گاہ میں عبادت کرتی تھی۔اور اپنی مذہبی کتاب تورات کو بہت غور فکر سے پڑھتی۔

جبکہ تالیہ ایوا سے بہت مختلف تھی اُسے اپنے مذہب سے کوئی اتنی خاص وابستگی نہ تھی اور یہ بات اس کے ماں اور باپ کو اس کے ایمان کے متزازل نہ ہو جانے کا خوف دیتی تھی اور وہ دونوں اُس کی طرف سے بہت پریشان تھے

سات سال کی عمر میں پہلی دفعہ تالیہ کے ذہن میں سوالوں نے جگہ لی؟

وہ جاننا چاہتی تھی کہ دنیا میں اتنے مذہب ہونے کے باوجود وہ یہودی گھر میں کیوں پیدا ہوئی؟

کیا یہودی مذہب مکمل اور سچا مذہب ہے؟ اگر ایسا ہے تو اُن کے بعد میسنجرز کیوں آئے؟

کیا سب کا خداوند ایک نہیں؟

کون سا مذہب سچا ہے؟

اگر ایک مذہب سچا ہے تو باقی سب کیوں ہیں؟

اگر اس کا مذہب صحیح نہ ہوا تو پھر کون سا مذہب صحیح ہے؟

ہر کوئی خداوند کو ڈھونڈنا چاہتا ہے تو سب الگ الگ خداوند کیوں ڈھونڈھ کر بیٹھے ہیں؟

ہم سب دیکھنے میں ایک جیسے ہیں تو اتنے مذہب کیوں ہیں؟

اگر سبھی خداوند ہیں تو ہم سب کو کیوں خداوند نہیں مانتے؟

سات سال کی عمر میں اس کے دماغ میں اتنے سوال پیدا ہوئے کہ اُسے سبھی مذہبوں میں اختلافات نظر آنے لگے۔

اور یوں وہ دن آیا جب تالیہ بیس سال کی ہوئی اور سوالوں کی فہرست میں اضافے کے ساتھ ساتھ بہت سے سوالوں کے جوابوں کو پانے کے بعد تالیہ

نے اپنے کھو کھلے دین کو چھوڑنے کے ساتھ اس نے اپنے گھر کو بھی چھوڑنے کہ ارادہ کر لیا۔

کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ اس کہ موم اور ڈیڈ اور ایوا یہودیت کی پیروکاری چھوڑ دیں۔

مگر اس کے اس فیصلے نے اس کی فیملی کو اس سے نفرت سیکھا دی۔

اور ایوا جو یہودیت کی بہت پکی پیروکار تھی تالیہ کی اس بات پر اس پر جان لیوا حملے کرنے پر تیار ہو گئی۔ جس سے تالیہ بمشکل بچ سکی وہ بھی اپنی ایک دوست کی وجہ سے اور یوں اس کے گھر میں ہونے والے اختلافات نے اُسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا

یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا اور اب اُسے صحیح راستے کا انتخاب کرنا تھا اور صحیح راستے کا انتخاب اس کے لیے ابھی بھی بہت مشکل تھا۔

مگر وہ جانتی تھی کہ بہت جلد وہ۔۔۔ وہ راستہ چن لے گی جو اُسے اُس کے خداوند کے پاس لے جائے۔

اس کی منزل اپنے رب تک جانے کی تھی مگر صحیح راستے کا انتخاب کر کے۔

اور پھر چار سال بعد اس کی تلاش ختم ہوئی جب اس کی ملاقات فاتح حیدر نامی ایک شخص سے ہوئی

آپ ٹھیک تو ہیں۔تالیہ اس شخص سے ٹکراتے ہوئے اور زمین سے اُن کی "چیزیں اٹھاتے ہوئے بولی" آئی ایم سوری۔

کوئی بات نہیں۔ معذرت کی کوئی بات نہیں۔

آپ کے سارے صفحے پانی کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔مجھے معاف کیجیے گا میں جلدی میں تھی.

وہ شخص تالیہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولا جو قسمت میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔آپ پریشان نہ ہو۔

تالیہ اس شخص کی بات پر کافی حیران ہوئی۔تالیہ مسلسل اس شخص کے تاثرات پر غور کرنے لگی۔

تالیہ کو اس شخص کے چہرے پر ایک پل کے لیے بھی غصے کے تاثر محسوس نا ہوئے جب کہ وہ جانتی تھی کہ غلطی اس کی ہے اور زمین پر پانی ہونے کی وجہ سے اس شخص کی محنت بھی کافی ضائع ہوگئی تھی۔ آخر کیوں وہ شخص اتنا پر سکون تھا یہ بات تالیہ میں تجسّس پیدا کرنے لگی؟

آپ کے کافی کاغذ پانی کی وجہ سے خراب ہوگئے۔ میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ اگر میں کچھ کر سکوں تو آپ مجھے ضرور بتائیے۔

اور پھر اس شخص نے مسکراتے ہوئے تالیہ کی طرف دیکھا اور بولا آپ کی شخصیت کافی پراسرار ہے کافی بے چین لگتی ہیں آپ۔

اگر کچھ ہو جو میں کر سکو آپ کی منزل کی راہ میں تو آپ ضرور بتائیے گا۔ اور پھر وہ زمین سے اٹھتے ہی چلنے لگا۔

اس شخص کا یہ انداز تالیہ میں مزید تجسس پیدا کرنے لگا اور اس انداز نے اُسے اس کے پیچھے جانے پر اور اس سے سوال کرنے پر مجبور کر دیا۔

روکیے۔ بات سنیئے سر

تالیہ زمین سے اٹھاتے ہی اس کے پیچھے بھاگ پڑی۔ایکسکیوز می۔ سر۔اور بھاگتی ہوئے اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔۔۔

آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں ؟فاتح حیدر نے اس سے سوال کیا

وہ اگر آپ برا نہ مانے تو آپ اپنی منزل مجھے بتا سکتے ہیں۔

اس شخص نے سر کو ہاں میں ہلاتے ہوئے بولا

منزل کی راہ سبھی کی اِک ہے

انجامِ زندگی کا سفر طویل ہے

نکلا ہوں ڈھونڈھنے منزل کو مگر

راہ تو اِک ہے مگر نیت کی دید ہے

((((طوبیٰ میر

تالیہ اپنے سوال کے جواب کے حاصل ہونے پر کچھ لاجواب ہو گئی۔ کیوں کہ جواب تو مل چکا تھا مگر سب سمجھ سے باہر تھا۔میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔

میں یونیورسٹی آف غذا کی طرف جا رہا ہوں۔۔

تو شعر میں آپ یہ بتا رہے تھے۔

فاتح حیدر کے چہرے پر مسکراہٹ گہرائی ہوئی۔

تالیہ مسکراہٹ کے گہرے ہونے پر بولی۔ویسے میں بھی اُسی طرف جا رہی ہوں۔اگر ہم ساتھ چل سکیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔

اس شخص نے نہ میں سر کو ہلایا۔کہ اُسے کوئی اعتراض نہیں۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد تالیہ نے پھر سے بولنا شروع کیا۔وہ کافی اس شخص کے اندازِ گفتگو سے متاثر تھی۔

آپ کہاں سے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ آپ یہاں کے نہیں لگتے۔تالیہ کی نظر اس کے چہرے پر ٹکی تھی۔نجانے ایسی کیا بات تھی اس میں۔۔جو تالیہ میں بے چینی اور تجسس پیدا کر رہی تھی۔

اسلامک اسٹیٹ آف پاکستان "اس نے تالیہ کے سوال کا جواب دیا۔"

مطلب آپ پاکستان سے ہیں؟

جی

یعنی آپ مذہب اسلام کے پیروکار ہیں؟

وہ شخص تالیہ کی بات پر مسکرا پڑا۔جی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے ہوں۔اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر سینے پر ہاتھ رکھا۔اور عقیدت سے آنکھوں کو بند کر کہ اس نام کو محسوس کیا۔

تالیہ اس کے اس انداز پر حیران ہوئی اور پوچھے بغیر نہ رہ سکی

آپ نے یہ ہاتھ ایسے کیوں رکھا؟

ہم مسلمان ہیں اور ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے یعنی اُمتِ محمدِ ہماری کتاب قرآن مجید ہے۔اور ہم اپنے رب اور اس کے آخری نبی سے محبت کرتے ہیں۔اور دل پر ہاتھ رکھ کر ہم اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم پر درود

وسلام بھیجتے ہیں۔ کیوں کہ قرآنِ پاک جو کہ ہماری کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

إِنَّ اللَّـهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے" ہیں۔ اے ایمان والو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا کرو۔"

(باب الاحزاب، آیت 56)

تو یہ ہمارے رب کا حکم ہے۔

آپ اپنے مذہب پر اتنا کیسے یقین کرتے؟ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ کہیں آپ غلط راستے کا انتخاب تو نہیں کر چکے میرا مطلب ایسا بھی ھو سکتا ہے کہ حقیقت اس سے کچھ اور ھو؟

وہ شخص اُس کی بات کا جواب دیتا بولا۔

کیوں کہ اس کا حکم بھی اللہ نے قرآن میں فرما دیا ہے اللہ فرماتے ہیں کہ

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ

بیشک دین للہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور اہلِ کتاب نے جو اپنے پاس علم آجانے کے بعد اختلاف کیا وہ صرف باہمی حسد و عناد کے باعث تھا، اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو بیشک اللہ حساب میں جلدی فرمانے والا ہے

تالیہ بار بار اپنے ہر سوال کے جواب ملنے پر اس قدر متاثر تھی کہ ایک کے بعد ایک سوال اس کی زبان سے نکلنے لگے۔

تو کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ خداوند باقی مذہبوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

جی ضرور۔۔۔وہ شخص تالیہ کی بات کا دوبارہ سے جواب دیتا بولا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

Surah Al Baqara

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور (جو) نصاریٰ اور صابی (تھے ان میں سے) جو (بھی) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اچھے عمل کئے، تو ان کے لئے ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے،

تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سبھی ریلیجن میرا مطلب ہے یہ سبھی مذہب آپ کی کتاب کے مطابق صحیح ہیں۔ تالیہ نے اس سے ایک نیا سوال پوچھا۔

میری بات کا کوئی بھی الگ سے مطلب نہیں بات سادہ اور سیدھی ہے کہ راہِ حق ہمیشہ ایک ہوتی جہاں راہوں میں انتشار پیدا ہو جائے سمجھ جایئے کہ آپ حق کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔

تو پھر اس انتشار جو راہِ راست پر برپا ہے اس کو کیسے مغلوب کیا جا سکتا ہے ؟ کیا آپ کا مذہب اور کیا آپ کی کتاب یہ بتا سکتی ہے ؟تالیہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک اور سوال کر گئی

تالیہ سوال کے جواب ہونے کی فتح بنا کسی شک وشبہ کہ اس شخص کے چہرے کی مسکان میں چھپی دیکھ سکتی تھی

یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ کے پاس اس بات کا بھی کوئی نہ کوئی جواب ضرور موجود ہو گا۔

آپ جیسوں کے سوالوں کا جواب مجھ جیسے گنہگار کے پاس اُسی رب کی بدولت ہے جو اس پوری کائنات کا خالق و مالک۔

اور ان شک وشبہ کا جواب خالقِ کل کائنات کے مالک نے دیا ہے میں نے نہیں۔۔میرا رب فرماتا ہے کہ

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں اُن ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔۔(آل عمران آیة ۱۹۰)

یہ پوری کائنات ہی اس بات کی تصدیق ہے کہ پوری کائنات کی تخلیق ہی ایک رب نے کی۔۔ تو وہی پوری کائنات کی تخلیق کاری کا مالک ہے۔ خواہ وہ مذہبی انتشارات ہو یا فرقہ وارانہ ہر بندے کو بنانے والا رب میرا رب ہے۔ اب اگر آپ کے سوال ختم ہو چکے ہو تو مجھے اجازت دیں میری منزل آچکی ہے۔

تالیہ اس قدر اس شخص سے متاثر تھی کہ اپنے تمام تر سوالوں کے جوابوں کی تلاش اُسے اس شخص میں ختم ہوتی نظر آئی۔

تالیہ کچھ دیر بعد دوبارہ پکارے جانے پر ہوش کی دنیا میں آئی۔

جی وہ ہاں۔ میرا مطلب ہے کہ پھر کبھی ملاقات ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اگر آپ اپنا نمبر مجھے دے دیں تو میری کافی مدد ہو سکے گی۔

آپ کو میری ضرورت نہیں پڑے گی۔

نہیں آپ سمجھ نہیں رہے۔ دراصل دیکھیں آپ میرے لیے کچھ وقت میں بہت خاص ہو چکے ہیں۔ مجھے جن سوالوں کی ہمیشہ سے تلاش تھی آپ نے اتنے صاف اور واضح جواب دیے کہ

وہ شخص تالیہ کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ آپ کو میری اس زبان سے نکلے جوابوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جواب آپ خود بھی باآسانی حاصل کر سکتی ہے۔ آپ کا ہر جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ بس غور و فکر کی ضرورت ہے۔

مگر میں نے اپنوں سے سنا ہے کہ آپ کا مذہب دوسروں کے حواسوں کو بند کر دیتا ہے۔ اور اس کے دل پر قبضہ کر لیتا ہے۔

کیا آپ اس بات کی گرانٹی دیتے ہیں کہ آپ کی کتاب کا علم میرے دل و دماغ پر قابض نہیں ہو گا؟

اس کا جواب بھی آپ کو اُسی کتاب میں ملے گا۔اُمید ہے اگلی ملاقات میں آپ کچھ مختلف ہو گی۔اور وہ شخص جاتے ہوئے یہ آخر بات تالیہ کو کہہ کر گیا۔

سنیئے آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں۔تالیہ اس شخص کو جاتے ہوئے دیکھ کر اس کے پیچھے سے بولی.

پھر ملاقات ہوئی تو ضرور بتاؤں گا۔اور یہ کہتا وہ یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔

سکندر تم سمجھ نہیں رہے ہو یہ تمھارے لیے خطرے کی بات ہو سکتی ہے۔ سکندر کا دوست محمد فاروق سکندر سے بولا

کمرے میں بلکل خاموشی تھی۔کمرے کے کونے میں موجود ایک کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے سکندر ایک عام سے انداز میں بولا۔تم یہاں کیوں آئے ہو؟

سکندر تم یہ کیسی

سکندر نے اپنی بات کو فاروق کی بات کاٹتے ہوئے دہرایا۔

تم یہاں کیوں آئے ہو؟

میں تمہارا دوست ہوں۔

سکندر کی دنیا میں وہ اکیلا ہے اور اُسے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے سمجھے کسی ایک کی بھی نہیں اور نہ ہی تمہاری۔

سکندر آخر کب تک تم یہ سزا خود کو دیتے رہو گے۔ دیکھو خود کو ایک بار۔۔۔ دیکھو تم کیا تھے اور کیا بن گے ہو۔ کیا تمھیں لگتا ہے کہ روشانے اور ماہر یہاں ہوتے تو وہ یہ چاہتے کہ تم ایسے بن جاؤ۔

ایک زوردار آواز فاروق کے کانوں سے ٹکرائی

اپنی بکواس بند کرو۔

اور پھر

سکندر ایک پل میں ہی اپنا آپا کھو بیٹھا اور فاروق کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے پیچھے کی طرف دروازے سے زور سے لگاتے ہوئے بولا۔۔۔

اس کی آنکھوں میں خون سوار ہو چکا تھا۔شاید اتنے سالوں کی تڑپ میں ایک فیصد بھی کمی نہیں آئی تھی۔

فاروق سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

سی۔۔۔کن۔۔۔۔در۔۔۔۔۔۔۔چھو

۔۔۔۔ڑو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مج۔۔۔۔۔۔ھے

تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے سامنے یہ نام لینے کی۔

آج کے بعد یہ دونوں نام میرے سامنے مت لینا فاروق ورنہ تمھارے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے سے پہلے یہ بھی نہیں سوچوں گا کہ تم میرے دوست ہو۔اور پھر سکندر نے فاروق کو ایک زوردار مکا مار کر زمین پر پھینکا۔

زمین پر گرے فاروق نے اپنے دائیں ہاتھ سے خون کو صاف کیا۔اور منہ سے خون کو تھوکا۔

چلو تم نے یہ تو مانا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔

دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ سکندر فاروق کی بات پر غرایا۔

ہاں جارہا ہوں پر تم جو کچھ کررہے ہو تم سے پیار کرنے والے ہوتے تو یہ سب کچھ کبھی نہ چاہتے۔اور یہ کہتے ہی فاروق زمین سے اٹھ کر چلا گیا۔

اور پھر ایک زوردار مکا سکندر نے کھڑکی کے شیشے پر مارا۔

اور شراب کی بوتل کو منہ سے لگا لیا۔

خون کی روانی اس کے ہاتھ بھر چکی تھی اور فرش پر بھی کافی خون جمع ہو چکا تھا مگر وہ بے حسی کے اس آخری درجے پر کھڑا تھا جہاں تکلیف احساس اور موت کا خوف اس پر حرام ہو چکا تھا اور وہ ان سب سے اتنا بے خوف اور بے

خبر ہو چکا تھا کہ سوائے خود کو اذیت دینے کے علاوہ اس میں کوئی آرزو باقی نہ تھی۔

سنگ دل کہتے رہے لوگ فقط بے دل ہونے پر

کیونکہ بڑا وقت لگتا ہے فقط بے مردہ ہونے پر

جب آنسو گرتے ہیں دلِ زمیں کے بیچھونے پر

زمیں بنجر لگتی ہے خواہ دل کے مردہ ہونے پر

(از قلم طوبیٰ)

ڈی ایس پی سالار کیا چاہتے ہیں آپ۔

پہلے ہی آپ کا ٹرانسفر کراچی سے اسلاما باد کروایا گیا ہے۔آپ کس کی اجازت سے سکندر بھاؤ کے گھر میں پولیس فورس لے کر داخل ہوئے ہیں؟

سر پولیس کا کام ہی کرمنلز کو پکڑنا ہے۔ سالار تمہاری انہیں حرکتوں کی وجہ سے تمہاری وردی اتر جانی ہے۔ جانتے بھی ہو تمھارے سسپنڈ ہونے کے آرڈر آئے ہیں اور مجھ پر کتنا پریشر ہے۔

سر وہ ایک گنڈہ ہے۔ شراب کی سپلائے اس کی الیگل فیکٹری سے کی جارہی ہے۔ اور صرف ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ہاتھ پر ہاتھ لے کر بیٹھے ہیں۔

تمھیں کیا لگ تھا ہے کہ یہ صرف تم ہو جسے وردی کی ذمے داریوں کا شوق سوار ہوا ہے۔ سالار میں پہلے ہی اپنے اس جذبے کی وجہ سے اپنا بیٹا کھو چکا ہوں۔ تو میں تمہیں یہ حماقت نہیں کرنے دے سکتا۔

سکندر بھاؤ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہ کس وقت کیا کر بیٹھے ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ دیکھو سالار یہ وقت اس چیز کے لیے نہیں ہے۔ اور تم نے سٹے آرڈرز کا بھی جھوٹ بولا اس سے کہ کورٹ سے آرڈرز ہیں۔

تم نے خود کے ساتھ اتنا ظلم کیا ہے کہ اب تمھیں بچانا میرے لیے مشکل۔ ہو رہا ہے۔ اور تمھارے ساتھ ساتھ اُن سب آفیسرز کو بھی سسپنڈ کرنے کا پریشر ہے مجھ پہ۔۔ صرف تمہاری ایک غلطی کی وجہ سے۔

سر ظلم سے خوف زدہ ہو کر اپنے بل میں بیٹھ جانا سب سے بڑی حماقت ہے۔ جب کہ ظلم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے خوفزدہ کرنا یہ سب سے بڑی فتح ہے۔ اور آپ اور میں یہ دونوں جانتے ہیں کہ وہ سکندر ایک دیمک کی طرح سارے سسٹم کو کھا رہا ہے۔ اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ بیشک یہ وردی اور یہ جان کیوں نہ چلی جائے۔

بس سالار بس وہ کوئی گلی کا عام گنڈہ نہیں ہے جو تم منہ اٹھا کر اس کے گھر اُسے اریسٹ کرنے چلے گئے۔

تمہاری جان بھی جا سکتی تھی۔ تمھیں خود کی جان کی تو کوئی پرواہ نہیں ہے مگر تم نے خود کے ساتھ ساتھ باقی آفیسرز کی بھی زندگی خطرے میں ڈالی ہے۔ اُن سب کی ایک فیملی ہے۔ جو کہ تمہاری نہیں ہے۔ ورنہ ابھی تک وہ تمہاری

فیملی اٹھوا چکا ہوتا۔ وہ کمینیت اور گھٹیا پونے کا باپ ہے۔ اور ہم سب کی موت کے لیے یہی کافی ہے۔ تمھیں کیا لگتا ہے کہ۔ تمھارے سسپنڈ ہونے کے آرڈرز کیوں اتنے سخت ہیں؟ اور تم ابھی تک کیوں اس وردی میں کھڑے ہو یہ میں ہوں جو یہ نہیں ہونے دے رہا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسا کرنے سے میری وردی بھی جا سکتی ہے۔

تو سر ایسی وردی کا ہی کیا فائدہ ہے جب ہم نے کام ہی نہیں کرنا۔

دیکھو سالار فلحال لوہا گرم ہے کچھ وقت دو اور خاموشی سے کام کرو۔ یہ وردی تمھارے کام تب آئے گی جب ہاتھ میں تمھارے ثبوت اور جسم میں جان ہو گی۔ جس طرح تم گئے ہو وہ صرف ایک بیوقوفی ہے۔ ابھی تک وہ تمھارے بارے میں سب کچھ جان چکے ہوں گیں۔

ورنہ تمھارے سسپنڈ ہونے کہ آرڈر کی بجائے تمہارا سر وہ کاٹ چکا ہوتا۔ تو ابھی مجھے ان حالات کو سنبھالنے دو۔ اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ میں بھی تمھیں اس سے نہ بچا سکوں۔

اچانک فون بجنے لگا۔

ہم بعد میں اس بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔ابھی تم جاؤ

سالار نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہاں میں سر ہلایا۔اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

زیمل کچن میں صبح سے کام کر رہی تھی۔

زیمل۔ایوا کی غصے سے بھری آواز سے گھبرا گئی

ج۔۔۔جی آنٹ ایوا۔

ایوا نے کمرے سے باہر آتے ہی ایک زوردار تھپڑ زیمل کے چہرے پر رسید کیا اور اُسے بالوں سے پکڑ کر اس کے ایک ہاتھ کو گرم برتن سے لگا دیا۔

جس میں زیمل نے ابھی ابھی کھانا بنایا تھا۔اور ایک چیخ زیمل کے منہ سے نکلی۔تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے بیٹے کے آگے پیچھے گھومنے کی۔

آنٹ ایوا میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

ایتان نے۔ خبر دار میرے بیٹے کا نام بھی اپنے منہ سے نکالا اور پھر ایک تھپڑ زیمل کے چہرے پر پھر سے رسید ہوا۔ اور ہونٹوں کے پھٹنے سے خون نکلنے لگا۔

زیمل کمرے سے باہر کھڑے ایتان کی مسکراہٹ کو دیکھ چکی تھی اور جانتی تھی کہ کسی بھی مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ویسے بھی وہ ایک گھٹیا انسان تھا جس کی نظروں سے زیمل محفوظ نہیں تھی

ایوا نے ایک جھٹکے سے زیمل کو زمین سے اٹھایا اور اُسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر گھسیٹنے لگی۔

موم چھوڑیں زیمل کو اچانک ہی لیہ بھاگتی ہوئی آئی اور زیمل کے بالوں کو ایوا کے ہاتھوں سے چھڑوایا۔ اور زیمل کو خود کے پیچھے کیا۔

ہٹو لیہ بیٹا یہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔ مجھے اس کی عقل ٹھکانے لگانے دو۔ ایک اس کی ماں نے کبھی ہمیں سکون نہیں لینے دیا اور ہمارا منہ کالا کر دیا اور اب یہ ہے۔ کیا کیا ہے اس نے۔ ؟ لیہ ماں سے سوال کرتی بولی۔

تمھارے بھائی پر ڈورے ڈال رہی ہے۔

موم آپ جانتی ہیں یہ بات کہ زیمل ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ وہ ایسی نہیں

ہے۔

تم چپ کرو زیادہ اس کی طرف داری کرنے کی تُمھیں کوئی ضرورت نہیں

ہے مجھے پتہ ہے یہی ہے جو ایتان کے آگے پیچھے گھومتی رہتی ہے۔ جیسی ماں

ویسی بیٹی۔ ایوا غصے سے لیہ کو چپ کرواتے ہوئے بولی۔

اور میرا بچہ بلکل بے قصور ہے خبردار تم نے اپنے بھائی کے بارے میں کوئی

الٹی سیدھی بات کی۔

آپ ایسا نہیں کر سکتی ہیں پوچھے ایتان سے کیا کرتا پھر رہا ہے یہ کیوں اس نے

زیمل کے سر سے اس دن چادر کھینچی۔

اور یہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کیا رہا تھا۔ پوچھے اب اس سے

لیہ غصے سے ایتان کی طرف دیکھ کر بولی۔

اچانک ایتان بولا۔ تم زیادہ اس کی طرف داری نہیں کرو یہی ہر وقت میرے آگے پیچھے گھومتی رہتی ہے اس دن بھی یہی تھی جو میرے ساتھ فری ہو رہی تھی۔اس کا کردار ناپاک ہے بلکل اس کے وجود کی طرح۔

موم یہ ایک بد کردار لڑکی۔ہے۔۔۔۔۔آپ کو تو پتہ ہے نہ۔

لیہ تم اس سب سے دور رہو۔۔۔۔ایوالیہ کو سمجھاتے ہوئے بولی

زیمل کی آنکھوں سے ایک کے بعد ایک انسوں گر رہا تھا۔اور وہ شخص جو کردار کے ہی لفظ سے نہ آشنا تھا وہ اس با کردار اور باوقار لڑکی کے کردار کی دھجیاں اُڑا رہا تھا۔

بس ایتان بس کچھ شرم کر لو۔۔ تُمہیں ذرا شرم نہیں آرہی۔۔۔تم بھی ایک بہن کے بھائی ہو۔۔۔مجھے ہی دیکھ کر کچھ شرم کر کو۔۔۔۔۔۔زیمل پر ایسا بہتان لگاتے تمہیں ذرا شرم نہیں آرہی۔

اپنی بد کرداری کو اس معصوم کی پاکی سے چھپاتے ہوئے تم اسی پر کیچڑ اچھال رہے ہو۔۔۔تم کیا سمجھ رہے ہو کہ یہ سب کبھی تمھارے سامنے نہیں آنا۔

اپنی حد میں رہو لیہ۔۔۔۔۔۔ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔۔ایتان اب بہت زیادہ غصے میں آ چکا تھا۔اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

کیوں دفع ہوں۔ہاں بولو کیوں دفع ہوں۔

ایو الیہ اور ایتان کی بحث کے دوران چیلاتی ہوئی بولی۔۔۔اپنی بکواس بند کرو دونوں۔

نہیں موم آج تو آپ کو پتہ چلنا چاہیے کہ آپ کا بیٹا کر کیا۔رہا ہے۔

موم کو بتاؤ تم نے اس دن زیمل کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی۔بتاؤ ابھی کہ ابھی۔

زیمل لیہ کا بازو زور سے پکڑتے ہوئے رو رہی تھی۔اس گھر میں صرف لیہ ہی تھی جو اب آ کر زیمل کا ساتھ دیتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ زیمل کس کردار کی مالک ہے۔

آج لیہ جن رسوائیوں سے بچی تھی وہ صرف زیمل کی مرہونِ منت تھا۔

ورنہ آج لیہ کی عزت تو مجروح ہو چکی ہونی تھی۔۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ لوٹ گئی ہوتی ساتھ ہی ساتھ جس بات کا گھمنڈ ایوا کو بہت زیادہ تھا شاید وہ بھی گھمنڈ بیٹی کی رسوائی پر ٹوٹ جاتا۔

موم یہ جھوٹ بول رہی ہے صرف اس بدکردار اور گھٹیا لڑکی زیمل کو بچانے کے لیے۔

یہی تھی جو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔

ایتان بس کردو جھوٹ بولنا۔۔۔ تم میں تو ذرا غیرت نہیں ہے۔ میں بتاتی ہوں۔ یہ زیمل کے کمرے میں تھا اور اس کے ساتھ بتمیزی کر رہا تھا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے کر جا رہا تھا۔

موم جھوٹ بول رہی ہے یہ م۔۔۔۔م۔۔۔۔می۔۔۔۔۔میں میں ایسا کیوں کروں گا۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔۔

ایک کہ بعد ایک انسوں زیمل کی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ وہ نہ چاہتے ہوئی بھی اس جگہ میں قید تھی اور چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔

ایک۔لفظ بھی اب تم نے لیہ منہ سے نکلا تو گتی سے زبان کھینچ لوں گا۔

۔۔۔۔ایتان اپنے غلط کاموں کو اپنے غصے سے چھپا رہا تھا۔

بولوں گی میں۔کیا کر لوگے ہاں بولو کیا کر لوگے تم۔

بیشرم۔گھن آتی ہے مجھے تمھیں اپنا بھائی کہتے ہوئے۔

اپنی بکواس بند کرولیہ۔۔۔اور اپنے کمرے میں جاؤ ابھی۔۔۔۔ایوا غصے سے بولی

اور ایتان آپے سے باہر ہونے والا تھا۔

موم آپ ابھی بھی مجھے چپ۔کروا رہی ہیں۔اس گھٹیا انسان کی حقیقت جاننے کے بعد بھی۔

اس گھر میں زیمل محفوظ نہیں ہے صرف اس ایک شخص کی وجہ سے۔یہ تو کل کو اپنے گھٹیا پن اور حواس کی لالچ میں یہ بھی نہیں دیکھے گا کہ سامنے زیمل ہے یا میں

لیہ۔۔۔۔۔۔۔ایک۔زوردار غصے سے بھری آواز نے لیہ کو بولنے سے روکا

اور ایک زوردار تھپڑ لیہ کے چہرے پر لگا۔کہ اس تھپڑ کو سہنے کی ہمت نہ ہوتے ہوئے۔۔۔لیہ وہی زمین پر گر گئی۔۔

اور زیمل لیہ کے الفاظ پر سناٹے میں چلی گئی۔۔۔کیوں کہ اس حد تک زیمل کو لیہ سے اُمید نہ تھی۔

لیہ لیہ۔۔۔۔۔۔۔ایوا زمین پر بیٹھی لیہ کو ہوش دلا رہی تھی۔۔۔۔اور ایتان غصے سے بھری ایک نظر زیمل کے چہرے پر ڈال کر جنگ کا اعلان کر کے وہاں سے چلا گیا۔

اور

ایوا کا غصہ اتنا شدید ہو گیا کہ لیہ کو اٹھائے بنا اس نے زیمل کو بالوں سے پکڑتے ہوئے گھسٹنا شروع کر دیا۔

ساری فساد کی جڑ ہی تم ہو۔۔۔ منحوس۔۔۔ تمہارا تو میں اب وہ حال کروں گی کہ دنیا دیکھے گی۔۔۔

چھوڑے مجھے آنٹ ایوا۔۔۔ پلیز مجھے چھوڑ دے۔۔۔۔۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔۔۔

""""تکلیف""""ایوا نے روکتے ہوئے بولا

تکلیف تو تمھیں اب ہو گی۔اور زیمل کے چہرے پر پوری طاقت اور نفرت سے۔اس نے زیمل کے چہرے پر تھپڑ مارا اور دوبارہ سے اُسے بالوں سے پکڑتے ہوئے اُسے اس کی کمرے میں پھینکا جیسے وہ بے جان ہو۔

اب تم اسی کمرے میں مرو گی۔۔۔ آکر تمہارا وہ۔حال۔کرو گی کہ تم اپنے پیدا ہونے والی دن پر پچھتاؤ گی۔۔۔۔۔۔ سمجھی

اور پھر دروازہ بند کرتے وہ وہاں سے چلی گئی۔

اور ایک کے بعد ایک انسوں زمین پر زمیں بوس ہونے لگے

اور پھر زیمل نے آہستہ سے آواز میں روتے ہوئے بولا

می۔۔۔۔ں نے۔۔۔۔۔کچ۔۔۔۔۔۔۔ھ نہیں ک۔۔۔۔۔۔یا

ہے۔۔۔۔۔آنٹ۔ای۔۔۔وا۔۔۔

کیا۔۔۔۔ک۔۔۔روں میں۔۔۔

اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زیمل مسلسل رو رہی تھی۔۔۔۔اور پھر

ایک۔آواز اس کے کانوں میں گونجی

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (البقرۃ—آیت ۱۵۳)

بیشک اللہ تعالٰی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

یہ وہ پہلی آیت تھی جو زیمل نے حافظہ قرآن ہونے سے بھی پہلے صرف تین سال کی عمر میں اپنے بابا سے یاد کی تھی۔

اور اس کی زندگی اسی آیت کے الفاظوں میں چھپی تھی۔

اس کا یقین تھا کہ وہ ایک دن اس جہنم سے ضرور نکلے گی۔اس کا اللہ اُسے یہاں سے ضرور نکالے گا۔اور وہ اس قید نما کھڑکی کی طرف دیکھ کر بولی۔

ہاں ایک دن ائے گا جب میں بھی اس کھولی ہوا میں سانس لے سکوں گی۔اور اب وہ زمین پر ہی لیٹ چکی تھی۔۔۔اور لیہ کی مدد پر اللہ کہ شکر ادا کرنے لگی۔

شاید اس کے امتحان کا اتنا شدید ہونا اس کے مضبوط ایمان کا امتحان تھا جو اس کا رب اُس کے یقین کی اور ایمان کی طاقت کو تول رہا تھا۔

اور پھر کچھ دیر بعد زیمل خود سے بولی۔وقت کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو مگر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ وقت اپنے اختتام کو ضرور پہنچتا ہے کیوں کہ ہر چیز عارضی ہے سوائے میرے رب کے جو ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ایوالیہ کو ہسپتال پاس کے پڑوسی کے ساتھ لے جا چکی تھی۔

اور زیمل اس پورے گھر میں تنہا تھی اپنے رب کے امان میں۔

ہاں میں پہنچ گیا ہوں۔ پیچھے سے سارے کام ٹھیک۔ ٹھاک ہونے چاہیے ورنہ ٹھوکنے میں میں رتی برابر نہیں سوچو گا سمجھے۔ وہ اپنے جہاز میں بیٹھا بڑی شان سے فون پر کسی کو دھمکا رہا تھا۔

بھاؤ۔ آپ کے کپڑے تیار ہیں۔۔

اور

فارس بھی پہنچ گیا ہے۔ وہ آپ سے ملاقات کرنے کا انتظار کر رہا ہے۔

ہاں ٹھیک ہے۔۔۔اسے بولو رات کو ملاقات ہو گی۔۔ فلحال تیاری کر لے حساب دینے کی۔

جی بھاؤ۔۔۔اور وہ یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔۔۔

سیٹ سے سر لگائے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔۔نہ جانے وہ کس فراغ میں تھا۔۔۔نہ کسی میں اس سے پوچھنے کی ہمت تھی نہ ہی وہ ایسا تھا کہ کچھ بتا سکے۔۔

وہ کسی کو اپنا نہیں سمجھتا تھا۔شاید وہ لفظ اپنے سے اعلانِ جنگ کر چکا تھا یا شاید وہ لفظ اپنے کو خود میں خود ی قاتل کر چکا تھا۔۔۔زندگی سے اتنی ٹھوکریں کھائی تھیں کہ۔اب اسے لفظ اعتماد، بھروسہ،اور یقین جیسے لفظوں سے نفرت سی ہو چکی تھی۔کرداروں کے کھیل کو کھیلتے کھیلتے وہ نجانے کس منزل کی راہ پر چل نکلا تھا۔۔

"یادوں کی بستیوں میں کھیلے گئے کرداروں کے۔

جذبات اور احساسات ہی قاتل ہوئے اپنے ہی ہاتھوں سے"

(از قلم طوبیٰ)

(یاد)

بھائی پلیز معاف کر دے ہمیں دیکھئے ہمیں معاف کر دے پلیز پاؤں پکڑتی ہوں میں ۔۔ آپ کے ۔۔ میں ۔۔۔ آپ کی اکلوتی بہن ہوں ۔۔ کچھ تو رحم کریں۔

سکندر مہ ۔۔۔۔۔ مہ ۔۔۔۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا ۔۔ بیوقوفی مت کرو ۔۔ گن کو نیچے کر لو ۔۔۔۔۔ دیکھو ہم تمہارے اپنے ہیں ۔۔

بھائی ۔۔۔ کچھ تو رحم ۔ کریں ۔۔ ایک چھوٹی سی غلطی ہو گئی ۔ ہے ۔۔ معاف کر دیں ۔۔

سکندر دیکھو میں تمہارا دوست ہوں ۔۔۔ یہ سب بیکار باتیں ہیں تم ہم دونوں کا سوچو ۔۔۔ اپنی بہن کا

کیوں کیا تم دونوں نے ایسا؟ سکندر کی آنکھ سے آنسو ٹپک رہے تھے ۔۔ وہ بہت تکلیف میں تھا ۔۔ جس بہن کو چلنے سے لے کر بولنے تک ۔۔۔ اور بولنے سے لے کر جوان ہونے تک اس نے اپنا مانا تھا ۔۔ آج اسی بہن پر وہ

بندوق تانے کھڑا تھا۔۔۔اور جس دوست کو اس نے اپنا بھائی مانا تھا وہ اُسے بیوقوف بنا رہا تھا۔

سکندر دیکھو غلطی سب سے ہو جاتی ہے۔۔۔ تم بڑے ہو معاف کر دو۔۔۔

(حال)

بھاؤ

ہاں

بھاؤ کپڑے بدل لیں۔

ہاں۔۔۔۔تم۔جاؤ۔

بھاؤ آپ ٹھیک ہیں؟

ہاں ٹھیک ہوں زیادہ سوال جواب نہ کیا کرو۔دفع ہو جاؤ یہاں سے اب۔

جہاز کب کا اتر چکا تھا۔

سکندر کالی شلوار قمیض پہنے کالا چشمہ لگائے بہت ٹھاٹھ سے جہاز سے نکلا۔اس کے نکلتے ہی ایک عجیب سا روب و دبدبہ ماحول میں پیدا ہو چکا تھا۔

باہر کھڑا ایک ایک آدمی اس کے نکلتے ہی ایک خوف میں مبتلا تھا۔

وہاں ہر کوئی جانتا تھا۔ کہ وہ کون ہے اور کیا ہے۔اس کی شخصیت میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ جو اُسے ظالم کے خطاب سے نہیں نوازنے دیتی تھی۔

اس کا ہر بھرتا قدم وہاں کھڑے ہر ایک شخص کے پسینے چھوڑ وا رہا تھا۔اپنی داڑھی پر وہ ہاتھ پھیرے آج کچھ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا۔

جمشید

جی بھاؤ

گاڑی کی چابی دو مجھے۔

بھاؤ میں ڈرائیور سی کہتا ہوں۔

نہیں تم گاڑی مجھے دو۔

مگر بھاؤ۔

تمہیں آگے سے زبان چلانے کے میں پیسے نہیں دیتا ہوں جمشید۔

وہ اچانک سے اُکھڑ سا گیا تھا اور اچانک سے اتنی بلند آواز سے جمشید بھی خوف زدہ ہو گیا تھا۔

ج۔۔۔۔ج۔۔۔۔۔جی بھاؤ۔ جمشید نے گھبراتے ہوئے سکندر کو گاڑی کی چابیاں پکڑائی۔۔۔۔۔بھاؤ چابیاں۔اور وہ پکڑتے ہی وہاں سے چلا گیا۔

زیمل تنہا کمرے میں بیٹھی اپنی چار دیواری کو گھور رہی تھی۔ نجانے اس کی قسمت میں کیا لکھا تھا۔ مگر اُسے اس بات کا یقین تھا کہ جو بھی اس کی قسمت میں لکھا ہے وہ اس کے رب نے اس کے حق میں بہترین لکھا ہے۔ کیوں کہ کوئی نہیں جو کہ اُس کے حق میں بہترین کر سکے سوائے اُس کے خالق و مالک کے۔اُسے کمرے میں بند ہوئے ایک پورا دن گزر چکا تھا۔

بھوک پیاس سے نڈھال وہ لیہ کی پریشانی لیے وہاں بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ لیہ اس کی شکر گزار ہے اور احسان مند بھی مگر اس جرات کی اُمید اُسے لیہ سے کبھی تھی ہی نہیں۔ اور اب پورا دن گزر چکا تھا۔ اور رات کافی ہو چکی تھی اور صبح ہونے میں بس کچھ وقت ہی باقی تھا۔ زیمل بھی اپنے کمرے کے فرش پر سو چکی تھی۔ فقط وہ زمین ہی تھی اس کے رب کے بعد جو زیمل کو تھک ہار جانے کے بعد اپنی آغوش میں لے لیا کرتی تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ زیمل بہت گہری نیند میں نہیں تھی۔

دروازے کا تالا باہر کی طرف سے کسی نے بہت آرام سے کھولنے کی کوشش کی مگر اس ہلکی سی آواز نے زیمل کی آنکھوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اُسے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

وہ یہ تو اچھے سے جانتی تھی کہ وہ ابھی تک گھر میں اکیلی ہے اور محفوظ نہیں۔ مگر یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اپنے رب کے آمان میں ہے اور کوئی نہیں جو اُسے نقصان پہنچا پائے اگر۔ اس کا رب نہ چاہے۔

دروازے کے کھولنے کی آہٹ ہونے سے پہلے ہی زیمل دروازے کی طرف بھاگی اور اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا کیوں کہ اُسے یقین تھا کہ یہ حرکت ایتان کی ہی ہے۔اور اس سے ہر قسم کے گھٹیا کام۔کی اُمید کی جاسکتی ہے۔دروازے کو۔اندر سے بند کرتے ہی زیمل دروازے کی مقابل سمت میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔سانس اس کا خوف سے اُکھڑ چکا تھا۔کیوں کہ ایک دم سے ایسے اٹھنا اُسے نئے حدشات کی تصویر دیکھا رہا تھا۔

دروازہ کھولو.ایک غصے سے بھری آواز جو کہ بہت دیکھی تھی۔دروازہ کھولنے کا حکم۔دے رہی۔تھی۔

ہاں وہ ایتان ہے۔زیمل نہ چاہتے ہوئے بھی خوف میں اس کا نام لینے پر مجبور ہو گئی۔اور پھر آواز بہت بلند ہو گئی اتنی کہ زیمل کی روح تک کانپ گئی۔۔۔

میں نے کہا دروازہ کھولو۔ابھی کے ابھی۔

اس وقت زیمل کا ایک ہی محافظ تھا جس سے وہ صرف مدد طلب کر سکتی تھی۔ اور وہی اس کا واحد آسرا تھا۔ اور وہ اس کا رب تھا۔۔ جو ہر چیز پر قادر ہے۔

یا اللہ تو میرا سب سے بڑا محافظ ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے میرا وجود کا ہر حصہ تیری بندگی کرتا ہے۔ تو واحد ہے مگر ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ میں خود کو ہمیشہ سے تیری امان میں دیتی آئی ہوں اور تُجھ سے مدد مانگتی ہوں۔

دروازہ کھولا زیمل ورنہ توڑ کر وہ حشر کروں گا تمہارا کہ تم کہیں منہ دیکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔

ایتان اب غصے اور بدلے کی آگ میں پاگل ہو چکا تھا۔ اُسے لیہ کی طرف سے کی ہوئے بے عزت کا بدلہ لینا تھا اور وہ ہر طرح سے گر سکتا تھا اپنی نفس اور انا کی تسکین کے لیے۔

زیمل کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔۔۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔۔۔ ایتان جس ارادے سے آیا تھا زیمل اچھے جانتی تھی۔۔

خوف کی لہر زیمل کے جسم میں دوڑنا شروع ہو گئی تو اس نے آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ زیمل کا کمرہ پوری گھر سے الگ تھا۔ اوپری منزل میں ہونے کی وجہ سے اس کا کمرہ بلکل بند تھا اور کھڑکی بھی بلکل بند تھی نہ ہی وہاں سے آیا جاسکتا تھا نہ جایا۔

دروازے کو ایک زور کا جھٹکا لگا کیوں کہ ایتان دروازے کو کھولنے کی تیاری میں دروازے کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہلے ہی جھٹکے سے دروازہ ٹوٹنے کی راہ ہموار کر چکا تھا۔ اور لگ بھاگ مزید دو جھٹکوں میں وہ دروازہ زمین ڈھیر ہو جانا تھا۔ جاؤ یہاں سے ایتان میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔۔ پلیز زیمل روتے ہوئے ایتان سے غصے سے بولی۔

میں آخری دفعہ کہہ رہا ہوں دروازہ کھولو ورنہ تمھیں مجھ سے کوئی نہیں بچا پائے گا زیمل۔۔۔۔ تمھارے جسم۔ کو نوچ نہ کھایا نا میں نے تو میرا نام۔ بھی ایتان نہیں۔ دروازہ کھولو ابھی اسی وقت۔

میں نے کہا جاؤ۔۔۔چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔میں نے کیا بگڑا ہے تمہارا۔۔۔زیمل کی آنکھوں سے آنسو لگاتار گرتے ہی جا رہے تھے۔

میں آخری دفع کہہ رہا ہوں زیمل۔۔۔اور۔۔اب تُمھیں کوئی نہیں بچا سکتا مجھ سے۔۔۔۔خداوند بھی نہیں۔

زیمل کا ایمان اتنا کمزور نہیں تھا کے وہ ایتان کی باتوں سے زائل ہو۔جاتا۔وہ جانتی تھی کہ وہ خود کو اپنے رب کے امان میں دے چکی ہے۔

دروازے کو ایک اور جھٹکا لگا تو دروازے کی کنڈھی کے دو پیچ دروازے سے اُکھڑ گے۔اور زیمل۔اب دو قدم۔پیچھے ہو چکی تھی۔

اور اب ایک چھوٹا سا دھچکا بھی اس دروازے کی رکاوٹ کو مٹا سکتا تھا جو ایتان کو اپنے اور زیمل کے درمیان میں محسوس ہو رہا تھا۔

پر زیمل کے لیے وہ رکاوٹ اتنی ہی زیادہ تھی جو حضرت یوسف کے لیے کھول جانے والے دروازوں کی طرح تھی کہ جس کا یقین کرنا نا ممکن تھا۔وہ جانتی۔تھی کہ اس کا رب اُسے رسواء نہیں ہونے دے گا۔اور اب ایک

فاتحانہ آواز زیمل کے کانوں سے ٹکرائی جو ایتان کی تھی جو اپنی فتح کا مانو اعلان کر رہا ہو۔

میں آ رہا ہوں زیمل۔اور اب تمھیں اس کی قیمت چکانی۔پڑے گی۔

ہلکی سی آواز نے زیمل کی آنکھوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اُسے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔وہ یہ تو اچھے سے جانتی تھی کہ وہ ابھی تک گھر میں اکیلی ہے اور محفوظ نہیں۔مگر یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اپنے رب کے آمان میں ہے اور کوئی نہیں جو اُسے نقصان پہنچا پائے اگر۔اس کا رب نہ چاہے۔

دروازے کے کھولنے کی آہٹ ہونے سے پہلے ہی زیمل دروازے کی طرف بھاگی اور اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا کیوں کہ اُسے یقین تھا کہ یہ حرکت ایتان کی ہی ہے۔اور اس سے ہر قسم کے گھٹیا کام۔کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

دروازے کو۔اندر سے بند کرتے ہی زیمل دروازے کی مقابل سمت میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔سانس اس کا خوف سے اُکھڑ چکا تھا۔کیوں کہ ایک دم سے ایسے اٹھنا اُسے نئے حدشات کی تصویر دیکھا رہا تھا۔

دروازہ کھولو.ایک غصے سے بھری آواز جو کہ بہت دیھمی تھی۔دروازہ کھولنے کا حکم۔دے رہی۔ تھی۔ہاں وہ ایتان ہے۔زیمل نہ چاہتے ہوئے بھی خوف میں اس کا نام لینے پر مجبور ہو گئی۔اور پھر آواز بہت بلند ہو گئی اتنی کہ زیمل کی روح تک کانپ گئی۔۔۔

میں نے کہا دروازہ کھولو۔ابھی کے ابھی۔

اس وقت زیمل کا ایک ہی محافظ تھا جس سے وہ صرف مدد طلب کر سکتی تھی۔اور وہی اس کا واحد آسرا تھا۔اور وہ اس کا رب تھا۔۔جو ہر چیز پر قادر ہے۔

یااللہ تو میرا سب سے بڑا محافظ ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے میرا وجود کا ہر حصہ تیری بندگی کرتا ہے۔ تو واحد ہے مگر ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ میں خود کو ہمیشہ سے تیری امان میں دیتی آئی ہوں اور تُجھ سے مدد مانگتی ہوں۔

دروازہ کھولا زیمل ورنہ توڑ کر وہ حشر کروں گا تمہارا کہ تم کہیں منہ دیکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔

ایتان اب غصے اور بدلے کی آگ میں پاگل ہو چکا تھا۔ اُسے لیہ کی طرف سے کی ہوئے بے عزت کا بدلہ لینا تھا اور وہ ہر طرح سے گر سکتا تھا اپنی نفس اور انا کی تسکین کے لیے۔

زیمل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔۔۔۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔۔۔ ایتان جس ارادے سے آیا تھا زیمل اچھے جانتی تھی۔۔ خوف کی لہر زیمل کے جسم میں دوڑنا شروع ہو گئی تو اس نے آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ زیمل کا کمرہ پوری گھر سے الگ تھا۔ اوپری منزل میں ہونے کی وجہ

سے اس کا کمرہ بلکل بند تھا اور کھڑکی بھی بلکل بند تھی نہ ہی وہاں سے آیا جا سکتا تھا نہ جایا۔

دروازے کو ایک زور کا جھٹکا لگا کیوں کہ ایتان دروازے کو کھولنے کی تیاری میں دروازے کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پہلے ہی جھٹکے سے دروازہ ٹوٹنے کی راہ ہموار کر چکا تھا۔اور لگ بھاگ مزید دو جھٹکوں میں وہ دروازہ زمین ڈھیر ہو جانا تھا۔

جاؤ یہاں سے ایتان میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔پلیز زیمل روتے ہوئے ایتان سے غصے سے بولی۔

میں آخری دفعہ کہہ رہا ہوں دروازہ کھولو ورنہ تمھیں مجھ سے کوئی نہیں بچا پائے گا زیمل۔۔۔تمھارے جسم۔کو نوچ نہ کھایا نا میں نے تو میرا نام۔بھی ایتان نہیں۔دروازہ کھولو ابھی اسی وقت۔

میں نے کہا جاؤ۔۔۔چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔میں نے کیا بگڑا ہے تمہارا۔۔۔زیمل کی آنکھوں سے آنسو لگاتار گرتے ہی جا رہے تھے۔

میں آخری دفع کہہ رہاہوں زیمل۔۔۔۔اور۔۔اب تُمہیں کوئی نہیں بچا سکتا مجھ سے۔۔۔۔۔خداوند بھی نہیں۔

زیمل کا ایمان اتنا کمزور نہیں تھا کے وہ ایتان کی باتوں سے زائل ہو۔ جاتا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ خود کو اپنے رب کے امان میں دے چکی ہے۔

دروازے کو ایک اور جھٹکا لگا تو دروازے کی کنڈھی کے دو پیچ دروازے سے اُکھڑ گے۔

اور زیمل۔اب دو قدم۔پیچھے ہو چکی تھی۔

اور اب ایک چھوٹا سا دھچکا بھی اس دروازے کی رکاوٹ کو مٹا سکتا تھا جو ایتان کو اپنے اور زیمل کے درمیان میں محسوس ہو رہا تھا۔

پر زیمل کے لیے وہ رکاوٹ اتنی ہی زیادہ تھی جو حضرت یوسف کے لیے کھول جانے والے دروازوں کی طرح تھی کہ جس کا یقین کرنا ناممکن تھا۔

وہ جانتی۔ تھی کہ اس کا رب اُسے رسواء نہیں ہونے دے گا۔ اور اب ایک فاتحانہ آواز زیمل کے کانوں سے ٹکرائی جو ایتان کی تھی جو اپنی فتح کا مانو اعلان کر رہا ہو۔

میں آرہا ہوں زیمل۔ اور اب تمھیں اس کی قیمت چکانی۔ پڑے گی

اور پھر اس آخری جھٹکے سے اس نے اس دروازے کو زمین ڈھیر کر دیا۔

زیمل سانس لینا بھول۔ چکی تھی اور اپنی سفید چادر کو خود کے گرد لپیٹے وہ کھڑی تھی۔ سامنے کی طرف ایتان ایک۔ طنزیہ مسکراہٹ لیے دروازے کے اوپر سے چلتا ہوا زیمل کی طرف بھرا۔

پر دروازے کے ڈھیر ہوتے ہی اس نے جب ایتان کی گھٹیا مسکراہٹ کے ساتھ اُسے اپنی طرف بھرتے دیکھا۔ تو پہلے سے اور بلند آواز میں آیت الکرسی کو پڑھانا شروع کر دیا۔ جب کہ ایتان زیمل کی بند آنکھوں کو اور اس کی گھبراتی آواز کو دیکھ اور سن رہا تھا۔ اور اپنے بدلے کی آگ میں جل رہا تھا۔

کہا تھا نہ تُمہیں اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔ یہ کہتا ایتان اپنے قدم بڑھاتے ہوئے زیمل کی طرف بھرنے لگا جو دروازے کے مقابل دیوار سے لگی بس کچھ پڑھتی جا رہی تھی۔ اور زیمل کے اتنے قریب آ گیا کہ زیمل خوف سے کھڑی رہنے پر مجبور ہو گئی۔۔ اس نے ایک ہی دم سے زیمل کی چادر پر ہاتھ ڈالتے ہوئے اس کی چادر کو دوسری طرف پھینکا۔

زیمل اب اپنی آنکھیں کھول چکی تھی اور بس ایک ہو دعا تھی یا اللہ میں خود کو تیری امان میں دیتی ہوں۔۔۔۔ مجھے رسواء نہ کرنا۔ اور پھر ایتان نے ایک دم سے اُسے بازو سے کھینچ کر اپنی طرف کھینچا اور چہرے سے پکڑتے ہوئے بولا۔ کتنا تم نے مجھے جھٹلایا۔ کتنا تم۔ مجھ سے دور بھاگی۔ کتنی تم نے میری بہن سے میری بے عزتی کروائی۔ پھر بھی تم بچ نہ سکی۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زیمل کی آنکھوں سے آنسوؤں خوف سے نمودار ہو رہے تھے۔ اور وہ روتے ہوئے اس سے خود کا وجود چھڑوانے کی

کوشش کر رہی تھی۔اور پھر ایتان نے زیمل کو زمین پر پھینکا اور بولا لو چھوڑ دیا۔

زیمل کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔اس کے چہرے سے پسینہ ٹپک ٹپک کر زمیں بوس ہو رہا تھا۔خوف سے اس کے جسم میں طاقت بھی ختم ہو چکی تھی۔

اور ایتان اپنے ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے بھی ایک غلط ارادے سے اس معصوم کی زندگی کو برباد کرنے کو آیا تھا۔یہ بات سمجھ لو تم۔۔۔۔۔ تمھیں میں نے چھوڑنے کے لیے ہی پکڑا ہے۔۔۔۔ورنہ تم۔ جیسی چیزیں بس دل۔ بہلانے کے لیے ہوتی ہیں۔

ایتان مسکراتے ہوئے اپنی خباثت کے ساتھ زیمل کو خوف زدہ کر رہا تھا۔اور پھر اس کی طرف بھڑنے لگا۔

میرے قریب مت آنا۔

بچاؤ مجھے بچاؤ کوئی ہے پلیز میری مدد کرو

خدا کے لیے ایتان۔۔۔۔ایسا مت کرو۔

یہ تو تُمھیں یہ سب کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ایتان نے زیمل کو بازو سے پکڑتے ہوئے اٹھایا۔

پلیز ایتاں میں لیہ کی طرح ہوں ایسا مت کرو مجھے جانے دو۔۔۔پلیز۔۔۔میں تمھارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تمھارے پاؤں پکڑتی ہوں۔۔پلیز۔

ایتان نے زور سے پاس پڑی میز پر ہاتھ مارااور پھر ہنسنے لگا۔

لو یہ رہے میرے پاؤں پڑو پاؤں میرے مانگو معافی ہاتھ جوڑ کر۔ایتان غصے سے بولا۔زیمل وہی کھڑی روتی جارہی تھی۔

کھڑی کیوں ہو آؤنہ اور آکر پکڑو میرے پاؤں۔

زیمل اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھی اور رونے لگی۔۔اور ایتان کے جوتوں کو ہاتھ لگا کر ہچکولے کھاتے ہوئے بولی۔

۔اے۔۔۔تان۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔معا۔۔۔۔۔۔ف۔۔۔۔۔کر

۔۔۔۔۔۔۔دو۔۔

ایتان نے زیمل کو بالوں سے پکڑتے ہوئے زمین سے اٹھایا اور اس پر غرایا۔ تمہاری معافی مجھے نہیں چاہیے زیمل۔

اپنی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سب کچھ بیکار تھا سب کچھ کہنا بے معانی تھا۔

اور پھر ایتان نے زیمل کو بیڈ پر پھینکا۔

اور زیمل کو بازو سے پکڑتے ہوئے خود اس کے قریب ہوا۔

چھوڑو مجھے ایتان،۔۔۔میں نے کہا چھوڑو مجھے۔۔۔ایک کے بعد ایک انسوں زیمل کی۔آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔دل ہی دل میں وہ اپنے رب سے اس کی مدد طلب کر رہی تھی۔

اور پھر زیمل نے اپنی پوری طاقت سے ایتان کو اپنے بستر کی دوسری طرف دھکیلا اور ایتان سے بچنے کے لیے دروازے کی طرف بھاگی ساتھ میں ایتان بھی زیمل کے پیچھے بھاگا۔

کہاں جا رہی ہو۔اِدھر آؤ۔

ایتان نے زیمل۔ کو پیچھے سے بالوں سے پکڑا اور بستر پر ایک بار پھر زور سے پھینکا۔

خدا کے لیے ایتان ایسا مت کرو۔

مجھ سے دور رہو۔

اللہ مجھے اس رسوائی سے بچا لے۔زیمل روتے ہوئے بس یہی بول رہی۔ تھی۔

تمھیں آج مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا زیمل خدا بھی نہیں۔

ایتان ایسے مت کرو۔۔میں نے تمہارا کیا بگڑا ہے۔

تمھیں یہ سب کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا زیمل۔

ایتان نے زیمل کو ٹانگ سے کھینچتے ہوئے اپنی طرف کیا۔

اور پوری طاقت سے زیمل۔ کو اپنی گرفت میں لیا۔

اور زیمل آنکھوں کو بند کرتے اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے چیلانے لگی

۔خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ایتان۔۔۔۔

ابھی کہ وہ اپنے بد فعل کی شروعات کرتے ہوئے زیمل کی گردن پر جھوکتا

۔۔۔کہ

ایک زوردار گولی کی آواز کانوں میں گونجی۔اور ایتان کی نظر دروازے کی طرف گئی۔

وہ گولی کی آواز تھی۔ہاں وہ گولی کی ہی آواز تھی۔جو اُن کے ہی گھر میں سے آئی تھی۔

زیمل مسلسل رو رہی تھی۔

ایتان زیمل سے اٹھتا ہوا دروازے کی طرف گیا۔

تو خوف سے زیمل بستر سے نیچے اتر کر دوپٹے کو اٹھا کر خود کے گرد لپیٹنے لگی۔

اس کا جسم پوری طرح کانپ رہا۔۔۔ تھا۔۔۔ اور وہ ہچکولے لیتے خوف زدہ کھڑی تھی۔

ایتان دوسری گولی کی آواز پر فوراً سے باہر کی طرف بھاگتا ہوا سیڑھیوں کی طرف آیا اور زیمل ایتان کے باہر نکلتے ہی وہی بیٹھ گئی۔۔ جبکہ ایتان وہاں کھڑا دو آدمیوں کو اوپر کی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔۔

جنہوں نے اپنے چہرے کو مکمل طور پر ڈھکا تھا۔

وہ رہا۔۔۔۔۔۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک ایتان کو دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ ایتان سے صرف کچھ فاصلے پر تھے۔ اور ان میں سے ایک نے ایتان کی طرف نشانہ باندھا۔ اور گولی چلائی جو۔۔۔۔ ایتان کے بازو کے پار ہو گئی۔

ایتان سمجھ گیا کہ یہ میری تلاش میں آئے ہیں۔۔۔۔۔درد سے کراہتے ہوئے وہ زیمل کے کمرے کی طرف بھرا اور زیمل دوبارہ سے ایتان کی آہٹ سنتے ہی خوف زدہ ہو کر خوف بیڈ کے نیچے چھپ گئی۔

اور وہ دونوں آدمی بھی ایتان کے اندر داخل ہوتے ہی داخل ہو گے۔

تم لوگ کون ہو۔۔۔۔ایتان سوال کرتے اُن دونوں سے پوچھنے لگا۔

تمہاری موت ہیں۔۔۔۔۔ایتان۔

دیکھو تمھیں جو چاہیے میں تمھیں دوں گا۔پیسہ سونا،،سب کچھ دینے کے کیا تیار ہوں۔

بس مجھے کچھ نہ کرنا۔اور یہ گن بھی نیچے کر لو۔

چل جائے گی۔

ٹپکا اسے جلدی۔

۔۔اس کی۔۔۔بکواس سننے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔۔اُن میں سے ایک آدمی دوسرے کو حکم دیتے ہوئے بولا

ایتان تم اتنے میں گھبرا گے اور تمھارے پسینے کیوں چھوٹنے لگ گئے ہیں۔۔؟

دیکھو آرام سے تحمل سے بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔

تم لوگوں کو جو چاہیے میں دوں گا بس مجھے مت مارو۔

وہ بھیگ مانگنے والے انداز میں ان سے بات کر رہا تھا۔

تم لوگ بتاؤ تمھیں کیا چاہیے۔

میں دوں گا۔

میں قسم کھاتا ہوں۔۔۔بتاؤ۔

تیری لاش چاہیے۔۔۔۔۔ایتان۔۔تُجھ جیسے گھٹیا اور ٹیچ انسان کی موت چاہیے۔

تیرے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ چاہیے۔

تیری یہ کٹے ہوئے ہاتھ چاہیے۔

تیرا کٹا ہوا سر چاہیے بول دے گا۔۔

بول نا دے گا۔؟

ایتان تھوک کو نگلتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔ تم لوگ کون ہو؟

کیوں تُجھے نہیں پتہ ہم کون ہیں؟؟

نہیں۔۔۔۔ بتاؤ کون ہو تم لوگ۔۔؟

تُجھے لگتا ہے کہ ہم۔ تُجھے بتائیں گیں کہ ہم کون ہیں؟

کیا تم جیک تھامس کے بھائی ہو؟

نہیں

کیا تم ڈرگز ڈیلرز ہو؟

نہیں

کیا تم روزی مرڈر کیس کی وجہ سے آئے ہو؟

نہیں

کیا ت۔۔۔۔۔۔م۔۔ کر س۔۔۔۔۔۔۔ٹین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے

۔۔۔س۔۔۔۔۔۔۔اتھ۔۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔وئی۔۔۔۔زیا۔۔۔۔۔دتی کا

بدلہ۔۔۔۔۔۔لینے۔۔۔۔آئے۔۔۔ہو۔۔۔۔

اور پھر اُن میں سے ایک نے اپنی گن کا رخ ایتان کی طرف کیا۔

تمہارے تو گناہ اتنے ہیں کہ زندگی گزر جائے گی مگر تم خود کا اصل چہرہ تک نہیں دیکھ پاؤ گے۔

ایتان اس سے پہلے کچھ کہتا کہ ایک ساتھ تین گولیاں اس کی طرف چل گئی ۔شاید زیمل کی رہائی کا ذریعہ اللہ بنا چکا تھا۔

اور وہ وہی زمین پر گر گیا بلکل بے جان۔اور زیمل جو اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کو دبا گئی۔اور وہ

لوگ ایتان کو اس کے انجام تک پہنچا کر وہاں سے چلے گئے۔ خوف سے زیمل اپنے منہ کو دبائے وہاں لیٹی تھی اور سانس لینا تک بھول گئی تھی۔ کیا جو کچھ ابھی ہوا تھا۔ کیا وہ منظر جو اس نے ابھی دیکھا تھا۔ کیا جس شخص سے وہ بچنے کی دعائیں مانگ رہے تھی۔ کیا وہ مار گیا تھا۔۔؟ جسم خوف میں کانپ رہا تھا۔ زندگی کس طرف سے کہاں موڑ کاٹ گئی۔ پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔اُسے۔ وجود کیوں کانپ رہا تھا۔۔۔ وہ تو خود سے یہ سوال کرنے کے لئے بھی ہمت نہیں جوٹا پا رہی تھی۔ مگر وہ آج اس گھر میں جس میں اس نے بارہ برس اپنی زندگی کے گزارے تھے وہی اپنی عزت کے مجروح ہونے کی داستان سے وہ بچ چکی تھی۔ آج وہ ساری زمانے کی رسوائی سے بچ گئی تھی۔ اس کا دامن پاک تھا۔۔۔ وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل تھی۔ اس کے رب نے اُسے تنہا نہیں چھوڑا۔۔۔ زندگی اور موت کے بیچ کے دلدل سے وہ بچ گئی تھی۔۔ اس کے رب نے اُسے کبھی تنہا نہیں چھوڑا تھا یہ وہ ہمیشہ سے جانتی تھی۔۔ اور اب بس اُسے یہاں سے نکلنا تھا۔۔۔ کسی بھی طرح۔۔۔

ہاں اُسے یہاں سے کہی دور جانا تھا۔۔۔اُسے اپنے خوف کو قابو میں رکھنا تھا۔۔اور یہاں سے نکلنا تھا اس سے پہلے کے آنٹ ایوا اور لیہ واپس آجائیں ۔کانوں میں فجر کی اذان کی آواز گونجی تو زیمل بیڈ کے نیچے سے نکل کر دروازے کی طرف بھری۔۔۔جاتے جاتے وہ آخری نظر ایتان کی طرف ڈالتی وہاں سے نیچے اتر گئی۔

اُسے اپنا پاسپورٹ ڈھونڈنا تھا۔۔۔۔جو اس کے یہاں آتے ہی اس کی آنٹ ایوا نے اس سے لے کر اُسے یہی قید کر لیا تھا۔۔بارہ سال سے وہ اس قید میں زندگی گزار رہی تھی۔۔جس کی وہ حقدار نہیں تھی۔۔

مقدر نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا تھا شاید اب اس کے امتحان کے ختم ہونے کا وقت آچکا تھا۔وہ جانتی تھی کہ خدا اپنے نیک بندوں کو آزماتا ہے۔اور آزمائش سے باعزت اور باوقار رہائی کامل یقین کا نتیجہ ہوتا ہے۔آج اس کے رب نے اُسے یہ موقع دیا تھا اور اُسے جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

ایوا کے پورے کمرے میں صرف ایک ہی ایسی جگہ تھی جہاں زیمل کا پاسپورٹ ہو سکتا تھا۔

آئینے کے نچلے حصے میں بنے درازوں میں تالا لگا تھا اب اُسے چابی ڈھونڈنی تھی۔ جو پاس بنی الماری کے اوپری حصے میں پڑی تھی۔۔۔۔۔ زیمل نے فوراً سے اس چابی کو حاصل کیا اور آپ پاسپورٹ اُن درازوں میں ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

مگر پاسپورٹ کہی بھی موجود۔ نہ تھا۔۔۔۔ کافی پیسے وہاں پڑے تھے ۔۔۔۔۔ اور زیمل اتنی پیسے آنٹ ایوا کے پاس ہونے پر خاصی حیران تھی۔

مگر اُسے یہاں سے نکلنا۔ تھا اور اس نے۔ وہ بس کچھ رقم ایک بستے میں ڈالی اس اُمید پر کہ کسی نہ کسی طرح وہ ان پیسوں سے پاسپورٹ بنوا کر واپس پاکستان چلی جائے گی۔

اور پھر وہ اس گھر پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہ جہاں اُس نے زندگی کے بارہ سال تکلیف۔۔۔ خوف۔۔۔۔اور ظلم کی قید میں گزارے تھے محسوس کرنے لگی۔ جہاں اُسے دین کی تبدیلی کا زور برداشت کرنا پڑا۔

مگر آج اس کی قید سے رہائی کا دن تھا۔۔۔۔آج وہ پہلا قدم تھا جو زیمل نے اس گھر کی چوکھٹ سے باہر رکھا تھا۔۔۔یہ جانتے ہوئے کہ۔۔۔آگے بھی اس کا رب ہی اس کا محافظ ہے۔

اور وہ آخری الفاظ ادا کرتی وہاں سے چل دی کہ

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا: بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اتنی رات گئے وہ کہاں جائے گی۔ وہ تو کسی کو جانتی بھی نہیں تھی اور پھر خود سے سوال کرتی بولی۔

میں اب کہاں جاؤ گی؟ ایک اس کا دل ہی تھا جو اس کے ہے سوال کا جواب صالح طریقے سے دیا کرتا تھا۔

کیا دنیا میں کسی کے ساتھ آئی تھی؟

نہیں

کیا کسی کے ساتھ دنیا سے جاؤ گی؟

نہیں

کیا جانتی ہو آج اس قید سے رہائی کس نے تمہیں دلائی؟

میرے رب نے

کیا رب کے سِوا کسی اور کی آرزو ہے؟

ہر گز نہیں۔

کیا رب کی قدرت پر یقین رکھتی ہو؟

ہاں جان سے زیادہ۔

توبس چلتی جاؤ مددگار اللہ کی ذات ہے یقین ہے تو روکنا مت اگر ایمان ہے تو ڈرنا مت اگر دونوں کی دولت ہے تو پھر جہاں تمھارا ہے اور رب ساتھ ہے تو مقدر تمھارا ہے.

زیمل تکرارِ گفتگو دل سے کچھ سنبھل سی گئی تھی۔

سر کو سفید چادر سے وہ ڈھانپے ایک انجانی منزل کو چل پڑی تھی۔

اور اب اُسے چلتے رہنا تھا۔۔۔اور وہ چلتی جا رہی تھی۔۔ طلوع ہوتا سورج اُسے محبت خدا کا عکس دیکھا رہا تھا۔

آسمان کی روشنی نور کی روشنی لگ رہی تھی۔

ہوا جیسے جنت سے زمیں پر داخل ہوئی ہو۔

پرندوں کی سرگوشی جیسے اس کی رہائی پر مبارک باد دے رہی ہو۔

اُسے یہ منظر جنت سا لگ رہا تھا۔

بارہ سال وہ ایک کمرے میں ایک گھر نما قید خانے میں قید رہی۔ اُسے یہ سب خواب سا لگ رہا تھا۔ دنیا کتنی خوبصورت ہے۔ اُسے ہر عکس میں خدا کا جلوہ نظر آرہا تھا۔ چلتے چلتے وہ نجانے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔ شاید وہ اس قید سے بہت دور نکل آئی تھی۔ آس پاس دیکھنے پر اُسے احساس ہوا کہ وہ کسی سڑک پر تنہا کھڑی ہے جہاں آس پاس درخت ہی درخت ہیں اور ایک دکان تھی جہاں ایک مرد اور ایک بچہ کام کر رہا تھا۔ نماز ادا کرنے کے لیے وہ وہاں ٹھہر گئی۔

ظہر کا وقت ہو چکا تھا اور پھر اس نے ایک درخت کے پاس جگہ کو صاف کیا اور وہی نماز ادا کرنے لگی۔ اس گھر سے اپنی قید کی رہائی پر وہ دو ہی چیزیں لائی تھی۔ کچھ پیسے اور دو سفید چادریں۔ ایک حیا کے پردے کے لیے اور ایک زندگی سے موت کے سفر پر نکلنے کے لیے یعنی اپنے کفن کے لیے۔

اس کا وجود خوش تھا۔زبان پر شکر تھا۔آنکھیں اس کی اشکبار تھی۔۔مگر۔۔۔۔دل مطمئن تھا ہمیشہ کی طرح۔۔پر نعمتیں خدا پر وہ اشک بار آنکھوں سے ہم کلام ہوئی تھی۔

کیا وہ اس قربتِ خدا کے قابل تھی جو اس کا خدا اس پر اِس قدر مہربان تھا۔

آسمان کو دیکھتے ہوئے بولی۔اے میرے اللہ زیمل تیری رحمتوں اور نعمتوں کی احسان مند ہے۔زیمل کی آنکھوں میں یہ بہتے آنسو صرف آنسو نہیں ہیں یہ تیری محبت کی رحمت کا صلہ ہے جو تو نے زیمل کے دل میں ڈالی ہے۔

جو زیمل کے دل میں جم سی گی ہے۔اور یہ محبت تو اپنی زیمل کے دل سے کبھی نا نکلنا۔

یہ آنسو جو تیری یاد میں بہتیں ہیں انہیں سمندر کی طرح رواں دواں رکھنا۔۔یہ دل جو صرف تیرے شکر پر دھڑکتا ہے۔۔اسے میری آخری سانس تک شکر کی دھڑکنوں میں سے رکھنا۔تو تو اپنی زیمل سے کبھی غافل

ہوا۔۔۔ہی نہیں تو تو میری تنہائیوں میں ہمیشہ ساتھ رہا۔میری ہر تکلیف پر تو نے مجھے آغوشِ زمیں دی۔

مجھے ہم کلام ہونے کے لیے تو نے وہ دل دیا جس میں تیری محبت ہے۔زیمل کی ہر چیز تُجھ سے وابستہ ہے۔میرا تو صرف تو ہی ہے۔مجھ سے کبھی بے خبر نا ہونا۔میں صرف تیرے در کے آسرے پر بیٹھی ہوں۔مجھے تنہا نا چھوڑنا۔ کوئی نہیں ہے میرا تیرے سوا۔تیری ہی محبتِ میں میں نے ہر غم کو سیچا ہے۔تیری ہی محبت میں میں نے ہر دکھ دیکھا ہے۔ہر مشکل میں تو میرا محافظ رہا ہے۔میرے وجود کو خود سے دور نا ہونے دینا۔مجھے کسی شے کی آرزو نہیں۔۔۔

یہی زمین اور یہی کفن مجھے میرے مرنے کے لیے کافی ہے اگر تیری محبت میرے دل میں ہے۔تو۔۔ورنہ کسی کی آرزو نہیں کسی شے کی تمنا نہیں۔بس مجھے تنہا نا چھوڑنا۔اور وہ یہ کہتی وہی سجدے میں گر گئی۔نجانے وہ کس کیفیت میں مبتلا تھی۔

چہرے پر مسکراہٹ تھی۔پیشانی میں شیکنیں۔ مگر آنکھیں انسوں سے بھری پڑی تھی۔

مگر درحقیقت وہ اپنے رب کے حضور پیش تھی۔ جہاں وہ ہر وہ بات انسوں کی زبانی کہہ دیتی تھی۔ جو زبان کہنے پر ساتھ نہیں دیتی تھی۔اور رب تو اپنے بندوں سے محبّت کرتا ہے۔۔۔ ستر ماؤں سے زیادہ۔

گاڑی اتنی رفتار سے چلاتے ہوئے سکندر بہت بے قرار سا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا اس کی الجھن کی وجہ کیا ہے؟

آخر اس کا دل کیوں الجھنوں کا شکار ہو رہا ہے؟ یہ زندگی تو اس نے خود کے لیے خود ہی چُنی تھی۔ وہ اسی کا تو حقدار تھا۔

اچانک سکندر کو اپنا آپ اپنے قریب بیٹھا دیکھا جو اس سے سوال کرنے آیا تھا. تم کون ہو؟ سکندر اپنا آپ دیکھتے ہوئے پوچھ اٹھا.

عکس: مجھے نہیں جانتے تم سکندر؟ میں تمھارا ایک عکس ہوں؟

سکندر: تم میں نہیں ہو سکتے۔

عکس: کیوں؟۔

سکندر: کیوں کہ تم میں مجھے میرا عکس نظر نہیں آتا۔

عکس: """عکس""۔ وہ حیرت سے بولا۔۔۔ تم مجھ میں اپنے عکس کو کیوں تلاش کر رہے ہو۔ میں تو وہ ہوں جسے تم نے اتنے سالوں پہلے خود دفن کیا تھا.

سکندر: میں نے؟

عکس: ہاں تم نے۔ کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ کیا کبھی تم نے کسی کو دفن نہیں کیا؟؟؟

سکندر: میں نے کیا ہے بہت سو کو۔

عکس: کتنوں کو؟

سکندر: اتنوں کو کہ سوچتا ہوں شاید دوسروں کو دفناتے کہیں میرے ہاتھوں سے موت کی لکیر نہ مٹ جائے.

عکس: موت تو برحق ہے سکندر۔ اور ہر کسی کو اس کے معینہ مدت پر آتی ہے.

سکندر: بہت سالوں سے موت کا منتظر ہوں اُسے روز یاد کرتا ہوں اور وہ بیوفا ہو کر مجھے ملنے اور مجھے ساتھ لے جانے کو نہیں آتی.

عکس: تو تمہیں لگتا ہے کہ تم اس قابل ہو کہ موت کے بعد رب سے ملاقات کر سکو؟

سکندر: میری زندگی زندگی نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی کو خود کے لیے قید بنا کر رکھا ہے۔ یہ وہ سزا ہے جو مجھے یاد دلاتی ہے کہ میں کون ہوں۔ قیدِ تنہائی

میں ہی میں اپنی باقی کی قید گزار کر خود کو یہ باور کروانا چاہتا ہوں کہ میں وہ انسان ہوں جس کے ایک غلط قدم اور ایک غلط فیصلے نے کتنوں کی زندگیاں برباد کر دی اور کتنوں کی زندگیوں کا سودا کر کے میں نے خود کو زمین در گور کر دیا۔

عکس: زندگی ایک آزمائش ہے سکندر۔ مجھے تمہیں دیکھتے ہوئے ترس آتا ہے

سکندر: ترس نہ کھاؤ مجھ پر میں اس ترس کا حقدار نہیں ہوں۔

عکس: یہ ترس مجھے تمہاری حالت کو دیکھ کر نہیں آتا بلکہ تمہاری سوچ پر آتا ہے۔

عکس: کیا تم نہیں جانتے کہ رب کیا فرماتا ہے؟ وہ فرماتا ہے کہ ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

Surah Al Zumar Ayat 53

اے میرے بندوں جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔بے شک اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔بے شک وہی گناہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سکندر: پر میں خود پر رحم۔ نہیں چاہتا ہوں۔۔۔میں چاہتا ہوں کے جتنی تکلیف ہر ایک شخص نے کاٹی میری وجہ سے یا اُن لوگوں کی وجہ سے جو مجھ جیسے ہیں۔۔۔وہ دنیا میں میری بنائی جہنم میں اپنی زندگی گزاریں۔ جیسے ہر گزرتے دن کے ساتھ میں گزارتا ہوں۔

عکس: تو تمہارے مطابق کیا اپنی جان پر ظلم ڈھانہ سمجھداری ہے یا پھر بیوقوفی؟

سکندر: یہ بدلہ ہے اُن کا جو میری وجہ سے ناحق مارے گے تھے۔

عکس: تو پھر تم حرام پینے پر کیا کہو گے؟ جو اندر ہی اندر تمہارے وجود میں پلتے تمہارے ہی عکس کو مار رہا ہے۔

سکندر: تمہیں تو میں خود بہت سالوں پہلے ہی دفن کر چکا ہوں خود میں۔ تو کس بات کا مرنا۔

عکس: کیوں کیا؟

سکندر: اس لیے کہ تم میری کیے کی سزا نا کاٹ سکو۔ میرے منہ کو لگا کوئی حرام کا لقمہ تمہیں نا پہنچ سکے۔ یہ سزا صرف میرے لیے ہے تمہارے لیے نہیں.

عکس: اور قتلِ عکس کا تم مجھے کیا ہرجانہ بھرو گے؟

سکندر: نہیں جانتا۔

عکس: کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا کے میں رب سے تمہاری شکایت کر دوں گا؟

سکندر: کتنوں کی شکایات گئی ہو گی اس تک (رب). ہر اُس کی جن سے میں انجان ہوں۔ یا وہ جو مجھ سے انجان ہے.

عکس: تو تمہیں ڈر نہیں لگتا۔۔۔ کہ کیا جواب دو گے؟

سکندر: لگتا ہے۔۔۔۔۔۔بہت لگتا ہے۔۔۔۔۔۔دیکھو میری آنکھوں میں تمہیں وہ خوف ہر روز پلتا مجھ میں نظر آئے گا۔۔۔وہ خوف میں ہر روز آئینے میں دیکھتا ہوں۔۔۔۔

عکس: کیوں؟

سکندر: کیوں کہ کہی میرا خوف کم ہو گیا تو کہی وہ مجھے میرے گناہوں سے انجان نا کر دے۔

عکس: شراب کیوں پیتے ہو؟ کیا نہیں جانتے وہ حرام ہے؟

سکندر: حرام۔۔۔۔۔۔لفظ حلال اور حرام بے معنی سا لگتا ہے اب۔۔۔یہ تو نشہ ہے جو مجھے تکلیف کا احساس دلاتی ہے اور مجھے بے حساس بناتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔میرے سیچے زخموں کو خورید کر مجھے یہ بتاتی ہے کہ میں کس قدر جہنم کا حق دار ہوں۔اگر یہ نہ پیوں تو یہ درد یہ زخم جو میں نے خود اپنی ذات کو دیے ہیں یہ بھر جائیں گے۔اور اگر یہ بھر گئے تو میں بھول جاؤ گا کہ

میں نے کیا کیا ہے۔۔ میں بھول جاؤں گا وہ چہرے جو سیسک سیسک کر میری وجہ سے مر گئے۔۔۔ بھول جاؤ گا کہ میں معافی کا حقدار نہیں ہوں۔

عکس: مگر مایوسی تو کفر ہے سکندر۔

سکندر: میں مایوس نہیں ہوں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔۔۔ ہو بھی کیسے سکتا ہوں۔۔۔ جانتا ہوں توبہ کا در ہمیشہ کھولا ہوتا ہے۔ پر حقدار مجرم کو سزا کاٹنے کا ہنر نہ ہو تو وہ معافی کی قدر نہیں جان سکتا۔

عکس: تو قدرِ معافی کی طلب میں تم یہ سزا کب تک کاٹو گے ؟

سکندر: قدرِ معافی کی طلب مجھے کبھی تھی ہی نہیں

عکس: تو پھر ؟

سکندر: یہ سزائے آتش ہے جس میں میں جیتا ہوں۔ اور اس آتش میں ہر وہ درد وابستہ ہے جس درد میں ملی موت انہیں جن سے میری معافی وابستہ تھی۔۔

عکس: تو کیا یہ سزائے آتش کا کھیل رواں دواں رہے گا؟

سکندر: ہاں میری بظاہر آخری سانس تک.

عکس: تو کیا پھر ایسے ہی مر جاؤ گے؟

سکندر: میں کون سا زندہ ہوں۔۔۔ سزاوں میں کٹتی میری زندگی مجھے خود ایک سزا بنا گئی ہے۔۔۔۔ اُن کے لیے جو مجھ جیسے ہیں.۔۔۔ مجھے خطابِ زندہ سے نہ نوازہ کرو۔۔۔ جو گناہوں میں ڈوب جائے کریں وہ زندوں میں نہیں رہا کرتے.

عکس: تو کیا پھر میں اپنی قبر میں فرشتوں سے کہہ دوں؟

سکندر: ہاں کہہ دو۔۔ کہ ۔۔۔ سکندر۔۔۔۔ کے ایک دفن ہوئے وجود کو سکندر کی بے حسی۔۔۔۔۔ اور گناہوں میں ملی جہنم سے نہ ملائیں۔۔ تم۔ تو معصوم تھے تم بھی اوروں کے طرح ناحق مارے گے.... تھے۔

عکس: ناحق ہی صحیح مارا گیا ہوں میں۔۔۔اپنے ہی وجود میں مگر پھر بھی تمہاری خیر کی۔دعا کروں گا۔کہ تم اپنی بنائی آتشِ دوزخ سے نکل آؤ۔

سکندر ہنستے ہوئے بولا: اندازہ تھا تم یہی کہو گے۔آخر کہا تھا نہ کہ تم میں مجھے میرا عکس نظر نہیں آتا.

اور تم میں نہیں ہو سکتے۔

ثبوت تمہاری رحم دلی ہے۔۔۔جو مجھ میں نہیں۔

عکس: کبھی مجھ میں اپنا عکس تلاش کرنے کی بجائے خود میں مجھے تلاش کرنا۔۔۔۔یہ عکس کی تلاش نہیں ہے سکندر۔۔۔۔یہ خودی کی تلاش جس سے تم غافل ہو گئے ہو.

سکندر: خودی کی تلاش انہیں رہتی ہے جنہیں رغبت ہو زندگی سے یا خود سے۔۔۔۔اور مجھے دونوں میں سے کسی سے نہیں ہے۔

عکس: ایک دن آئے گا جب تمہیں اس درد سے رہائی ملے گی۔۔۔۔اور وہ وقت قریب ہے جب تم خود مجھے خود میں تلاش کرو گے۔

سکندر: میرے اندر کالی گھٹا چھائی ہے۔۔۔۔جو روز بر روز۔۔۔۔سیاہ رات میں بدل رہی ہے۔۔۔۔۔۔جب اندر ہی سکون نہیں تو تلاشِ خودی کی کیا ضرورت۔

عکس: ہر رات نئی صبح کے آنے کی خوشخبری دیتی ہے

اور ہر صبح کا اُجالا ہر گھٹا کو صاف کر دیتا ہے۔

سکندر: جس گھٹا میں خود کی کالک چہرے پر لپٹی نظر آئے۔۔۔۔وہ گھٹا اس اُجالے سے بہتر ہے جو۔۔۔۔مجھے میرے کیے کا عکس بھی روشنی میں نا دیکھا سکے۔۔

عکس: میرے لیے میرا تم میں جینا ضروری ہے۔۔ مگر تمہارے لیے میرا تم میں جینا کچھ حرام سا لگتا ہے۔ جینا مشکل نہیں اگر جینے کی کوشش کی جائے۔۔۔گناہوں پر توبہ کا در اللہ نے انسان کو ہی دیا ہے۔۔۔ مگر تم

ضمیر کے ہتھے چڑھے ہو۔اگر رہائی ہو گئی۔تو مجھے بھی قبر سے نکال لینا اور رہائی نا ہو سکی تو میری قبر پر فاتحہ ہی پڑھ دینا۔۔۔۔ویسے بھی تم ہر کسی کو خود سے دور کر بیٹھے ہو۔

سکندر: نہیں کیا کسی کو دور میں نے۔

عکس: جو اللہ سے ہی دور ہو جائے اس کے لیے اوروں کی کیا طلب۔۔ چلتا ہوں میں یہ آخری ملاقات تھی۔بس دعا کرنا کہ مجھے تم پر رحم نہ آئے اور میں تم سے ملاقات کو نے آؤ۔۔۔۔۔کیوں کہ تمہیں ایسے دیکھنا تکلیف کا باعث بنتا ہے۔۔۔جو مجھے قبر میں بھی جینے نہیں دیتا۔

سکندر: مجھے معاف کر دینا میں تمہیں خود میں مارنا نہیں چاہتا تھا۔

عکس: اور تم نے مارا بھی نہیں۔۔۔۔بس زندہ در گور کیا ہے۔

اور پھر سکندر کا عکس غائب ہو گیا۔

سکندر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ بے چینی بھر چکی تھی۔ وہ اوروں کے ساتھ ساتھ خود کا بھی مجرم تھا۔ کیا ہی کرتا وہ وقت گزر چکا تھا اور وہ خود میں بھی مر چکا تھا۔

گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے آسمان دیکھا تو اندازہ ہوا صبح سے شام ہو چکی ہے۔

گاڑی کو سائڈ پر روکتے ہوئے وہ کچھ دیر سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر گیا۔۔۔

۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چل چل کر زیمل تھک سی گئی تھی اور رات گزارنے کے لیے کسی جگہ کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔

اب اُسے رات گزارنے کے لیے جلد از جلد کسی جگہ کو تلاش کرنا تھا۔۔۔ کہی وہ کسی اور مصیبت میں نا پھنس جائے۔

وہ جانتی تھی کہ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے اور اسے کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جائے گی۔

مگر آسمان میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔۔۔۔اور اتنا تو وہ جانتی تھی کہ تاریک رات میں ایک لڑکی کا گھر سے باہر ہونا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔

کیوں کہ یہ دنیا جہاں بہت سے لوگ صرف عزت کے نام پر جیتے ہیں وہی بہت سو نے خود کو اپنے نفس کے ہاتھوں شیطان کو بیچ رکھا ہے۔

فلسطین میں رہتے رہتے اُسے بارہ سال تو ہو چکے تھے مگر وہ وہاں کسی ایک کو بھی نہیں جانتی تھی۔۔۔مگر اسے فل وقت ایک محفوظ چھت کی ضرورت تھی۔

رات کا اندھیرا ہر طرف چھانے لگا تھا۔

لوگوں کی تعداد اب آس پاس کم ہونے لگی تھی۔

سنے.........اچانک ایک عورت کو دیکھ کر زیمل اُن کی طرف بھرتے ہوئے بولی۔

مجھے کچھ مدد کی ضرورت ہے۔آپ مہربانی فرماں کر۔۔

ابھی کہ زیمل اپنی بات مکمل کرتی کہ وہ عورت جو خاصی چالاک اور ہوشیار لگتی تھی زیمل کو خود سے دور کرتے ہوئے بولی۔

پتہ نہیں کہاں سے آجاتے ہیں۔

اور پھر وہ مغرورانداز میں وہاں سے اپنی گاڑی پر بیٹھی اور چلی گئی۔۔

وہاں موجود ایک آدمی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اچانک زیمل کی طرف بھرا۔۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟

زیمل اس سے دور ہوئی۔

شاید وہ ایتان کی وجہ سے خوفزدہ تھی۔

ج۔۔۔۔ج۔۔۔۔جی میں ٹھیک ہوں۔۔۔یہ کہتی زیمل فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔۔اور پھر سے چلنے لگی۔

وہ آدمی اس کے پیچھے آنے لگا۔

شاید وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔

زیمل پر خوف طاری ہو چکا تھا۔اور وہ بڑے بڑے قدم لیتی ایک سنسان گلی میں داخل ہو گئی۔

جہاں اُس نے اس انجان شخص کو پیچھے چھوڑ دیا۔

اس کی آنکھوں میں خوف سے آنسو جاری ہو چکے تھے۔

اور وہ اس سے غافل تھی۔

سانس اُکھڑ چکی تھی۔۔۔۔۔زبان پر نجانے کیا کلمات تھے۔۔

مگر دل ایسا تھا جیسے۔۔۔ابھی کہیں سے کوئی آکر اسے پکڑ لے گا۔

سانس لینے کی نیت سے وہ اس گلی کے آخری کونے پر بنے عجیب سے گھر کے باہر بیٹھ گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ سانس اپنا بحال کرتی اور اپنی آنکھوں سے آنسووں کو صاف کرتی کہ پیچھے سے دروازہ کھول گیا۔

اسے لگا جیسے اس کا دل بند ہو گیا ہو۔

وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ اس نے یہ دیکھے بنا کہ پیچھے کون ہے۔بس بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ تو ابھی تک ایتان سے خوفزدہ ہوئے اپنے احساسات کو پوری طرح نہیں سنبھالی تھی۔

کیا تھا اس کے دل میں جو مرد کی آہٹ پر ہی اتنا خوفزدہ ہو گئی تھی کہ کسی مرد سے وہ ایک مدد کی بھی طلب گار نہیں تھی۔

دن کی۔روشنی تو شاید اس کے خوف کو اس پر طاری نہیں ہونے دیتی تھی مگر رات کا اندھیرا اس رات کی عکاسی کرتا تھا۔جس سے اس کے رب نے اسے بچایا تھا۔وہ جیتنا تیز بھاگ سکتی تھی بھاگنے لگی، پاؤں تھے جو رک کر ایک دفعہ پیچھے دیکھنے کو روانہ تھے۔آنسو تھے جو شاید پھر سے نئے حدشات دیکھا رہے تھے۔

وہ کہاں جا رہی تھی اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔چہرے کے تاثرات صرف اور صرف اس کے خوفزدہ ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔

کبھی وہ اپنی چادر کو خود کے گرد کرتی تو کبھی چہرے کو چادر سے ڈھانپتی۔

جب پیچھے کسی کی آہٹ کا احساس ہوا تو اس نے گلی کے دوسرے رُخ کو چنا جو ویران سڑک تھی۔اس امید پر کہ کوئی مدد مل جائے۔مگر در حقیقت وہ ہر مرد سے ملنے والی مدد کا عکس ایتان کے عکس میں دیکھ رہی تھی۔

اور جیسے ہی اس نے سڑک پر قدم رکھا تو ایک کالے رنگ کی گاڑی بہت تیز رفتار سے اس کی طرف بھری

زیمل کی آنکھوں میں اس گاڑی کی روشنی تھی جو اس کی آنکھوں کے انسوؤں کو ایک سمندری موتی کی چمک دے رہی تھی۔

مگر چہرے کے تاثرات گاڑی کو اپنی طرف بھرتا دیکھ کر سپاٹ ہو گئے۔

لگا کہ وقتِ آخر آگیا ہے۔اور گاڑی کو خود کے بہت قریب دیکھتے ہوئے زیمل کا وجود اس کی سفید چادر کی طرح سفید ہو گیا اور وہ وہی ڈھیر ہو گئی۔

....

وہ تو ابھی تک ایتان سے خوفزدہ ہوئے اپنے احساسات کو پوری طرح نہیں سنبھالی تھی۔

کیا تھا اس کے دل میں جو وہ مرد کی آہٹ پر ہی اتنا خوفزدہ ہو گئی تھی۔اتنا کہ کسی مرد سے وہ ایک پل کی مدد کی بھی طلب گار نہ تھی۔

دن کی روشنی تو شاید اس کے خوف کو اس پر طاری نہیں ہونے دیتی تھی مگر رات کا اندھیرا اس رات کی عکاسی کرتا تھا۔ جس سے اس کے رب نے اُسے بچایا تھا۔

وہ جتنا تیز بھاگ سکتی تھی بھاگنے لگی، پاؤں تھے جو رک کر ایک دفعہ پیچھے دیکھنے کو روانہ تھے۔

آنسو تھے جو شاید پھر سے نئے حدشات دیکھا رہے تھے۔

وہ کہاں جا رہی تھی اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ چہرے کے تاثرات صرف اور صرف اس کے خوفزدہ ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔

کبھی وہ اپنی چادر کو خود کے گرد کرتی تو کبھی چہرے کو چادر سے ڈھانپتی۔

جب پیچھے کسی کی آہٹ کا احساس ہوا تو اس نے گلی کے دوسرے رُخ کو چنا جو ویران سڑک تھی۔اس امید پر کہ کوئی مدد مل جائے۔ مگر در حقیقت وہ ہر مرد سے ملنے والی مدد کا عکس ایتان کے عکس میں دیکھ رہی تھی۔

اور جیسے ہی اس نے سڑک پر قدم رکھا تو ایک کالے رنگ کی گاڑی بہت تیز رفتار سے اس کی طرف آ رہی تھی۔

زیمل کی آنکھوں میں اس گاڑی کی روشنی تھی جو اس کی آنکھوں کے انسوؤں کو ایک سمندری موتی کی چمک دے رہی تھی۔

مگر چہرے کے تاثرات گاڑی کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر سپاٹ ہو گئے۔

لگا کہ وقتِ آخر آگیا ہے۔اور گاڑی کو خود کے بہت قریب دیکھتے ہوئے زیمل کا وجود اس کی سفید چادر کی طرح سفید ہو گیا اور وہ وہی ڈھیر ہو گئی۔

یہ دیکھے بنا کہ گاڑی چلانے والے نے بہت مہارت سے گاڑی کو بر وقت روک لیا ہے۔

ڈیم۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایٹ۔۔۔۔۔۔۔گاڑی میں بیٹھا شخص چیلا کر بولا اور فوراً سے اپنی کالے رنگ کی رولز رویس سے اُترا۔اور زیمل کی طرف بڑھا جو شاید خوف سے بیہوش ہو چکی تھی۔

کالی شلوار قمیض میں وہ آدمی اور کوئی نہیں سکندر بھاؤ تھا۔اور وہ اس انجان لڑکی کو دیکھنے لگا جس کا چہرہ اس کی سفید چادر سے آدھا ڈھانپا ہوا تھا۔

اے لڑکی۔۔۔۔۔۔ہوش کرو۔۔۔۔۔کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔۔تم ٹھیک ہو۔۔۔۔۔اٹھو۔۔۔۔۔۔۔۔سکندر اس کو بنا ہاتھ لگائے کچھ فاصلے پر بیٹھے اُسے ہوش دلا رہا تھا۔۔۔

وہ دنیا کا پہلا ایسا شخص تھا جو ایک بیہوش ہوئی لڑکی کو کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوش میں آنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

اٹھو لڑکی۔۔۔۔۔۔۔ہوش میں آؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اٹھو بھی۔۔۔۔۔۔۔کچھ بھی نہیں ہوا۔۔۔ٹھیک ہو تم۔۔۔۔۔۔

اے لڑکی۔ تمہیں میری آواز نہیں آ رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔سن رہی ہو کہ میں تمہیں کیا کہہ رہا ہوں۔

زیمل پر سکندر کی کسی بات کا اثر نہیں ہوا تھا کل سے اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔اور خوفزدہ ہونے کی صورت میں شاید اُسے کافی بڑا دھچکا لگا تھا۔جو بھی تھا سکندر کا اُسے ہوش دلانے کا یہ طریقہ بلکل کام نہیں کر رہا تھا۔اور کرتا بھی کیسے دنیا میں کون تھا جو کسی بیہوش ہونے والے کو ایسے جگانے کی ہدایت کر سکتا تھا۔وہ سکندر ہی تھا جو یہ کارنامہ پہلی دفعہ انجام دینے کی ایک نئی تاریخ رقم کر گیا تھا۔

کہاں پھنس گیا ہوں۔۔۔اف۔۔۔۔یہ کہتا سکندر گاڑی کی طرف بڑھا۔پانی کی بوتل کو تلاش کرنے۔

کہاں۔۔ہے یہ پانی کی بوتل۔۔۔۔

گاڑی میں ہر جگہ تلاش کرنے پر اُسے کوئی بوتل نہیں ملی۔

اب میں کیا کروں۔۔ کہاں پھنس گیا ہوں میں۔

اچانک کسی کی آواز پر وہ متوجہ ہوا تھا۔اور اس کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

گاڑی کی سیٹ کے نیچے سے گن نکالتے ہوئے وہ زیمل کی طرف بھرا تھا۔

جھاڑیوں سے آتی آواز پر وہ پھر سے متوجہ ہوا تھا۔
گن سے اس طرف کا نشانہ باندھتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔

مگر اچانک وہاں سے ایک کتے کا بچّہ نمودار ہو گیا۔
سکندر کا دل کیا کہ وہ اُسے ابھی کہ ابھی گولی مار کر کتے کی موت دے دے۔
کیوں کہ بلآخر وہ تھا تو ایک کتے کا بچا ہی۔

ابھی ایک یہ لڑکی کم تھی جو تم بھی میرے سر پر آکر بیٹھ گئے ہو۔ سکندر اُس کتے کو دیکھ کر غصے سے غرایا تھا۔

کتا بھی سکندر کی بات پر فوراً بھونکنے لگا۔۔ جیسے سکندر کو اس کی بات کا جواب دے رہا ہو۔

اف۔۔۔۔۔۔۔۔ سکندر سر پکڑ کر بولا۔

مگر اچانک اس کتے کو زیمل کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا کہ کتا اُس لڑکی کے پاس جا کر بھونک رہا ہے۔ جیسے زیمل کے بیہوش ہونے کا بتا رہا ہو۔

ہاں ہاں۔ پتہ ہے کہ وہ بیہوش ہے زیادہ بھونکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ وہی کتا تھا جس کی آہٹ زیمل نے سنی تھی وہ اور کوئی نہیں بلکہ ایک کتا تھا جو ہوا سے کھولنے والے ویران گھر کے دروازے سے باہر نکلا تھا جس سے خوفزدہ ہو کر زیمل بھاگ رہی تھی۔

اب اُسے ہوش دِلانے کی غرض سے سکندر دوبارہ سے اُس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

کچھ فاصلے پر بیٹھے سکندر نے اپنے ہاتھ کو زیمل کے چہرے پر ڈالی چادر کو ہٹانے کی غرض سے بڑھایا تھا۔

پہلی دفعہ اُس نے کسی عورت کی چادر کو چھوا تھا وہ جانتا تھا عورت کی چادر اس کی حیا کا عکس ہوتی ہے۔
اور وہ جتنا بھی برا تھا مگر کسی عورت کی زینت کو اس نے کبھی نہیں چھوا تھا۔

اور وقت کا تقاضا اُسے اس چادر کو اس کے چہرے پر سے ہٹانے پر مجبور کر گیا۔

چادر کو ہٹاتے ہی سکندر کو ایسا لگا جیسے وہ لڑکی نہیں کوئی نورانی مخلوق ہو۔

اُس کے چہرے پر غضب کا نور تھا۔
رنگت سفید تھی۔
چہرے پر موٹی موٹی آنکھیں تھیں جنہیں پالکوں نے غضب کا گھیرا ہوا تھا
ناک اس کی رونے سے شاید لال ہو چکی تھی۔
چہرے پر انسوں نے اپنی چھاپ چھوڑی ہوئی تھی۔

ہونٹ ایسے تھے جیسے گلاب کے پھولوں میٹھو نٹوں کا روپ لے لیا ہو۔۔

بیہوش ہونے کی صورت میں اس کے ہونٹ بہت ہی کم کھولے تھے۔

ایک پل کے لیے سکندر جیسے بھول گیا تھا کہ وہ کسی سڑک کے کنارے پر بیٹھا ہے۔

اسے لگا جیسے وہ اس دنیا کی رہنے والی نہیں۔

وہ کون ہے ؟۔ سکندر کے دل نے ایک بار اس سے یہ سوال پوچھا۔

اچانک کتے کے بھونکنے پر وہ ہوش کی دنیا میں آیا۔۔۔اور اپنی نظروں کو زیمل سے ہٹا گیا۔

اب وہ اُسے کیسے اٹھاتا۔۔۔

وہ اس کے حلیے سے یہ تو سمجھ گیا تھا کہ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے اور مسلمان لڑکی کو چھونا اس کی غیرت کو زیب نہیں دیتا ہے۔

جو بھی وُہ تھا، یا وہ ہے، مگر کسی عورت کو چھونے کی اُس میں ہمت کبھی نہیں تھی، وہ کیسے اُس لڑکی کو ہاتھ لگاتا۔ جس کو ایک نظر دیکھتے ہی اُسے اُس کے پاک ہونے کا احساس ہوا تھا۔

مگر وہ اب کرتا بھی کیا۔ بالآخر اس نے زیمل کو بیٹھنے والے انداز میں بیٹھایا اور اس کی چادر کو اس کے گرد اچھے سے لپیٹا کہ کہیں اُس کی حیا و باوقاری۔۔۔پر حرف نہ آجائے۔

وہ دنیا کا پہلا ایسا شخص تھا۔ جس کے ہاتھ کسی کو مارتے ہوئے نہیں کانپے تھے مگر ایک عورت کی حیا کو ڈھانپنے کے لیے اس کا وجود سر سے پاؤں تک کانپ گیا تھا

اور پھر سکندر نے زندگی میں وہ کام کیا جو اس نے کبھی کرنے کا بھی نہیں سوچا تھا۔

وہ شخص جو پوری دنیا کو اپنے غضب کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ وہ کسی صورت کسی عورت کو چھونے کا روادار نہیں تھا۔

جس نے کبھی کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اُسے آج ایک لڑکی کی چادر کو اس کے چہرے سے ہٹانا پڑا تھا۔

جس نے کبھی کسی لڑکی کی طرف قدم نہیں بڑھایا تھا آج اُسے ایک لڑکی کو اپنی گود میں اٹھانا پڑا تھا۔

زیمل کو اس جگہ سے اٹھاتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سکندر نے اُسے نہ چاہتے ہوئے بھی چھوا تھا۔

سکندر اُس کو گود میں اٹھائے گاڑی کی طرف بھرا تو

سکندر کو لگا جیسے وہاں سے گاڑی تک کا سفر پوری دنیا کے سفر کے برابر مانو ہو گیا ہو۔

وہ جو اس لڑکی کو اپنی آغوش میں اٹھائے چل رہا تھا۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے چہرے کی طرف دوبارہ دیکھ سکے۔

وہ وہ شخص تھا۔ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا استقبال کرنے کو ہمیشہ تیار رہتا تھا۔

کسی کو قتل کرنے یا سزا دینے سے ایک پل کے لیے بھی نہیں گھبراتا تھا۔ مگر وہ آج ایک لڑکی کو اٹھائے گھبرا گیا تھا۔

نہ جانے وہ کیسی کیفیت تھی جو اس کے پورے وجود میں مچل رہی تھی۔

اگر کوئی اُسے دیکھ لیتا تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ یہ وہ سکندر نہیں کہ جس کی آہٹ پر سانسیں رک جاتی ہیں۔۔۔۔ اور دل خوف کے گھونٹ پیتا ہے۔۔۔۔ یہ وہ سکندر نہیں جو مرنے والے کو آخری حد تک تڑپانے سے گریز نہیں کرتا۔۔۔۔ یہ تو کوئی اور سکندر تھا۔۔۔ جس کے ہاتھ اور روح کانپ رہی تھی۔

وہ تو دنیا کا پہلا ایسا شخص تھا۔ جو کسی عورت کو چھونے پر ہی پل بھر کے لیے بدل گیا تھا۔

وہ اس کی غیرت بھی تھی اور زیمل کی حیا کی تپش بھی تھی۔ جو اُسے اُس کی طرف نظریں نہ اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔

وہ آٹھ قدم جو اس نے زیمل کو اٹھائے طے کیے تھے
۔ وہ آٹھ قدم اُسے اپنی پوری زندگی پر بھاری لگے تھے۔

اور ہر ایک قدم پر اس کے دل پر ایک دستک ہوئی تھی کہ اگر زیمل ہوش میں ہوتی تو سکندر سے آٹھ قدم کے فاصلے پر وہ دھڑکنیں واضح سن لیتی۔

وہ اُسے اٹھائے تو چل رہا تھا۔۔۔ مگر اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اپنا سر جھکا کر ایک نظر دوبارہ اُسے دیکھ لے۔

کیا ہی وہ آٹھ قدم تھے جو سکندر نے اُس انجانی لڑکی کو اٹھاتے ہوئے طے کیے تھے۔۔۔اور آخری قدم پر وہ اُس لڑکی کو جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔اُسے گاڑی میں بیٹھانے لگا۔

زیمل کے سر سے چادر کھسکی تو سکندر اپنی آنکھوں کو فوراً سے بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔کیوں کہ وہ یہ تو سمجھ گیا تھا کہ جو لڑکی اپنی حیا کو پردے میں چھپائے اُس کی گاڑی کے سامنے آئی تھی وہ لڑکی۔اپنے چہرے پر غضب کا نور رکھتی ہے اور وہ اپنے وجود کی پرچھائی اُس پر نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ بیشک اس کا دل اتنی زوروں سے دھڑک رہا تھا جو اُس میں انتہا کا شور برپا کر گیا تھا۔

بند آنکھوں سے اُس نے اُس کی چادر کو اُس کے سر پر کرتے ہوئے اُس کے چہرے کو اُس کی چادر سے ڈھانپ دیا۔ کہ کہیں وہ لڑکی اپنی حیا پر میری نظر پڑنے پر مجھ سے سوال نہ کر لے۔

وہ دنیا کا واحد شخص تھا جو صرف اُس کے ایک سوال کرنے کا سوچ کر ڈر رہا تھا۔ کیا یہ وہی سکندر تھا۔ جو روز حرام کو منہ سے لگاتا تھا اور اپنی حرام زبان سے لوگوں کو گالی گلوچ کرتا تھا۔ نہیں یہ تو کوئی اور ہی سکندر تھا۔

زیمل کی چادر کو ٹھیک کرتے ہی سکندر نے اُس کی طرف کا دروازہ بند کر دیا۔

پتہ نہیں اُسے کیا ہو رہا تھا۔ کیا عجیب کیفیت تھی اُس کی۔ جس کو وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا۔

دوسری طرف سے وہ گاڑی میں آ کر بیٹھا۔ایک پل بھی اُس کی ہمت نہیں تھی کہ ساتھ بیٹھی اُس لڑکی کو نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

اچانک فون بجنے لگا۔فون کو اٹھاتے ہی سکندر واپس وہ سکندر بن گیا جو وہ تھا۔

جمشید:: بھاؤ۔وہ آپ۔

ہزار دفعہ کہا ہے کہ بلاوجہ فون کر کہ میرا دماغ نہ خراب کیا کرو۔

جمشید:: بھاؤ وُہ فارس

۔ابھی کہ فون پر جمشید اپنی بات مکمل کرتا کہ سکندر بولا

سکندر: اُسے بول کہ انتظار کرے صبح اُس سے ملتا ہوں۔

جمشید: مگر بھاؤ۔وہ

سکندر: جتنا کہا جائے اتنا کیا کرو جمشید۔اپنی زبان کو اتنا میرے آگے چلایا کرو جتنا تمہیں کہا جائے ورنہ کسی دن تم اپنی اس زبان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

جمشید:: معزرت چاہتا ہوں بھاؤ۔

سکندر:: ہاں ٹھیک ہے۔

سکندر بہت ہی اُکتائے لہجے میں جواب دیتا بولا اور پھر فون بند کر گیا۔

کچھ دیر بعد سکندر اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے کچھ سوچنے لگا۔نجانے وہ کیا سوچ رہا تھا شاید وہ خود میں ایک عجیب سے احساس کو محسوس کر رہا تھا۔

اور پھر گاڑی کو چلانے کی غرض سے اُس نے ایک آہ بھری۔

نجانے کیا کیفیت تھی اُس کی جو دھڑکتے دل کے ساتھ بھی وہ عجیب الجھنوں کا شکار تھا۔شاید وہ اپنی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہتا تھا۔مگر وہ

لڑکی جس کے نام سے بھی وہ انجان تھا اُس کے وجود کا احساس ہی اُسے اپنی دھڑکنوں کو سننے پر مجبور کر رہی تھی۔

کون ہے یہ ؟ ایک بار پھر سکندر کے دل نے اُس سے یہ سوال کیا۔

سارا راستہ جو اُس نے اُس ویران سڑک سے لے کر ہسپتال تک طے کیا تھا۔
وہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا۔

کیا تھا سکندر کے دل کو جو اتنا زور و سے اُس لڑکی کے احساس پر ہی دھڑک رہا تھا۔

سارا راستہ اُس نے زیمل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔
وہ دنیا کا پہلا ایسا شخص تھا جو ایک بیہوش لڑکی کے وجود سے ہی گھبرا رہا تھا۔

زیمل کہاں تھی اُسے تو معلوم بھی نہیں تھا اُس کا بیہوش وجود یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کے ساتھ ہے۔

وہ شخص جو دنیا کی نظر میں ایک وحشی انسان تھا جو دشمن کو موت بھی بے دردی سے دیتے ہوئے ایک بار بھی نہیں سوچتا تھا۔ جس کے احساس پر ہی مقابل کانپ جاتا تھا زیمل اُس سکندر کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

مگر ساتھ بیٹھے سکندر کی کیفیت تو ہوش میں ہونے کے باوجود بھی بہت غیر تھی۔ وہ درد کی آخری حد پر کھڑا تھا۔ جس کے نام پر لوگ وحشت کا شکار ہو جاتے تھے وہ سکندر آج زیمل کے احساس پر ہی کانپ رہا تھا۔

اُس نے تو زیمل والی طرف کا رخ بھی نہیں کیا تھا کہ کہی اُس کی آنکھیں اُس پاک لڑکی کے وجود پر نہ پڑ جائیں۔ جب کہ اُس کے دل نے کتنی ہی دفعہ اُس

چہرے کو دیکھنے کی آرزو کی تھی۔۔جو صرف ایک قدم کے فاصلے پر بے ہوش بیٹھی تھی۔

۔وہ لڑکی خود کو سفید چادر میں ڈھانپے میری گاڑی کے سامنے کیوں آئی تھی۔ سکندر سوچتے ہوئے بولا۔

مگر وہ دنیا کی پہلی عورت تھی جس پر سکندر کے دل نے اُسے خوبصورت ہونے خطاب نوازا تھا۔

وہ دل جس نے تمام احساسات سے بغاوت کرلی تھی جو ہر احساس کو خود میں دفن کرچکا تھا وہی دل اتنے زوروں سے دھڑک کر سکندر میں شوروغل پیدا کرگیا تھا۔

گاڑی ہاسپٹل کے سامنے روکی۔ تو سکندر سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھیں بند کر گیا۔ اب وہ کیسے پھر سے اس لڑکی کو اٹھاتا۔

ایک بار چھونے پر جو اُس میں طوفان برپا ہو چکا تھا وہ ابھی تک اُس کے اثر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اور اب دوبارہ سے۔۔۔

نہیں میں یہ نہیں کر سکتا۔ سکندر خود سے بربرایا۔

زیمل کی طرف دیکھے بنا وہ گاڑی سے باہر نکلا۔
تو ہسپتال کی طرف بھاگا۔ وہاں کچھ لوگ تھے جو ایک مریض کو اندر لے جا رہے تھے۔

جب اُن سے مدد طلب کرنے کی غرض سے وہ کچھ قدم آگے بھرا تو وہ چار آدمی ایک عورت کو اٹھائے سٹریچر پر لیٹا رہے تھے یہ دیکھتے ہی اُس کے دل نے اُسے روکنے پر مجبور کر دیا۔

نہیں۔۔ سکندر خود سے بولا۔

کیا ہوا سکندر۔۔۔۔۔۔۔دل نے سکندر کے نہیں پر سوال اٹھایا۔۔۔

شاید اُس لڑکی پر کسی کی نگاہ پڑنے پر اور اُسے چھونے کے احساس پر اُس کے قدم جم گئے تھے۔

وہ اُسے خود چھونے کا روادار نہیں تھا تو کیسے کسی اور کو اُسے چھونے دے سکتا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا اُسے کیا ہو رہا ہے۔

اُس لڑکی پر ایک نگاہ اُس کا کیا حال کر گئی تھی اُسے تو اس بات کا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

میں اُسے کسی کو چھونے کی اجازت نہیں دوں گا۔ بلکل بھی نہیں۔ یہ کیسا عملہ ہے یہاں عورتوں کے لیے عورتوں کا عملہ ہونا چاہیے یہ کیسے کسی کو چھو سکتے ہیں۔ سکندر سامنے کے منظر پر نجانے کس کو ہدایت کر رہا تھا۔ جب کہ وہاں وہ اکیلا ہی کھڑا تھا۔

دور ایک لڑکے نے سکندر کو دیکھا تو اُس کی طرف بھرتے ہوئے بولا

سر آپ کو کسی قسم کی مدد چاہیے۔

سکندر اُس شخص کی آواز پر ہوش کی دنیا میں آیا اور بولا۔۔۔ نہیں

سر آپ ٹھیک ہیں؟ مقابل نے ایک اور سوال کیا
جبکہ سکندر ناگواری سے اُس آدمی کو دیکھتے ہوئے بنا اُس کی بات کا جواب
دیتے ہوئے واپس پلٹ گیا اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

گاڑی میں آتے ہی اُس نے اپنے فون کو پکڑا اور جمشید کا نمبر ملاتے ہوئے
بولا۔

جمشید۔۔۔۔۔

جی بھاؤ۔۔۔۔۔۔

منٹ میں گھر میں موجود سارے مرد ملازموں کو فارغ کرو۔مجھے گھر ۱۰ میں ایک بھی مرد ملازم نہیں چاہیے۔مالی سے لے کر خانسامہ تک سب کو گھر سے نکالو""""" فوراً۔"""""

جمشید: مگر بھاؤ۔۔۔۔سب خیریت ہے؟آپ کہاں ہے؟

سکندر: جتنا کہا ہے اتنا کرو

ایک ڈاکٹر کو گھر پر بلاؤ۔

جمشید: جی بھاؤ میں ڈاکٹر یارم کو بلاتا ہوں۔

سکندر::: اچانک سکندر جمشید کی بات پر ناگواری سے بولا۔۔۔۔ بلکل نہیں۔۔ تمہیں سمجھ نہیں آرہی میں کیا کہہ رہا ہوں۔مجھے کوئی بھی مرد ملازم گھر کے اندر نہیں چاہیئے۔

کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلاؤ فوراً۔۔۔

جمشید کو سکندر کی بات پر خاصا دھچکا لگا۔۔۔۔اور بولا

لیڈی ڈاکٹر جمشید کے بولنے پر اُس کے ساتھ موجود باقی ملازم جو اُس کے آس پاس موجود تھے وہ بھی سکتے میں چلے گئے تھے۔۔۔

۔۔۔۔۔بھاؤ لیڈی ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہے ڈاکٹر یارم ساتھ آئیں ہیں۔۔۔ آپ حکم کریں میں اُنہیں بلا لیتا ھوں۔

سکندر::: جمشید اپنی بکواس کو بند رکھا کرو تمہیں جتنا بولتا ہوں بس اتنا کیا کرو آگے سے مجھے لیکچر دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔ جو کہا ہے کرو ۔۔ باقی آکر تمہاری زبان کا کچھ کرتا ہوں جو بہت زیادہ چلتی ہے۔

جمشید: معافی چاہتا ہوں بھاؤ۔۔۔۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر ہے۔۔

سکندر::: تمہارا تو سر اور آنکھیں میں آکر باہر نکالتا ہوں جو تم آگے سے میرے حکم پر زبان چلاتے ہو۔

سکندر تو وہ تھا۔ جو گھر میں ایک عورت ملازمہ کو رکھنے کا روادار نہیں تھا۔ کھانا پکانا کے لیے بھی اُس نے ایک مرد ملازم رکھا تھا۔ جب بھی وہ کسی اور ملک میں جاتا تو وہاں بھی اپنی یہی روایت قائم کرتا تھا۔ سب سمجھتے تھے اسے

عورت ذات سے نفرت ہے۔اور جمشید کو سکندر کا یہ انداز دیکھ کر کافی نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ حیرت ہوئی تھی۔

اور پھر سکندر اپنی بات کہتا فون بند کر گیا۔۔

اور پھر اپنے غزہ میں موجود گھر کی طرف بڑھ گیا۔۔۔

گاڑی ۲۰ منٹ بعد اُس کے گھر کے سامنے روکی۔۔۔۔۔۔کیا ہی علی شان محل تھا۔اُسے گھر کہنا اُس محل کی توہین تھی۔

گاڑی کالے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔۔۔جسے دو مرد ملازموں نے سکندر کی آمد پر کھولا اس سے پہلے کہ وہ سکندر کی گاڑی کی طرف (ملازمین) متوجہ ہوتے۔سکندر نے اپنی طرف کی کھڑکی پر لگی کالی شیٹ کو اتار کر زیمل کے

آگے والے شیشے پر رکھ دیا کہ کہی کسی مرد کی نظر اُس کے باپردہ وجود پر نہ چلی جائے۔

گیٹ کھولا تو سکندر نے اپنی کالی رنگ کی رولز رویس کو اندر اپنے ویلہ میں داخل کیا۔۔۔

گاڑی جیسے کسی بادشاہ کے محل میں داخل ہوئی ہو۔

گیٹ سے سیدھا راستہ جاتا تھا آس پاس کیا خوبصورت اور وسیع باغ تھا۔

تھوڑی آگے جا کر فانوس لگا تھا جس پر ایک مورتی بنی تھی جس کے سر سے پانی گر رہا تھا۔۔۔

رات کے اندھیرے میں وہ جگہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی جو اُس محل نما گھر کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہی تھی۔۔۔

گاڑی فانوس سے آگے بھری تو سکندر گاڑی کو موڑ دیتا آگے بڑھانے لگا۔۔۔

گیٹ سے داخل ہونے سے لے کر اُس محل نما گھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں بڑی بڑی کھمبے نما لائٹیں نہ لگی ہو۔۔۔

اُن کی روشنی سے ویلہ نور جگ مگا رہا تھا۔

سکندر اپنی گاڑی کو آگے بڑھاتا ہوا۔ایک دوسرے گیٹ کے آگے کھڑا ہو گیا۔۔

واقعی وہ گھر نہیں محل تھا۔

گاڑی دوسرے گیٹ پر داخل ہوئی تو وہاں کوئی ملازم نہیں تھا۔ شاید جمشید نے صرف پہلے گیٹ پر ہی ملازمین کو تعینات کیا تھا۔

تاکہ گھر میں کوئی اور داخل نہ ہو سکے۔۔

سکندر نے گاڑی میں بیٹھے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں واقعی کوئی مرد ملازم نہیں تھا۔ سکندر گیٹ کو کھولنے کی غرض سے گاڑی سے اترا۔

وہ وہ تھا جو سوائے کسی کو قتل کرنے کے لیے صرف گن اٹھاتا تھا باقی کے سب کام اُس کے ملازم اُس کے دیے کسی بھی ایک اشارے کے بنا کر دیتے تھے۔

گاڑی سے اتر کر اُس نے گیٹ کو کھولا اور گاڑی میں واپس بیٹھتے ہوئے وُہ واپس۔۔۔۔گاڑی کو مین ویلہ میں داخل کر گیا۔

گاڑی کو۔آگے بڑھاتے ہوئے سکندر کا رخ ایک بار زیمل کی طرف ہوا تھا مگر بہت مہارت سے وہ اپنی نظروں کو زیمل پر نہ ڈالتے ہوئے اپنا رخ بدل گیا۔

گاڑی تھوڑی اور آگے بھری تو سامنے گھر کی راہداری نظر آرہی تھی۔

گاڑی کو سامنے بنے ایک بڑے سے گول چکر سے گھوماتے ہوئے۔۔اُس نے گھر کی راہداری کے بلکل سامنے کھڑا کیا۔

تاکہ اُس لڑکی کو گھر کے اندر لے جا سکے۔

جمشید اندر موجود ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس کھڑا تھا۔۔ جہاں وہ دو تین نرس کو بھی ساتھ لائیں تھیں۔۔۔۔۔ مگر گاڑی کی آواز پر جمشید متوجہ ہوا تو اندر سے باہر کی طرف بھاگا۔

اُف۔۔۔۔۔۔۔ سکندر نے گاڑی کو روکتے ہوئے ایک آہ بھری تھی۔۔

اور سر کو اسٹیئرنگ پر رکھے وہ اب تھک گیا تھا پھر سے یہ سوچتے ہوئے کہ اب اس لڑکی کو اندر کیسے لے کر جائے گا۔۔

سکندر کی زندگی میں یہ پہلا ایسا کام۔ تھا جس پر وہ سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا۔۔

شاید یہ پہلا ایسا کام تھا جس نے سکندر کو ڈر کا مطلب سمجھایا تھا۔

اب پھر سے۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ سکندر خود سے بولا۔۔

آخراس لڑکی کو ہوش کیوں نہیں آجاتا۔۔۔ میں اسے کیسے اٹھاو۔

سکندر ایک دفعہ پھر سے اُس لڑکی کو اٹھانے کی غرض سے بنا اُس کی طرف دیکھ کر بولا۔

آپ ٹھیک ہیں.....؟.... سنو لڑکی۔۔۔۔۔ تھوڑی ہمت کر کہ اٹھ جاؤ۔۔۔ ایسے۔۔۔ میں مجھے آپ کو اٹھانا پڑے گا۔۔۔
آپ سن رہی ہیں۔۔۔۔۔ سکندر ایک بار پھر سے بولا۔۔۔

جب کہ مقابل سے کوئی جواب یا حرکت موصول نہ ہوتے ہوئے سکندر گاڑی سے اتر گیا۔۔۔

ساتھ ساتھ اپنے دل کو سمجھاتے ہوئے کہ وہ بس اُس لڑکی کی مدد کر رہا ہے۔
دل نے اُس کے مدد کرنے پر سوال اٹھایا کہ کیوں کر رہے ہو؟
تو سکندر اپنے دانتوں کو پیستے ہوئے اپنی دل کے سوال کو جھٹک کر بولا۔۔۔۔
پتہ نہیں۔۔۔۔
اس بات سے انجان کہ وہ یہ بات کافی اونچی بول چکا ہے۔۔۔۔اور جمشید پاس کھڑا اُس کا چہرہ دیکھ رہا ہے۔۔

خود کو۔کمپوز کرتے ہوئے سکندر نے اپنا رخ دروازے کو کھولنے کے لیے کیا جہاں زیمل بیہوش بیٹھی تھی۔

جمشید دروازہ کھولتے ہی بھاؤ کی گاڑی میں ایک لڑکی کو دیکھ کر حیران ہو گیا تھا۔۔۔

اور اس کی حیرانی تو اُس وقت مزید بھر گئی جب سکندر نے اُسے اٹھانے کے لیے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا۔۔۔اپنی حیرانی کے باوجود وہ مدد کے لیے آگے بھرا اور بولا۔

بھاؤ میں کر دیتا ہوں۔۔۔۔ جمشید پہلے تو یہی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔؟

پھر یہ کہ بھاؤ اِس لڑکی کو یہاں کیوں لائیں ہیں؟

مگر پھر بھی وہ مدد کے لیے آگے بھر گیا۔۔۔ مگر اُس سے بہت بڑی غلطی ہونے والی تھی۔

بھاؤ میں نکال دیتا ہوں۔ جمشید سمجھ رہا تھا کہ سکندر کی ناگواری اُس لڑکی کی وجہ سے ہے جسے وُہ نکال رہا تھا۔۔۔

مگر سکندر کے اگلے قدم پر جمشید کی تو دنیا ہی بدل گئی۔۔۔جب جمشید نے زیمل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔۔

سکندر نے ایک پل میں جمشید کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے روکا اور پھر اُسے اُس کے ہاتھ سے پکڑ کر دوسری طرف زور سے اٹھا کر پھینکا۔

جمشید کو لگا جیسے کسی نے اُسے اوپری منزل سے اٹھا کر پھینکا ہو۔

اُسے تو یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اُس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔

بھاؤ نے اُسے اٹھا کر پھینکا کیوں ہے؟

تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی۔۔۔۔۔میں نے تم سے مدد نہیں مانگی۔۔۔۔۔۔۔یہ ہاتھ آئندہ اس لڑکی کی طرف کسی نیت سے بھّی بڑھے تو

میں کاٹنے سے پہلے یہ بھی نہیں سوچو گا کہ تم میرے سب سے قریبی بندے ہو۔۔۔اور اپنے ہاتھوں کو جمشید اپنے تک رکھنا آئندہ یہ غلطی میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔۔۔یہ یاد رکھنا۔۔۔

جمشید کو تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔۔۔بھاؤ تو لڑکی کی آمد پر کبھی اتنا غصہ نہیں ہوئے تھے جتنا کہ اب ہو رہے تھے۔۔۔

کچھ دیر بعد ہوش میں آتے ہی وہ زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔۔

معزرت چاہتا ہوں بھاؤ۔۔۔میں بس آپ کی مدد کرنا چاہتا تھا۔۔۔

جب تک مدد کا کہا نہ جائے تب تک اپنے قدم اور اپنے ہاتھ اپنے تک رکھنا۔۔۔۔۔ سمجھے۔۔۔۔۔ سکندر جمشید کو مکمل طور پر دھمکا رہا تھا۔۔۔ اتنا غصہ اُس کی آنکھوں میں جمشید نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ وہ سکندر نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی اور ہی تھا۔۔۔ جو ایک ہی رات میں بدل گیا تھا۔

جی بھاؤ۔ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہیں ہو گی۔۔

سکندر ایک بار پھر سے زیمل کی طرف متوجہ ہوا اور پھر اُسے مدد کے نام پر اٹھائے وہ اندر کی طرف بھر گیا۔۔۔

سکندر کے اندر داخل ہوتے ہی۔۔۔۔ جمشید کو کمر کی درد کا احساس ہوا۔ تو بولا۔۔۔۔اللہ اللہ۔۔۔۔۔۔ بھاؤ آپ نے تو کمر ہی توڑ دی۔۔

جمشید خود سے بڑبڑایا اور پھر سکندر کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی۔۔۔۔ کیا ہی گھر کا منظر تھا۔
عالی شان جھومر لگے تھے جو اندر داخل ہوتے ہی جیسے داخل ہونے والے کا استقبال کر رہے ہو۔۔

اندر داخل ہوتے ہی کیا غضب کا منظر تھا مانو جیسے کسی بادشاہ کے محل میں حاضر ہوئے ہو۔

سکندر زیمل کو اٹھائے آگے کو بھرا۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک ڈاکٹر اور تین نرس وہاں بیٹھی تھی جو۔اس انتظار میں بیٹھی تھی کہ شاید کسی کی حالت تشویش ناک ہے۔اور اسی لیے اُنہیں یہاں بلایا گیا ہے۔

سکندر اُس بیہوش لڑکی کو پکڑے آگے کی طرف بھرا تو وہ لیڈی ڈاکٹر بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئ۔۔

سکندر داخلی دروازے پر بنی تین سیڑھیوں سے نیچے اترا۔
اور سامنے کے لوؤنج سے سیدھا گزرتا ہوا آگے کو بھر گیا۔۔
اور سامنے کی طرف اوپر کی طرف جاتی دو سیڑھیاں جو ایک دوسرے کے مقابل اوپر کی طرف جاتی تھی۔ایک بائیں طرف تھی تو دوسری دائیں طرف۔

سکندر بائیں طرف کی سیڑھیوں سے اوپر کی طرف بھر گیا۔

جمشید نیچے کھڑا بس یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔
بھاؤ کو اچانک ہو کیا گیا ہے۔
جمشید کے لیے سکندر کا ایک لڑکی کو اٹھائے گھر لانا اُس کی زندگی کا سب سے بڑا حیران کن واقع تھا۔

سکندر کے اوپر کی طرف بھرتے ہی جمشید نے ڈاکٹر کو اوپر کی طرف بڑھنے کا کہا۔

سکندر اوپر کی طرف بھرتے ہوئے۔۔۔اپنے ہر قدم پر اپنے دل پر بجتی دستک کو ٹوک رہا تھا۔

وہ کیا کرتا پہلے تو صرف آٹھ قدم نے اُس کا یہ حال۔ کیا تھا اور اب وہ چھبیس قدم اُس لڑکی کو اٹھائے طے کر چکا تھا اور ابھی تو کچھ اور قدم بھی باقی تھے۔

اُس کے کان کے پیچھے سے پسینے کی دو بوندیں لٹک رہی تھیں۔

یہ تو اُس احساس کا نتیجہ تھا جو زیمل انجانے میں اُس میں برپا کر چکی تھی۔

جمشید کا تو سر اُس وقت چکرایا جب سکندر اُس گھر میں موجود تمام کمروں کے بجائے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اُسے تو ایک کہ بعد ایک۔ دھچکا لگ رہا تھا۔ وہ تو سنبھل نہیں پا رہا تھا۔ اُسے تو بھاؤ کا یہ انداز ایک طوفان میں کھلتے پھول کی طرح لگا تھا جو ناممکن تھا۔

سکندر اپنے کمرے کی طرف بڑھے تو اُسے کسی کا ہاتھ اپنے سینے پر محسوس ہوا ۔ جیسے اُس لڑکی نے کوئی حرکت کی ہو۔

اور کسی کے ہاتھ کے احساس پر وہ تو بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

دل کا شور طوفان سے زیادہ تھا۔
کانوں تک اُس طوفان کا شور وہ واضح سن پا رہا تھا۔
اور ہاتھ کو محسوس کرتے ہی اُس کا سر دوسری بار اُس لڑکی کی طرف گیا تھا۔

جس ہاتھ نے اُس کے سینے پر پڑتے ہی اُس میں ایک طوفان برپا کیا۔

کچھ پل میں ہی سکندر کو اُس ہاتھ سے اپنے اندر کے درد کی شفاء ملتی محسوس ہوئی۔

وہ کون تھی؟ دل نے تیسری بار یہ سوال سکندر سے پوچھا۔

سکندر کے ساتھ ساتھ اُس کا دل بھی اس قدر بے چین تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے پر رحم آرہا تھا۔

جس طوفان کو زیمل انجانے میں برپا کر چکی تھی سکندر اُس طوفان میں تڑپ گیا تھا۔

بھاؤ۔۔۔۔۔ایک آواز سکندر کے کانوں سے ٹکرائی تو سکندر اُس ہاتھ کے اثر سے باہر نکلا۔

بھائی۔۔۔۔۔ڈاکٹر۔۔۔۔۔۔۔۔ جمشید جیسے سکندر کے رک جانے پر اپنے قدم کچھ فاصلے پر روک چکا تھا۔ اور جیسے ڈاکٹر کا بول کر یاد دہانی کروا رہا ہو کہ بھائی ہم بھی یہاں ہے البتہ اُس میں یہ بات واضح کہنے کی ہمت نہیں تھی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ بھائی اب کی بار واقع اُس کی زبان کاٹ دیں گیں

۔

سکندر کا احساس جمشید کی آواز پر ٹوٹا تو کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے اس نے زیمل کو اٹھاتے ہوئے ہی نیچے کی طرف سے بھرایا۔۔۔ تو سکندر کا وجود کچھ جھکا تھا جو اُس ہاتھ کو اُس میں پیوست کر گیا۔۔۔

وہ ہاتھ اُس کے دل کی دیواروں کے مقابل کھڑا ہو گیا۔
جو سکندر کے تھوڑا سا جھکنے پر اُس کے دل میں پیوست ہوتے ہوئے اپنی چھاپ چھوڑ گیا۔۔۔

اُس وقت وہ ہاتھ سکندر کی دھڑکنوں کو نہ سمجھا تھا۔اگر زیمل ہوش میں ہوتی تو سکندر کی اس قدر بے قرار دھڑکنوں سے ڈر جاتی۔

سکندر خود کو کمپوز کرتا اندر کی طرف بھرا اتنے تیز قدموں سے کہ جیسے اُس کے دِل کو وہ لڑکی اپنے ہاتھ سے ہلا گئی ہو۔

سکندر نے زیمل کو بیڈ پر لٹایا اور فوراً سے اُس سے دور ہو گیا۔
سانسوں نے کچھ اکھڑنے کی کوشش کی تو سکندر خود کو جھٹک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

وہ تو زندگی میں پہلی بار خود کو اتنا کمزور محسوس کر رہا تھا۔

نظروں کو جھکائے وہ ایسے کھڑا تھا جیسے وہ کسی رانی کے دربار میں کھڑا ہو جب کہ وہ اپنے ہی گھر میں اپنے ہی کمرے میں کھڑا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو جمشید لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوا تو سکندر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔۔
جمشید کے اندر داخل ہوتے ہی اُس کی پہلی نظر بھاؤ پر پڑی جیسے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگ رہا ہو۔۔ مگر
اس سے پہلے کہ جمشید کی نظر زیمل پر پڑتی۔ سکندر نے اشارے سے جمشید کو باہر رکنے کا حکم دے دیا۔ جو بھاؤ کی نظروں کا اشارہ سمجھتے ہوئے واپس کو باہر موڑ گیا۔

ڈاکٹر دروازے پر کھڑی سکندر کے اشارے کی منتظر تھی۔

سکندر نے ہاتھ کو آگے پھیلاتے ہوئے آگے بھرنے کا اشارہ کیا تو ڈاکٹر زیمل کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر کے معائنے کے بعد ڈاکٹر نے زیمل کی دھڑکن کا معائنہ کیا۔۔۔۔اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔اور بولی۔۔۔

یہ ٹھیک ہیں۔۔۔۔بس شاک سے بیہوش ہوئی ہیں۔

یہ کسی چیز سے بہت خوفزدہ ہیں۔ان کا خوف ان پر طاری ہوا ہے مگر انہیں کچھ دیر تک ہوش آجائے گا۔

اور شاید یہ دو دن سے بھوکی بھی ہیں۔۔۔ان کو خوراک کی بھی ضرورت ہے۔۔۔۔ان کی خوراک کا پلیز بہت دیہان رکھیں۔

جسم میں طاقت نہ ہونے کی وجہ سے بھی یہ زیادہ گھبرا گئی ہیں۔

میں نے یہ میڈیسن لکھ دیں ہیں۔اور انہیں ڈرپ لگا دیتی ہوں۔

کچھ دیر تک انہیں ہوش آجائے گا۔۔

کوشش کریں کہ انہیں کھولی ہوا میں بھی بیٹھائیں۔انہیں اچھا لگے گا۔۔۔باقی کچھ دیر تک یہ ہوش میں بھی آجائیں گی۔۔۔

۔یہ کہتی وہ ڈاکٹر ایک نرس کی طرف بھری اور ڈریپ لگانے کا حکم دیا۔۔۔

سکندر ڈاکٹر کی بات کو سن کر وہاں سے باہر چلا گیا۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ لڑکی کس سے خوفزدہ تھی۔۔۔ میری گاڑی کی وجہ سے یا پھر کسی اور وجہ سے۔۔

ہزاروں سوال سکندر میں جنم لے چکے تھے۔ ابھی تک تو اُسے اس سوال کا جواب ہی نہیں ملا تھا کہ وہ لڑکی کون ہے۔؟

باہر جمشید کھڑا اپنی ہی دنیا میں مگن تھا۔۔۔۔ فلحل اُس کی حالت ایسی تھی جیسے ایک پل میں اُس کی دنیا پلٹ گئی ہو۔۔۔۔۔ ایک پل میں اُس کا بھاؤ بھی بدل گیا ہو۔۔۔ ایک پل میں اُسے لگا وہ کسی اور ہی سکندر کے ساتھ ہو۔ جبکہ دوسری طرف سکندر کے خیالات بھی جمشید کی طرح ہی تھے۔۔پل میں حالات بدل گئے۔۔۔۔ جذبات بدل گے۔۔۔۔۔ زندگی بدل۔۔۔۔گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سکندر کا دل کیا کہ وہ خود کو ہی مار دے۔۔۔

مگراس سے پہلے کہ وہ خود کو مارنے کا سوچتا۔ جمشید کو اِس قدر خیالوں میں گم ہوتا دیکھ کر وہ اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جمشید۔۔۔۔ سکندر جمشید کو پکارتے ہوئے بولا۔

جمشید تو ایسے بوکھلا گیا جیسے بھاؤ نے اُس کی سوچ سن کی ہو۔

ج۔۔۔۔ج۔۔۔۔۔۔ج۔۔۔۔۔ سوری۔۔۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔ بھاؤ۔

سکندر نے جمشید کی طرف دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ کن سوچوں میں گم ہے۔

اپنی سوچ کے پہرے پر لگام لگاؤ جمشید۔ میں وہی سکندر ہوں۔ کوئی اور سکندر نہیں جس کے ساتھ تم ہو۔

جمشید کا دل کیا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اُس میں چلا جائے۔

وہ یہ اچھے سے جانتا تھا کہ بھاؤ تو اڑتی چڑیا کے بھی پر گن لیتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ تو پھر اُس کی سوچ تھی۔

معافی چاہتا ہوں بھاؤ۔ سب اچانک سے ہو رہا ہے تو سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں سب کچھ کرنے سے پہلے تمہاری اجازت لو اور پھر کوئی اگلا کام کروں یا پھر آپ کے آرڈر پر ہاں جی کہنا شروع کر دو۔ سکندر جیسے جمشید کی بات پر ہنسی اُڑا رہا ہو۔

جمشید کو سکندر کا یہ انداز اتنا عجیب لگا کہ اُس کے دل نے اُس کے حد شات پر ہاں کہا۔ بلکل جمشید یہ بھاؤ نہیں ہیں۔

جاؤ خانسمہ کو بولو کچھ کھانے میں بنائے۔ سکندر اچانک سے بولا۔

مگر بھاؤ۔آپ نے سارے مرد ملازموں کو گھر سے فارغ کرنے کا کہا تھا۔
ہاں ٹھیک ہے۔ایسا کرو تم صبح تک عورت ملازمین کا انتظام کرو۔

گھر میں کسی مرد ملازم کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔

اور اگر کسی نے گھر میں قدم بھی رکھا تو کہہ دینا کہ زندگی پر موت کی چھاپ وہ خود لگائے گے۔

گھر سے باہر پہلے گیٹ تک سبھی عورتوں کو سیکیورٹی پر کھڑا کرو۔میں دوبارہ سے کہہ رہا ہوں۔مجھے ایک بھی مرد اگر گھر میں یا گھر سے باہر دیکھا تو اُس

کے تو میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کروں گا مگر اُس سے پہلے تمہاری گردن اتار و گا۔

جی بھاؤ میں سمجھ گیا ہوں۔ جمشید کو ایک کے بعد ایک دھچکا لگ رہا تھا۔ مگر اُسے معلوم تھا کہ زبان کو اندر رکھنا ہی فلحال سمجھداری ہے۔

جتنے بھی مرد ملازمین ہیں اُنہیں پہلے گیٹ پر تعینات کرو۔

اور گھر کی اندر کی سیکیورٹی پر جیتنے بھی کیمروں پر سیکیورٹی روم میں کنکشن ہیں اُنہیں وہاں سے ختم کر کے الگ ایک روم میں شفٹ کرو۔ اور وہاں سیکیورٹی چیکنگ کے لیے عورتوں کو بیٹھاو۔

۔گھر میں صرف تمہیں آنے کی اجازت ہے مگر اپنی انکھوں کو سنبھال کر رکھنا۔کسی عورت کی طرف اٹھنی نہیں چاہیے۔ سمجھ گئے ہو۔

جی بھاؤ۔۔۔۔۔۔۔میں سمجھ گیا۔۔۔یہ کہتے ہوئے جمشید دل میں بولا ۔۔۔ایسا کہیں کہ بی بی جی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنا۔اور پھر وہ دل ہی دل میں سکندر کی حرکت پر مسکرایا۔

چلو جاؤ یہاں سے اب۔ڈاکٹر کو گھر تک پہنچاو اور جلدی اسٹاف کا انتظام کرو۔

جی بھاؤ کہتا وہ ڈاکٹر کی طرف بڑھا جو نیچے ہی اتر رہی تھی۔

دوسری طرف جمشید نے ڈاکٹر کو راستہ دیکھاتے ہوئے بولا۔

یہاں سے۔

اچانک سکندر کو کچھ یاد آیا تو فوراً سے ڈاکٹر سے بولا۔۔۔۔نرسز کو یہی رہنے دیں۔دیکھ بھال کے لیے۔

ڈاکٹر سکندر کی بات پر متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

پر سر آپ کی۔وائف اب بہتر ہیں۔انہیں بس آرام کی ضرورت ہے۔باقی اتنی دیکھ بھال آپ بھی کر سکتے ہیں۔

وہاں کھڑا جمشید جو سن چکا تھا۔اُسے لگا کہ اب یہ ڈاکٹر کام سے جانے والی ہے۔بھاؤ کے غضب کو دیکھنے کے لیے جب اُس نے رخ بدلا تو دوبارہ سے ایک نیا دھچکا اُسے لگا۔۔۔شاید آج اُس کو ایک کے بعد ایک دھچکا لگنے والا دن تھا۔

وہ کتنی ہی دفعہ حیرانگی کے سمندر میں جا گرا تھا۔

سکندر کے چہرے پر وائف لفظ پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ جسے وہ بہت مہارت سے بھی جمشید سے چھپا نہیں سکا تھا۔

اس سے پہلے سکندر کچھ بولتا۔ جمشید بول اٹھا۔
ڈاکٹر آپ انہیں یہیں رہنے دے۔ مزید سوال نہ کریں۔

جب کہ ڈاکٹر تو جمشید کی بات پر حیران ہوئی کہ اُس نے تو کوئی سوال کیا ہی نہیں تھا۔

سکندر ابھی تک لفظ وائف پر مسکرا رہا تھا۔

جمشید وہاں نرسز کو اوپر جانے کا حکم دے کر وہاں سے ڈاکٹر کو راستہ دکھاتا چلا گیا۔

کیوں کہ اب اُس میں مزید کسی نئے دھچکے کو سہنے کی ہمت نہیں تھی۔

سکندر مسکراتا وہاں سے اوپر کی طرف بھر گیا۔

جب کہ جمشید فقط اللہ اللہ ہی کرتا وہاں سے چلا گیا۔

کیوں کہ اُس کی ہمت اب جواب دے گئی تھی

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ کہ یہ بھاؤ کو ہوا کیا ہے۔

بھاؤ تو لڑکیوں کے نام سے چڑ جاتے تھے۔

اور وائف کے نام۔پر اُن کے چہرے کی چمک جمشید کا دماغ تک بند کر چکی تھی۔

نجانے جمشید کو ابھی اور کیا کیا دیکھنا تھا جو اُس کی ہمت کو لاجواب کرنے وال تھا۔

ماضی

آپ۔۔۔۔

تالیہ جو ایک بک سٹور سے کتابیں خریدنے آئی تھی۔

ایک شخص کے اندر داخل ہونے پر بولی۔

تالیہ::::آپ یہاں کیسے ؟؟؟

وہ شخص جو تالیہ کی آواز پر متوجہ ہوا تو وہ اُسے
ناسمجھی سے دیکھنے لگا۔

تالیہ::::: لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔

اور پہچانتا بھی کیسے تالیہ کا لباس اس قدر آخری ملاقات سے مختلف تھا کہ فاتح
بھی اُسے پہچان نہ سکا تھا۔

وہ شخص تالیہ کی بات پر کچھ سوچنے لگا اور پھر تالیہ کے چہرے کو غور سے دیکھتے
ہوئے بولا۔

معزرت چاہتا ہوں پہچاننے میں کچھ دیر ہو گئی۔

آپ کافی مختلف لگ رہی ہیں اس لیے میں پہچان نہیں سکا۔

تالیہ فاتح کی بات پر مسکرائی اور بولی

تالیہ::::: ہاں میں سمجھ سکتی ہوں تین مہینے بعد یہ ملاقات ہوئی ہے۔ اور وہ
بھی مجھ میں کچھ تبدیلی کے بعد۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ کافی کچھ بدل گیا ہے
مجھ میں آپ کے باعث۔

فاتح:::: انشاءاللہ آپ کی یہ تبدیل آپ کے لیے کارساز ثابت ہو گی۔

تالیہ: میں ویسے آپ کا پتہ کرنے گئی تھی وہاں مگر آپ کے بارے میں کچھ نہ جاننے کی وجہ سے کچھ جان نہ سکی۔

فاتح تالیہ کی بات پر کچھ خاموش ہوا تو پھر بولا۔

فاتح::: بس زندگی جس طرف لے جائے وہاں چل پڑتے ہیں۔

جہاں تقدیر نے چلنا لکھا ہے وہاں انسان کی موجودگی لازم ہوتی ہے۔ پھر وہ کوئی بھی جگہ کیوں نہ ہو اُس سے فرق نہیں پڑتا۔

فاتح:::: ویسے آپ یہاں یوروشیلم میں کیسے؟

تالیہ:::: بس تقدیر نے یہ ملاقات یہاں لکھی تھی۔ پھر جہاں تقدیر نے چلنا لکھا ہو وہاں انسان کی موجودگی لازم ہو جاتی ہے۔

فاتح تالیہ کی بات پر واضح مسکرایا جو اُس کے لفظوں کو استعمال کرتی اپنے جواب کو مکمل کر چکی تھی۔

تالیہ::::: ویسے کوفی کی آفر میں آپ سے کر سکتی ہوں اگر آپ برا نہ مانے تو؟؟

فاتح جو تالیہ کی بات کو سنتا مسکرایا اور پھر بولا

فاتح::: ویسے مجھے کچھ کام ہے. کوفی نہیں پر ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں۔

تالیہ::: چلیں کوئی بات نہیں پھر کبھی سہی۔اُمید ہے کہ تقدیر نے پھر کہیں ملاقات لکھی ہی ہو۔

فاتح::: تقدیر کے کھیل تقدیر ہو جانتا ہے ہم خاک نشین لوگ ہیں

یہ کہتے اُس آدمی نے دروازے کو باہر کی طرف سے کھولا اور پھر دونوں دکان سے باہر چلنا شروع ہو گئے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد تالیہ بات کا آغاز کرتی بولی

تالیہ::::: آخری ملاقات میں میرے پوچھنے پر بھی آپ نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔

فاتح تالیہ کی بات کا جواب دیتا بولا۔

فاتح::نام تو انسان کی شناخت کا ذریعہ ہے۔آپ میرے نام کو جاننے کی اتنی خواہش مند کیوں ہیں؟

تالیہ اُس شخص کی بات پر مسکرائی اور پھر بولی۔

تالیہ:::دراصل آپ نے اپنا نام نہیں بتایا تھا تو آپ کی شناخت کا ذریعہ بھی میرے پاس موجود نہیں تھا۔اب شناخت نہیں تھی تو ڈھونڈھنے کا ذریعہ بھی نہیں تھا۔

فاتح تالیہ کی بات کا جواب دیتا بولا۔

فاتح:::میرا نام فاتح ہے۔

تالیہ:::ویسے اگر برا نا مانے تو ایک بات کہوں۔

.فاتح:::جی کہیں

تالیہ:::پتہ نہیں پر جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو مجھے لگا آپ کا نام صالح ہو گا۔

فاتح:::آپ کو ایسا کیوں لگا؟

تالیہ:::::کیوں کہ آپ جواب اتنے صالح طریقے سے دیتے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ انسان کا برتاؤ اُس کے نام کی عکاسی کرتا ہے۔

بعد میں آپ کے نام نہ ہونے کی وجہ سے مجھے آپ کو صالح حیدر کا نام دینا پڑا

۔

فاتح:::: صالح حیدر بہت خوبصورت نام ہے۔

تالیہ:: جانتے ہیں میں نے یہ نام کہاں پڑھا تھا؟؟

فاتح:::: کہاں؟؟

تالیہ::: بائبل میں میسنجر صالح کا ذکر بہت خوبصورتی سے ہوا ہے۔

وہ خداوند کی طرف سے بھیجے گئے ایک میسنجر تھے۔

فاتح:::: تو آپ نے اُس لیے میرا نام صالح رکھا؟

تالیہ:::: ہاں شاید۔۔۔ مگر آپ کی شخصیت کو دیکھ کر معلوم نہیں میرے ذہن میں یہی ایک نام کیوں اُبھرا۔

میں نہیں جانتی کہ یہی نام آپ کی شخصیت کو دیکھ کر میرے لبوں پر کیوں آیا؟

جبکہ اس نام کا مطلب بھی مجھے معلوم نہیں۔

فاتح:::::آپ کو معلوم ہے کہ ہر نام کی خوبصورتی خوبصورت سیرت اور کردار کے نمایاں عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔

بعض دفعہ کچھ لفظ زبان کی بجائے دل سے نکل آتے ہیں۔

جن کے معنی سے ہم نہ آشنا ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ لفظ زبان سے ادا ہو جاتے ہیں۔

تالیہ:::::ویسے یہ بات میں پہلی بار سن رہی ہوں کہ ناآشنا لفظوں میں گھیرا انسان بھی وہ لفظ ادا کے لیتا ہے جس کے بارے میں اُسے علم ہی نہ ہو۔

مگر پھر بھی آپ کی شخصیت کو دیکھ کر میری زبان سے لفظ صالح حیدر نکلتا ہے۔

فاتح:::::آپ جانتی ہیں کہ حیدر کا کیا مطلب ہے؟

.تالیہ:::::: نہیں میں نہیں جانتی

فاتح:::: حیدر لفظ حضرت علی کا لقب ہے۔ جس کے معنی شیر کے ہیں۔

تالیہ::::: ان کا ذکر میں نے بائبل میں کبھی نہیں پڑھا۔ یہ کون ہیں، کیا آپ کی کتاب میں یہ کوئی میسنجر ہیں؟

فاتح::::: نہیں یہ نبی نہیں بلکہ شیر خدا ہیں۔

حضرت علی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب کے بیٹے تھے۔

یہ کہتے ہوئے فاتح نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو اُسے دیکھتے ہوئے تالیہ نے بھی اپنے سینے پر عقیدت سے ہاتھ رکھ لیا۔

فاتح:: حیدر کا مطلب اللہ کا شیر ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں بے شمار جنگیں لڑی گئی۔

جن جنگوں میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ نے خود شرکت کی اُن کو ہم غزہ کہتے ہیں۔

اور اُن کی کل تعداد ستائیس ہے۔

تالیہ بہت غور سے فاتح کی بات کو سن رہی تھی اور پھر فاتح اپنی بات کو آگے بڑھاتا بولا

فاتح::: اور غزوہ خیبر اُن میں سے ایک غزوئہ ہے۔

تالیہ::::: تو کیا پھر اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی ؟؟؟ یا نہیں ؟

فاتح::: جی مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی۔۔ یہ واحد وہ غزوہ تھی کہ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا اس بشارت سے دیا کہ یہ جھنڈا کل میں اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ اللہ مسلمانوں کو فتح دے گا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلے روز وہ جھنڈا حضرت علی کو دیا۔ ((بُخاری مسلم))

تالیہ:::::: پھر کیا ہوا؟؟؟

فاتح:::: غزوہ خیبر میں حضرت علی جب میدان کی طرف بڑھے تو دوسری طرف سے یہودیوں کا ایک سردار مرحب بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ پڑھتا ہوا نکلا کہ

خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، سلح پوش بہادر اور تجربہ کار ہوں
جب کہ لڑائی کی آگ مجھ میں بھڑکتی ہے۔

اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُس متکبرانہ بات کا جواب یہ دیا کہ۔

""""""کہ میں وُہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا """""""""

اور پھر آپ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور جھپٹ کر ایک وار میں اُس یہودی مرحب سردار کا کام تمام کر دیا۔

تالیہ:::::ان کا ذکر آپ اتنی محبت سے کر رہے ہیں حالانکہ یہ کوئی نبی نہیں ایسا کیوں؟ جنگیں تو بہت سے بہادر سپاہیوں کی بے مثال بہادری کے جوہر سے بھری نظر آتی ہیں تو پھر اُن کے ذکر پر آپ کے چہرے پر اس قدر محبت کیوں؟؟؟

فاتح::::اس کی وجہ میرے نبی کی حضرت علی سے محبت ہے جن سے رب اور اللہ کے رسول محبت کریں اُن سے محبت کرنا تو پھر لازم ہے۔

حضرت علی کے بارے میں میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''''''علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ ہر مومن کے ولی ہیں'''

یعنی میرے بھی

(((ایک جگہ ترمذی اور حاکم نے بریدہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ()))

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ اللہ بھی اُن سے محبت رکھتا ہی۔

لوگوں نے کہا''''''''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''''''ہمیں اُن کے نام بتادیجیے؟

:توآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

""""اُن میں سے ایک علی ہیں """""

تالیہ:::::تو آپ کے میسنجر حضرت محمد حضرت علی سے محبت کرتے تھے

اس لیے آپ بھی محبت کرتے ہیں۔

تالیہ محمد کے نام پر سینے پر ہاتھ رکھتی بولی تھی۔

فاتح:::::آپ جانتی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے

آخری نبی اور رسول۔ہیں۔

ہمارے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے وجہ کائنات ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمحضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں

فرماتے ہیں کہ

(حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے)

اے علی تم مُجھ سے اُس درجے میں ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھا۔(مسلم

بُخاری)

تالیہ:::::میسنجر موسیٰ اور میسنجر ہارون کے بارے میں نے پڑھا ہے۔

فاتح:::: صالح حیدر ایک خوبصورت نام ہے۔اور کسی غیر مسلم کے دل سے ایسا نام نکالنا ایک خوبصورت نشانی ہے۔

تالیہ:::: میں یہ تو نہیں جانتی کہ اسلام کتنا خوبصورت مذہب ہے مگر آپ جیسے پیروکاروں کے چہرے پر اپنے مذہب کی بہت رونق نظر آتی ہے۔بہت سکون کے ساتھ..

ایسا سکون دیکھنے کو نہیں ملتا۔

فاتح:::: یہ میرے رب کی عنایت ہے۔

تالیہ::: چلیں اس ملاقات میں مجھے آپ کا نام تو پتہ چلا۔

ویسے آپ نے حیدر کا مطلب تو واضح کر دیا ہے۔

مگر آپ نے اپنے نام کا مطلب نہیں بتایا۔

فاتح:::: ویسے اتفاقاً میرا نام بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے باقی لقبوں میں سے ایک ہے۔

فاتح خیبر کا واقع سنانے کا مقصد یہی تھا کہ وہاں آپ نے اپنے حیدر کے لقب کو واضح کیا تھا۔

اور اس غزوہ میں فتح کے باعث آپ کو فاتح خیبر کا لقب دیا گیا۔

یعنی خیبر کا فاتح۔

تالیہ کا دل بہت زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

نہ جانے اُس کی آنکھیں میں ہلکی سی نمی کیوں واضح ہوئی تھی۔اور پھر چہرے پر مسکراہٹ کا بسیرا ہوا تھا۔

فاتح:::: ویسے آپ کی تلاش کہاں تک پہنچی؟

فاتح تالیہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

تالیہ::::: تلاش کا تو پتہ نہیں مگر لگتا ہے کہ میں پہلی وہ شخص ہوں جس کے پاس خداوند نے منزل کو خود پہنچادیا ہے۔

فاتح:::: تو اگر منزل آپ تک خود پہنچ سکتی ہے تو پھر آپ کس انتظار میں ہیں؟

تالیہ:::: آپ سے ملاقات کے انتظار میں تھی۔

فاتح::: مُجھ سے؟؟؟

تالیہ:::: آپ سے آخری ملاقات کے بعد میں دوسری ملاقات کے انتظار میں تھی۔

کچھ سوال تھے جو میں چاہتی تھی کہ آپ اُن کے جواب دیں۔

میں نہیں جانتی کہ آپ کے دل میں اپنے میسنجر کے لیے اتنی زیادہ محبت اتنی شدت کے ساتھ اُبھرتی ہے۔

پھر میں نے ایک دن قرآن کھولا۔

جانتے ہیں کہ میں قرآن کو کھولتے ہی بے بسی سے رونے لگی۔

میں نہیں جانتی تھی کہ میرے رونے کا سبب کیا ہے۔

میری ان آنکھوں سے گرتے انسوں کیوں اس قدر بے اختیاری سے نمودار ہو رہے ہیں۔

اور میں اس قدر رونے کے باعث وہ کتاب پڑھ نہ سکی اور پھر اُسے بند کر گئی۔مجھے میرے جسم۔میں طاقت ختم ہوتی نظر آئی۔۔مجھ میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ میں اُس کتاب کو دوبارہ کھول کر پڑھنے کی کوشش کر سکوں۔

میں نہیں جانتی تھی کہ میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں۔

یا مجھے ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے۔

آپ نے کہا تھا کہ ہر سوال کا جواب مجھے اس کتاب میں ملے گا مگر میں تو اُس کتاب کے کھلنے سے پہلے ہی اس قدر بے قرار ہو گئی۔اب میں اپنی اس بے قرار کیفیت کا جواب کہاں سے مانگتی۔

میں یہ تو نہیں جانتی تھی کہ قرآن میں کیا ہے سوائے اس کے کہ جس نے بائبل کو میسنجر موسیٰ پر نازل فرمایا اُسی نے قرآن کو میسنجر محمد پر نازل فرمایا۔

آپ جانتے ہیں میں آپ کو کیوں ڈھونڈھنے گئی تھی؟

فاتح:::::نہیں۔

تالیہ::::ایک مہینے کے بعد میں آپ کا وہی پتہ کرنے گئی۔

مگر آپ نہ ملے۔ پھر میں نے قرآن کو دوبارہ پڑھنے کی کوشش کی۔

قرآن کی دوسری سورۃ سورۃ بقرہ کے چار صفحے پڑھنے میں مجھے ایک مہینہ لگ گیا۔اُن باتوں کو سمجھتے۔اُن کے باعث مجھے میں بے قراری شدت اختیار کر گئی۔

میں چاہتی تھی کہ قرآن کو ایک دفعہ پورا پڑھ لوں۔

مگر سورت بقرہ کی کچھ آیات کے بعد ہی معلوم ہوا کہ

خداوند جن کو ہدایت نہیں دیتا ان کو گونگا اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

کیوں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اُس کے بعد میں قرآن کو آگے سے پڑھ نہ سکی۔

میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتی تھی مگر آپ سے بھی نہ ہو سکی۔

ایک۔ پورا مہینہ میں ٹھیک سے سو نہ سکی۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے کہ کیا میں نے ایمان نا لا کر گمراہی خرید لی یا میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو رب کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

پندرہ دن کے بعد جب میں نے اُس کتاب کو دوبارہ کھولا تو میں خوشخبری پڑھی اُن لوگوں کے لیے کو ایمان لائے۔

میں نے جنت کا منظر پڑھا۔۔۔

باغ، نہریں، پھل سب کا ذکر قرآن میں بہت خوبصورتیسے کیا گیا۔

اور پھر میں آپ کی تلاش میں نکلی۔۔

مجھے یقین تھا کہ آپ سے ملاقات میری ضرور ہو گی۔

اور دیکھیں آج خُداوند نے آپ سے میری ملاقات کروا دی۔

فاتح:::: آپ مجھ سے ملاقات کی اس قدر خوائش مند کیوں تھیں؟؟؟

تالیہ:::::: میں چاہتی تھی کہ میری زندگی کو راہِ راست پر لانے والا صالح میری زندگی میں اسلام۔ کا چراغ جلائے۔

میں اپنے لباس کو تو مکمل تبدیل کر چکی ہوں۔
مگر میرا دل ابھی آپ کے دل کی طرح دین کی محبت سے نہیں بھرا۔
یہ جو سکون آپ کے چہرے پر ایک چراغ کی طرح دیکھتا ہے یہ چراغ میرے پاس اب تک موجود نہیں ہے۔ میرے دل میں اس قدر بے قراری ہے کہ جی چاہتا ہے کہ زاروزار رو کر اپنے دل کو ہلکا کر لوں۔
یہ احساس آنکھوں میں نمی کا باعث بن جاتا ہے۔ جسم میں سے حرارت نکلتی ہے۔ یہ احساس بند انکھوں سے نیند کے چراغ کو چھین چکا ہے۔
میں چاہتی تھی کہ آپ مجھے اپنے دین کی دعوت دیں اور مجھے مسلمان کر کہ اپنے دین میں شامل ہونے کی خوشخبری سنائے۔
کیا آپ کے مذہب میں مجھ جیسے لوگوں کی شمولیت جائز ہے؟ جو پچیس سال تک گمراہی کا راستہ اختیار کر کہ گونگے اندھے اور بہرے بنے رہے۔
تالیہ اپنی بات کو کہتے شدت سے رونے لگی۔
فاتح:::: دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

اور یہ دین ہر انسان کو اپنے رب کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔۔

کوئی غرض نہیں کہ آپ کون تھے، یا کن گناہوں سے خود کو پلیدہ کر چکے ہیں۔

میرے نبی کا دین ہر کسی کے لیے کھولا ہے۔

اور حق کی بات یہ ہے کہ حق کی راہ ایک ہے۔

اور حق کی راہوں سے ملنے والے حق کے بندے ہوتے ہیں۔

وہ اندھے گونگے اور بہرے نہیں ہوتے جو حق کی راہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنی تلاش میں کامیاب ہو گئی ہیں۔

میں آپ کو اپنے دین اور اپنے نبی کا کلمہ پڑھنے کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

کیا آپ میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں شمولیت کرتے ہوئے اپنے دل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اجاگر کرنا چاہتی ہیں؟

تالیہ روتے چہرے کے ساتھ اپنے سر کو ہاں میں ہلانے لگی

فاتح::: کیا آپ اللہ کی قربت حاصل کرنا چاہتی ہیں؟؟؟

تالیہ کی آنکھیں سے بہتے انسوں اُس کے دل۔میں دین اسلام کے چراغ کو روشن کرنے کی صورت کو واضح کر رہے تھے۔

اور پھر فاتح کی بات پر وہ روتے چہرے کے ساتھ ہاں میں سر ہلا گئی۔

اور پھر فاتح نے اس لڑکی کو جو اُس کے سامنے روتے چہرے کے ساتھ کلمہ پڑھنے کو بے قرار تھی۔فاتح بولا

فاتح:::: میں جو پڑھو آپ میرے پیچھے دل سے یہ کلمات پڑھیے گا۔جن لفظوں کو میں پڑھو آپ ان کو ادا کرتے ہوئے اپنے دل میں اسلام کے چراغ کی شمع کو جلتے محسوس کریے گا۔

اور پھر تالیہ اپنے ڈھکے ہوئے سر کو ٹھیک کرتی بولی۔

میں دل سے ان کلمات کی ادائیگی کروں گی آپ مجھے وہ الفاظ پڑھائے جو

میرے اس بے قرار دل کو سکون پہنچادے۔۔

فاتح تو پڑھے میرے ساتھ اللہ کے کلام کو جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا کلمہ کہا جاتا ہے

فاتح::::: "لَااِلٰہَ

تالیہ کو لگا جیسے اُس کے جسم میں طاقت ختم ہو گئی ہو۔اُس کی زبان نے کانپتے

ہوئے کلمے کی پہلے دو کلمات روتے ہوئے ادا کیے

تالیہ::: لَا۔۔۔۔اِلٰہَ

فاتح اُس لڑکی کے آنکھوں میں موجود انسوں کی کی کثرت کو دیکھتے ہوئے

بولا۔

فاتح::: اِلَّااللّٰہُ

اگلے دو کلماتی الفاظ نے اُس کے انسوں میں اور شدت پیدا کر دی۔اور پھر اُن لفظوں کو دہراتے ہوئے بولی۔

تالیہ::::اِلاَّ اللہُ

فاتح::: مُحمدﷺ

فاتح نے محمد کے لفظ پر سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس لڑکی کو دیکھا جو فاتح کو دیکھتے ہوئے اپنے سینے پر روتے ہوئے ہاتھ رکھتی بولی

تالیہ:::: مُحمدﷺ

اور پھر فاتح نے کلمے کے آخری کلماتی الفاظ کو ادا کیا جو تالیہ کے چہرے پر سکون کی ایک جھلک دیکھا گیم

فاتح:::::رَّسُوْلُ اللہ

اور پھر تالیہ نے نئے دین کی راہ کو چنتے ہوئے وہ آخری کلمات باکثرت روتے ہوئے ادا کیے جہاں آس پاس کے لوگ اُس کے روتے چہرے کو دیکھ کر حیرانگی سے گزر رہے تھے۔

" تالیہ::::لَآ رَسُوۡلُ اللّٰہ

اُسے لگا ابھی اُسے اور کچھ بھی پڑھنا ہو گا۔ جو اُس کو اُس دین میں شمولیت کی اجازت دے سکے۔

اور پھر فاتح اُس کے چہرے کو مُسکراہٹ میں بدلتے ہوئے بولا

.فاتح::::: حق کے دین کو پا لینے پر مبارک باد ہو

اللہ پاک آپ کے دل کو سکون اور حق کی راہ پر گامزن رہنے کی طاقت عطا فرمائے۔

تالیہ وہ الفاظ کسی جنگ کے فتح ہونے کے اعلان کی طرح سن کر روتے ہوئے مسکرانے لگی۔

اُسے لگا جیسے اُس کے بے قرار قلب کو کسی روشن قلب سے تبدیل کر دیا ہو۔

اور اس کی روح جو اُس میں پچیس سال سے موجود تھی اُسے کسی نے چھین کر ایک نئی روح میں تبدیل کر دیا ہو۔

وہ رونے لگی تو فاتح مسکرا دیا اور اگر بولا۔

فاتح::::اور آپ جانتی ہیں کہ خدا اپنے پسندیدہ بندوں کو گمراہ نہیں رہنے دیتا۔

وہ جسے چاہے راہِ حق عطا کرتا ہے اور جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

جب کہ تالیہ کی وہ کیفیت اُس پر حاوی ہو گئی تھی جو اُس کے انسوں کو رکنے نہیں دے رہی تھی۔

کہیں اُس کے چہرے اور مسکراہٹ تھی تو کہیں اُس کی آنکھوں میں لاتعداد انسوں۔

گھر میں کسی مرد ملازم کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔

اور اگر کسی نے گھر میں قدم بھی رکھا تو کہہ دینا کہ زندگی پر موت کی چھاپ وہ خود لگائے گے۔

گھر سے باہر پہلے گیٹ تک سبھی عورتوں کو سیکیورٹی پر کھڑا کرو۔میں دوبارہ سے کہہ رہا ہوں۔مجھے ایک بھی مرد اگر گھر میں یا گھر سے باہر دیکھا تو اُس

کے تو میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کروں گا مگر اُس سے پہلے تمہاری گردن اتاروگا۔

جی بھاؤ میں سمجھ گیا ہوں۔ جمشید کو ایک کے بعد ایک دھچکا لگ رہا تھا۔ مگر اُسے معلوم تھا کہ زبان کو اندر رکھنا ہی فلحال سمجھداری ہے۔

جتنے بھی مرد ملازمین ہیں اُنہیں پہلے گیٹ پر تعینات کرو۔

اور گھر کی اندر کی سیکیورٹی پر جیتنے بھی کیمروں پر سیکیورٹی روم میں کنکشن ہیں اُنہیں وہاں سے ختم کر کے الگ ایک روم میں شفٹ کرو۔ اور وہاں سیکیورٹی چیکنگ کے لیے عورتوں کو بیٹھاو۔

۔گھر میں صرف تمہیں آنے کی اجازت ہے مگر اپنی انکھوں کو سنبھال کر رکھنا۔ کسی عورت کی طرف اٹھنی نہیں چاہیے۔ سمجھ گئے ہو۔

جی بھاؤ۔۔۔۔۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ یہ کہتے ہوئے جمشید دل میں بولا ۔۔۔ایسا کہیں کہ بی بی جی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنا۔ اور پھر وہ دل ہی دل میں سکندر کی حرکت پر مسکرایا۔

چلو جاؤ یہاں سے اب۔ڈاکٹر کو گھر تک پہنچاؤ اور جلدی اسٹاف کا انتظام کرو۔

جی بھاؤ کہتا وہ ڈاکٹر کی طرف بڑھا جو نیچے ہی اتر رہی تھی۔

دوسری طرف جمشید ڈاکٹر کو راستہ دیکھاتے ہوئے بولا۔

جمشید::اس طرف

اچانک سکندر کو کچھ یاد آیا تو فوراً سے ڈاکٹر سے بولا۔۔۔۔نرسز کو یہی رہنے دیں۔دیکھ بھال کے لیے۔

ڈاکٹر سکندر کی بات پر متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

پر سر آپ کی۔وائف اب بہتر ہیں۔انہیں بس آرام کی ضرورت ہے۔باقی اتنی دیکھ بھال آپ بھی کر سکتے ہیں۔

وہاں کھڑا جمشید جو سن چکا تھا۔اُسے لگا کہ اب یہ ڈاکٹر کام سے جانے والی ہے۔بھاؤ کے غضب کو دیکھنے کے لیے جب اُس نے رخ بدلا تو دوبارہ سے ایک نیا دھچکا اُسے لگا۔۔شاید آج اُس کو ایک کے بعد ایک دھچکا لگنے والا دن تھا۔

وہ کتنی ہی دفعہ حیرانگی کے سمندر میں جا گرا تھا۔

سکندر کے چہرے پر وائف لفظ پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ جسے وہ بہت مہارت سے بھی جمشید سے چھپا نہیں سکا تھا۔

اس سے پہلے سکندر کچھ بولتا۔ جمشید بول اٹھا۔

ڈاکٹر آپ انہیں یہیں رہنے دے۔ مزید سوال نہ کریں۔

جب کہ ڈاکٹر تو جمشید کی بات پر حیران ہوئی کہ اُس نے تو کوئی سوال کیا ہی نہیں تھا۔

سکندر ابھی تک لفظ وائف پر مسکرا رہا تھا۔

جمشید وہاں نرسز کو اوپر جانے کا حکم دے کر وہاں سے ڈاکٹر کو راستہ دکھاتا چلا گیا۔

کیوں کہ اب اُس میں مزید کسی نئے دھچکے کو سہنے کی ہمت نہیں تھی۔

سکندر مسکراتا وہاں سے اوپر کی طرف بھر گیا۔

جب کہ جمشید فقط اللہ اللہ ہی کرتا وہاں سے چلا گیا۔

کیوں کہ اُس کی ہمت اب جواب دے گئ تھا

۔وہ, سمجھ نہیں پارہاتھا۔۔ کہ یہ بھاؤ کو ہوا کیا ہے۔

بھاؤ تو لڑکیوں کے نام سے چڑ جاتے تھے۔

اور وائف کے نام۔پراُن کے چہرے کی چمک جمشید کادماغ تک بند کر چکی تھی۔

نجانے جمشید کو ابھی اور کیا کیا دیکھنا تھا جو اُس کی ہمت کو لاجواب کرنے وال تھا۔

یہ کس قسم کا انسان ہے۔۔ایک بھی ثبوت نہیں ہے۔ ہم کیا بیو قوف ہیں۔

سب جانتے ہیں مگر اُس سے ڈر کر بیٹھے ہیں۔

میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ کیسا سسٹم ہے؟ پولیس اپنا کام نہیں کر سکتی۔ کام کرو تو اوپر سے آرڈر آجاتے ہیں۔ حرام خوروں۔۔۔ کی بیڑھیوں میں پھنسا یہ سسٹم کسی کام کا نہیں ہے۔ سالار پولیس اسٹیشن میں کھڑا چیلا رہا تھا۔ جو پچھلے دو مہینوں سے سکندر کے خلاف ثبوت اکھٹے کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سالار: ایک بھی ایسا نہیں جس نے منہ کھولا ہو۔ قتل ہوتا ہے۔۔۔ قاتل کو سب جانتے ہیں۔ مگر قتل ہوتے ساتھ ہی ایسے ثبوت برآمد ہوتے ہیں کہ اُس کا رخ سکندر بھاؤ سے ھٹ جاتا ہے۔ کیا میں نہیں جانتا یہ ثبوت جو بظاھر صرف سکندر کو باعزت بھڑی کرتے ہیں یہ وہاں پلاٹ کیے جاتے ہیں۔

خضر: سر آپ ایسے مایوس نہ ہو۔ مجرم کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو ایک غلطی ضرور کرتا ہے

پاس کھڑا۔۔۔ خضر۔۔۔ سالار کو ہمت دیتا بولا۔

سالار: بلکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ گیدڑ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو شیر سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور میں کسی قیمت پر اُسے نہیں چھوڑوں گا۔ دنیا کو جاننا ہو گا کہ وہ کیسا وحشی انسان ہے۔

خضر: سر وہ بیگسٹ کرمنل ہے پاکستان کا۔۔۔ کوئی اُس سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ گورنمنٹ جو بظاھر یہ دکھاتی ہے کہ وہ اپنا فنڈ خود اکھٹا کرتی ہے در حقیقت سُننے میں آیا ہے کہ حکومت بھی اُس کے ہی فنڈ پر چلتی ہے۔ ایسے میں ہم اُس کے خلاف کیسے لڑیں گئے۔

سالار: اللہ کی مدد سے میں اُن سب لوگوں کو انصاف دلاؤں گا جو اس ایک انسان کی وجہ سے سسکتے ہوئے مریں ہیں۔ برائی کتنی ہی کیوں نا طاقتور ہو۔ اچھائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔۔ تاریخ میں مات ہمیشہ برائی کو ملی ہے۔ یہ ملک ہمارا ہے۔ یہ جان وطن کی ہے۔ محافظوں کو راستہ اللہ دکھاتا ہے۔ اور یقین کی طاقت سے بھر کر کچھ نہیں۔

خضر: بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔

سالار: ہمیں ہر چیز دوبارہ سے شروع کرنی ہوگی۔ سکندر کون ہے کہاں سے آیا ہے کہاں سے اُس کا تعلق ہے ہر بات۔

اُس کی۔ کمزوری ہماری طاقت ہے۔۔۔ اور جو ہماری طاقت ہوگی وہ اُس کی موت ہوگی۔

خضر: سر آج سے چھ سال پہلے ایک کیس ہوا تھا۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکے کے قتل کا۔ گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے سکندر اُس کیس سے بھی با عزت بھڑی ہو گیا تھا۔

سالار: تو اس میں کون سے بڑی بات ہے۔۔۔ وہ کرتا ہی یہی ہے ۔۔۔ یہاں موجود ایک فائل بھی ایسی نہیں ہے کہ جس میں سکندر مجرم ثابت ہوا ہو۔۔ یا تو اُنہیں ایکسڈنٹ کا نام دیا جاتا ہے یا پھر سُوسائڈ کیس کا ۔۔۔ یا کیسیز پر مٹی دھول لگ کر مظلوموں نے خود کیس بند کر دیا ہے۔ ابھی تو وہ کیسیز بھی ہیں جنہیں اُس نامی گرمی کمینے کی کمینیت کی وجہ سے دائر ہی نہیں کیا گیا۔

خضر: سر تشویش کی بات یہ ہے کہ اُس کیس میں جس لڑکی اور لڑکے کا قتل ہوا وہ لڑکی سکندر کی بہن تھی اور لڑکا سکندر کا سب سے قریبی دوست تھا۔

سالار: کیا مطلب؟

خضر: سر کہا جاتا ہے کہ سکندر نے اپنی بہن اور اپنے دوست کو خود قتل کیا تھا۔ کیس تو گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ مگر لوگوں کا کہنا تھا کہ سکندر نے خود دونوں کو قتل کیا ہے۔۔

کچھ تو یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ سکندر اپنی جان سے پیاری بہن کو قتل کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں اپنی بہن سے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ مگر حیران کن بات یہ ہے کہ جس بہن سے وہ اتنی محبت کرتا تھا وہ اُس بہن کے قاتلوں کو کیوں نہیں ڈھونڈھ سکا۔ اگر اُس نے خود قتل نہیں کیا۔

اور اسی وجہ سے سکندر شک کے گھیرے میں آگیا۔

کہا جاتا ہے کہ سکندر کی وحشت اُس کی بہن کی موت کے بعد حد سے زیادہ بھر گئی۔

کوئی نہیں جانتا کہ اُس نے کیوں مارا اپنی بہن اور دوست کو جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سکندر اُن کا قاتل ہے۔

اور جو نہیں رکھتے ان کا کہنا ہے کہ سکندر اپنی بہن کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے ہر ایک کو اپنے غضب کا نشانہ بنا رہا ہے۔۔۔اپنے ہر دشمن کو

۔

مگر اس پر بھی بہت سو کا یہ سوال ہے کہ جن قتلوں پر سکندر بھاؤ پر الزامات لگائے جا رھے ھیں ان میں بہت سو کو تو۔ سکندر جانتا بھی نہیں۔

مطلب جیسے یہ پچھلے سال جو بزنس مین موئز صدیق کا قاتل ہوا اُس کی فیملی کا کہنا ہے کہ سکندر سے تو اُن کے بیٹے کی کبھی ملاقات ہوئی ہی نہیں۔

اسی طرح بہت سے کیسیز اور بھی ہیں ان اور پہلے نشانہ سکندر بھاؤ پر تنا گیا مگر بعد میں یہ بات ثابت ہوئی کہ سکندر کا تو کبھی اُن لوگوں سے کوئی واسطہ تھا ہی نہیں، نہ ہی ان لوگوں نے کبھی کوئی سکندر سے رابطہ کیا تھا۔

اب میرے خیال سے سر جو شخص اپنے ساتھ ہوئی غداری پر بھی نہیں چھوڑتا وہ کیسے اپنی بہن اور دوست کے قاتلوں کو ڈھونڈھ نہ سکا ہو۔

سالار: تو تمہیں لگتا ہے کہ سکندر نے اُس کا قتل کیا۔؟

خضر: پتہ نہیں سر۔۔۔۔۔ میں نے بہت سے لوگوں سے سکندر کی اپنی بہن سے محبت کے قصے سنے ہیں۔۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنی بہن کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار رہتا تھا۔ کسی کی جان لے بھی سکتا تھا اور اپنی دے بھی۔

مگر ایک دن اچانک اُس کی بہن کی موت ہوئی اور دو دن بعد کیس بھی۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ شاید سکندر نے اُن لوگوں کو خود سزا دے دی ہو۔

مگر کچھ کا کہنا ہے کہ سکندر چھپ کر کام نہیں کرتا

اسی لیے ہم جیسے لوگ جانتے ہیں کہ وہ کون ہے۔

سالار: یہاں آنے سے پہلے میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ کس شخصیت کا مالک ہے ۔۔ مگر اُس کے کارناموں کی وجہ سے بہت سے بچوں عورتوں اور مردوں کی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں۔

خضر: سر میری تو سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آخر کوئی کیوں اُس کے لیے خود پر جرم لینے کو تیار ہو جاتا ہے۔اور کیوں کوئی اُس کے خلاف گواہی نہیں دیتا۔

سالار: خوف۔۔۔۔ خضر۔۔۔۔ خوف۔ خوف۔۔ہے یہ۔۔ خوف انسان کی عقل کو بند کر دیتا ہے۔۔۔انسان خوف کی وجہ سے اپنے حواس کھو دیتا ہے۔ جس خوف کی بنا پر سکندر بھاؤ بنا پھرتا ہے ایک دن میں اسی پر اُس کی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودو گا۔

اس کے لیے مجھے خود کو بھی قربان کرنا پڑا تو گریز نہیں کروں گا۔

خضر: سر ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔اور سکندر جیسی گندگی کو ہم اپنے ملک سے اکھاڑ کر ضرور باہر پھینکے گے۔

اور پھر وہ دونوں۔ وہاں موجود فائلوں کی انفارمیشن کو چیک کرنے لگے ۔۔۔کہ شاید کچھ تو ہو جو اُنہیں سکندر کو پکڑنے میں مدد کر سکے۔

سارے دن کی تھکان لیے سالار کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔

وقت دیکھا تو اٹھ کر نماز کی نیت سے واشروم کی طرف بھر گیا۔

آئینے کے آگے وہ کھڑا اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔

چہرے پر کافی تھکن تھی۔۔۔ مگر اُس کے چہرے کی خوبصورتی اُسے مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

(یاد)

سالار اپنا دیہان رکھا کرو۔۔۔۔ دیکھو تمہارا چہرہ کتنا اترا ہوا ہے۔ مقابل میں بیٹھی وہ لڑکی بولی۔

سالار: کیوں میں پیارا نہیں لگ رہا؟

لڑکی: میرے لیے تم دنیا میں سب سے خوبصورت ہو.

سالار: اچھا۔۔۔ اور یہ مسکے لگانے کی وجہ کیا ہے؟

لڑکی: میں کیوں مسکے لگاؤ گی۔۔۔ میں تو تمہاری تعریف کر رہی ہوں

سالار: کیوں؟

لڑکی: کیوں کہ جب تم تھک جاتے ہو تو تمہارے یہ بال آگے کو آجاتے ہیں ۔۔۔ جن کو۔ایسے دیکھنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔

سالار: مگر یہ بال تو مجھے تنگ کرتے ہیں اور تم کہہ رہی کہ تمہیں اچھے لگتے ہیں. میں تو سوچ رہا ہوں کل۔جا کر یہ بال چھوٹے کروالوں تا کہ کچھ تو پیارا لگوں۔

لڑکی: دیکھو سالار اگر تم نے اپنے بالوں کے ساتھ کچھ بھی کیا تو میں خود تمہارے سارے بال کاٹ دوں گی۔اور کبھی بات بھی نہیں کروں گی۔

سالار: اوہ تو اب مجھے بات نہ کرنے پر دھمکایا جائے گا۔

لڑکی: ہاں بلکل۔اب تم اپنی سب سے خوبصورت چیز کو نقصان پہنچاؤ گے تو میں ایسا ہی کروں گی

سالار: اچھا تو پھر تو میں آج ہی جا کر کٹواتا ہوں تا کہ تم سے میری جان چھوٹے ۔

لڑکی: ہاں ٹھیک ہے جس دن مر جاؤں گی اُس دن تمہاری ویسے ہی مجھ سے
جان چھوٹ جائے گی اور میں اللہ کو جا کر کہو گی کہ تمہیں میری بہت یاد آئے
اور پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ مجھ سے کیسے بات کرنی چاہیے تھی۔

سالار: تمہاری زبان کتنی چلتی ہے کتنی دفعہ کہا ہے کہ ایسی باتیں نہیں کرتے
۔۔۔۔پر مجال ہے کہ تم۔ بعض آ جاؤ۔

لڑکی: اچھا سوری۔۔۔۔ تم ناراض نہ ہو۔۔۔ میں کبھی ایسا نہیں کروں گی
وہ بہت معصومیت سے بولی۔

پر وعدہ کرو اپنے اس پیارے سے چہرے کو ہمیشہ پیارا ہی رکھو گے ورنہ میں تم
سے کبھی بات نہیں کرو گی۔

(حال

سالار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔۔۔ یادوں کا احساس بھی کتنا حقیقت
پر مبنی ہوتا ہے پل میں جو چھین گیا ہوتا ہے اُس کا احساس خود کے قریب
محسوس ہوتا ہے

لگتا ہے نہیں کہ انسان کچھ پل کے لیے یادوں کی دنیا میں چلا گیا ہے۔

پھر آئینے میں اپنے ہی عکس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا

تم جہاں بھی ہو۔۔۔۔۔۔ میں تمہیں ڈھونڈھ لوں گا۔اس کے لیے زمین اور آسمان بھی ایک کرنا پڑا تو کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔

بارہ سال اس جدائی کے لیے کافی ہیں زیمل اب مزید نہیں۔

میں تمہیں ڈھونڈھ لوں گا میری پیاری زیمل۔

زیمل کی آنکھوں میں۔ابھی بھی پردہ تھا جو اُسے خوابوں کی دنیا کی طرف لے جا چکا تھا۔

ہر طرف ہر بری تھی۔ کیا ہو رہا تھا اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

ماما۔۔۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔۔۔ کہاں ہے آپ۔۔۔۔۔ ہر طرف ہر بری کا سماں تھا۔

زیمل کے پکارنے پر اچانک آس پاس اندھیرا چھا گیا۔۔۔وہ وہاں تنہا رہ گئی۔
جس بھیڑ میں وہ خوفزدہ ہو رہی تھی اچانک ماں اور باپ کو پکارنے پر وہ جگہ تاریک ہو گئی۔

خوف سے زیمل کا وجود کانپنے لگا۔۔۔کہاں تھی وہ۔وہ۔۔یہ۔بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ماما۔۔۔۔۔بابا۔۔۔کہاں ہے آپ۔۔۔۔۔۔مجھ ڈر۔۔۔۔لگ رہا ہے۔
اچانک زیمل کو۔لگا کے کوئی چیز اُسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے
نہیں بلکہ آس پاس کا اندھیرا کسی چیز کی طرف کھینچ رہا تھا۔۔۔۔جیسے کسی نے کالی چادر کو چاروں اطراف سے کھینچ کر اتارا ہو۔
اور پھر ایک ہی پل میں وہ ساری جگہ روشنی سے بھر گئی۔
اُس کے ارد گرد اوپر نیچے آگے پیچھے ہر جگہ صرف روشنی ہی روشنی تھی۔۔
آس پاس روشنی کے چراغ جلے تو زیمل کا خوف مکمل طور پر غائب ہو گیا۔

خود کا احساس ہوا تو دیکھا کہ اُس کا لباس بھی سفید رنگ کا ہے اور اور مکمل طور پر سفید رنگ کے لباس کو زیب تن کیے کھڑی ہے۔

اُس کا سر بھی سفید رنگ کے سکارف سے مکمل طور پر ڈھنپا ہوا ہے۔

اچانک اُسے ہاتھوں کی پکڑ میں کچھ محسوس ہوا تو وہ ہاتھوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کتاب نجانے کہاں سے آ گئی۔ جب کہ وہ تو خالی ہاتھ تنہا کھڑی تھی۔

کتاب غلاف میں چھپی ہوئی تھی۔

دیکھنے کے لیے غلاف کو کھولا تو اُسے اُس کے اندر قرآنِ پاک ملا۔

قرآن اور مجید بہت خوبصورتی سے لال رنگ میں لکھا۔ تھا۔ اُس کے ہاتھ میں لال رنگ کا قرآن تھا۔

قرآن کو دیکھتے ہی وہ اُسے لبوں سے لگا گئی۔ اور اشکبار آنکھوں سے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

اور اپنی رب کو پکارنے لگی۔

اللہ۔۔۔اللہ۔۔۔اللہ۔۔۔اللہ۔۔۔اللہ۔۔۔اللہ۔

اُس کے ہر بار پکارنے پر بہت سے انسوں زمیں بوس ہوئے تھے ہر آنسو کے گرنے پر ایک پھول زمین پر اُگا تھا۔۔ جس سے وہ انجان تھی۔

وہ تو بس اپنے رب کی محبت پر شکر گزار تھی۔

سینے سے لگائے وہ اُس قرآن کو محبت میں بار بار چومنے لگی۔

یہ تو۔اُس کے رب کی محبت تھی جو اُس کے رب نے اُس کے دل میں ہولے سے ڈالی تھی۔

آنکھوں سے آنسوؤں زمین پر گرتے رہے اور سامنے انسوں سے ایک باغ تیار ہو گیا۔

""زیمل۔""

کسی نے اُسے پکارا تھا۔زیمل روتی آنکھوں سے یہاں وہاں دیکھنے لگی تو اچانک خود کے پاس دو لوگوں کو کھڑا پاتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماما۔۔۔

بابا۔۔۔۔

دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

زیمل اپنے ماں کے لمس کو محبت سے محسوس کر رہی تھی جو اُس کی ماں بہت محبت سے اُس کے گال کو چھو کر اُسے پیار کر رہی تھی۔

زیمل بابا کی جان۔ میری گڑیا۔ کیوں رو۔ رہی ہو۔؟

باپ کی فکر مندی پر زیمل آنکھوں کو صاف کرنے لگی۔ جیسے بتا رہی ہو کہ میں ٹھیک۔ ہوں بابا۔

میری جان نے کھانا کھایا۔ماں نے محبت سے پوچھا تو زیمل روتے ہوئے نہ میں سر ہلانے لگی۔

چلو آؤ میرے ساتھ یہ کہتی۔ وہ آگے کو بڑھ گئی۔اور اُس باغ میں داخل ہو کر ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئی جو ابھی کچھ دیر پہلے زیمل کے انسوں سے تیار ہو گیا تھا۔

زیمل باپ کی انگلی پکڑے آگے کو بھرنے لگی۔اور پھر اُس درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔

زیمل کے بیٹھتے ہی تالیہ نے ایک پھل زیمل کی طرف بڑھایا۔ جسے زیمل نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اور پھر زیمل اُسے کھانے لگی۔۔وہ پھل ذائقے میں تمام پھلوں سے زیادہ لذیذ اور میٹھا تھا۔

اُس کے پہلے ہی حصے کو کھانے پر زیمل کا پیٹ بھر گیا۔ مگر وہ اُسے پھر بھی کھانے لگی۔

اچانک وہ باپ کے سوال پر متوجہ ہوئی۔

فاتح::'زیمل یہ ہاتھ میں کیا پکڑا ہے.؟

زیمل::: بابا یہ قرآن پاک ہے۔

دیکھیں یہ کتنا خوبصورت ہے۔

اور وہ دوبارہ سے رونے لگی۔ بابا اس کی خوبصورتی دیکھیں یہ لال رنگ میں کتنا دلکش لگ رہا ہے۔

آپ کو۔ پتہ ہے میں نے بارہ سے اسے نہیں چھوا۔ نہ ہی میں نے اِسے اپنے قریب دیکھا۔

فاتح::: زیمل یہ تو۔ تمہارے دل۔ میں ہے۔ کیا تم نہیں جانتی کہ تم نے قرآن حفظ کیا ہے۔

زیمل:: جانتی ہوں پر میں نے اسے چھوا تو نہیں نہ۔ دیکھیں آج بارہ سال کے بعد یہ میرے ہاتھوں میں ہے۔

فاتح:: زیمل۔ قرآن وہ کتاب ہے جسے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی االلہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ نے نازل فرمایا۔

اس کتاب کو ہم ہنٹوں سے چھوتے ہیں۔ ہر اُس وقت جب بھی ہم اس کا کوئی لفظ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں۔

قرآن دلوں میں رہتا ہے اُن کے جو اس سے محبت کرتے ہیں۔

اور میری بیٹی تو بہت محبت کرتی ہے۔ تو کیسے وہ اس کو چھوتی نہیں۔۔ہے۔

کیا تم۔ قرآن نہیں پڑھتی ؟ زیمل۔۔کے باپ نے اُس سے سوال کیا۔

زیمل::: بابا میں کیسے نہیں پڑھتی۔۔۔یہی تو میرے جینے کی آرزو ہے۔

دیکھیں میں نے اس کتاب کی چاہ کی کہ یہ میرے سینے سے لگ جائے۔۔اور

دیکھیں یہ لگ گیا ہے۔

فاتح: تو میری بیٹی پھر کیوں روتی ہو؟

زیمل:: بابا میں آپ دونوں کو بہت یاد کرتی ہوں۔

آنکھوں میں انسوں لیے زیمل اپنی اُداسی میں بولی۔

فاتح:: ہم تو تمہارے ساتھ ہیں دیکھو تمہاری ماں بھی تمہارے ساتھ ہے اور

میں بھی تو پھر کیا رونا۔

زیمل:: بابا میں خوش ہوں کہ آپ اور ماما میرے ساتھ ہیں۔ بس آپ مجھے

کبھی چھوڑ کر نہ جایئے گا۔

تالیہ زیمل کی بات پر مسکرائی اور پھر بولی۔

تالیہ:: بھلا ہم اپنی گڑیا کو کیوں چھوڑ کر جائیں گے

زیمل مسکرانے لگی۔

فاتح: میری بیٹی ہمیں قرآن پڑھ کر نہیں سنائے گی۔

زیمل کے باپ نے گویا اُسے قرآن پڑھنے کی خواہش ظاہر کی ہو۔

زیمل: جی بابا ضرور۔

زیمل نے غلاف سے قرآن نکالا اور اُسے لبوں سے چوما۔

وہ خوشی سے اپنے ماں اور باپ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

قرآن کو پڑھنے کی غرض سے اُس نے قرآن کو کھولا تو حیرت سے اُس کی آنکھیں چمک اٹھی۔

قرآن سونے سے لکھا تھا۔ اتنی خوبصورتی سے کہ زیمل کی آنکھوں میں قرآن چمک رہا تھا۔

اور پھر اُس نے تلاوتِ قرآن کرنی شروع کردی۔

اُس کو آواز میں محبت اور خلوص تھا۔

اتنی۔ میٹھی اور محبت سے بھری اُس کی آواز تھی کہ اُس کے ماں باپ اُسے مسکراتا دیکھ رہے تھے

ہر لفظ پر اُس کا دل دھڑکا تھا۔

ہر لفظ پر اُس کی آنکھیں اشکبار ہوئی تھیں۔

ہر لفظ پر اُس نے رب کا شکر ادا کیا تھا۔

ہر لفظ پر وہ مہکتے ہوئے چہکی تھی۔

ہر لفظ نے اُس کے ایمان کو تر و تازہ کیا تھا۔

ہر لفظ پر وہ رب کو پکاری تھی۔

ہر لفظ پر اُس کا دل رویا تھا۔

ہر لفظ پر وہ مسکرائی تھی۔

ہر لفظ پر اُس نے قربتِ خدا پائی تھی۔

ہر لفظ نے محبت اُس کی بڑھائی تھی۔

کیوں کہ وہ خدا کی محبت میں کھل کر مسکرائی تھی۔

فاتح: میری بیٹی ہمیں قرآن پڑھ کر نہیں سنائے گی۔

زیمل کے باپ نے گویا اُسے قرآن پڑھنے کی خواہش ظاہر کی ہو۔

زیمل: جی بابا ضرور۔

زیمل نے غلاف سے قرآن نکالا اور اُسے لبوں سے چوما۔

وہ خوشی سے اپنے ماں اور باپ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

قرآن کو پڑھنے کی غرض سے اُس نے قرآن کو کھولا تو حیرت سے اُس کی آنکھیں چمک اٹھی۔

قرآن سونے سے لکھا تھا۔ اتنی خوبصورتی سے کہ زیمل کی آنکھوں میں قرآن چمک رہا تھا۔

اور پھر اُس نے تلاوتِ قرآن کرنی شروع کر دی۔

اُس کی آواز میں محبت اور خلوص تھا۔

اتنی۔ میٹھی اور محبت سے بھری اُس کی آواز تھی کہ اُس کے ماں باپ اُسے مسکراتا دیکھ رہے تھے

ہر لفظ پر اُس کا دل دھڑکا تھا۔

ہر لفظ پر اُس کی آنکھیں اشکبار ہوئی تھیں۔

ہر لفظ پر اُس نے رب کا شکر ادا کیا تھا۔

ہر لفظ پر وہ مہکتے ہوئے چہکی تھی۔

ہر لفظ نے اُس کے ایمان کو تروتازہ کیا تھا۔

ہر لفظ پر وہ رب کو پکاری تھی۔

ہر لفظ پر اُس کا دل رویا تھا۔

ہر لفظ پر وہ مسکرائی تھی۔

ہر لفظ پر اُس نے قربتِ خدا پائی تھی۔

ہر لفظ نے محبت اُس کی بڑھائی تھی۔

کیوں کہ وہ خدا کی محبت میں کھل کر مسکرائی تھی۔

سورۃ رحمان کی تلاوت مکمل ہوئی تو اُس کا خواب مکمل ہوا گیا۔

بستر پر لیٹی زیمل کی آنکھیں ہولے سے کھول گئی۔۔۔۔ چہرے پر عجب سا نور تھا۔۔۔۔۔ آنکھوں میں انسوں بھی تھے۔

عجیب سی کیفیت میں مبتلا۔۔۔۔۔ وہ مسکرا بھی رہی تھی

شاید وہ ابھی تک۔ اتنے خوبصورت خواب کے زیرِاثر تھی۔

وہ تو ابھی یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

اُس کے چہرے کی مسکراہٹ کم ہونے کو نہیں تھی۔

چھت کو تکتے ہوئے اُسے نجانے کتنا ہی وقت گزر چکا تھا۔ مگر وہ خواب کے زیرِاثر اتنی ڈوبی ہوئی تھی کہ اُسے حقیقت کی دنیا میں ہونے کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔

دو گھنٹوں کے بعد جب فجر کی اذان کا وقت ہوا تو

نرس جو تینوں اس کمرے میں زیمل کے ساتھ تھی اُن میں سے ایک نیند سے اٹھی۔

باقی دونوں شاید رات جاگتے جاگتے سو چکی تھی۔

زیمل تو ٹھیک۔ تھی۔ صرف سکندر کے حکم۔ پر اُن تینوں کو یہاں ٹھہرایا گیا تھا۔ تاکہ وہ تینوں صرف آج کی رات زیمل کا دیہان رکھ سکیں صبح تک ساری عورتوں کا اسٹاف گھر پر رکھ لیا جائے گا۔

میم۔۔۔۔ آپ ٹھیک۔ ہیں۔ ایک نرس زیمل کی طرف بڑھی۔ جس نے زیمل۔ کو مسکراتے چہرے کے ساتھ چھت کو گھورتے ہوئے دیکھا۔

میم۔۔۔۔۔۔ آپ ٹھیک ہے نہ۔

آپ کو کچھ چاہیئے۔۔۔؟

زیمل اُس نرس کی آواز پر ہوش کی دنیا میں آئی۔ اب وہ خواب کے اثر سے کچھ باہر نکلی تو۔۔۔ آس پاس دیکھتے ہوئی اُسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ وہاں کیا کر رہی ہے۔

نرس زیمل۔ کے بدلتے انداز کو دیکھ کر بولی۔

میم آپ ریلیکس ہو جائیں سب ٹھیک۔۔آپ بتائیں آپ کو کچھ چاہیئے۔۔۔۔؟

زیمل کو یاد آیا کہ وہ سڑک کے کنارے پر گر گئی تھی۔ کیا اُسے گاڑی لگی تھی۔

وہ خود کا وجود دیکھنے لگی۔

نہیں وہ تو بلکل۔ٹھیک تھی۔اور پھر بولی۔

آپ مجھے یہ بتا سکتی ہیں کہ میں کہاں ہوں۔اور مجھے یہاں کون لایا ہے۔

میم آپ ماہِ نور ویلہ میں ہیں۔یہ آپ کا ہی گھر ہے۔

زیمل۔اُس کی بات سمجھ نہیں سکی۔تو بولی۔۔۔ نہیں یہ میرا گھر نہیں ہے۔

وہ نرس بھی زیمل کو سکندر کی وائف سمجھ رہی تھی۔۔۔ سکندر کا اتنا فکر مند ہونا سب پر یہی واضح کر رہا تھا۔

میم۔آپ۔کو کچھ چاہیئے۔۔۔۔تو آپ مجھ بتا دے۔

مجھے نماز پڑھنی ہے۔۔تم۔مجھے قرآن لا دو۔میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔

قرآن ؟

۔وہ نرس بہت حیرانگی سے بولی۔۔۔کیوں کہ ابھی تو زیمل۔ کو ہوش آیا تھا

جی ٹھیک۔ہے میں لاتی ہوں۔آپ کو اور کچھ چاہیئے۔

نہیں مجھے وضو کرنا ہے تم بتا سکتی ہو کہ واشروم کہاں ہے ؟

آئیں میں آپ کو۔لے جاتی ہوں۔۔۔۔۔اور پھر وہ نرس زیمل کو واشروم

لے جانے سے پہلے اُن دونوں نرسز کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

اٹھ جاؤ۔۔۔دونوں۔۔۔۔اُنہیں ہوش آگیا ہے۔

تم۔میں سے ایک میم کے لیے کچھ کھانے کے لیے لائے اور ایک سر کو بتا

آئے کہ اُنہیں ہوش آگیا ہے۔

اور پھر وہ یہ کہتی وہاں سے زیمل۔ کو واشروم تک لے گئی۔

سیڑھیوں کی دائیں جانب نیچے لاؤنج تھا اور لاؤنج میں سکندر رات سے بیٹھا

اُس انجانی لڑکی کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔آج وہ پہلا دن تھا جب

سکندر نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

صرف اس لیے کہ وہ اُس لڑکی سے بات بھی حرام پی کر نہیں کرنا چاھتا تھا۔۔۔کیوں کہ وہ اُسے بہت پاک محسوس ہوتی تھی۔

سیڑھیوں کی بائیں طرف کچن تھا۔جو حال نماں تھا۔اتنا بڑا کچن تو شاید کسی ریسٹورانٹ میں بھی موجود نا ہو۔

دونوں میں سے ایک نرس نیچے کی طرف سکندر کی طرف بھری تو دوسری کچن میں داخل ہو گئی۔۔۔اُس سوپ کو گرم کرنے جو سکندر نے ایک ریسٹورانٹ سے منگوایا تھا۔

سر۔۔وہ نرس سکندر سے مخاطب ہو کر آگے کو بڑھی۔

سکندر اسی کالی شلوار قمیض میں وہاں بیٹھا سو گیا تھا۔۔

وہ سوتے ہوئے بھی بہت روب دار لگ رہا تھا۔

جو اُس نرس کے پسینے چھوٹوا رہا تھا۔

ایک بار پھر اُس نے سکندر کو۔مخاطب کرتے ہوئے بولا

سر۔۔۔۔

سکندر نیند سے بیدار ہوا تو اُس نرس کی طرف دیکھتے ہی بولا۔

اُنہیں ہوش آگیا ہے۔۔۔ وہ اتنی بے قرار سے پوچھ رہا تھا۔۔ جیسے وہ خوابوں میں بھی اسی کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

ج۔۔۔۔۔۔ج۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔۔ میم کو۔ ہوش آگیا

ہے۔۔

میں۔ آپ کو یہی بتانے آئی تھی۔

سکندر نرس کی بات پر فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور اوپر کی طرف بھر گیا۔

دروازے کے باہر وہ کھڑا خود میں ہمت اکھٹی کرنے لگا۔

وہ شاید گھبرا رہا تھا۔

جس روب و دبدبے سے ہر کوئی اُس سے گھبراتا تھا۔۔ وہ دنیا کا پہلا ایسا شخص تھا جو ایک لڑکی کے احساس پر ہی سوچ کر گھبرا رہا تھا۔

۵ منٹ میں ہمت اکھٹی کرنے کے بعد سکندر نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل۔ ہو گیا۔

نرس دروازے کی دستک پر کھڑی ہو گئی۔۔۔اور سکندر کو اندر آتا دیکھ وہ آگے کو بڑھ گئی۔

سکندر کی نظر کمرے میں موجود پہلی اور آخری چیز پر پڑی تو وہ زیمل تھی۔۔۔۔جو سکندر کے مقابل خانہ کعبہ کا رخ کرتے فجر کی نماز ادا کر رہی تھی۔

سکندر آگے کو۔ بڑھا تو نرس کمرے سے باہر چلی گئی۔

سکندر بیڈ کے سامنے دو لمبی ٹیک والے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ اُسے پیچھے سے نماز پڑھتا دیکھ رہا تھا وہ اتنی آہستہ سے نماز ادا کر رہی تھی کہ سکندر اُس کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

وہ۔ کون ہے۔۔؟۔۔چوتھی بار پھر سے سکندر کے دل نے اُس سے یہ سوال پوچھا تھا۔

سفید شلوار قمیض میں وہ زیب تن۔اپنے سر کو سفید چادر سے ڈھانپے سجدے میں گئی۔۔۔۔تو سکندر کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا۔

دل۔ پر ہاتھ رکھتے سکندر بولا۔۔۔۔۔ کچھ تو۔۔۔۔۔۔ حیا کرو۔۔

دل سکندر کی بات پر بول۔ اٹھا۔

جب تمہاری آنکھیں ہی اُسے دیکھنے میں حیا کا دامن چھوڑ گئی ہیں تو مجھے کیوں دھڑکنے پر حیا یاد کرواتے ہو۔

سکندر دل۔ کے جواب پر نظریں جھکا گیا۔

ہائے۔۔۔۔۔۔۔ اُس۔۔۔۔ شخص کی بھی کیا کیفیت ہو جو خود کی محبت کو دل میں جھٹلاتا بھی ہو اور محبت سے محبوب کو تکتا بھی ہو۔

زیمل۔ کو نماز ادا کرتے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ کمرے میں کوئی اور اُسے بیٹھا دیکھ رہا ہے۔

نماز ادا کرتے ہی وہ ہاتھوں کو دعا میں اٹھا بیٹھی۔

سکندر اس کے ہاتھوں پر متوجہ ہوا تو۔۔۔۔۔۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ خدا سے کیا مانگے گی۔۔ جو چہرے پر پہلے ہی اتنا نور رکھتی ہو۔

مگر وہ تو۔کچھ مانگتی ہی کہاں تھی۔ سوائے اللہ کی محبت کے۔۔۔جو اُس کے چہرے پر ہر پل جھلکتی نظر آتی تھی۔

دعا مکمل کرتے ہی اُس نے ہاتھوں کو چہرے سے چھوا تو سکندر کو۔اُس کے ہاتھوں پر رشک آیا۔

سکندر کو ایک ہی رات میں ایسا کیا ہوا تھا۔۔۔جو وہ اُسے دیکھنے کی چاہت رکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا پاتا تھا۔۔

زیمل زمین سے اٹھی تو سکندر بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔۔۔۔مانو۔جیسے وہ اُس کا ملازم۔۔۔۔۔اور وہ اُس گھر کی ملکہ۔۔

جائے نماز کو۔طے کرتی زیمل اٹھی اور سر سے چادر کو ٹھیک کرنے کی غرض سے چادر کو اتارنے لگی۔

سکندر یہ دیکھتے ہی اپنا گلا صاف کرتے نظروں کی جھکا گیا۔

کہ کہی اُسے سر پر بن چادر کے نہ دیکھ لے۔۔۔۔ابھی تو وہ اُسے باپردہ وجود میں۔ہی نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

زیمل اچانک سے سکندر کی آواز پر متوجہ ہوئی تو فوراً سے اپنی چادر کو خود کے گرد کرتے رخ بدل گئی۔

سکندر کی حالت بہت غیر تھی۔۔۔اُسے لگا جیسے وہ اُس کے سامنے کھڑے کھڑے گر جائے گا۔

آخر وہ کون ہے؟ جو اس قدر میرے حواسوں پر سوار ہو چکی۔۔۔ایک بار پھر سکندر کے دل نے اُس سے سوال کیا۔

دوسری طرف۔۔۔۔زیمل خود سے وہی سوال پوچھ بیٹھی جو سکندر کل سے بار بار خود سے پوچھ رہا تھا۔

وہ کون ہے؟ اس بار زیمل کے دل نے یہ سوال اُس سے پوچھا تھا۔

سکندر سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے اور پھر بول اٹھا۔

میں وہی ہوں جس کی گاڑی سے آپ ٹکرانے والی تھیں۔

زیمل واپس کو رخ بدل کر کھڑی ہوئی تو اُس کی نظر اُس شخص پر پڑی جو کافی رو بو دبدبے کی شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔۔۔ مگر اس کی آنکھیں نیچے کو۔ جھکی دیکھ کر زیمل اپنی نگاہوں کو جھکا گئی۔ زیمل کا چہرہ ڈھنپا نہیں تھا۔

آپ بیٹھ جائیں۔۔ سکندر اُس لڑکی سے مخاطب ہوا تھا۔

زیمل بھی سکندر کے مقابل بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ خاصی خوف زدہ تھی اور سکندر یہ بات وہاں بیٹھے محسوس کر چکا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سکندر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولنے لگا تو اُس کا دیہان زیمل کے ہاتھوں کی طرف بھرا۔۔ وہ مسلسل اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسل رہی تھی۔

وہ شاید ڈر رہی تھی۔

سکندر خود کو دوبارہ سے کمپوز کرتے ہوئے بولا۔

آپ ڈریں نہیں۔۔ میں بس آپ سے بات کرنے یہاں آیا ہوں۔

زیمل مقابل کو کوئی جواب نہ دے سکی۔ کیوں کہ سکندر کا وجود اُس کمرے میں اُس کے ساتھ تنہا وہ محسوس کر رہی تھی۔ اور وہ مسلسل دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

آپ ٹھیک ہیں؟... سکندر ایک بار پھر سے ہمت جوٹا کر بولا۔۔

ج۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔

سکندر اُس مقابل لڑکی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔۔ اُسے بس اس لڑکی کا وجود ڈر میں محسوس ہو رہا تھا

اور پھر سکندر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور کمرے کے دروازے کو کھول کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

وہ سمجھ گیا تھا زیمل کے گھبرانے کی وجہ بند کمرے میں اُس کا تنہا میرے ساتھ ہونا ہے۔

آپ گھبرائیں نہیں میں بس آپ سے بات کرنے آیا ہوں۔

کل رات آپ سڑک پر بیہوش ہو گیئں تھی۔۔اس لیے میں آپ کو یہاں لے آیا۔میں اس پر آپ سے معزرت خواہ ہوں۔۔۔۔اور پھر وہ فون کو جھکی نظروں سے زیمل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

یہ لیں فون۔۔۔اور آپ اپنے گھر والوں کو اپنی اطلاع دے دیں۔۔۔وہ پریشان ہو گے۔

زیمل نے تو ایک نظر بھی اُس آدمی کو اٹھا کر نہیں دیکھا جو صرف بغاوت دل پر تین بار زیمل کو دیکھ چکا تھا۔۔جب کہ پہلی نگاہ نے ہو وہ کام کر دیا تھا جو کوئی بھی سکندر کے دل پر نہ کر سکا تھا۔

زیمل کس کو کال کرتی۔۔۔۔اُس کا اس دنیا میں صرف ایک ہی دوست تھا جو اُس کے لیے سب تھا اور وہ اُس کا رب تھا۔۔اُس کا سب کچھ تھا۔

جس سے بات کرنے کے لیے اُسے دنیاوی رابطوں کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔اُس کے انسوں ہی اُس کی آواز عرش تک پہنچا دیتے تھے۔

زیمل کہ دوبارہ سے کچھ نہ کہنے پر سکندر دو قدم آگے کو بڑھا تو زیمل چار قدم پیچھے کو لے گئی۔ احساسِ خوف انسان کو وہ سب کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے جس سے انسان کو سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

اور دیکھنے میں وہ منظر زیمل کے لیے کچھ الگ نہیں تھا۔

وہی سب کچھ تو تھا۔۔۔۔وہ تھی۔۔۔۔۔دروازے سے اندر کی طرف ایک مرد تھا۔۔۔۔سامنے اُس کا خوفزدہ وجود۔۔۔۔اور ایک مرد کے اُس کی طرف بھرتے قدم۔

زیمل کے چار قدم پیچھے لینے پر سکندر اپنے دو قدم پر ہی وہاں رک گیا۔ وہ تو۔اُس کے چہرے کی طرف دیکھ بھی بھی پا رہا تھا۔۔۔۔جھکی نظروں سے سکندر نے اُس انجان لڑکی کے قدم پیچھے کو بڑھتے دیکھے تھے۔

جبکہ دوسری طرف زیمل نے بھی اُس شخص کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔۔وہ بھی اُس انجان آدمی کے صرف دو قدم پر ڈر گئی۔۔یہ جانے بنا کہ اُسی مرد کی آغوش میں وہ اس کمرے تک پہنچی تھی۔

زیمل کی آنکھیں حیا کا دامن خوف میں بھی نہیں چھوڑی تھی۔۔۔ جس کا ثبوت خوف میں جھکی اُس کی آنکھیں تھی۔

اور دوسری طرف سکندر کی غیرت تھی جو اُس باپردہ لڑکی کو دل کی لاکھ بغاوت پر دیکھنے کے ہمت نہیں جوٹا پا رہا تھا۔۔۔۔ وہ کیسے اُسے دیکھتا۔۔۔ جو اُس کی طرف سے دو قدم۔ کے بڑھنے پر ہی گھبرا گئی تھی۔۔۔ وہ لڑکی کیسے اُس کی آنکھوں کی تپش کو برداشت کر پاتی۔

اور پھر سکندر وہاں پڑی شیشے کی بڑی میز پر فون رکھ کر چلا گیا یہ کہتا کہ جن آنکھوں میں حیا ہو اُن کا یوں جھکنا جائز بھی ہے۔۔۔ مگر جن قدموں کو آپ نے فقط خوف کی بنا پر پیچھے کی طرف بڑھایا ہے۔۔۔۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ۔۔۔ سکندر صالح اُن لوگوں میں سے نہیں جنہیں عورت کی عزت کی قیمت کا پتہ نہ ہو۔

یہ کہتا سکندر ایک مسکراہٹ لیے واپس کو موڑ گیا۔ شاید زیمل کے اُس سے خوفزدہ ہو کر چار قدم پیچھے کو بڑھانا اُسے اچھا لگا تھا۔ وہ لڑکی کسی مرد کی آمد

پر اتنی خوفزدہ تھی مطلب سکندر وہ پہلا مرد تھا جس نے اُس کی طرف قدم بڑھایا تھا مگر سکندر اس بات سے انجان تھا کہ زیمل کے خوف کی وجہ ایتان بھی تھا۔ جو شاید کچھ پل کی مصافت پر زیمل کی عزت کو نوچ کھانے کے در پر تھا۔

سکندر کے جاتے ہی زیمل کی آنکھوں سے انسوں کی روانی ہوئی تھی۔ شاید وہ پھر سے اُس رات کے اثر کو یاد کر رہی تھی۔ انسوں کی روانی بڑھی تھی۔۔ مگر یہ۔۔ خوش قسمتی تھی دنیا کی کہ زیمل کے وہ گرتے انسوں سکندر نے نہ دیکھے تھے۔ کیوں کہ اگر وہ زیمل کی آنکھوں میں وہ خوف کے انسوں دیکھ لیتا تو شاید وہ ذیمل کی ان کہی کہانی سمجھ جاتا اور پھر پوری دنیا کو آتشِ دوزخ کی نظر کر دیتا۔ وہ آتش جو اُس کے وجود میں پلتی اُس جنگاری سے پھیلتی جو زیمل انجانے میں اپنی حیا کے بل پر سکندر کے دل میں لگا چکی تھی جس سے وہ اب تک انجان تھی۔

فون کو زیمل سامنے پڑا دیکھ بس دیکھتی جا رہی تھی۔

شاید وہ سکندر کے جواب پر خاصی شرمندہ تھی۔

وہ کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھی۔

اُسے تو کسی کا دل دکھانا آتا بھی نہیں تھا۔ وہ اُس شخص کے جواب پر کچھ بے چین تھی۔

مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ جس شخص کے دل دکھنے پر وہ شرمندہ تھی وہ اُس کی اس ادا پر بھی مسکرا کر گیا تھا۔

پھر وہ کچھ دیر اور فون کو دیکھنے لگی۔ تو خیال آیا کہ وہ اُس فون کا کیا کرے۔ کس کو بتائے کہ وہ کہاں ہے۔ دنیا میں کون تھا اُس کا۔۔۔ جسے اس بات سے غرض تھی۔

مگر جسے تھی وہ اُسی کے گھر میں بیٹھی یہ سوچ رہی تھی۔۔۔جو ایک رات میں ایک نگاہ اُس پر ڈالے کافی بدل گیا تھا۔

دنیا میں اُس کا ایک ہی سہارا تھا اور ایک ہی آسرا جو کہ صرف اُس کا رب تھا جو اُس کا ہمیشہ محافظ بنا رہتا تھا۔

ماں اور باپ کی موت کے بعد اُس نے صبر ہی تو کیا تھا۔

رات گزارنے کی ایک محفوظ چھت کا بندوبست تو اُس کا خُدا اُس کے لیے کر چکا تھا۔ جس پر زیمل اپنے رب کی بہت شکر گزار تھی۔

مگر اب اُسے یہاں سے بھی جانا تھا مگر کہاں یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

نرس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی زیمل کا دل ایک بار پھر سے خوف سے دھڑکا تھا۔

سوپ لاتی وہ نرس زیمل کے پاس کھڑی ہوگئی۔۔ تھی۔

جسے زیمل بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اُس سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔۔

میم سوپ۔۔۔۔۔۔ نرس سوپ کو زیمل کی طرف بڑھاتی بولی۔ آپ کو کچھ اور چاہیے۔

زیمل کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اُس نرس کی بات کا جواب دیتی بولی۔۔

نہیں۔۔۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر۔۔۔۔ نجانے کیا سوچ کر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

نرس سوپ کو دیتی وہاں سے جانے لگی تو زیمل اُسے روکتی ہوئی بولی۔

زیمل: سنئے۔۔

نرس: جی میم۔۔

زیمل: وہ میں نے آپ سے قرآن کا کہا تھا۔۔۔ تکلیف کے لیے معافی چاہتی ہوں مگر میرا دل بہت بے قرار ہے کیا آپ مجھے قرآن لا دیتی ہیں۔

نرس۔۔۔ زیمل کے بار بار کسی کتاب کو مانگنے پر کچھ حیران تھی۔

مگر پھر سر کو ہاں میں ہلاتے وہ وہاں سے چلی گئی۔۔۔

زیمل اب کمرے کے ارد گرد کی دیواروں کو دیکھنے لگی۔

تو بیڈ کی پچھلی طرف ایک بڑی سی تصویر پر اس کا دیہان گیا تو شرمندگی سے اُس کی آنکھیں جھک گئی۔۔

وہ تو سکندر کی تصویر تھی۔

زیمل نے اُس کمرے میں ایک رات گزاری تھی۔۔۔یعنی سکندر کے کمرے میں۔۔۔یہ سوچتے۔۔وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ یہاں تک کیسے آگئی اور اُس کمرے میں بھی۔۔

مگر گھر کا وہ واحد ایسا کمرہ تھا جس میں کیمرہ نہیں لگا تھا۔

ورنہ جو کوئی حرکت بھی گھر میں ہوتی تھی سکندر اُس سے بے خبر نہیں رہا کرتا تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ سکندر نے سارے گھر میں سے اپنا کمرہ اُس باپردہ لڑکی کے لیے چنا تھا۔

ایک طرف زیمل کی حیا تھی تو دوسری طرف اُس کا باپردہ وجود

ایک طرف سکندر کا تڑپتی دھڑکنوں کا شور تھا تو دوسری طرف سکندر کی احترام میں جھکی آنکھیں۔

اب کیا تھا اُن دونوں کے مقدروں میں جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

بھائی۔۔۔۔ یہ اسٹاف کی لسٹ ہے۔۔

سیکیورٹی میں عورتوں کے عملے کو میں نے اندر والے گیٹ تک کھڑا کر دیا ہے۔

باقی گھر کے اندر کے تمام ملازمین کو بھی تبدیل کروا دیا ہے۔

گھر کے اندر کے کیمروں کا سارا انتظام الگ سے کر دیا ہے۔۔۔ جیسے آپ نے کہا تھا۔

سامنے صوفے پر بیٹھا وہ بہت ٹھاٹ سے بیٹھے جمشید کی بات سن رہا تھا اور پھر بولا۔

ان نرسز کو بھجوا دو۔

اور چار ملازموں کو اُس کے ساتھ رہنے کے لیے بھیجو جو ہر وقت اُس کے ساتھ رہے۔

سکندر کیا سوچ کر یہ سب کر رہا تھا۔۔۔۔۔ جمشید بھی اس بات سے غافل تھا۔۔۔ مگر سکندر کا یہ سب کرنا وہ بھی صرف ایک لڑکی کے لیے یہ وہاں موجود اُن تمام لوگوں کو حیرانگی کے سمندر میں گرا رہا تھا جو سکندر کو۔ جانتے تھے۔

جی بھاؤ میں بس ابھی ان نرسز کو واپس بھیجتا ہوں یہ کہتا وہ باہر کی طرف موڑ گیا۔ تو سکندر اپنے سر کو اُس کی ٹیک سے لگائے آنکھیں بند کر گیا یہ سوچتے ہوئے کہ کیا وہ یہاں سے چلے جائیں گی۔

یہ احساس اُس میں ایک عجیب سی تڑپ کو اجاگر کر گیا۔۔

نرس نیچے کو بھرتی چلی آرہی تھی وہ سکندر کی طرف بھری تا کہ کچھ کہہ سکے۔۔ مگر سکندر کے چہرے پر پڑتی شکنوں نے اُسے مسکرانے پر مجبور کیا تو سکندر کی آنکھیں اچانک سے کھول گئی۔

تم۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟

ایک۔ دم سکندر کے غرانے پر وہ ڈر گئی تھی۔

سر۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔۔۔ میم نے

بولا تھا کہ ابھی کہ وہ نرس اپنی بات مکمل کرتی۔ کہ میم لفظ پر سکندر کے

...تاثرات بدل گئے اور اچانک سے بولا

کیا اُنہیں کچھ چاہیئے۔۔۔؟

مقابل میں وہ نرس بس جی ہی کہہ سکی تھی۔۔

کس چیز کی ضرورت ہے اُنہیں؟ سکندر اُس سے پوچھنے پر مجبور ہوا تھا۔۔

سر وہ قرآن مانگ رہی ہیں۔... نرس جواب دیتی بولی۔

قرآن۔۔۔ سکندر نرس کی بات پر زیادہ حیران نہیں ہوا تھا۔ شاید وہ زیمل کو

ایک نظر میں دیکھ کر اُس کے چہرے کے نور سے یہ جان چکا تھا۔ اور پھر بولا۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔ تم جاؤ۔

اور پھر وہ نرس بھی وہاں سے چلی گئی۔۔

قرآن تو اُس گھر میں تھا ہی نہیں۔۔۔۔ تو وہ کیسے اُسے دیتا۔ وہ جگہ تو دوزخ تھی اور قرآن تو وہ خوبصورت کتاب ہے جو مقدس دلوں میں اونچا مقام رکھتی ہے۔

اور وہ جگہ وہ تھی نہیں جہاں اُس کتاب کو رکھا جائے۔

صبح کے سات بج چکے تھے۔

زیمل اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔

کچھ چہرے پر اُس کے مسکراہٹ تھی۔۔۔ اور کچھ اُداسی

مسکراہٹ اُس بابرکت خواب کی وجہ سے تھی۔۔۔ جب سے اُس نے خواب دیکھا تھا اُس وقت سے اُس کا دل اُس کتاب کو سینے سے لگانے کا تھا۔

محبت میں تو لوگ دوسری محبتوں کے زیرِ اثر آکر اُس محبت کے پیمانوں کو بھی بھر لیا کرتے ہیں۔

مگر عشق میں جدائی ہوتی ہے۔۔۔۔ سسکنے کی وجود میں دہائی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ مگر عشق میں مبتلا افراد کو شرک کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔اور زیمل۔کو تو عشق ہے اُس کتاب سے۔۔۔۔ شاید اسی لیے بارہ سال اُس نے اُس کتاب سے جدائی میں کاٹے تھے جسے کبھی وہ چومے بغیر سو نہیں پاتی تھی۔

اور اب تک وہ اُسے چھُونے کو بے قرار تھی۔

سورج کی روشنی تو اُس زمین پر پڑی ہی نہیں تھی۔

سویرا ہونے کے باوجود بھی باہر آسمان میں گھٹا چھاہی تھی۔سکندر کمرے کے ٹیرس پر کھڑا باہر کے منظر کو دیکھ رہا تھا جو اُس کے اندر کے وجود کی طرح سیاہ تھا۔

آسمان پر کالے بادل چھا چُکے تھے۔۔۔۔ جیسے پورے آسمان میں کالی گھٹا چھا گئی ہو۔۔ سکندر نے باہر کی طرف اپنا ہاتھ پھیلایا۔تو بادلوں نے برسنا شروع کر دیا۔۔۔ جیسے وہ سکندر کے اس اشارے پر بیٹھے ہو۔۔۔اور بارش

کے احساس کو چھوتے ہی۔۔۔ سکندر کو خود میں ایک بدلتا احساس محسوس ہوا ۔۔۔ جو شاید بہت حد تک۔۔۔ سکندر کو خود میں موجود کسی خوشگوار احساس کا اشارہ کر چکا تھا۔

بادل زوروں سے برسنے لگے۔۔۔ نا جانے وہ اُداس تھے یا خوش سکندر اُن بادلوں کے آنسوؤں کی کہانی تو نہ سمجھ سکا۔

مگر نجانے کیوں اُسے وہ ہاتھ اپنے دل کے قریب محسوس ہوا تھا جو اپنی چھاپ اُس کے دل کی دیواروں میں چھوڑ چکا تھا۔

دوسری طرف زیمل کمرے میں بیٹھی باہر کے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

چہرے پر کچھ اُداسی واضح ہوئی تھی مگر وہ اُس اُداسی پر مسکراہٹ کا پہرہ بہت مہارت سے لگا گئی۔

کسی یاد میں وہ کھو گئی تھی۔

(یاد

زیمل: سالار آؤ نہ کھیلتے ہیں۔۔۔

سالار: زیمل جاؤ ابھی۔۔۔۔ مجھے پڑھنے دو۔۔۔۔

زیمل: دیکھو کتنا اچھا موسم ہے باہر۔۔۔۔ چلو نہ بہت مزا آئے گا۔۔۔ بارش میں ہی تو زندگی کے رنگ جینے کا مزا ہے اور تم بیٹھ کر پڑھ رہے ہو۔۔۔ چلو نہ۔۔

سالار: زیمل میں نہیں جا سکتا میرا صبح ٹیسٹ ہے۔۔۔

زیمل: اچھا ٹھیک ہے۔۔۔۔ تو پھر میں بھی یہی بیٹھ جاؤ؟ زیمل بہت معصومیت سے اجازت مانگتے ہوئے بولی۔

سالار: ہاں مگر بولنا مت۔ یہ کہتا سالار اپنی کتابوں میں مصروف ہو گیا۔

زیمل: بادلوں نے برسنا شروع کیا تو زیمل وہاں سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔۔۔

اور بولی۔۔۔ سالار بادل کیوں برستے ہیں؟

سالار: یہ کیسا سوال ہے؟

زیمل: سوال تو سوال ہوتا ہے۔۔ سوال کو کبھی کیسا نہیں کہتے بلکہ جواب دینے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہیں.

سالار: سالار زیمل کی بات پر مسکرا کر اپنے سر کو جھٹک گیا اور پھر بولا۔۔۔۔۔ بادل جب اُداس ہوتے ہیں تو وہ برستے ہیں جیسے تمہاری یہ آنکھوں سے انسوں نکلتے ہیں نہ بلکل اُسی طرح۔

زیمل: تو کیا پھر یہ خوشی میں بھی برستے ہوگے بلکل میری آنکھوں میں آتے خوشی کے انسووں کی طرح؟

سالار: ہاں شاید .

زیمل: پر ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ بادل اُداس ہے یا خوش؟

سالار: اگر بادلوں سے برستی بارش تم میں خوشی کا احساس بھر دے تو سمجھنا بادل خوشی میں برس رہے ہیں

اور اگر بادلوں کا برسنا تمہیں اُداس کر دے تو سمجھنا کہ بادل اُداس ہیں۔

زیمل: تو پھر تم بتاؤ تمہیں بادلوں کے برسنے پر کیسا محسوس ہو رہا ہے۔۔۔ کیا تم خوش ہو یا پھر اُداس؟

سالار: کہنا تو ابھی بہت مشکل ہے۔۔۔

زیمل: وہ کیوں؟

سالار: کیوں کہ مجھے خوشی بھی ہے اور اُداسی بھی۔

زیمل: کیا خوشی اور اُداسی ایک ساتھ ہو سکتی ہے؟

سالار: ہاں ہو سکتی ہے...۔۔ کسی کی بق بق سن کر ہو سکتی ہے۔

اور یہ کہتا وہ زیمل کے چہرے کی سرخ ناک پر غصہ دیکھ کر قہقہ لگا کر ہنسنے لگا۔

(حال

چار ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی اُس نرس کے ساتھ۔ شاید وہ اپنے جانے کی اطلاع دینے آئی تھی۔

زیمل کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

میم۔۔۔۔۔۔ کسی کی آواز پر وہ پیچھے کو متوجہ ہوئی تھی۔

اور پھر وہ نہ سمجھی میں اُن کو دیکھنے لگی۔

ایک ملازمہ ناشتے کی ٹرالی پکڑے کھڑی تھی، تو ایک ملازمہ ایک سوٹ پکڑے کھڑی تھی۔۔۔جو آسمانی رنگ کا تھا۔

اور ایک نے قرآنِ پاک پکڑ رکھا تھا

باقی ایک ملازمہ شاید سکندر کی ہدایت پر وہاں بھیجی گئی تھی۔

نرس آگے کو بڑھی اور بولی۔

میم اب یہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔۔۔آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو آپ ان کو بتائیے گا۔

زیمل صرف سر کو ہاں میں جھٹک سکی۔

مگر جب اُس کی نظر قرآن پر پڑی تو زیمل کو اپنا وجود اُس کمرے میں اکیلا محسوس ہونے لگا

مانو بس وہ کتاب اور وہ خود اُس کمرے میں ہو۔

بارہ سال کا عرصہ اُس کی محبت اُس کے دین سے اس قدر بڑھا گیا تھا۔ کہ اُس کا چہرہ ہی اُس کے ایمان کی مضبوطی کا عکس تھا۔

دل کی دھڑکنوں نے چار قدم کی دوری پر وہ کتاب دیکھ کر تیزی پکڑی تو زیمل دل کو پکڑے خود سے مخاطب ہو گئی۔

اے دل

یوں تو نہ دھڑکو کہی دل کے مرض میں مبتلا نہ ہو جاؤ

عشق تو مقدس ہے مگر دلِ مرض میں وہ سمایا نہیں کرتا

سینے سے تو وہ لگا بھی نہیں اور تم دیکھ کر بے قرار ہو

اگر سانسیں اٹک گئی تو معاملہ محشر تک چلا جائے گا

(از قلم طوبیٰ)

وہاں کھڑا ہر کوئی زیمل کی آنکھوں سے برستے آنسو کی کہانی کو اُس کی زبانی سن رہا تھا۔

اُس کے عشق میں ادا کیے ہر حرف پر وہ حیران کن کھڑے تھے۔

اور پھر زیمل لڑکھڑاتے قدموں سے بھرنے لگی۔

ہر قدم پر وہ لڑکھڑائی تھی ہر قدم پر اُس کی آنکھوں سے موتیوں کی برسات ہوئی تھی۔

اور یوں دل میں شور بھرتا گیا۔ دھڑکنوں نے سینے سے ٹکرانا شروع کیا تو زیمل کی آنکھوں سے آنسوؤں باہر برستے بادلوں کی روانی سے بھی تیز ہو گئے۔

وہ تو بس روتی آنکھوں سے بڑھنے لگی۔ چہرے کا نور اور بڑھ گیا تھا۔ وہ زیمل کا دین ہی تھا جس نے اُسے عشق کرنا سیکھایا تھا۔

اور اسی عشق نے اُسے اِس امتحان میں بھی ڈالا تھا۔

کیوں کہ عشق پاک ہے لیکن اگر یہ قرآن کے ہر حرف سے ہو جائے تو دل کی دیواروں پر قرآن کا ہر حرف سونے سے کندہ ہو کر نقش ہو جاتا ہے۔

پھر لاکھ دل دھڑکے اُس قرآن کو دیکھ کر مگر انجام سینے سے لگ کر ہی راحت تک پہنچتا ہے۔

اور زیمل کی کیفیت ایسی تھی کہ وہ چلتے چلتے اُس ملازمہ کے قدموں میں جا بیٹھی جو اُس قرآن کو سینے سے لگائے زیمل کو بہتی آنکھوں سے روتا دیکھ کر رہی تھی۔

زیمل نے کانپتے ہاتھوں کو اُس کے آگے بڑھایا تو وہاں موجود ہر ایک کی آنکھیں سے انسوں نکل گئے۔

زیمل جیسے اُس کتاب کو چھونے کی جدائی میں تڑپ رہی تھی۔

کانپتے ہاتھوں کی لکیروں میں اُس کتاب کا زیمل کو ملنا واضح لکھا تھا۔ مگر بشرط یہ کہ جدائی کا وقت کاٹا جائے۔اور زیمل جدائی میں بارہ سال کا عرصہ کاٹ چکی تھی۔

شاید یہ جدائی کا وقت ہی تھا جو اُس کے عشق کو اس قدر بڑھا گیا تھا۔

ملازمہ نے زیمل کی آنکھوں میں تڑپ کی وہ آخری حد دیکھی تھی جس نے آج اُسے گھٹنوں کے بل مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ملازمہ نے اپنے سینے سے کتاب کو الگ کیا اور پھر اُن کانپتے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے زیمل کے روتے چہرے کو دیکھا تو وہ کتاب اُس کے ہاتھوں میں رکھ دی۔

ہاتھوں کی جلد نے قرآن کو چھوا تو زیمل کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔

لگا جیسے اُس کی روح تک اُس کے چھونے پر بگڑی ہو۔

روح میں تو اُس کے پہلے ہی قرآن کا ہر حرف اترا تھا۔

مگر کتاب کو چھونے کے احساس پر ہی اُس کے وجود میں اک تڑپ کا احساس اجا گر ہوا تو

انسوں۔کی روانی خوشی میں بدل گئی۔دل کی بے قراری اور بڑھ گئی۔اور بڑھتی بھی کیوں نہ کتاب کو دیکھ کر ابھی صرف آنکھوں کو ٹھنڈک ملی ۔۔۔دل تو ابھی تک اُسے سینے سے لگانے کو بے قرار تھا۔

دل اتنی زوروں سے دھڑک رہا تھا جیسے زیمل کے سینے کو چیرتا وہ قرآن سے لگ جائے گا۔

مگر زیمل صرف کتاب کو ہاتھوں میں دیکھ کر روتی جا رہی تھی۔ سینے سے لگانے کے لیے بھی اُسے اللہ کے کلام کو اپنی نظروں سے اوجھل کرنا پڑ نا تھا جو آنکھوں کی روانی کو گوارہ نہ تھا۔

اور وہاں ہر کوئی اُسے ایسے دیکھ کر اُس کی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔ اور صرف ایک سوال دلوں میں جنم لے گیا کہ وہ کون ہے؟

اس کے باوجود وہاں موجود ہر ایک کی آنکھوں میں زیمل کی یہ کیفیت دیکھ کر ہزار انسوں تھے جو شاید زیمل کے ایک برستے انسوں کی جدائی کے برابر نہ تھے۔

کانپتے ہاتھوں سے زیمل نے قرآن کو سینے سے لگایا تو دل کی دھڑکنوں نے سینے سے پیٹنا کا عمل آہستہ کر دیا۔

ملاقاتِ عشق کی یہ کیفیت وہاں موجود ہر شخص پر طاری تھی۔

سینے سے قرآن لگا تو زیمل آنکھوں کو بند کر گئی۔ جیسے وہ اُس قرآن کو سینے میں سمانے کی جستجو کر رہی ہو۔

مگر وہ اس بات سے انجان تھے کہ اُس کا دل تو پہلے ہی قرآن کے ہر حرف سے بھرا ہے۔

مگر سینے سے لگے اُس قرآن کو وہ عشق کی آخری حد پر کھڑی چومتی جانے لگی۔ لبوں نے قرآن کو چومہ تو آنکھوں کی اشکباری نے مزید شدّت اختیار کر دی۔

ملازمہ زیمل کو پکڑنے کے لئے نیچے کی طرف بیٹھی تو زیمل خوشی سے مسکرا کر وہاں موجود ہر شخص کو دیکھنے لگی۔ جیسے اپنی جدائی کے ختم ہونے پر وہاں موجود ہر شخص کی سلامتی کی دعائیں دے رہی ہو۔

قرآن کو وہ پکڑے پھر سے دیکھنے لگی۔۔۔۔ وہ تو خود ایک جنگ کے دہانے پر کھڑی تھی۔۔ کبھی وہ آنکھوں کی راحت کے لیے قرآن کو سینے سے دور کرتی تو کبھی سینے سے مارتے دل کی فریاد کو سن کر اُسے آنکھوں سے ہٹا کر سینے سے لگاتی۔

زیمل پر عجیب سی کیفیت مبتلا تھی۔۔۔۔ کوئی اُسے دیکھ کر کیا کہتا۔۔۔۔۔۔ وہ کون تھی؟۔۔۔۔۔ کیا وہ کوئی عاشق تھی۔۔۔؟ یا اللہ والی۔۔۔۔

پھر زیمل نے قرآن کو دوبارہ اپنے سینے سے لگایا تو عاشق کے دل میں موجود عشق نے شدّت پکڑی تو زیمل کی روتی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور یہ کیفیت اُس پر اس قدر طاری ہوئی کہ وہ وہی ملازمہ سے لگی بیہوش ہو گئی۔ عشق پاک ہو تو جدائی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ضروری نہیں کہ عشق کا دامن صرف خاکی وجود سے جوڑا ہو۔

کیا نہیں دیکھا کہ محبت میں موسیٰ نے خدا کا دیدار مانگا تھا۔

کیا نہیں دیکھا کہ عشق میں خدا نے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش پر بلایا تھا۔

عشقِ حقیقی سے جا ملے ہیں وہ جن کے دلوں میں قرآن بستا ہے۔اور وجود کی پاکی سے زیادہ روح کا پاک ہونا زیادہ عزیز ہے خدا کو۔۔۔کیوں کہ روح کی غذا قرآن کا کلام ہے جو خدا اپنے بندوں سے فرماتا ہے۔

اور زیمل کی جدائی کا پھل قرآن کو سینے سے لگا کر مل چکا تھا جس کی جدائی میں اُس نے بارہ سال قید میں گزارے تھے۔

عشق تو پاک ہے۔۔۔۔اگر رب سے اور رب کی جوڑی چیزوں سے بھی ہو جائے تو بھی جدائی۔۔۔۔صبر۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔وقت مانگتی ہے۔۔کیوں کہ ملاقاتِ عشق تبھی شدّت اختیار کرتی ہے جب دوری۔۔۔۔۔اور تڑپ کی قیمت کا پتہ ہو۔

اور زیمل کی جدائی کا عرصہ اتنا تو نہیں تھا مگر جتنا تھا وہ قابلِ دید تھا۔اُس کا دل اور اُس کی آنکھیں دونوں ہی عشق کی جدائی میں تڑپی تھی۔۔۔۔تو کیسے نہ وہ تڑپتی جب اُس کے وجود کی ٹھنڈک اُس کے سامنے تھی۔

اور زیمل کا عشق اُس کے دین سے اب شدّت اختیار کر چکا تھا جس سے اُس پر بیہوشی طاری ہو گئی۔

وہاں موجود ملازموں میں سے ایک نے قرآن کو زیمل سے جدا کیا تو دو ملازمہ اُس کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھی

میم۔۔۔۔۔ میم۔۔۔۔۔۔ ہوش کریں۔

عجیب سی کیفیت تھی اُس کمرے میں۔۔۔ ہر بری مچ چکی تھی۔

کسی کے چہرے پر پریشانی تھی۔۔۔ تو کوئی مسلسل زیمل کو ہوش دلا رہا تھا۔۔

کوئی پانی کو اُس کے چہرے پر ڈال رہا تھا تو کوئی پریشانی میں ایک دوسرے کو دیکھ رہا تھا۔

کوئی باہر جا کر اطلاع دِینے کو کہہ رہا تھا تو کوئی نہ جانے کی خواہش ظاہر کر رہا تھا۔

کوئی ایک دوسرے کو جانے کی منت کر رہا تھا تو کوئی ہاتھ جوڑ کر نہ جانے کا اعلان کر رہا تھا۔

شاید ہدایات اتنی سخت تھیں کہ زیمل کے بیہوش ہوتے ہی سب کے چہروں کا رنگ اڑ چکا تھا اور خوف سے ہاتھ پاؤں بھی پُھول چُکے تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جمشید گھر میں داخل ہوا۔ تو سامنے سے ایک ملازمہ کے چہرے کے رنگ کو اڑتا دیکھا۔ جو اسی کی طرف بڑھتے ہوئے آ رہی تھی۔

جمشید اپنی جگہ پر رک گیا۔

تو ملازمہ پھولے سانس میں بھاگتے ہوئے آ کر اُس کے پاس رکی اور بولی۔۔۔

ہ۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔و۔۔۔۔و۔۔۔۔۔۔۔وہ

۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔میم۔۔۔۔۔بے۔۔۔۔۔۔بے

۔۔۔۔۔ہوش۔۔۔۔۔۔ہو گئی ہیں۔۔۔۔۔

ڈاکٹر۔۔۔۔۔

ابھی کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی کہ جمشید نے فون کو نکلا۔۔۔اور بولا۔۔۔

ہیلو۔۔۔۔جو گاڑی گیٹ پر آ رہی ہے۔۔۔اُسے واپس بیھجو۔۔۔ابھی کہ ابھی۔۔۔۔

نرسز جو کل رات سے زیمل کے ساتھ تھی اُن کو ابھی وہاں سے روانہ کیا گیا تھا۔۔جو ابھی باہر کے گیٹ تک ہی پہنچی ہو گی۔۔۔اس لیے جمشید نے فون پر گاڑی کو روکنے کا کہا

اور پھر یہ کہتا وہ لاؤنج سے نیچے دونوں سیڑھیوں کے درمیان کی راہداری کی طرف بھاگا جو گھر کی اگلی طرف کا حصہ تھا۔

اور پھر بھاگتا ہوا۔۔۔۔راہداری سے آگے کی طرف بڑھا اور ایک کمرے کے دروازے کو کھولتا ہوا بولا۔

بھائی۔۔۔۔

سکندر جو باہر بارش کے منظر کو دیکھ کر کسی اور کیفیت میں مبتلا تھا۔۔۔جمشید کی آواز پر موڑا۔۔۔اور بولا

تم کیا جمشید یہ بھول گئے ہو کہ تم کس کے کمرے میں بغیر اجازت کے داخل ہوئے ہو۔۔

بھاؤ معزرت چاہتا ہوں۔۔۔۔ میں بس جلدی میں۔

ابھی کہ جمشید کچھ اور بولتا کہ سکندر ہاتھ میں موجود شراب کے ایک گلاس کو زمین پر پٹھک کر بولا۔

تمہاری معزرت کا میں کیا کروں۔۔۔۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم نے ابھی کیا کیا ہے۔

بنا دستک کے تم اندر گھس آئے۔۔

بھاؤ وہ۔

اب اپنی بکواس کو بند کرو اور دروازے کو بند کر کے دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا۔

بھاؤ بات تو سن لیں۔۔ وہ میم۔۔

میں نے کہا یہاں سے ابھی دفع۔۔۔۔ سکندر کو اپنی آدھی بات کے بعد جمشید کی آواز میں میم کا لفظ سنائی دیا تو بولا۔۔۔

کیا۔۔ کیا۔۔۔

کیا ہوا ہے اُنہیں

بھاؤ وہ بیہوش ہو گئی ہیں۔۔۔۔ ابھی۔۔۔ جمشید کے منہ سے صرف بیہوش کا لفظ سن کر ہی۔۔۔ سکندر اپنے اندر موجود ہر قسم کے خیالات احساسات ۔۔۔ کو جھٹک کر باہر کی طرف بھاگا۔۔۔

جمشید کو تو سکندر کا بدلتا انداز سمجھ ہی نہیں آیا۔۔

اور جب تک آیا تب تک۔۔۔ سکندر کمرے سے باہر بھاگتا اُس کے پاس سے نکل گیا۔

۔۔۔ وہ اتنا تیز بھاگا کہ جب تک جمشید کمرے کی دہلیز پر دو قدم سے آگے بھرا تو سکندر سیڑھیاں بھی چڑھ چکا تھا۔

ملازمہ کمرے سے نکل رہی تھی جو سکندر کو وہاں دیکھتے ہی خوف سے۔۔۔۔رک گئی۔

کیا ہوا ہے انہیں۔۔۔۔ سکندر بہت رو بو دبد بے سے بولا۔۔

س۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔وہ مقابل میں سکندر کے انداز پر گھبرا رہی تھی۔۔اور اُس کی کیفیت پر سکندر کا غصہ

مزید آگ پکڑ گیا۔۔۔اور پھر پورے محل نے سکندر کی آواز کو واضح سنا ۔۔۔۔جو شیر کی طرح غرایا تھا۔۔

بولو۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا ہے۔۔۔اُسے۔؟۔۔۔۔۔۔۔بولتی ۔۔۔کیوں نہیں۔۔۔۔ہو

اور پھر اتنا ہوا کہ جہاں سکندر کو دیکھ کر ہی اُس کی آواز کانپی اب اُس کا پورا وجود ہی کانپ رہا تھا۔

دوسری طرف۔۔۔۔ نرسز کو اوپر کی طرف آتے دیکھا جو کافی حد تک ۔۔۔سکندر کی آواز سے گھبرا گئی تھی۔

اُنہیں دیکھتے ہی سکندر بولا۔

دو منٹ میں اُنہیں دیکھو۔۔

دیکھو اُنہیں کیا ہوا ہے۔۔۔

اگر اُنہیں کچھ ہوا تو۔۔۔۔ تم سب کو آگ لگا کر آج یہی دفن کروں گا۔۔۔

دفعہ ہو جاؤ۔۔

جمشید سکندر کی کیفیت دیکھ کر خود بھی کافی خوفزدہ تھا۔اور پھر آگے بڑھتا دیکھ کر بولا۔۔

بھاؤ۔۔۔۔وہ ٹھیک ہیں۔۔۔۔بس بیہوش ہوئی ہیں۔۔۔۔ابھی اُنہیں ہوش آجائے گا۔

آپ لوگ جائیں اندر اور اُنہیں چیک کریں جلدی۔ جائیں۔۔۔۔ جمشید اُن نرسز کے اُڑتے چہروں کی داستان کو دیکھ کر بولا۔۔

اور تم پانی لاؤ۔۔۔۔ جلدی۔۔۔۔۔اور پھر جمشید نے جلدی سے ملازمہ کو بھی وہاں سے بھیج دیا۔۔

دوسری طرف سکندر اپنے اندر کی عجیب سی کیفیت میں آگ بگولا ہو چکا تھا۔۔۔

کبھی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا تو کبھی داڑھی کے بالوں کو ہاتھوں سے ملتا۔۔۔

اُس کی بے قراری کی اصل وجہ زیمل کا اُس کے گھر میں بیہوش ہونا تھا۔۔

وہ تو اُس کے لیے وہ سب کر رہا تھا جس سے اُس لڑکی کو سکون ملتا۔۔۔تو پھر کیسے وہ بیہوش ہو گئی۔

چکر کاٹنے شروع کیے تو سکندر دیکھتے ہی دیکھتے صرف ایک منٹ میں پندرہ چکر کاٹ گیا۔

پانچ منٹ میں اُس لڑکی نے سکندر کا وہ حال کیا تھا کہ جو سکندر کی موت بھی اُس کے سامنے ہوتی تو وہ بھی نہ کر سکتی۔

ایک نرس کمرے سے نکلی تو سکندر اُس پر اپنے رو بو دبدبے اور سوالوں کے ساتھ جیسے جھپٹ ہی گیا ہو۔۔

کیا ہوا ہے۔۔؟

وہ ٹھیک ہیں ؟

اُنہیں ہوش آیا ہے ؟

کیا کوئی مسئلے کی بات ہے ؟

کیا اُنہیں ہوش نہیں آیا؟

کیا میں مل سکتا ہوں ؟

بلکہ ہٹیں میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں ۔۔۔ایک سانس میں سکندر نجانے کیا کیا بول چُکا تھا۔

سکندر نے اُس نرس کو ایک سیکنڈ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا اور اپنے سوالوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے بھی جواب کے حاصل ہونے کا کچھ وقت دیے بغیر اُس نرس کو ہٹاتے ہوئے اندر کی طرف بھر گیا..

اور وہ نرس جمشید کا منہ دیکھنے لگی۔۔۔۔اور جمشید

اُس نرس کا۔۔۔۔کیوں کہ دونوں کی سمجھ سے باہر تھا کہ ابھی ہوا کیا ہے۔

بھاؤ کے بدلتے رویوں کی کہانی اب تو جمشید کی سمجھ سے باہر تھی۔۔۔اور پوچھنے کی ہمت تو اُس میں کبھی تھی ہی نہیں۔۔۔۔ کیونکہ بات یہاں ہمت کی نہیں بلکہ زندگی کی تھی۔۔۔۔ ورنہ جیسے سکندر کے بدلتے رویوں کی کہانی چل رہی تھی یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ سوال پوچھنے کی اجازت پر ہی جمشید اپنی گردن کو کٹواتے ہوئے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ جو اُسے ہرگز گوارہ نہیں تھا۔

دو منٹ میں اُنہیں دیکھو۔۔

دیکھو اُنہیں کیا ہوا ہے۔۔۔

اگر اُنہیں کچھ ہوا تو۔۔۔۔ تم سب کو آگ لگا کر آج یہی دفن کروں گا۔۔۔

دفعہ ہو جاؤ۔۔

جمشید سکندر کی کیفیت دیکھ کر خود بھی کافی خوفزدہ تھا۔اور پھر آگے بڑھتا دیکھ کر بولا۔۔

بھائی۔۔۔۔وہ ٹھیک ہیں۔۔۔۔بس بیہوش ہوئی ہیں۔۔۔۔ابھی اُنہیں ہوش آجائے گا۔

آپ لوگ جائیں اندر اور اُنہیں چیک کریں جلدی۔جائیں۔۔۔۔جمشید اُن نرسز کے اُڑتے چہروں کی داستان کو دیکھ کر بولا۔۔

اور تم پانی لاؤ۔۔۔۔جلدی۔۔۔۔۔اور پھر جمشید نے جلدی سے ملازمہ کو بھی وہاں سے بھیج دیا۔۔

دوسری طرف سکندر اپنے اندر کی عجیب سی کیفیت میں آگ بگولا ہو چکا تھا۔۔۔

کبھی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا تو کبھی داڑھی کے بالوں کو ہاتھوں سے ملتا۔۔۔

اُس کی بے قراری کی اصل وجہ زیمل کا اُس کے گھر میں بیہوش ہونا تھا۔۔وہ تو اُس کے لیے وہ سب کر رہا تھا جس سے اُس لڑکی کو سکون ملتا۔۔۔۔تو پھر کیسے وہ بیہوش ہو گئی۔

چکر کاٹنے شروع کیے تو سکندر دیکھتے ہی دیکھتے صرف ایک منٹ میں پندرہ چکر کاٹ گیا۔

پانچ منٹ میں اُس لڑکی نے سکندر کا وہ حال کیا تھا کہ جو سکندر کی موت بھی اُس کے سامنے ہوتی تو وہ بھی نہ کر سکتی۔

ایک نرس کمرے سے نکلی تو سکندر اُس پر اپنے روبود بدبے اور سوالوں کے ساتھ جیسے جھپٹ ہی گیا ہو۔۔

کیا ہوا ہے۔۔؟

وہ ٹھیک۔ ہیں؟

اُنہیں ہوش آیا ہے؟

کیا کوئی مسئلے کی بات ہے؟

کیا اُنہیں ہوش نہیں آیا؟

کیا میں مل سکتا ہوں؟

بلکہ ہٹیں میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں۔۔۔ایک سانس میں سکندر نجانے کیا کیا بول چکا تھا۔

سکندر نے اُس نرس کو ایک سیکنڈ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا اور اپنے سوالوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے بھی جواب کے حاصل ہونے کا کچھ وقت دیے بغیر اُس نرس کو ہٹاتے ہوئے اندر کی طرف بھر گیا..

اور وہ نرس جمشید کا منہ دیکھنے لگی۔۔۔۔اور جمشید

اُس نرس کا۔۔۔۔کیوں کہ دونوں کی سمجھ سے باہر تھا کہ ابھی ہوا کیا ہے۔ بھاؤ کے بدلتے رویوں کی کہانی اب تو جمشید کی سمجھ سے باہر تھی۔۔۔اور پوچھنے کی ہمت تو اُس میں کبھی تھی ہی نہیں۔۔۔۔کیونکہ بات یہاں ہمت کی نہیں بلکہ زندگی کی تھی۔۔۔۔ورنہ جیسے سکندر کے بدلتے رویوں کی کہانی چل رہی تھی یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ سوال پوچھنے کی اجازت پر ہی جمشید اپنی گردن کو کٹواتے ہوئے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔جو اُسے ہرگز گوارہ نہیں تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی زیمل کے چہرے کے نور پر سکندر کی نظر پڑی تو سکندر ایک دم بدل گیا۔

اس کا غصہ۔بے قراری۔الجھن۔۔۔۔تڑپ۔سب کچھ مدھم پڑ گیا۔

لگا ہی نہیں کہ یہ وہی سکندر تھا جو باہر سب کو مارنے کی دھمکی دے رہا تھا۔

مگر زیمل کے چہرے پر ڈلی ایک نظر اُس میں ہر برے احساس کا خاتمہ کرتی اُس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ اور آنکھوں میں ایک چمک لے آئی۔آہستہ سے جھکی نظروں سے وُہ پھر آگے کو بڑھا تو وہاں موجود سبھی ملازمہ سکندر کی آمد پر متوجہ ہو کر باہر کو چلی گئیں۔

سکندر نے ایک بار پھر سے دل کے بہت زور دینے پر اُسے دیکھا۔تو اُسے زیمل کی انکھوں میں سوجن کا احساس ہوا۔

کیا وہ روئی ہے؟ سکندر خود سے بولا۔

لیکن پھر سے چہرے کے نور کے احساس پر وہ اُس میں کھو گیا۔اور پھر خود میں خود سے مخاطب ہو کر بولا

جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔۔۔تو نظریں جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ اپنی نظروں کو جھکا گیا۔

دل۔۔۔کہتا ہے کہ بس تمہیں دیکھتا رہوں مگر پھر تمھاری حیا کا عکس تم پر نظروں کو ہٹانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

میرے اندر عجیب سی بے قراری ہے۔۔۔۔پہلی بار زندگی میں میں نے خود میں سب بدلتے محسوس کیا ہے۔

میں تو تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔۔۔تو پھر یہ بے قراری کیسی ہے۔۔۔

. یہ درد جو سینے میں اٹھا ہے یہ درد مجھے کہی عشق میں مبتلا نہ کر دے

میں نہیں جانتا میں یہ کیا سوچ رہا ہوں۔پر جب تمہیں دیکھنے پر دل زور دیتا تو بہت سے سوال دل میں جنم لے جاتے ہیں۔

مگر میں بس یہ جانتا ہوں کہ تمہارے وجود کا احساس میرے ہاتھوں کے کانپنے کی وجہ بنا ہے۔جو کبھی نہیں کانپنے۔

اور واقع سکندر کے ہاتھ زیمل کے قریب جاتے کانپ رہے تھے۔

یہ تو نہیں جانتا کہ یہ مجھ میں میرے احساسات کا تم سے اظہار ہے یا اقرار مگر یہ جانتا ہوں کہ جو بھی ہے یہ احساس خود میں بستا کچھ اپنا سا لگتا ہے۔

میں یہ نہیں ہوں۔۔۔جو تمھارے احساس پر ہو گیا ہوں اچانک۔۔

میں ایسا تو تب بھی نہیں تھا۔۔جب میں یہ نہیں تھا۔۔

سکندر بیہوش زیمل کے سامنے نہ جانے اپنی کن کیفیت کا خود میں نام لے رہا تھا۔

شاید وہ احساسات کا خود پر ایک رات میں حاوی ہونا سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔

یا شاید سمجھ کرنا سمجھ بن رہا تھا۔

یا شاید وہ خود کی تڑپ کو نا سمجھی سے جانتے ہوئے ڈر رہا تھا۔۔۔ شاید اسی لیے وہ کچھ باتیں خود سے کہہ گیا جنھیں زیمل نہ سن سکی۔۔۔ نہ ہی سکندر اپنی زبانی اُس سے کہہ سکا۔

زیمل کی آنکھیں کھلی تو خود سے کچھ فاصلے پر اُسے کسی شخص کے ہونے کہا احساس ہوا

پھر اُس نے دھندلی آنکھوں سے گردن کا رُخ اُس طرف موڑا۔

تو اُسے کوئی کھڑا نظر آیا جس کا چہرہ اُس کی آنکھیں واضح نہ دیکھ سکی۔

مگر کچھ دیر کے بعد اُس چہرے کو اُس نے اپنی نظروں میں صاف ہوتا دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو وہی شخص ہے جس کے گھر میں وہ ٹھہری ہوئی ہے۔

زیمل کو لگا جیسے وہ جھکی نظروں کے ساتھ کسی اور ہی۔ دنیا میں گم ہو۔

مگر سکندر کے چہرے پر پریشانی کے احساس کو دیکھتے ہی زیمل شرمندگی سے نظریں جھکا گئی۔ وہ کسی کو اپنی وجہ سے کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

یہ جانے بنا کہ سکندر صالح کوئی عام آدمی نہیں۔

پھر اُسے پہلی ملاقات پر سکندر کے کہے لفظ یاد آئے۔ تو وہ الفاظ اسے اپنے کانوں کی سمت سنائی دیے

جن آنکھوں میں حیا ہو اُن کا یوں جھکنا جائز بھی ہے۔ مگر جن قدموں """"" کو آپ نے فقط خوف کی بنا پر پیچھے کی طرف بڑھایا ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں جنہیں عورت کی عزت کی قیمت کا """"""" پتہ نہ ہو۔

وہ تو پہلے ہی سکندر کے کہے الفاظ پر خاصی شرمندہ تھی۔

اپنی چادر کو ٹھیک کرتی وہ اٹھنے کی کوشش کرتی بیٹھنے لگی تو سکندر خود میں موجود ہوتی گفتگو سے باہر نکلا اور دو قدم آگے کو مدد کرنے کو بڑھا۔

زیمل اچانک سے سکندر کے یوں آگے بڑھنے پر اُس کی طرف متوجہ ہوئی جیسے اُسے اُمید نہ تھی کہ وہ اپنی دنیا میں گُم ہوتا شخص جو اُس سے کچھ دوری پر کھڑا ہے وہ اُس کی ذرا سی حرکت پر متوجہ ہو جائے گا۔

سکندر زیمل کی خود پر توجہ کو محسوس کرتے ہوئے بھی اُس کے پیچھے کے تکیے کو ٹھیک کرنے لگا اور پھر بولا

آپ کو کچھ چاہیے؟

سکندر کے سوال پر زیمل نظریں جھکا گئی اور پھر

زیمل نے سر کو جھکی نظروں سے نہ میں ہلایا۔

سکندر کے پاس صرف ایک رات میں بہت کچھ تھا کہنے کو اور سننے کو مگر وقت کا تقاضا ایسا نہ تھا کہ وہ وہ سب کچھ کہتا جو وہ کہنا چاہتا تھا۔

کیا آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنی خیریت کی اطلاع دی؟

سکندر زیمل سے سوال کرتا پوچھا۔

زیمل نے ایک بار پھر نہ میں سر ہلایا۔

سکندر کو زیمل کے ایسے جواب دینے پر کچھ غصہ آ رہا تھا۔ جس کو وہ بہت مہارت سے خود پر حاوی نہ ہوتے ہوئے بولا

دیکھیں..... آپ اگر ایسے مجھ سے بات کریں گی تو پھر میں اپنا۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ اگر آپ مجھے اپنے بارے میں نہیں بتائیں گی تو میں کیسے آپ کو آپ کے گھر تک پہنچاؤ گا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی سکندر کے پاس اُس انجان لڑکی سے بات کرنے کی یہی وجہ اُسے نظر آئی تھی وہ یہ بات تو خود سے بھی ایک مرتبہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

زیمل گھر کے نام پر کچھ گھبرائی تو سکندر اُس کی گبراہٹ کو محسوس کرتا بہت اٹک کر بولا۔

کیا۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ گھر۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ جانا۔۔۔ چاہتی۔

زیمل نے نظروں کو سکندر کی طرف موڑا تو آنکھوں میں دو موتی لیے وہ نہ میں سر ہلانے لگی۔

سکندر کچھ دیر تک اُس کی آنکھوں میں موجود اُن دو آنسووں کی بوندوں کو دیکھنے لگا جو ہولے سے کسی ان کہی کہانی کا عکس اُس کی آنکھوں میں چھوڑ رہے تھے۔

کیا تھی وہ کہانی جو اُس لڑکی کی آنکھوں میں ایک خوف کا عکس دیکھا رہی تھی۔

زیمل کی آنکھوں کے انسووں کی کرن سکندر کے چہرے کی طرف تھی۔

جب کہ سکندر اُس کی آنکھوں میں موجود آنسوؤں کے پیچھے کی کہانی کو ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بارش کے برسنے کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

بادل زوروں سے گرجے تو زیمل اپنی موٹھیوں کو زوروں سے بند کر گئی۔

جب کہ سکندر کی آنکھوں کے زیرِاثر زیمل کے خوف کو سکندر نے واضح دیکھا اور پھر بولا

آپ آرام کریں کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو آپ ملازموں کو بتا دیجیے گا۔

اور یہ کہتا سکندر وہاں سے چلا گیا۔ سکندر کے دل میں کیا تھا کوئی بھی جانتا تھا۔

کن سوالوں کے بوجھ تلے وہ وہاں سے نکلا زیمل اس سے بے خبر تھی۔

وہ تو بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔اور سننا بھی۔ مگر وہ انجانی لڑکی خود میں بہت راز چھپائے بیٹھی تھی۔۔ جس کی آنکھوں کا خوف دیکھتے ہوئے بھی سکندر اُس راز کو نہ جان سکا تھا۔

دوسری طرف زیمل کا دیہان پاس پڑی میز پر پڑے قرآن کی طرف گیا تو بے اختیاری میں وُہ اُسے اٹھا کر سینے سے لگا گئی۔ زندگی کا مطلب امتحان ہے کوئی کیفیتِ عشق میں مبتلا ہو کر ہر جدائی کے پیمانوں کی جنگ کو جیت کر اپنے عشق کو پاتا ہے، تو کوئی جدائی کی راہ کو سوچ کر بھی خود کو یہ کہتے ہوئے جھٹلاتا ہے کہ وہ ہر سزا کو سُننے کا ہنر تو خود میں رکھ سکتا ہے مگر جدائی نہیں۔
کیوں کہ اگر ایسا کچھ ہوا تو سکندر صالح پوری دنیا کو آگ لگا دینے کی طاقت خود میں رکھتا تھا اور وہ تو وہ تھا جسے موت کا بھی خوف رتی برابر نہیں تھا۔

یار تم سمجھ نہیں رہے ہو سکندر بھائی خود یہاں فلسطین پہنچ گئے ہیں۔اور جو گھاٹا ہوا ہے اُس کا حساب اب وہ مجھ سے مانگے گے۔یعنی میری موت۔

تمہارا کیا ہے تمہارے ایک غلط مشورے نے مجھے میری موت کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

آج جو فارس نام پر میں بہت اتر تا ہوں وہ نام کہی میری قبر کی تختی پر نہ رقم ہو جائے عمر

سکندر بھائی مجھے کسی قیمت پر نہیں چھوڑیں گے۔

پچھلے دو دن سے خوف سے مر رہا ہوں۔ نہ خوف سے سو پا رہا ہوں نہ ہی کھا پا رہا ہوں۔ سانسیں اٹکی ہوئی ہیں۔

دماغ بند ہو چکا ہے۔ پسینے سے شرابور کھڑا ہوں۔ بھائی مجھے کسی قیمت میں نہیں معاف کرنے والے۔

آہستہ آہستہ میں خوف سے مر رہا ہوں۔ میری تمام سوچیں مجھے سکندر بھائی کے ہاتھ کی موت سے پہلے ہی طبّی موت مار دے گی۔

فارس فون پر کسی کو اپنی خوف کی کیفیت سے باخبر کر رہا تھا۔

سکندر کا سو کروڑ ڈالر کا نقصان فارس کے لالچ میں کیے ایک فیصلے سے ہوا تھا۔

اور سکندر تو خود کی ایک پونجی بھی کسی کو معاف نہیں کرتا تھا یہ تو پھر بھی سو کروڑ ڈالر تھے۔

میٹنگ روم میں بیٹھا فارس سکندر کے انتظار میں پسینے سے شرابور تھا۔خوف اُس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا۔وہ جانتا تھا کہ کوئی آج اُسے بچا نہیں پائے گا۔

سکندر یا تو اُس کے جسم کی ایک ایک بوند کو اُس کے جسم سے نکل کر اُسے عبرت کا نشان بنا دے گے۔یا پھر اُس کے سارے جسم کے اعضاء کو اُس سے الگ کر کہ اُس کی موت کو ایک سوالیہ نشان بنا دے گا۔بلآخر فارس نے ساری رقم سکندر کی ڈبو دی تھی۔

فارس سکندر کی دی گئی سزاوں کا خود ایک گواہ تھا۔اُس کی آنکھوں نے سکندر کی طرف سے لوگوں کو دی گئی موت کے وہ نظارے دیکھے تھے کہ جو اس دنیا

کا وحشی سے وحشی انسان بھی کسی دوسرے انسان کو ایسی موت دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مگر فارس تو اُن دردناک موتوں کی فہرست جانتا ہی نہیں تھا جس میں سے شاید ایک اُس کا نصیب ہونے والی تھی۔

میٹنگ روم میں فارس مسلسل کسی پر برس رہا تھا۔

اچانک دروازے کی آہٹ پر وہ مڑا تو خود کے سامنے ایک آدمی کو دیکھا جو باہر سکندر کی گاڑی کی آمد پر اُسے اطلاع دینے آیا تھا۔

کالے رنگ کی رولز رویس کمپنی کے باہر روکی تو کمپنی میں موجود ہر ایک سانس لینا بھول گیا۔

اور بھولتے بھی کیسے نہ آخر باہر کوئی عام انسان نہیں آیا تھا۔اُن سب کی موت کا پروانہ تھا جو شاید اس بات سے لاعلم تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

سکندر دو سال کے بعد وہاں آیا تھا۔اور پہلی آمد میں جو روپ وہاں موجود لوگوں نے سکندر کا دیکھا تھا وہ آج بھی اُن کے دلوں کی دھڑکنوں میں واضح طور پر سنا جا سکتا تھا۔

اور یہ تو کبھی ممکن ہوا ہی نہیں تھا کہ سکندر کسی گناہ گار کو معاف کر دے۔

کیوں کہ یہ تو وہ کبھی خود کے لیے بھی نہیں سوچ سکا تھا۔

نیلے رنگ کی شلوار قمیض میں وہ کیا ہی مست لگ رہا تھا۔آنکھوں کی خوبصورتی پر چشمے کا پردہ تھا۔

بالوں میں پانی کی چمک تھی۔

ایک ہاتھ میں وہ چین کو گھوماتے ہوئے گاڑی سے نکلا تو دوسری ہاتھ سے اپنے کالے چشمے کو ٹھیک کرتا وہ اندر کی طرف بھرا۔

کمپنی کا نام دیکھتے ہی وہ تھوڑا آگے جا کر رُک گیا اور ہنستے ہوئے انداز میں بولا۔

جمشید تمہیں نہیں لگتا۔۔۔یہ نام کافی حرام خوروں کی وجہ سے میلا ہو چکا ہے۔اور تمہیں کیا معلوم نہیں مجھے گندگی سے کتنی نفرت ہے۔

ج۔۔۔۔ج۔۔۔۔جی بھائی۔۔۔۔میں صاف کرواتا ہوں۔

لالہ۔۔۔۔۔۔ جمشید کسی سے مخاطب ہوا تو سکندر اپنی گردن کا رخ اُس کی طرف موڑتے ہوئے بولا

نہ نہ نہ نہ نہ نہ۔۔۔۔۔ یہ تو اب اُنہیں کے خون سے صاف ہو گا جنہوں نے اس نام کے ساتھ غداری کی ہے یعنی سکندر سے۔اور پھر یہ کہتا سکندر چین کو گھومتے ہوئے اندر کی طرف چلا گیا تو سکندر کے تمام باڈی گارڈ بھی اُس کے ساتھ اندر کو بڑھ گئے۔۔

پہلے ہی فلور میں کمپنی کے تمام سٹاف کے لوگ وہاں موجود تھے۔سکندر اندر بڑھا تو سامنے فارس کھڑا تھا۔

پوری کمپنی سکندر کی آمد پر ایک ویران جگہ معلوم ہو رہی تھی۔۔ جہاں لوگ تو بہت تھے مگر کسی کے سانس کی۔آہٹ کی بھی آواز نہ تھی۔

فارس کو دیکھتے ہی سکندر کے تاثرات سخت ہوئے تو اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا بولا۔

کیا ہوا اتنی خاموشی کیوں؟؟ کیا اپنے مالک کا استقبال ایسے کرو گے یا اپنے استقبال پر شادمانے مجھے بندوقوں کی نوک پر بجانے پڑیں گے۔

ہر ایک کی دھڑکنوں نے سکندر کی آواز پر تیزی پکڑی تھی۔اور ایک سنسنی اُن کے پورے وجود میں خوف کی لہر کی مانند دوڑی تھی۔

جن کے ہاتھوں میں پھولوں کا ہار تھا اُن کے ہاتھوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر وہ شیر کے گلے میں ڈال سکے۔

اب کیا یہ ہار اپنی قبروں کے کھودنے تک تھام کر رکھو گے۔یا پھر میرے گلے میں بھی ڈالو گے۔

فارس کانپتے ہاتھوں کے ساتھ سکندر کی طرف بڑھا تھا کہ سکندر کے گلے میں ہار ڈال سکے مگر اس سے پہلے کہ وہ سکندر کے گلے میں ہار ڈالتا اُسے کسی کے ہاتھوں کا جال اپنی گردن میں واضح محسوس ہوا۔

سانس لینے میں فارس کو تکلیف محسوس ہوئی تو نظروں نے گردن پر پڑے ہاتھ کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہاتھ سکندر کا ہے جو شاید اب فارس کی موت کا پروانہ ہو چکا ہے۔

سکندر نے نظروں کا رُخ باقی لوگوں کی طرف کیا تو وہاں موجود ہر شخص اپنی آوازوں کو اپنے ہاتھوں کی مدد سے دبا گئے۔

کسی ایک میں بھی جرات نہ تھی کہ وہ سکندر کے سامنے خوف کے علاوہ کوئی تاثرات دیکھا بھی سکے۔

چہرہ لال ہو گیا تھا۔۔۔فارس سکندر کی گرفت میں سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب کہ وہاں موجود ہر ایک کی سانسیں سکندر کے صرف واضح ایک پرسنٹ غصے کو دیکھ کر رک چکی تھیں.

---ب---ب---ب---ب---بھ---بھ------بھ--

---بھ---بھا---بھا---------بھا------ئ---

اور پھر سکندر اپنے عام سے انداز میں کھڑا فارس کی گردن پر دباؤ اور بڑھا گیا ۔۔۔اور سب نے فارس کے چہرے کو لال سے نیلا ہوتے دیکھا۔

جمشید پاس کھڑا سب کے چہروں کے خوف کو واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔جو سکندر کے صرف ایک پرسنٹ غصے سے خوف میں مبتلا تھے۔۔۔کہ اگر وہ سکندر کا اصل روپ دیکھ لیتے تو ابھی کہ ابھی اپنی قبروں کو خود اپنے ہاتھوں سے کھود لیتے کہ شاید وہ اُس موت سے بہتر ہوتی جو اگر سکندر ان کو دینا چاہتا تو کوئی اُن کو اُس سے بچا نہ پاتا۔

فارس مسلسل سکندر کے ہاتھوں کی گرفت میں تڑپ رہا تھا۔

بھ۔۔۔فارس کے ہونٹوں نے صرف آپس میں ملتے ہوئے نیلے چہرے کے ساتھ صرف یہ دو حرف ادا کیے تو سکندر نے اُسے اپنے ہاتھوں کی گرفت سے اُس کی گردن کو آزاد کر دیا۔

اور پھر وہی سکندر کے ایک باڈی گارڈ نے ایک کالے رنگ کے صوفے کو سکندر کے بلکل پیچھے رکھا۔

اور فارس کو دیکھتا ہوا سکندر اپنی طاقت کا روب سب کو دیکھاتے اُس پر بیٹھ گیا۔

فارس گلے کو پکڑتے ہوئے کھانسنے لگا۔۔۔سائنس میں دشواری اُس کے چہرے پر واضح تھی۔

کسی میں اُس کو پانی تک پلانے کی ہمت نہ تھی۔

سب کی توجہ فارس کے کانپتے وجود پر تھی اور پھر سکندر ایک ٹانگ پر ہاتھ رکھے بہت روب سے بولا۔

ہاں تو ہم کہاں تھے۔۔۔؟

سب ایک پل میں ہی سکندر کی آواز پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔

ہاتھوں کو جوڑے ہر ایک کے چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔

کیا ہی وہ منظر تھا۔

اور پھر سکندر کی ہنسی کی آواز ہر طرف گونجنے لگی۔

اور پھر سکندر کی ہنسی ایک پل میں غائب ہو گئی۔

میں سکندر صالح یہاں آج حساب لینے آیا ہوں اور مجھ سے کسی قسم کی بھی رحم دلِ کی اُمید وابستہ رکھنا تم لوگوں کو خود موت کے گھاٹ اتارنے کے برابر ہے۔

فارس زمین پر کھانستے ہوئے سکندر کی بات پر متوجہ ہوا تو زمین پر ہی گھسیٹتے ہوئے سکندر کے پیروں میں بیٹھ گیا۔

بھائی۔۔۔۔بھائی۔۔۔۔۔۔۔بھائی۔۔۔۔۔صرف ایک موقع۔۔۔۔مجھے۔۔۔بس ایک موقع دے دیں۔۔۔۔بھائی میں آپ کے لیے سب کرنے کے لیے تیار ہوں۔۔۔۔۔دیکھیں می۔۔۔۔۔مہ۔۔۔۔۔۔۔۔میں سب کروں گا میں وعدہ کرتا ہوں۔میں آپ۔۔۔۔

سکندر نے فارس کو ایک بار پھر سے گلے سے پکڑا اور پھر ہنستے ہوئے بولا۔

سب۔۔۔۔تم میرے لیے سب کرنا چاہتے ہو۔۔۔تو پھر پہلے میرے مال کا حساب دو فارس۔۔۔۔ورنہ۔۔۔۔تم مجھے اتنا تو جانتے ہو۔۔۔۔کہ سکندر صالح۔۔۔درد کی آخری حد تک اپنے دشمن کو عبرت ناک موت دینے کا ہنر

رکھتا ہے۔۔۔اور اگر تم حساب دینے میں کامیاب نہ ہو سکے تو آج فارس یہ سب تیری دردناک موت کے گواہ بنیں گے۔

بھائی۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔۔۔بس ایک موقع۔۔۔۔۔آئندہ آپ کو زندگی میں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گا۔

جمشید سکندر کی طرف دو قدم کے ساتھ بڑھا۔اور پھر جھکتے ہوئے سکندر کے کان میں کچھ کہہ گیا۔

جس پر سکندر نے فارس کو گلے سے پکڑتے ہوئے ایک سرد نظر ڈالتے ہوئے اُسے خود سے دور کیا۔اور پھر اُس جگہ پر شیر کی طرح ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

جیسے وہاں جنگل کے شیر نے اپنے پنجے گاڑے ہو۔

مگر یہ شیر تو اُس جنگل کے شیر سے زیادہ خطرناک تھا۔جس کی صرف ہنسی پر ہی وہاں موجود ہر ایک شخص سانس لینا بھول گیا تھا۔

بھائی۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔بس ایک موقع۔۔اس سے پہلے کے فارس اپنی بات مکمل کرتا۔

سکندر کے دو آدمیوں نے ایک شخص اٹھاتے ہوئے فارس کے قریب پھینکا۔

فارس ایک پل کے لیے ہل بھی نہیں سکا تھا۔وہ تو سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ اُس کے قریب کسے پھینکا گیا ہے۔

سکندر کے چہرے پر عجیب سی ہنسی تھی۔جو خوف میں مبتلا لوگوں کو کانپتے پر مجبور کر رہی تھی۔

اچانک سکندر فارس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا

دیکھ لو فارس۔۔۔۔تمہارا ہی دوست ہے۔

فارس جو سکندر کی طرف متوجہ تھا۔اُس کی بات پر ہولے سے اپنے سر کو گھوماتے ہوئے اپنی دائیں طرف دیکھتے ہوئے کانپتی آواز میں بولا۔

ع۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔ع۔۔۔۔مر۔۔۔۔۔

خون میں لت پات وہ شخص اور کوئی نہیں عمر تھا جس سے کچھ دیر پہلے ہی فارس فون پر بات کر رہا تھا۔ وہی تھا جس کے کہنے پر فارس نے سکندر کے سو کروڑ ڈالر کو ایک انویسٹمنٹ کے طور پر ایک پیسہ ڈبل کرنے والے ایک فراڈ بزنس میں لگا کر اپنی موت کو خود دعوت دی تھی۔ جبکہ فارس اس بات سے انجان تھا کہ یہ جال تھا۔۔۔۔ ایسا جال۔۔ جو اُس کے اپنے ہی دوست نے اُس کے لیے بیچھایا تھا۔

عمر کا وجود ایک دم خوں میں لت پت تھا۔

وہاں موجود ہر کوئی اُس عمر نامی ایک شخص کی حالت پر کانپنے لگے تھے۔

ہاتھوں کو ہونٹوں کی سمت کرتے ہر کوئی اپنی خوف سے بھری چیخوں کو دبا گیا تھا۔

کیوں کہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو فارس یا عمر سے پہلے سکندر کسی اور کی جان عبرت ناک بنا دیتا۔

تالی کی آواز پر ہر کسی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑی اور پھر ہر کسی کی توجہ عمر سے سکندر کی طرف مڑ گئی۔

اور پھر ایک ہی تالی کی آواز پر تمام بندوقوں کا رخ وہاں موجود ہر ایک شخص کی طرف ہو گیا۔

جس سے خوف میں مبتلا لوگوں کی آنکھوں سے انسوں کی ایک لہر روانہ ہونا شروع ہو گئی۔

۔بہت سو کی آوازوں نے گلے سے خوف میں نکلنے کا قدم بھی اٹھایا۔ جسے صرف سکندر کی ایک نظر نے ہی دوبارہ گھوٹنے پر مجبور کر دیا۔۔

ڈرنے کی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ بلکل بھی ڈرو نہیں تم سب کو۔۔۔ بلکل بھی درد نہیں ہو گا۔

سب کے چہروں پر خوف تھا اتنا کہ ہر کوئی خوف کی سولی میں لٹکا اپنی موت کو سامنے دیکھتے ہوئے تڑپ رہا تھا۔

اور سکندر اُن سب کو خوف کی موت مار رہا تھا۔۔

توکیامیری بات پر یقین نہیں ہے۔؟ سکندر بہت روبود بدبے سے بولا

چہروں میں واضح خوف سکندر کی بات کاجواب صرف ہاں میں دے سکا۔

نہیں یقین تم لوگوں۔۔۔۔۔ چلو میں دکھاتا ہوں۔اور پھر ایک گارڈ سے

بندوق کو پکڑتے ہوئے سکندر نے نشانہ باندھ اور فائر بولا۔۔ توہر کوئی خوف

سے آنکھوں کو میچ گیا۔

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ٹھا

ہر طرف گولیوں کی آوازوں نے جگہ لے لی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کس پر پہلے نشانہ باندھا گیا اور کس کی جان اُس کے جسم سے پہلے قبض کی گئی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ موت نے کس کو پہلے گلے لگایا اور کس کو بعد میں۔

۔اور پھر گولیوں کے شور کے بعد ایک سناٹا ہر جگہ چھا گیا۔اور پھر ایک آواز اُس ویرانے میں گونجی

میں نے کہا تھا نہ بلکل بھی درد نہیں ہو گا۔

اور پھر ہر ایک کی میچی ہوئی آنکھوں نے وہ واضح منظر خوف کی آخری حد میں کھڑے دیکھا جو دیکھنے کے لیے جسم میں کچھ طاقت باقی ہونا ضروری تھی۔

اور پھر ہر کوئی اپنے زندہ وجود کو دیکھتے ہوئے سکندر کی طرف متوجہ ہوا۔

جس کے چہرے پر صرف مسکراہٹ تھی۔

کیوں کہ جن گولیوں کی آواز سے ہر جگہ سناٹا چھایا تھا۔اُن میں سے ایک بھی گولی کسی ایک بھی شخص کو چھو کر نہیں نکلی تھی۔۔یہ تو سکندر صالح کا اپنے

خوف کو دیکھانے کا انداز تھا۔ جو مقابل کی جان تک کو حلق میں لا کر اٹکا دیتا ہے۔۔۔ اور وہاں موجود ہر شخص اپنی موت اپنی دھڑکنوں کے واضح شور میں سن رہا تھا۔

اور پھر کتنے ہی وجود سکندر کے خوف کی صرف ایک حد کو دیکھ کر وہاں بیہوش گر پڑے۔ جس پر سکندر مسکرا گیا۔

اور پھر سکندر عمر کی طرف بڑھا تو وہ اور فارس خوف میں اس قدر کانپ رہے تھے کہ دنیا میں کوئی انسان کسی کو دیکھ کر اتنا خوف میں نہیں کانپا ہو گا۔

اور پھر سکندر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

عمر حدید۔۔۔ ابھی تیری موت کا وقت قریب نہیں ہے۔ یہ تو صرف ٹریلر تھا صرف اس لیے کہ آج سکندر صالح کا موڈ کسی کو موت کے حوالے کرنے کا نہیں ہے۔ ورنہ یقین مانو تمہارے جسم کی سری انتروں کو نکال کر، تمہارا دل چیر کر۔۔۔ تمہیں موت نہ دیتا۔۔۔۔ اُس وقت تک جب تک تم درد کی آخری حد کو چھو نہ لیتے۔ یاد رکھنا اگر اگلی دفعہ میرے پیسوں پر نظر بھی

ڈالی تو آج تو میں نے چھوڑ دیا ہے اگلی دفع تمہیں مجھ سے کوئی بھی بچا نہیں سکے گا۔

اور فارس آج کے دن سے اچھا سبق حاصل ہو چکا ہو گا تمہیں بھی۔

تمہیں آخری موقع دیا ہے۔اور جس دن تم نے یہ آخری موقع گنوہ دیا تو یاد رکھنا تمہاری موت تمہاری سامنے کھڑی ہو گی۔۔اور اُس دن۔۔۔۔تم میرا وہ روپ دیکھو گے جو آج تک کوئی بھی نہیں دیکھ سکا ہے۔

یہ کہتا سکندر اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا۔۔۔

آپ سب سے بھی مل کر بہت اچھا لگا ہے۔اس مہینے کا بونس میری طرف سے۔۔۔اپنے کام کو پوری ذمے داری سے کریں۔۔۔۔لگن سے کریں گے تو آج کا منظر دوبارہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔

اور پھر سکندر اپنے چشمے کو لگاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

اور خوف میں ڈوبے لوگ جو ہوش میں تھے سکندر کو صرف جاتا ہی دیکھ سکے

۔

اور سب تو اسی خوف میں تھے کہ کیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔

کیا تھا وہ آدمی جو پل میں اپنی شخصیت کا ایسا روپ بدلتا تھا کہ مقابل خوف میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

بابا جی کہتے ہیں کہ

انسان کے تین چہرے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جو وہ سب کو دکھاتا ہے

دوسرا وہ جو اپنے قریب ترین لوگوں کو دکھاتا ہے

اور تیسرا وہ جو وہ اکیلے میں خود کو دکھاتا ہے

اور سکندر کے تینوں رُوپ اُس کے ہر ایک روپ سے مختلف تھے جو اُسے تین مختلف شخصیت کا روپ دیتے تھے۔اور شاید ابھی تو سکندر کا ایسا روپ بھی دیکھا جانا تھا جو اُسے باقی تمام روپوں کے مقابل ایک نیا درجہ دینے والا تھا

۔

زیمل کمرے میں بیٹھی قرآن کی تلاوت میں مشغول تھی۔اُس کی آواز میں بہت میٹھاس تھی۔اور وہ پچھلے دو گھنٹوں سے قرآنِ پاک کو پڑھنے میں کھوئی تھی۔

کمرے میں موجود ملازمہ بھی زیمل کی آواز میں قرآن کو سنتے سنتے کھو سی گئی تھی۔

میم آپ کے کپڑے۔۔۔۔ایک ملازمہ زیمل کے پاس کپڑوں کو رکھتی ہوئے بولی۔

اور پھر زیمل نے قرآن کو بند کرتے لبوں سے لگایا اور اُسے غلاف میں ڈالنے لگی۔تو کسی خیال کو سوچتے ہوئے رُک گئی

(یاد

تالیہ: زیمل کیا تم نے قرآن پڑھا۔

زیمل: جی۔۔۔ماما

تالیہ: شاباش۔۔۔ چلو بیٹھو یہاں میں نے اپنی بیٹی کے لیے سینڈوچ بنائے ہیں۔

زیمل: زیمل خوشی کے ساتھ کچن میں موجود ایک چھوٹی سی کُرسی پر بیٹھ گئی۔اور کھانے لگی۔

تالیہ: میری گڑیا کو کیسا لگا ہے۔؟

زیمل: بہت مزے کا۔۔۔۔

تالیہ: چلو پھر تم کھاؤ میں آتی ہوں اوپر سے تمھارے بابا کے کپڑے لے آؤں۔

زیمل کچھ سوچتے ہوئے بولی۔: ماما ایک سوال پوچھوں۔

تالیہ: ہاں پوچھو آج کون سا نیا سوال آیا ہے میری گڑیا کے چھوٹے سے دماغ میں۔

زیمل: ماما قرآن کو غلاف میں کیوں رکھتے ہیں۔آج جب میں بی اماں کے پاس بیٹھ کر پڑھ رہی تھی تو اُنہیں نے قرآن کو کھولنے سے لے کر رکھنے تک کا طریقہ سب کو بتایا۔میں اُن سے پوچھنا چاہتی تھی مگر اُس سے پہلے ہی بی

اماں نے سب کو چھٹی دے دی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ہم قرآن کو غلاف میں کیوں رکھتے ہیں؟

تالیہ زیمل کے سوال پر مسکرائی اور پھر بولی: زیمل قرآن ایک خوبصورت کتاب ہے ایسی کتاب جو عرشوں سے زمین پر اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی صورت میں نازل ہوئی۔ یعنی یہ وہ کلام ہے جو خداوند اپنے بندوں سے فرماتا ہے۔ یہ ہدایت کی کتاب ہے۔ یعنی مقدس کتاب۔ اور جو چیز مقدس ہوتی ہے وہ قیمتی بھی ہوتی ہے۔ اور جو چیز قیمتی ہوتی ہے اُس کی شان وشوکت بھی ہمیں عزیز ہوتی ہے۔

جیسا کہ خداوند کے گھر کی خوبصورت دیواروں کی اینٹوں کو کالے رنگ کے خوبصورت غلاف میں دھکا جاتا ہے۔

جیسے خداوند نے انسان کی خوبصورت اور چمکتی نور سے بڑھی روح کو جسم کے غلاف میں رکھا ہوا ہے۔

قرآن مجید ایک مقدس اور پاک کتاب ہے ایسی کتاب کہ خُداوند فرماتے ہیں کہ

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ‌ؕ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ (سورۃ الحشر) ۲۱

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

تو قرآن کے مقدس ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔

قرآن کی شان یہی ہے کہ اُسے غلاف میں رکھا جائے تاکہ کوئی گندگی کوئی مٹی اُس کی پاکی پر نہ پڑ سکے۔

زیمل: ماما تو کیا خداوند کو یہ کتاب اتنی پسند ہے؟

تالیہ: ہاں۔۔۔خُداوند کو یہ کتاب بہت پسند ہے اور جو لوگ اس کتاب سے اور خُداوند کے پسندیدہ دین سے محبت کرتے ہیں خداوند ان کو بھی بہت محبوب رکھتا ہے۔

زیمل: تو پھر میں بھی اپنے سپارے کو غلاف میں رکھوں گی۔اور خُداوند سے بہت محبت کروں گی۔

زیمل کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ کر تالیہ مسکرادی۔

اور مسکراتی بھی کیوں نہ اُس کی بیٹی اُس کی کل کائنات تھی۔

(حال

میم۔۔۔۔لائیں میں کر دیتی ہوں۔ایک ملازمہ زیمل کو خیالوں میں گم ہوتا دیکھ بولی۔

زیمل اگلے ہی لمحے ہوش کی دنیا میں آئی۔

اور پھر مسکراتے ہوئے اُس نے نہ میں سر ہلایا۔اور قرآنِ پاک کو بہت محبت سے اُس نے قرآن کے غلاآف میں ڈالا اور پھر اُسے ملازمہ کو پکڑادیا۔

میم آپ کپڑے بدل لیں۔ پاس کھڑی دوسری ملازمہ زیمل سے مخاطب ہوئی۔

زیمل اُس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔ اور اُس خوبصورت لباس کو ملازمہ کے ہاتھوں سے اٹھایا۔ لباس کا رنگ آسمان سے ملتا تھا۔ لباس بلکل سادہ مگر کپڑا انہایت نفیس تھا۔ زیمل کو کپڑوں کی زیادہ پہچان نہیں تھی۔ اور ہوتی بھی کیسے وہ لیہ کے پرانے کپڑوں یا پھر ایوا کے کپڑوں کی اترن کو استعمال کرتی تھی جو پہلے سے ہی نہایت بری حالت میں ہوتے تھے۔

لیہ ہی نے اسے پہلا لباس نیا تحفے میں دیا تھا۔ جس کو وہ پہلے سے ذیب تن کیے کھڑی تھی۔ اچانک لیہ کا خیال آیا تو تو اُسے لیہ کی بہت فکر ہوئی۔

میم وہ واشروم ہے اور واشروم کے ساتھ یہ جو کمرہ ہے آپ یہاں کپڑے بدل لیں۔ میں باہر ہی کھڑی ہوں آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بتا دیجیے گا۔

اور پھر زیمل اُس کمرے میں داخل ہو گئی۔

وہ کمرہ سکندر کی واڈروب کی چیزوں سے بڑھا پڑا تھا۔

اندر داخل ہو کر زیمل نے اُس کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

اور پھر جب وہ موڑی تو اُس کمرے کو دیکھ کر اُسے لگا جیسے وہ کسی دکان کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہے۔ بس فرق اتنا تھا کہ وہاں ان گنت چیزوں کو بیچنے والا کوئی بھی نہ تھا۔

زیمل بنا کسی چیز کو چھوئے ہر چیز کو دیکھنے لگی۔

شلوار قمیض سے بھری ایک نہیں بلکہ دو الماری سیٹ تھی۔ مگر رنگوں میں کالی اور نیلے رنگ کی تعداد زیادہ تھی۔

پینٹس سے بھری ایک اور الماری کو مکمل اور شان دار طریقے سے سجایا گیا تھا۔

شرٹس کی ایک الگ سے الماری تیار تھی۔

آگے پینٹ کوٹس کا الگ ہی خزانہ تھا۔

گھڑیاں ایک سے ایک بھر کر وہاں موجود تھی۔

جوتوں کی ایک لمبی فہرست وہاں موجود تھی۔

مگر اُس کمرے میں ایک اور بہت ہی بڑی الماری موجود تھی۔ مگر وہ بند تھی۔ زیمل نہیں جانتی تھی کہ اُس میں کیا ہے۔اور جانتی بھی کیسے وہ واحد الماری اُس کمرے میں بند پڑی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو زیمل دروازے کی طرف بڑھی شاید ملازمہ زیمل کی خیریت کو جاننا چاہتی تھی۔ زیمل نے جلدی سے کپڑوں کو بدلا تو اُسے کپڑوں میں دوپٹے کے علاوہ ایک حجاب ملا۔ جو دیکھنے میں بلکل سادہ مگر دل کو چھو رہا تھا۔ زیمل اُن کپڑوں کی سادگی پر اُن کی خوب صورتی کا جال دیکھ رہی تھی۔

کپڑوں کو بدلتے ہی اُس کمرے میں موجود وہ ایک ائینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو وہ اتنی خوبصورت معلوم ہوئی جیسے وہ اس دنیا کی نہ ہو۔

لباس میں ایک لمبی فراک تھی اور پیروں کی ٹخنوں کو چھپانے تک کا پاجامہ تھا۔ بازوں سے بھی کپڑا ایسا تھا جو زیمل کے وجود کو مکمل طور پر ڈھانپ رہا تھا۔

زیمل نے اُس حجاب کو پکڑا تو اُسے اپنی ماں کی کہی بات یاد آئی۔

عورت بظاھری طور پر بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی کے اُس کی حیاء"

۔۔۔حیاء روح میں ہو تو وہ آنکھوں سے جھلکتی ہے مگر اگر جسم میں دیکھنا ہو تو وہ عورت کے لباس کا عکس ہوتی ہے۔ یہ بال جو عورت کی سب سے بڑی خوبصورتی ہوتے ہیں۔۔ زیمل اسے کبھی نمود و نمائش کے لیے استعمال مت کرنا۔ اگر روح کی حیا کو اللہ نے انسان کے جسم میں چھپایا ہے جس کا عکس ہم صرف آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو یاد رکھو جسم کی حیاء کا عکس تمھارے سر سے لے کر پاؤں تک کے لباس میں چھپا ہے.

یاد ہے نہ کہ جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہہ کے سر سے دوپٹا سَرک گیا تھا تو کیا ہوا تھا۔

زیمل: ہاں ماما۔۔۔۔تب وقت رُک گیا تھا کیوں کہ اُن کے دو بال دوپٹہ سرک جانے کی وجہ سے نظر آنے لگے تھے۔

تالیہ: تو پھر یہ یاد رکھو کے بالوں کو ہمیشہ چادر کی زینت میں چھپا کر رکھنا۔اور کبھی نمود و نمائش کیلئے پیش نہ کرنا۔کیوں کہ خُداوند کو یہ عمل بلکل پسند نہیں۔

اور پھر زیمل کو قرآن کی وہ آیت یاد آئی جو اُسے حیا کا دامن نہ چھوڑنے دیتی

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

(النُّور ,24:31)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصہ) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں اور وہ اپنے بناؤ سنگھار کو (کسی پر) ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب، مسلمان) عورتوں یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مردوں میں سے وہ خدمت گار جو خواہش و شہوت سے خالی ہوں یا وہ بچے جو (کم سِنی کے باعث ابھی) عورتوں کی پردہ والی چیزوں سے آگاہ نہیں ہوئے (یہ بھی مستثنٰی ہیں) اور نہ (چلتے

اپنے پاؤں (زمین پر اس طرح) مارا کریں کہ (پیروں کی جھنکار ہوئے) سے) ان کا وہ سنگھار معلوم ہو جائے جسے وہ (حکمِ شریعت سے) پوشیدہ کئے ہوئے ہیں، اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کر واے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہو کر) فلاح پا جاؤ۔

زندگی وہ امتحان ہے جس کا حساب آخرت میں ہو گا۔

اور اس امتحان کی کامیابی کا سب سے بڑا اور یکی رستہ قرآن ہے جو زندگی کے ہر معاملے کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔اگر سوالوں کے جوابات کی مخلصی کو دیکھنا چاہو تو قرآن کو کھولا کرو اور پڑھا کرو۔یاد رکھوں قرآن اپنے سینے میں وہ ہر راز رکھتا ہے کہ اگر تم اُسے کلِ کائنات میں بھی تلاش نہ کر پاؤ تو قرآن میں اُس کا جواب موجود ہو گا۔

کیوں کہ یہ کتاب ایک مکمل کتاب ہے جس میں اللہ نے چودہ سو سال پہلے جو فرمایا وہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

حجاب سے اپنے بالوں کی زینت کو زیمل مکمل طور پر ڈھانپتے ہوئے باہر کی طرف موڑ گئی۔

اور اپنے پورے وجود کو وہ اُس لباس میں ڈھانپے بہت خوبصورت اور باحیا معلوم ہو رہی تھی۔

اور جو خوبصورتی اللہ کے ہاں دیکھنے میں ہے وہ دنیاوی نمودو نمائش میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتی کیوں کہ ایسی بے نام خوبصورتی خوبصورتی نہیں بلکہ اپنے اندر کی بدصورتی کا وہ واضح عکس ہوتی ہے جسے عورتیں بعض دفع سر بازار جانے انجانے میں لوٹا آتی ہیں۔

کمپنی سے نکلتے ہی سکندر بہت روبود بدبے سے چلتا اپنی کالی رنگ کی گاڑی میں آکر بیٹھا جس کا دروازہ سکندر کے ایک جوزف نامی آدمی نے کھولا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی جمشید کو سکندر نے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو جمشید سر کو جھکاتے تیز قدموں سے گاڑی کی آگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اور پھر گاڑی سکندر کے ایک اشارے پر چلنے لگی۔

باقی تین گاڑیوں میں سکندر کے باڈی گارڈ سکندر کی گاڑی کے آگے اور پیچھے تھے۔ جو اُس کے خوف کا بول بالا کرتے غزہ کی سڑکوں پر سکندر کی آمد کا مانو اعلان کر رہے ھو۔

سکندر کوئی عام انسان نہیں تھا۔ جسے کوئی بھی اتنی آسانی سے ہاتھ ڈال سکے۔ اور اُس کی آمد کی خبر تو اُس کے آنے سے پہلے ہی وہاں موجود بڑے بڑے لوگوں تک پہنچ چکی تھی۔

سکندر گاڑی میں بیٹھ کچھ خاموش تھا۔ جو جمشید کے لیے کافی خطرناک بات تھی۔ سکندر کی خاموشی آنے والے طوفان سے پہلے کی خاموشی ہوا کرتی

تھی۔ شاید اب کوئی بہت بڑا سانحہ پیش آنے والا تھا جس کی گھنٹی جمشید کے کانوں میں بج رہی تھی۔

سکندر: جمشید۔

جمشید: جی۔۔۔ بھاؤ۔

سکندر: گوز برق یگیز سے کہو کے سکندر صالح تم سے ملنا چاہتا ہے۔ گوز برق یگیز ڈر گز مافیا اور اسمگلنگ مافیا کا وہ خاص بندہ تھا جو دنیا بھر میں ڈر گز کے دھندوں کو دیکھتا تھا۔ اور وہ پچھلے چار سالوں سے سکندر سے ملاقات کرنے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ سکندر کی طاقت کو خود کی طاقت سے ملا کر اس دھندے کو مزید تقویت دے سکے۔

اس سے پہلے یہ کام بابر عطاری نامی ایک شخص کے سپرد تھا۔ جو بعد میں بہت بھیانک موت مارا گیا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا قتل کس نے اور کیوں اور کب اور کہاں کیا۔ کیوں کہ سر کے علاوہ جسم کے باقی اعضاء پانچ اور مختلف

جگھوں سے کٹے ہوئے برآمد ہوئے۔ایسی بے درد موت اُسے ملی تھی کہ کٹے سر کے ساتھ نکلی ہوئی آنکھیں برآمد ہوئی۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اتنے طاقت ور انسان کو مارنے کی جرات کس میں تھی؟ جو لوگ جانتے تھے جواب کو اُن میں بولنے کی جرات نہ تھی کیوں کہ جو اتنی بے درد موت اُس انسان کو دے سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

جمشید: مگر بھاؤ۔۔۔ایسے اچانک؟

سکندر: جیتنا کہا ہے بس اتنا کرو۔۔۔۔سوالات مت کیا کرو مجھ سے۔۔۔سکندر کا لہجہ سخت تھا۔

جمشید: جی بھاؤ۔

کچھ دیر کی۔خاموشی کے بعد جمشید بول۔

جمشید: بھاؤ۔۔۔۔وُہ کارل مارکس اور اینگلز نے آپ کے آنے کی خوشی میں ایک پارٹی رکھی ہے۔اور

سکندر: ہاں ٹھیک ہے.....اور یہ کہتا سکندر جمشید کو خاموش کروا گیا۔

گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی اور پھر آگے بڑھتے ہوئے دوسرے گیٹ تک پہنچی تو سکندر کی نظر ایک آدمی پر گئی جو سیکیورٹی کے لباس میں وہاں دوسرے گیٹ پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔

یہ منظر سکندر کی آنکھیں سے پہلے جمشید دیکھ چکا تھا تو اُس کی سانسیں اٹک گئی۔

گاڑی چلتی میں سکندر نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو ڈرائیور نے گاڑی کو فوراً روک دیا۔

سکندر گاڑی سے اترتے ہی اُس آدمی کی طرف بڑھا جو گیٹ کی دوسری طرف گھر کی راہداری کی طرف جھانک رہا تھا۔

سکندر نے ایک ہی پل میں اُسے پیچھے سے دبوچا اور پھر اپنی پوری طاقت سے ایک زوردار مکا اُس کے چہرے پر مارا۔ تو وہ آدمی سکندر سے تین قدم کے فاصلے پر جا گرا۔

سکندر: جمشید۔

جمشید: جی۔۔۔بھاؤ۔

سکندر: گوز برق یگیز سے کہو کے سکندر صالح تم سے ملنا چاہتا ہے۔

گوز برق یگیز ڈرگز مافیا اور اسمگلنگ مافیا کا وہ خاص بندہ تھا جو دنیا بھر میں ڈرگز کے دھندوں کو دیکھتا تھا۔اور وہ پچھلے چار سالوں سے سکندر سے ملاقات کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ سکندر کی طاقت کو خود کی طاقت سے ملا کر اس دھندے کو مزید تقویت دے سکے۔

اس سے پہلے یہ کام بابر عطاری نامی ایک شخص کے سپرد تھا۔جو بعد میں بہت بھیانک موت مارا گیا۔

کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا قتل کس نے اور کیوں اور کب اور کہاں کیا۔کیوں کہ سر کے علاوہ جسم کے باقی اعضاء پانچ اور مختلف جگہوں سے کٹے ہوئے برآمد ہوئے۔ایسی بے درد موت اُسے ملی تھی کہ کٹے سر کے ساتھ نکلی ہوئی آنکھیں برآمد ہوئی۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اتنے طاقت ور انسان کو مارنے کی جرات کس میں تھی؟
جو لوگ جانتے تھے جواب کو اُن میں بولنے کی جرات نہ تھی کیوں کہ جو اتنی
بے درد موت اُس انسان کو دے سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

جمشید: مگر بھاؤ۔۔۔ایسے اچانک؟

سکندر: جیتنا کہا ہے بس اتنا کرو۔۔۔۔ سوالات مت کیا کرو مجھ
سے۔۔۔ سکندر کا لہجہ سخت تھا۔

جمشید: جی بھاؤ۔

کچھ دیر کی۔خاموشی کے بعد جمشید بول۔

جمشید: بھاؤ۔۔۔۔وُہ کارل مارکس اور اینگلز نے آپ کے آنے کی خوشی
میں ایک پارٹی رکھی ہے۔اور

سکندر: ہاں ٹھیک ہے.....اور یہ کہتا سکندر جمشید کو خاموش کروا گیا۔

گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی اور پھر آگے بڑھتے ہوئے دوسرے گیٹ تک پہنچی تو سکندر کی نظر ایک آدمی پر گئی جو سیکیورٹی کے لباس میں وہاں دوسرے گیٹ پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔

یہ منظر سکندر کی آنکھیں سے پہلے جمشید دیکھ چکا تھا تو اُس کی سانسیں اٹک گئی۔

گاڑی چلتی میں سکندر نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو ڈرائیور نے گاڑی کو فوراً روک دیا۔

سکندر گاڑی سے اترتے ہی اُس آدمی کی طرف بڑھا جو گیٹ کی دوسری طرف گھر کی راہداری کی طرف جھانک رہا تھا۔

سکندر نے ایک ہی پل میں اُسے پیچھے سے دبوچا اور پھر اپنی پوری طاقت سے ایک زوردار مکا اُس کے چہرے پر مارا۔ تو وہ آدمی سکندر سے تین قدم کے فاصلے پر جا گرا۔

جمشید گاڑی میں یہ منظر دیکھتے سے گاڑی سے باہر کی طرف بھاگا تو گیٹ کی

طرف سے ایک عورت بھاگتی ہوئی آئی۔
سکندر اُس عورت کی آواز کو سنتے ہوئے بھی ان سنی کر گیا۔
اور پھر اُس آدمی کو گریبان سے پکڑتے ہوئے ایک ہی جھٹکے سے کھڑا کرتے اُسے دیوار کی طرف لگا گیا اور اپنی کوہنی سے اُس آدمی کی گردن پر دباؤ دینے لگا۔
سر۔۔۔۔ سر۔۔۔۔ سر۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ چھوڑ دیں۔۔۔۔ اُنہیں۔۔ وہ عورت گیٹ کے دوسری طرف سے بھاگتی ہوئی آتے ہوئے سکندر سے بولی۔ جو ہاتھ میں ایک ٹیفن لیے کھڑی تھی۔۔
سکندر کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔
اور دباؤ اُس آدمی کی گردن پر بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔
سر پلیز یہ میرے شوہر ہیں پلیز۔۔۔۔ اُس عورت کی آنکھوں سے آنسو گرے تو سکندر کو کسی اور کے آنکھوں میں موجود دوانسوں کی جھلک دکھائی دی تو وہ ایک جھٹکے سے اُس آدمی کو خود سے دور پھینکتے ہوئے چیلانے لگا

اہ۔۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔ہ۔۔۔ہ

سکندر اپنا غصہ اپنے اندر موجود غصے کو چیختے ہوئے نکالنے لگا۔

سکندر کے چیلانے کی آواز دور دور تک گونجی تھی۔

نجانے ایسا بھی کیا ہوا تھا۔ مگر جو بھی تھا۔ سکندر کا غصہ ایک پل کو بھی کم نہ ہو پا رہا تھا۔ اور بالآخر سکندر نے زوردار موکوں کی برسات اُس دیوار پر کر دی جس بچاری نے تو کچھ کیا بھی نہیں تھا۔

سکندر کے چلانے کی آواز سن کر وہ آدمی اور وہ عورت کے ساتھ ساتھ جمشید بھی ڈر گیا تھا۔ جمشید نے سکندر کو کبھی اتنی سی بات پر اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

اور پھر سکندر چیلاتا ہوا بولا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ابھی کہ ۔۔۔ابھی۔۔۔۔

جاؤ۔۔۔۔دفع ہو جاؤ۔ سکندر خود کو ضبط کرتے اُس مرد اور عورت پر چیلایا تھا۔

جو سکندر کی آواز سے ہی خاصے خوفزدہ کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

دیوار پر موکوں کی برسات ابھی تک جاری تھی اور سکندر ابھی تک اپنے غصے کو کم کرنے کے لیے چیلا رہا تھا۔

ہاتھوں سے خون دیوار کو مکمل طور پر بھر چکا تھا۔اور یہ سنتے ہی وُہ دونوں میاں بیوی وہاں سے بھاگتے ہوئے چلے گئے جب کہ جمشید سکندر کا غصہ کم ہونے تک وہی کھڑا رہا۔

خون سے بھرے ہاتھ اور خون سے بھری دیوار سکندر کا کچھ غصہ تو کم کر ہی چکی تھی۔

مگر سکندر کی آوازیں کچھ حد تک زیمل کے کمرے کی کھڑکی تک بھی پہنچ چکی تھی۔

اور پھر سکندر وہاں سے اٹھتا۔۔۔۔ گیٹ کو اپنے ہاتھوں سے پوری طاقت کے ساتھ جھٹکے سے کھولتا اندر کی طرف بڑھ گیا اور پھر پیدل چلتے ہوئے گھر کی راہداری سے ہوتا۔گھر کے اندر داخل۔ہوا اور پھر کمرے کی طرف چلا

گیا۔۔جب کہ ایک ملازمہ اوپر سے سکندر کے ہاتھوں سے برستے خون کے قطروں کو فرش پر گرتا دیکھ خوف میں چلی گئی۔۔

جمشید سکندر کے پیچھے چلتا سکندر کے کمرے کے باہر رُک گیا

اور پھر ڈاکٹر یارم کو گھر کے باہری حصے میں بلاتا سکندر کے کمرے میں داخل ہوا۔

سکندر کا غصہ بس کچھ حد تک اترا تھا۔

بھ......بھ بھاؤ......وہ خون بہت بہہ رہا ہے۔۔۔آپ کا۔۔پٹی۔۔۔

جمشید کانپتی آواز میں سکندر سے بولا۔

تو سکندر ہلکی سی آواز میں بولا۔یہاں سے ابھی کہ ابھی چلے جاؤ۔

اور پھر اچانک آواز بہت بلند ہو گئی۔

میں نے کہا ہے جاؤ یھاں سے ابھی کہ ابھی۔دفع ہو جاؤ۔

جمشید دوسری بات کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

دوسری طرف ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی تو زیمل عصر کی نماز ادا کر رہی تھی۔

کیا ھوا ہے۔۔؟ایک ملازمہ فکرمندی سے دوسری ملازمہ سے مخاطب ہوئی

۔

وہ باہر اتنا خون اُن کا بہہ رہا ہے۔

پہلی ملازمہ سوال کرتی بولی

کس کا؟

وہ سر کا۔۔۔ہاتھوں سے باہر سارے فرش پر خون کے قطرے گرے ہیں۔مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔

زیمل دعا ادا کرتی اُن دونوں کی باتوں کو سن چکی تھی۔

اور اب اُسے بھی پریشانی ہو رہی تھی۔

جب کہ ایک ملازمہ زیمل کے کمرے سے نکلتی دوسری ملازمہ کو ساتھ لے جا کر باہر کا منظر دیکھانے لگی۔

فرش پر کافی خون تھا۔

زیمل دونوں کی باتوں کو سنتے دعا کو مکمل کرتی اُن دونوں کے پیچھے کمرے سے باہر گئی

اور اُن کے پیچھے خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ مگر کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں ملازمہ زیمل کی آمد پر ڈر گئی۔اور پھر زیمل سے نظریں چوڑانے لگی۔

می۔۔۔۔۔ می۔۔۔ م۔۔۔ میم۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ کو کچھ چاہئے۔۔۔۔۔

ایک ملازمہ زیمل سے مخاطب ہوئی

زیمل دونوں کو جواب دیتے اوپر کی طرف سے نیچے فرش کو دیکھنے لگی۔۔۔۔ تو خون کو دیکھتے چہرے پر ہاتھ رکھ گئی۔

کیا ہوا۔۔۔ ہے۔۔۔ ؟زیمل۔اُس ملازمہ سے سوال کرتی بولی۔

معلوم نہیں ہے۔۔۔۔ میں نے بس سر کو۔ گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ڈاکٹر کو کسی نے بلایا؟۔۔۔۔۔ زیمل ایک اور سوال کرتی بولی۔

جمشید کی آہٹ نیچے کی طرف سنائی دی تو زیمل کو خاصی پریشانی ہوئی۔

اور پھر سیڑھیوں سے اُترتی بولی۔

زیمل: سنے۔۔۔۔سب ٹھیک۔ہے۔۔۔؟

جمشید زیمل۔کی آواز پر اُس کی طرف متوجہ ہوا تو آنکھوں کو جھکا گیا۔

جمشید: جی۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔سب ٹھیک ہے۔

اتنے میں باقی دونوں ملازمہ بھی زیمل کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئ۔

زیمل دوبارہ سے فرش پر موجود خون کو دیکھنے لگی تو پھر سے جمشید سے مخاطب ہوتے بولی۔۔

زیمل: تو پھر یہ خون۔۔۔۔۔میں نے سنا ہے۔۔۔۔۔۔سر کے ہاتھوں سے کافی خون بہہ رہا تھا۔۔۔آپ نے ڈاکٹر کو بلایا ہے۔

زیمل۔اتنی معصومیت سے بول رہی تھی۔۔۔کہ اُس کی پریشانی اُس کی آواز میں خاصی معلوم ہورہی تھی۔

وہ سکندر کی خاصی احسان مند تھی۔اور یہی وجہ تھی کہ وہ جمشید سے سوال کر رہی تھی۔

جمشید: نہیں۔۔۔بھاؤ۔۔۔۔۔نے منع کر دیا ہے۔۔۔۔۔وہ ڈاکٹر کو وہ نہیں دیکھنا چاہتے۔

زیمل: تو۔آپ خود اُن کی مرہم پٹی کر دے۔

جمشید: میں؟۔۔۔۔۔کافی حیرانگی سے جمشید بولا تو زیمل اُس کے انداز کو نہ سمجھی سے دیکھنے لگی۔

جمشید یہ تو اچھے سے جانتا تھا کہ اگر اب وُہ بھاؤ کے کمرے میں گیا تو بھاؤ اُس کا حال وحال مکمل طور پر بگاڑ دے گے۔ مگر پھر

جمشید کچھ سوچنے لگا۔اُس کے دماغ میں ایک ترکیب سوجھی۔چہرے پر کچھ مسکراہٹ بھی واضح ہوئی تو جمشید بولا۔

میرا مطلب تھا کہ میں کر دیتا ہوں۔ مگر مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ کام کیسے کرتے ہیں۔اگر آپ بتا سکے تو پھر میں کر سکوں گا۔

زیمل اس میں اچھی خاصی مہارت رکھتی تھی۔۔اور رکھتی بھی کیوں نہ ۔۔زندگی کے جو سال اُس نے تکلیف میں گزارے تھے اُس میں زندگی نے

اُسے بہت سے زخموں سے بھی نوازا تھا اور اُن۔زخموں کی مرہم پٹی کے لیے اُس کے پاس وہی دو ہاتھ تھے جس سے وہ کبھی اپنے ماں باپ کے آنچل میں انگلی پکڑ کر چلتی تھی۔

زیمل کو زندگی کا وہ سیاہ باب یاد آیا تو سر کو ہاں میں ہلاتے ہوئے بولی۔

جی ٹھیک ہے۔

جمشید نے فوراً ایک ملازمہ کو فرسٹ ایڈ باکس لانے کا کہا۔

ملازمہ دوڑتی ہوئی اوپر کی طرف بھاگی۔

دوسری طرف جمشید اپنے منصوبے پر ایک دفعہ پھر سے غور کر رہا تھا۔

کہی آج وہ بھاؤ کے ہاتھوں قتل نہ ہو جائے۔وہ اتنا تو جانتا تھا کہ اُس انجان لڑکی جو بھاؤ کے لیے بہت کچھ تھی بھاؤ کبھی اُس کے سامنے ایسا کچھ نہیں کریں گے۔

مگر خوف تو اُس کے بعد کا تھا۔

مگر سکندر کے ہاتھوں کا خون کافی بہہ رہا تھا۔اور جمشید کو سکندر کی خاصی فکر بھی تھی اس لیے وہ اپنی سوچو کو جھٹکتے ہوئے ملازمہ کی آمد پر متوجہ ہو گیا۔

اور پھر وہاں سے سکندر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔زیمل جمشید کے پیچھے چلی تو دونوں۔ملازموں نے بھی زیمل کہ پیچھے خاموشی کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔

وہ دونوں ملازمہ اچھی خاصی خوفزدہ تھی۔

دروازے کے پاس کھڑے جمشید نے دروازہ کھٹکھٹااور کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔اور کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔

m جمشید دو قدم آگے بڑھا تو خوف میں وہ کمرے کو روشن کرتا بولا

بھ۔۔۔بھ۔۔۔بھ۔۔۔اؤ۔۔۔

سکندر صوفے سے ٹیک لگتا کچھ پر سکون معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کسی خیالوں کی دنیا میں گم تھا۔ یا شاید کسی کے خیالوں میں گم تھا۔ جس کا خیال اُس میں ہر برے احساس کو کچھ پل کے لیے مات دینے میں مدد کرتا تھا۔

مگر جمشید کی آواز پر اُس کے چہرے کے تاثرات نے سختی پکڑی۔۔۔ جیسے اُسے جمشید کا واپس انا بہت نا گوار سوجھا ہو۔

خون کی چھنٹے کمرے کے فرش پر بھی جمی تھیں۔

اور ہاتھوں پر بھی خون جم گیا تھا۔

زیمل کمرے میں داخل ہوئی تو پہلا دیہان اُس کا خون سے بھرے ہاتھوں کی طرف گیا۔

خون میں لتپت ہاتھ اُسے کسی بہت اپنے کی یاد دلا گئے تھے۔ کسی کی موت۔۔۔ اور۔۔ کسی کی جدائی۔

جمشید کی آواز پر جو ناگواری سکندر کے چہرے پر واضح ہوئی تھی وہ زیمل کے ساتھ ساتھ باقی دونوں ملازمہ نے بھی دیکھی تھی۔ جو اس ناگواری کو دیکھتے کچھ اچھی خاصی کانپ رہی تھیں۔

زیمل خون کو دیکھتی کافی پریشان تھی۔ اور یہ سوچنے پر مجبور کہ اتنا گہرا زخم ہاتھوں کے زور سے وار پر ہی ہاتھوں پر آسکتا ہے۔ کیوں کہ ہاتھوں سے جلد اُتری ہوئی تھی۔

سکندر آنکھوں کو بند کیے اپنے ہاتھوں کو لٹکتے ہوئے جمشید کی آواز پر مکمل کنٹرول کھونے والا تھا کہ ابھی کہ وہ آنکھوں کو کھولتا اپنی جگہ سے اٹھتا جمشید کے چہرے کا حلیہ بگاڑتا کہ اُس سے پہلے ہی آنکھوں کے سامنے وہ چہرہ آگیا جس کے خیالوں سے وہ اپنی ذات کو سکونیت دے رہا تھا۔

آنکھوں کے کھولتے ہی وہ چہرہ نظروں کے سامنے دیکھا تو سکندر کے اپنے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وُہ اُس لباس میں ایک دلکش حور معلوم ہو

رہی تھی۔ جیسے سکندر کے تاریک دل میں وہ ایک خوبصورت بادل کی طرح داخل ہو گئی ہو۔

سکندر اُس لڑکی کو دیکھنے لگا جو ایک عام سے لباس میں بھی اُس کے دل پر دیدارِ یار کی طرح وار کر رہی تھی۔

گھٹنوں سے نیچے وہ فراک سادھی سی تھی۔ جو زیمل کے اوپری جسم کے اعضاء کو لباس میں مکمل طور پر ڈھانپ رہی تھی۔ لباس کہی سے بھی اُس کے جسم کے کسی اعضاء کی نمود و نمائش نہیں کر رہا تھا۔ نہ ہی وہ لباس کہی سے زیمل کے جسم سے چپکا تھا۔

وہ اُس لباس میں بہت معصوم اور خوبصورت لگ رہی تھی۔

وہ چہرہ تو سکندر کی نظروں کے بلکل سامنے تھا مگر اُس چہرے پر لگی آنکھیں کسی اور ہی طرف متوجہ تھی۔ اور پھر سکندر نے اُن نظروں کے تعاقب میں

اپنے چہرے کو دائیں طرف موڑا تو معلوم ہوا کہ وہ نظریں سکندر کے خود کے اپنے ہاتھ پر ٹھہری ہیں۔

سکندر تو اب تک اُس کا نام تک بھی نہیں جانتا تھا نہ یہ کہ وہ کون ہے۔

مگر پھر بھی اُسے نہ دیکھ کر دیکھنا اُسے اپنی ذات میں موجود ہر بے سکونی کچھ پل کے لیے سکون میں بدلتی نظر آتی تھی۔

سکندر نے اُس چہرے میں خود کے لیے کچھ پریشانی بھی دیکھی تھی۔ جو سکندر کو کسی اپنے کے ساتھ ہونے کا احساس دے رہی تھی۔

جمشید جان بوجھ کر زیمل کے چہرے کے آگے نہیں کھڑا ہوا تھا۔ بلکہ بائیں طرف کی جانب سکندر سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اور اُس کی یہ ترکیب بھی خاصی کام میں آگئی تھی جس کے کامیاب ہونے میں اُسے کوئی شک نہیں تھا۔

جمشید: بھاؤ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔خون بہت بہہ رہا ہے آپ کا تو۔۔۔

زیمل جمشید کی آواز پر سکندر کی طرف متوجہ ہوئی تو پہلے سے اپنی طرف دیکھتے اُس شخص کی آنکھوں سے اُس کی آنکھیں ٹکرائی تو وہ فوراً سے نظریں جھکا گئی۔

سکندر اُس کے اس انداز پر ہلکا سا مسکرایا۔ تو جمشید پھر سے بولا۔

بھاؤ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میم۔۔۔۔۔۔۔۔ باہر۔۔۔۔۔ ملی تھی۔۔۔۔۔ تو آپ نے منع کیا تھا ڈاکٹر کو دکھانے سے تو پھر میں آیا ہوں۔

سکندر کی نظروں کا رخ سرد نظروں کے ساتھ جمشید کی طرف موڑا تو ۔۔۔۔۔ جمشید اپنا منہ وہی بند کر گیا۔

اچانک جمشید کا فون بجنے لگا۔ تو وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

جمشید پوری تیاری سے سکندر کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

اور فون بجنے کا بہانہ تو الارم بجنے کی آر میں چھپاتے جمشید سکندر کی پٹی کرنے سے خود کو بچا گیا۔ ورنہ جیتنے اُس کے ہاتھوں کے جوڑ تھے اُس سے ڈبل ٹکڑے سکندر اُس کے ہاتھوں کے کرتا۔

سکندر تو جمشید کے بہانے کو سمجھتے ہوئے خون سے بھرے ہاتھ کے اشارے سے ملازمہ سے باکس کو پکڑانے کا بولا۔

یہ مجھے پکڑاؤ۔۔۔اور تم دونوں جاؤ یہاں سے۔

ملازمہ سکندر کی ایک ہی آواز پر فوراً سے آگے بڑھتی سکندر کو باکس پکڑاتی دوسری ملازمہ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

زیمل دروازے کے پاس کھڑی ہاتھوں کو مسلتے سکندر کو دیکھنے لگی جو خون سے بھرے ہاتھوں سے ہی خود کی مرہم پٹی کرنے لگا تھا۔

ابھی کہ زیمل یہ دیکھ رہی تھی کہ سکندر اُس سے مخاطب ہو کر بولا۔

آپ بیٹھ جائیں۔یہاں۔

زیمل کمرے میں موجود سکندر کے صوفے کے سامنے کھڑی آگے بڑھ کر بیٹھنے لگی کہ اتنے میں وہ باکس سکندر کی گود سے نیچے گر گیا۔۔۔جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر پٹی کرنے کی ایک ناکام کوشش کرنے ہی والا تھا۔

زیمل چیزوں کے گرنے پر فرش کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی

میں اٹھا دیتی ہوں۔

سکندر اُس کی آواز اپنے کانوں سے ٹکرانے پر مسکرا دیا۔

اُس کی آواز سکندر کے اندر کے وجود کو ایک۔الگ سا احساس بخش رہی تھی۔

زیمل فرش سے چیزوں کو اٹھاتی ڈبے میں ڈالنے لگی تو سکندر اُسے یوں ہی دیکھنے لگا۔وہ اُس سے صرف دو قدم کے فاصلے پر بیٹھی چیزوں کو اٹھا رہی تھی۔اور سکندر اُس انجان لڑکی کو دیکھنے لگا۔

اُس کے چہرے پر کتنا نور تھا اور وہ کتنی الگ تھی۔۔اور اُس کی حیا اُسے ایک روشن چراغ کی روشنی میں بدلتی نظر آتی تھی۔

سکندر کے دل نے آج پھر ایک اور مرتبہ اُس سے پوچھا کہ یہ کوں ہے ؟

تو اس دفع سکندر اُس سے مخاطب ہوتا ہوا بولا۔

سکندر:::: آپ کا نام کیا ہے ؟

زیمل زمین سے چیزوں کو اٹھاتی پاس پڑی شیشے کی میز پر رکھنے لگی تو سکندر کے سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جواب دیتی بولی.

ز۔۔۔زیمل۔۔

سکندر ہاتھوں کے زخم کو بنا صاف کرتے پٹی بندھتے ہوئے اُس کا نام ہلکے سے دہراتے ہوئے بولا

ز۔۔۔ی۔۔۔۔م۔۔۔ل۔۔۔۔۔۔۔۔یعنی۔۔۔زیمل۔۔۔

زیمل نے اپنا نام سکندر کی آواز میں ہلکا سا سنا تو جواب دیتی بولی

جی۔۔۔۔شاید اُسے لگا کہ وہ شخص اُس سے مخاطب ہوا ہے۔

سکندر:.... نہیں کچھ نہیں.. خوبصورت نام۔ہے آپ کا۔

زیمل کا دیہان زخم کی طرف دوبارہ گیا تو بولی۔

زیمل:::: سر آپ نے زخم کو صاف نہیں کیا۔

زیمل کے منہ سے سر سنتے ہی سکندر کو بہت عجیب لگا تو فوراً سے بولا

سکندر:::: آپ مجھے میرے نام سے بلا سکتی ہیں۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتی ہوئے بولی

آپ نے زخم کو صاف نہیں کیا۔۔۔بھ۔۔۔۔ا۔۔۔

اس سے پہلے کے سکندر کچھ اور زیمل کے منہ سے سنتا زیمل کی بات کو بھا

۔۔تک ہی کاٹتے ہوئے بولا۔

میرا نام سکندر صالح ہے۔

زیمل نے تو جمشید کے منہ سے بھاؤ سنا تھا اور اُسے لگا تھا کہ اُس شخص کا نام ہی

بھاؤ ہے اس لیے وہ اُسے اِس نام سے بلا رہا تھا جب کہ ۔۔۔۔ سکندر کو لگا کہ وہ

اُسے بھائی کہہ کر بلانے لگی ہے۔

زخم کو صاف کرنے کے لیے سکندر نے انٹی وائرس کی بوتل کو نکالا تو زیمل

بولی:

زیمل: آپ کہیں تو میں کر دیتی ہوں۔

سکندر: آپ یہ کرنا جانتی ہیں؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتی اُس بوتل کو سکندر کے ہاتھوں سے پکڑتے اُس کے

زخم کو صاف کرنے لگی۔

جلد سے کافی ماس اتر چکا تھا۔ زیمل اُس لیکوئیڈ سے زخم کو صاف کر رہی تھی۔

سکندر اُس لڑکی کے نظروں کے تعاقب میں اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جو اُس کے ہاتھ کو پکڑے اُس کے ظاہری زخم کو صاف کر رہی تھی۔

مگر ساتھ ہی ساتھ اُس کے اندر کے طوفان کو مزید فروغ دے گئی۔

کچھ دیر سکندر خاموشی سے زیمل کو کبھی جھکی آنکھوں سے دیکھتا تو کبھی نظروں کو اٹھا کر۔

کبھی خود کے اندر کے طوفان پر قابو پاتا تو کبھی اپنے ہاتھ کو اُس کے ہاتھوں میں دیکھتا جو بہت آرام سے اُس کے زخم کو صاف کر رہی تھی۔

کوئی جلن نہیں تھی زخم کی ہوتی بھی کیسے اُسے مرہم رکھنے والی ظاہری سکون کے ساتھ ایک الگ سا احساس اُس کے اندر کے وجود کو دے رہی تھی۔

زخم کی صفائی تک سکندر خاموش بیٹھا زیمل۔ کو دیکھتا رہا اور پھر اُس رات کا سوچنے لگا جس رات اُسے یہ لڑکی ملی تھی۔

اتنے سوالوں کو وہ ایک ساتھ تو اُس لڑکی سے پوچھنا نہیں چاہتا تھا مگر کچھ سوالوں کا جواب وہ اُس سے مانگنا چاہتا تھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

سکندر: آپ سے کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں؟ اجازت ہو تو پوچھ سکتا ہوں؟

وہ دنیا میں پہلی ایسی عورت تھی جس سے سکندر سوال کرنے سے پہلے بھی اُس سے اجازت طلب کر رہا تھا۔ وہ تو وہ تھا جسے اپنی بات کو منوانا اچھے سے آتا تھا۔

زیمل: ج۔۔۔۔جی۔۔۔۔زیمل بہت سوچ کر بولی۔

سکندر: آپ اُس رات اتنی رات گئے وہاں کیا کر رہی تھی۔

زیمل۔ کچھ سوال پر کچھ دیر سوچنے لگی۔۔۔۔وہ اُس شخص سے اپنی شخصیت کے شفاف آئینے کی طرح جواب دیتی بولی۔

زیمل: میں گھر سے بھاگ رہی تھی۔

زیمل۔ کا جواب سکندر کے لیے خاصا حیران کن تھا اور پھر وہ بولا

سکندر: ۔۔۔۔۔۔کیوں؟

زیمل نہیں جانتی تھی کہ کیا ساری بات بتانا ضروری ہے یا غیر ضروری۔ مگر پھر بات کو مختصر کرتی بولی۔

زیمل: میں یہاں اپنی خالہ کے ساتھ رہتی ہوں جو مجھے پسند نہیں کرتی۔ میں اُن کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی اس لیے مجھے وہ جگہ چھوڑنی پڑی۔

سکندر زیمل۔ کے جواب پر ایک اور سوال کرتے بولا۔ شاید وہ اُس لڑکی کو اور جاننا چاہتا تھا جو۔ دو دنوں میں ہی اُس کے لیے بہت معانے رکھنے لگی تھی۔

سکندر: تو آپ کے والدین؟

والدین۔۔۔۔۔ سکندر زیمل سے اُس رشتے کے بارے میں سوال۔ کر گیا تھا جو زیمل کے دل کے سب سے قریب تھے۔

زیمل: وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ جب میں بارہ سال کی تھی تو کار حادثے میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

سکندر: آئی ایم سوری۔

زیمل۔ مسکراتے ہوئے بولی۔۔۔۔ کوئی بات نہیں۔

سکندر زیمل کی مسکراہٹ پر پھر سے اُسے دیکھنے لگا اور پھر کچھ دیر خاموش ہو گیا اور پھر کچھ دیر بعد بولا۔

سکندر: تو آپ اس لیے واپس نہیں جانا چاہتی؟

زیمل: جی۔۔۔۔۔۔ مگر آپ مجھے یہاں کسی بھی ادارے میں چھوڑ دیں۔

سکندر::: اس بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔

سکندر اس بات پر کچھ بگڑا ضرور تھا مگر اپنے انداز کو پل میں بدلتے ہوئے بولا۔

سکندر: تو پھر آپ کیا فلسطین کی رہنے والی ہیں؟

زیمل: نہیں میں پاکستان سے ہوں۔

ایک اُداسی زیمل کے چہرے پر مکمل بسیرا کر گئی تھی۔ جسے سکندر نے واضح دیکھا۔ اور پھر بولا

سکندر: میں بھی پاکستان سے ہی ہوں۔

زیمل: زیمل کے چہرے پر سکندر کے پاکستان سے ہونے پر مسکراہٹ آئی۔

تو بولی۔۔۔۔ کیسا ہے پاکستان۔

زیمل کا سوال ایسا تھا جیسے وہ ملک کا نہیں بلکہ کسی انسان کا حال پوچھ رہی ہو۔

سکندر: ویسے ہی ہے جیسا تھا۔۔۔

زیمل باتوں باتوں میں سکندر کے دونوں ہاتھوں کے زخموں کو صاف کرتی اُس کی پٹی بھی چکی تھی۔اور پھر زیمل سکندر کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑنے لگی تو سکندر نے زیمل کے ہاتھوں کو اچانک سے پکڑ لیا۔

ہاتھوں کے چھوٹنے کا ابھی تو راستہ ہموار ہی زیمل نے کیا تھا اُس سے پہلے ہی سکندر کے پٹی میں بندھے ہاتھوں کی گرفت اُسے اپنی کلائیوں میں محسوس ہوئی۔۔

ایک اہ۔۔۔۔ کی آواز کمرے میں گونجی۔۔۔۔۔۔

اہ۔۔۔۔

وہ آواز درد سے کراہٹ کی نہیں تھی بلکہ وہ آواز کسی کے یوں پکڑنے پر خوفزدہ ہو جانے پر تھی۔۔

نظروں سے زیمل اپنی ہاتھوں کے تعاقب کرتی اُس شخص کے چہرے کی طرف متوجہ ہوئی جس کے ہاتھوں میں اُس کے ہاتھ قید تھے۔

سکندر کے یوں اچانک زیمل کے ہاتھ کو پکڑنے پر زیمل بہت گھبرا گئی تھی۔

مگر چہرے پر نظر پڑی تو اس شخص کو نظروں کا تعاقب زیمل کے بلکل پیچھے فرش کی جانب تھا

زیمل فرش کی طرف متوجہ ہوئی تو زمین پر ایک کانچ کے ٹکڑے کی طرف دیھان گیا۔

نظروں کو واپس موڑتے ہوئے سکندر کی طرف موڑی تو وہ پہلی سے زیمل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور پھر سکندر کچھ دیر زیمل کی آنکھوں میں موجود گھبراہٹ کو دیکھنے لگا جو واضح طور پر سکندر کے یوں اُس کے ہاتھوں کو تھامنے پر خاصی حیرت اور خوف میں مبتلا ہو چکی تھی۔

کچھ تھا اُس کے چہرے پر جو سکندر چاہتے ہوئے بھی چھو کر اُسے دیکھ نہ سکا تھا۔

سکندر اپنے اندر کی بے چینی کو سنبھالتے ہوئے زیمل کو اُس کے ہاتھ سے پکڑتے دوسری طرف کرتے زمین سے ایک کانچ کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے بولا۔

سکندر:: چلنے میں احتیاط برتیں زندگی میں بہت سے کانچ زمین پر اس لیے گرائے جاتے ہیں تاکہ وہ آپ کو گھاؤ دے سکے۔

اور آپ کے خیر خواہ لوگوں سے آپ کو بدگماں کر سکیں۔

تکلیف تب تک ہوتی ہے جب تک زندگی ضربیں دے کر خاکی وجود کو کندن نہ بنادے۔ مگر اگر انسان بدگمانی سے نہ بچ سکے تو وجود کو بوسیدہ کرنے میں دیر بھی نہیں کرتی۔

شاید زیمل کے ایک قدم پیچھے ہٹنے پر وہ کانچ جو شاید اُس باکس سے نکل کر گرا تھا وہ زیمل کے ایک قدم پیچھے لینے پر اُسے چبھ جاتا جو سکندر صالح کی باز نماں آنکھوں اور شعلے نماں دھڑکتے دل۔ کو گوارہ نہ تھا اور نہ وہ تو سکندر صالح تھا جو کبھی کسی عورت کو دیکھتا تو دور اُسے چھونے کی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ کیوں کہ اُس کا ماننا تھا کہ عورت وہ پاک چیز ہے جو دنیا میں تمام تر خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ کیوں کہ جو حیا کا انس عورت کے کردار میں پایا جاتا ہے وہ صرف روح میں باوقاری کے عروج اور عاجزی کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔

مگر زیمل اُس کے لیے لفظ کسی سے بہت زیادہ قیمتی اور عزیز تھی۔۔۔۔ کیوں کہ زیمل وہ تھی جس نے سکندر صالح کے وجود میں موجود خلا کو پورا کیا۔۔ زیمل وہ عورت تھی جس میں سکندر نے حیا کا وہ روشن چراغ دیکھا جو شاید اگر وہ دنیا کے آخری کونے تک بھی ڈھونڈھتا تو

اُسے وہ نہ ملتا۔۔۔ کیوں کہ وہ ایک ہی چراغ تھا جسے وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں چھپائے ہوئے تھا۔۔

سکندر کی بات پر زیمل نظروں کی جھکائے کھڑی ہو گئی۔۔ شاید زیمل کے پاس سکندر کی بات کا واضح جواب بھی موجود تھا مگر وہ ابھی جواب دینے کی ہمت خود میں نہیں رکھتی تھی۔

سکندر کو زیمل کھڑکی کے بلکل آگے کھڑی بہت خوبصورت اور دل کش معلوم ہو رہی تھی۔ جو صرف سکندر کی بات کو نظروں کو جھکائے سن رہی تھی۔

کچھ پل میں۔ ہی سکندر کو خود کے اور زیمل کے درمیان دوبارہ سے آٹھ قدم کا فاصلے نظر آیا تو وہ رات واضح طور پر آنکھوں کے سامنے آگئی دل کی دیواروں سے بجتا دل کسی کے ہاتھ کے احساس کو محسوس کر گیا تھا۔

اور پھر دل نے اُس باحیا لڑکی کے کسی کے ساتھ نام جوڑ جانے کا حدشہ ظاہر کیا تو سکندر کے اندر کی بے قراری اس قدر بڑھ گئی کہ وہ ہاتھ کو دل کی دہلیز پر رکھتے خود کو تسلی دینے لگا

کچھ پل کے بعد سکندر زیمل کی طرف متوجہ ہوا اور اچانک بے دیہانی میں ایسا سوال کر گیا جس کا وہاں موجود زیمل کو دور دور تک اندازہ نہ تھا۔

اور پھر سکندر اپنے اندر کی بے قراری کو لفظوں میں پروتے ہوئے بولا۔۔۔

ایک بات کا جواب جاننا چاہتا ہوں؟

زیمل سکندر کی آواز پر متوجہ ہوئی تو سکندر بولا۔

کیا۔۔۔۔آپ۔۔۔۔شادی۔۔۔۔شدہ۔۔۔۔۔ہیں۔

یہ کیسا سوال تھا۔۔۔۔۔۔زیمل سوال کا یوں پوچھا جانا سمجھ نہ سکی تھی۔

یہ سوال کیوں پوچھا گیا وہ تو یہ بھی سمجھ نہیں پارہی تھی۔

اُس شخص کا یہ سوال پوچھنے کا کیا مقصد تھا۔

اور یہ سوال کیوں اور کس لیے دوسری ملاقات پر پوچھا گیا۔

بہت سے سوالوں کا جواب وہ مانگنا چاہتی تھی مگر پھر سکندر کے دوبارہ پوچھے جانے پر متوجہ ہوئی

سکندر:۔۔۔کیا۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔کسی۔۔۔۔کے

۔۔۔۔نام۔۔۔۔سے۔۔۔۔منسلک۔۔۔۔ہو چکی ہیں۔

زیمل سوال کے یوں پوچھے جانے پر کچھ گھبرائی تو ہاتھوں کو مسلتے ہوئے سکندر کی آنکھوں میں موجود کسی بے قراری اور الجھنوں میں جکڑے بہت سے احساسات کو دیکھتے ہوئے نہ میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

زیمل:::ن۔۔۔۔ن۔۔۔نہ۔۔۔۔۔نہی۔۔۔۔۔۔نہیں

اور پھر زیمل کے نہیں کے جواب پر سکندر کی آنکھوں میں ایک چمک واضح ہوئی جو زیمل دیکھتے ہی دیکھتے نہ سمجھ سکی۔۔

سکندر خود کے اندر کی بے قراری کو ختم تو کر چکا تھا مگر زیمل کی بے قراری کو وہ سمجھ چکا تھا جو اُس سوال پر اُسے کر چکی تھی۔ جس پر سکندر پہلی دفعہ کسی کے سامنے شرمندہ تھا۔

کیا اُسے ابھی وہ سب کہہ دینا چاہئے تھا جو وہ کہنا چاہتا تھا یا پھر زیمل کو کچھ دیر کے لیے اُسے سمجھنے کا موقع دینا چاہئے تھا۔ جو بھی تھا مگر سکندر صالح کا کسی بات پر سوچنا ایسا تھا جیسے زمین آسمان کا ایک ہونا۔۔۔ کیوں کہ وہ تو کبھی کچھ کرنے کے لیے سوچتا ہی نہیں تھا اور نہ ہی اپنے کام کے انجام سے ڈرتا تھا۔ کیوں۔ کہ یہی سکندر صالح کی سب سے بڑی پہچان تھی جو وہ نہیں سوچتا تھا وہ وہی کرتا۔ تھا اور جو وہ سوچتا تھا جو دنیا کو آگ لگا دینے کے برابر ہوتا تھا۔ نہ جانے اب کیا دنیا کو سکندر صالح کے سوچنے کی قیمت ادا کرنی تھی۔

آج تو میں پکا بھاؤ سے مارا جاؤں گا۔۔ یہ میں نے کیا کر دیا ہے۔۔۔

اور میں نے ایسا کیوں کیا۔۔۔ بھاؤ مجھے واقعی ہی نہ مار دے۔

پر سکون ہو جاؤ جمشید کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ بھاؤ اتنے بھی ظالم نہیں ہے کہ تمہیں ہی مار دیں۔

جمشید خود کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

اور پھر اپنی تسلی کی خود ہی دھجیاں اڑاتے ہوئے بولا

بھاؤ اس سے کہی زیادہ ظالم ہیں جمشید کے تمھارے واقعی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کہ جانوروں کو کھلا دیں۔۔

اور پھر دوبارہ سے خود کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔۔

نہیں نہیں جمشید بھاؤ کو تو نے اُن سے ملاقات کا خاص موقع دیا ہے بھاؤ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔

جمشید گھر کی راہداری پر کھڑا اپنے اس پلان کو کوس رہا تھا جو وہ بھاؤ کی محبت میں سرانجام دے چکا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ آگے اور کچھ بولتا کہ کسی کی۔آواز کانوں سے ٹکرائی۔

سکندر::::کافی زیادہ تم مجھے جانتے ہو۔

سانسیں رُک گئی۔۔۔۔پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا۔پورے جسم میں صرف دل۔کا دھڑکنا معلوم ہو رہا تھا۔۔کان پیچھے کھڑے اُس شخص کی آواز پر کھڑے ہو چُکے تھے۔

موڑنے کی جمشید میں ہمت ختم ہوئی تو کندھے پر بھاؤ کے ہاتھ کا احساس ہوا تو جمشید گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ واضح ہوئی۔۔۔ سکندر خاصا خوش معلوم ہو رہا تھا۔

اور پھر جمشید کو گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئی دیکھ بولا۔

اگلی بار الارم لگاتے ہوئے دو منٹ پہلے کا لگانا تا کہ تمھیں وہ وہ کرنے کا بھی موقع نہ ملے۔

بھاؤ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں۔۔

سکندر:::: اب میں۔۔۔ میں۔۔۔۔ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ یہ یاد رکھا کرو میں سکندر صالح ہوں۔۔۔۔۔ کوئی گلی کا عام گنڈا نہیں۔۔۔۔ جو لوگوں کی خصلت اور رویوں سے واقف نہ ہو۔

چلو اٹھو اب

جمشید سکندر کی بات پر کچھ مسکرایا اور پھر فوراً سے کھڑا ہوتا بولا۔

بھائی وہ سچ میں بھابھی نے ۔۔وہ۔۔۔۔و۔۔ہ۔۔۔ میرا

۔۔۔۔ مطلب۔۔۔۔۔ تھا کہ ۔۔۔اُنہیں۔۔۔۔نے کہا تھا۔

ہاں ہاں ۔۔۔۔۔ بعد میں اس کا حساب تم سے لوں گا۔۔۔ابھی

گاڑی کی چابی مجھے دو۔

جی۔۔۔۔۔ بھائی یہ لیں۔۔۔ جمشید اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا بولا

جمشید: بھائی وہ کارل ،مارکس اور اینگلز۔۔۔کا

سکندر جمشید کی بات کو کاٹتے ہوئے بولا۔۔۔ جمشید۔۔ گھر کے ارد گرد کوئی

مرد مجھے اج کے بعد نہ دیکھئے۔

سکندر کا لہجہ اچانک سرد ہو چکا تھا اور پھر بولا۔

یہ جو آج ہوا ہے یہ تمہاری زندگی کی پہلی اور آخری غلطی تھی اپنے کام کو صحیح

سے انجام دو ورنہ جو لوگ اپنے کام کو صحیح طریقے سے انجام نہ دے سکے

اُنہیں انجام تک مجھے پہنچانا مجھے آتا ہے۔

اور پھر سکندر یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

زیمل کچھ چپ بیٹھی تھی۔

وہ اب یہاں سے جانا چاہتی تھی۔۔۔۔ مگر وہ کہاں جائے گی۔

مگر اُس کا اس جگہ پر اب مزید رہنا اُسے۔ کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

وہ سکندر کے کچھ سوالوں پر حیران تھی۔ البتہ وہ اُس شخص کی نیت پر ہر گز شک کرنے کی روانا تھی۔

بیٹھے بیٹھے بہت سے خیالوں کے سمندر میں ڈوبی زیمل کسی کی یاد میں کھو سی گئی۔

(((یاد

سالار: زیمل تم کتنی چالاک ہو گئی ہو۔۔ یہ ساری چاکلیٹس تم نے میری نکالی ہیں۔

زیمل: اسے چالاکی نہیں عقل مندی کہتے ہیں۔

سالار: کمال۔ اچھا تو پھر یہ بتاؤ اس میں کیا عقل مندی ہے۔

زیمل: چیزوں کو ذخیرہ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ماما کہتی ہیں کہ ہمیشہ چیزوں کو بانٹ کر کھانا چاہیے۔

سالار: تو پھر تم نے میری ساری چاکلیٹس کہاں بانٹی ہیں؟

زیمل: میں نے وہ بی اماں کو دے دی کہ وہ سب قرآن پڑھنے والے بچوں کو دے دیں تا کہ اُس سے تمہیں ثواب ہو۔

سالار: تو اس سے مجھے ثواب حاصل ہونے پر تمہیں کیا ملے گا؟ میرا مطلب کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟

زیمل: کیوں کہ مجھے تم سے بہت پیار ہے اور بابا کہتے ہیں جن سے پیار کرتے ہیں اُن کے لیے ہمیشہ اچھا سوچتے اور اچھا کرتے ہیں۔

سالار: تو پھر ایسا ہے تو میں کل سے تمہیں بہت ساری چیزیں لا کر دوں گا تم بی اماں کو کہنا کہ وہ سب بچوں میں بانٹے۔

زیمل: تو پھر تم مانتے ہو کہ میں بہت عقل مند ہوں۔

سالار: ہاں بلکل کیوں نہیں دنیا کی سب سے عقل مند لڑکی ہماری زیمل ہی تو ہے۔

سالار ہنستے ہوئے بولا تو زیمل بھی مسکرا دی۔

))))حال

میم کھانا کھالیں۔

زیمل: بھوک نہیں ہے۔

ملازمہ: مگر۔۔

زیمل: مجھے بھوک نہیں ہے آپ پریشان نہ ہو۔۔۔میں بلکل ٹھیک ہوں

ملازمہ جو کھانا لیے زیمل کے پاس کھڑی تھی زیمل کے اِنکار پر وہاں سے چلی گئی۔

دوسری طرف سکندر گاڑی سے نکلتا ایک جگہ پر پہنچا جو کافی ویران تھی۔۔۔۔دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

گاڑی سے نکلتا سکندر سیدھا چلنے لگا۔ ہوا کے جھونکے اٹھنے لگے تو سکندر تیز قدموں سے بڑھتے ہوئے ایک کھنڈر نماں گھر میں داخل ہو گیا۔

کھانسی کی آواز سکندر کے کانوں تک پہنچی تو سکندر بائیں جانب موڑ گیا۔

اور پھر ایک کمرے کا دروازہ کھولتے اُس میں داخل ہو گیا۔

بڑی دیر کر دی سکندر صالح آتے آتے۔ سامنے بیٹھا شخص سکندر کو دیکھتے ہی شاعرانہ انداز میں مخاطب ہوا۔

سکندر::::انتظار قدر کو بڑھاتا ہے۔ اسی لیے آتے آتے دیر ہو گئی۔

سامنے بیٹھا شخص مسکرایا تو سکندر ٹھاٹ سے میز پر پڑے شراب کے گلاس کو پکڑتا وہاں بیٹھ گیا۔

تمہارا یہی انداز تو سکندر ہماری طاقت ہے۔

سکندر:::: ہماری نہیں جہانگیر۔۔۔۔۔۔ میری۔۔۔۔ سکندر صالح کی طاقت صرف اسی کی طاقت ہے اور اس طاقت میں کوئی حصے دار نہیں ۔۔۔ تم بھی نہیں ۔۔

جہانگیر:::: کبھی تو دل رکھنے میں کچھ رحم دلی دکھایا کرو۔ہم بھی تمہارے ہی ہیں کبھی ہم کو بھی خود سے بلایا کرو۔۔

سکندر:::: تمہاری بکواس شاعری ختم ہو گئی ہو تو مدھے کی بات پر آؤ

جہانگیر: ڈر گز۔۔۔۔۔۔

سکندر: تم۔ جانتے ہو یہ ممکن نہیں ہے۔

جہانگیر: تم چاہو تو سب ہو سکتا ہے ممکن۔ گوز برق یگیز سے ملاقات کی دیر ہے۔۔اچھے خاصے پیسوں کی بارش اس کام میں ہو سکتی ہے۔

سکندر: جو بات میں کہہ چکا سو وہ کہہ چکا مجھے اپنی بات کو دوسری مرتبہ دہرانا پسند نہیں۔

جہانگیر: یہ مت بھولو کہ آج تم جس طاقت پر راج کر رہے ہو وُہ میری بھی وجہ سے ہے۔۔۔ میرا احسان یاد ہے یا وہ بھی بھول چُکے ہو؟

سکندر کے چہرے کے تاثرات نہایت سخت ہوئے اور پھر بولا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک تمہاری یہ بکواس کو میں یہاں بیٹھا سن رہا ہوں۔

ورنہ تمہیں یہ بات مجھے یاد دلانے کی ضرورت اسی جیل میں ہوتی جہاں اب تک تم نے اپنی آدھی زندگی گزاری ہے

جہانگیر: میں تمہارا دوست ہوں یار سکندر اور دوست دوست کے کام آتے ہیں۔

سکندر: آج کے بعد اگر تم نے مجھے اپنا کچھ کہا تو مجھے اُن دوانسوں کی قسم تمہیں اگلا لفظ بولنے کی بھی اجازت نہیں دوں گا۔

جہانگیر: ہاں سمجھ گیا ہوں۔۔۔ پھر مجھے کچھ پیسے دو۔تا کہ میں کچھ گزرا تو کر سکوں

سکندر: پیسوں کی اب تمہیں ضرورت نہیں تم آزادی سے اپنی زندگی جی سکتے ہو۔۔

جہانگیر: مطلب کہ کیس ختم؟

سکندر: ہاں

جہانگیر مسکرایا اور پھر بولا۔۔۔۔۔۔اور میں سمجھتا تھا صرف میں ہی

. تمہارا یار ہوں یہاں تو اور بھی یار ہیں جو تمہارے آگے دوم ہلاتے ہیں

سکندر: کتوں کا کام مالک سے وفاداری کا ہے اُس کے آگے بھونکنے کا

نہیں۔۔۔البتہ باقی کتوں کی نسل میں مالک کے سامنے بھونکنے کی جرات تو

میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ مگر تم میں خاصی مقدار میں شامل ہے۔

جہانگیر: کیا کہا تم نے؟؟! میں کتا ہوں مطلب حد ہے ویسے۔

سکندر: ہاں جتنی لمبی تمہاری زبان ہے۔ باقی تم آگے سمجھ دار ہو

میری ماں نہ کہتی تو تم اب تک اپنی زبان کی وجہ سے مر چکے ہوتے۔

جہانگیر: ہائے سکندر ہائے۔۔۔۔زندگی بری کتی چیز ہے اس کے لیے

انسان کو برباد کرنے کے لیے ایک دن ہی کافی ہوتا ہے۔ میری تو پھر بھی

زبان ہے۔۔۔کتا ہوں اس لیے بھونکنا میرا کام۔ ہے

سکندر: کتوں کے لیے زندگی بھی کتی ہی چیز ہے ورنہ برباد کرنے کو ایک دن

نہیں ایک پل ہی کافی ہوتا ہے جہانگیر۔

یہ جو سانسیں تم لیے پھرتے ہو اس پر سکندر کا شکر ادا کرو ورنہ آج تمہارا جسم مٹی کی خاک ہو کر بوسیدہ ہو چکا ہوتا۔

جہانگیر: یہ شراب دیکھ رہے ہو سکندر اس شراب نے تم سے اور مجھ سے بہت کچھ چھینا ہے۔

مگر تمھارے ساتھ اپنا سارا بچپن گزارنے کے بعد میں بھی اسے نہ چھوڑ سکا جیسے کہ تم۔۔

کیوں۔ کہ اتنی وحشت کے بعد یہ شراب تمہیں اور مجھے اندرونی سکون دیتی ہے۔

سکندر: تمہاری خصلت کے مطابق یہ شراب تمہیں سکون دیتی ہے مگر مجھے ہر روز موت کی وہ آخری حد دیکھاتی ہے جو مجھ میں پل بھر کے سکون کو بھی برباد کر دیتی ہے۔

جہانگیر: سکون کی کچھ گھڑیاں تمہاری میرے بھی کانوں سے گزری ہیں ۔۔۔ کیا شادی کرلی ہے یا پھر اپنی بے سکونی کو صرف دیکھ کر ختم کرنے کا ارادہ ہے۔

سکندر: جانتا تھا وہ آدمی تمہارا ہی ہو سکتا ہے۔ جو میرے منع کرنے کے باوجود وہاں جاسوسی کر رہا تھا۔

جہانگیر: سکندر تم جو بھی کہو میں تمہیں اچھے سے جانتا ہوں۔

اگر میں تمہاری بات مان لیتا ہوں تو اُس دوستی کی خاطر جو تمہاری ماں نے کبھی میری تم سے کروائی تھی اگر وہ تمہاری ماں تھی تو وہ میری بھی ماں کی طرح تھی۔

سکندر: اور اسی ماں کے وعدے کو میں آج تک پورا کرتے تمہاری ہر بکواس کو سن لیتا ہوں۔

جہانگیر: ہم بکواس ہی کرتے ہیں؟ کبھی آنکھوں کو بھی دیکھا کرو

.جو آنکھیں دکھاتی ہیں وہ دل کی راہ ہوتی ہے

سکندر: فلحال تم اپنی یہ بکواس بند کرو اور

میرا ایک کام کرو

جہانگیر: ہم بھی کیا سمجھے وہ ملاقات کو آئے

وہ ائے تو صحیح مگر خود کے مطلب میں وہ آئے

سکندر نے ایک بار پھر سرد نظروں سے جہانگیر کو دیکھا تو جہانگیر فوراً سے

بولا۔

....جہانگیر::: ہاں ہاں سن رہا ہوں تم بولو

سکندر: کارل مارکس پر تمہیں نظر رکھنی ہے ہر صورت میں۔اور کام میں

کوئی کمی معلوم ہوئی تو اُس وعدے کو توڑتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچو گا کہ تم

میرے دوست ہو جہانگیر

جہانگیر: ہم کہے دوست تم۔ کو تو موت واجب ہو جاتی ہے

جو تم کہو دوست ہم۔ کو تو حکمِ یار صادر ہو جاتی ہے

ہاں ہاں۔۔۔۔مجھے معلوم ہے تم میرے شعر کی کبھی تعریف کر ہی نہیں سکتے۔

ویسے باتوں کی ایک بات بھابھی سے کب ملواؤ گے۔۔۔اگر بتاؤ گے تو ایک پتے کی بات بتاؤ گا۔

سکندر شراب کے خالی گلاس کو رکھتے اٹھا اور بولا۔

کام۔کو ٹھیک سے کرنا۔۔ چلتا ہوں

جہانگیر: بہت جلدی کر دی ہے یار جاتے جاتے۔۔

کچھ دیر اور تم میرے پاس یوں ٹھہر جاتے

ہم جو حال دل کو تمہیں کچھ یوں ہی۔بیان کرتے

تم بھی اُن دو آنسووں کی داستان ہم کو سنا جاتے

جہانگیر اپنا منہ بند کر لو ورنہ تمہارا منہ مجھ سے ٹوٹ جانا ہے میرے جاتے جاتے

اور یہ کہتا سکندر وہاں سے چلا گیا ایک چھوٹی سی مسکراہٹ لیے۔

جو بھی تھا وہ دو سال کے بعد جہانگیر سے مل کر خوش تھا مگر اُسے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جمشید مسلسل کالز کرتا ٹہل رہا تھا۔

گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی تو جمشید نے ٹہلنا بند کیا۔

اور پھر گاڑی کی طرف بڑھتا گاڑی کا دروازہ کھولتے بولا۔

جمشید:':::بھاؤ وہ۔۔۔۔۔آپ نے پارٹی پر جانا بھی ہے

سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

سکندر:::ہاں ٹھیک۔ہے میرے کپڑے۔

جمشید::::بھاؤ وہ۔۔۔۔۔میں ملازمہ کو۔کہتا ہوں۔۔۔وہ آپ کی چیزوں کو۔اُس کمرے سے دوسرے میں شفٹ کر دے۔

سکندر:ابھی جانے کے لیے تیار کیے ہیں کہ نہیں۔

جمشید:جی بھاؤ تیار ہے۔۔۔

سکندر چلتے چلتے گھر کی اندر داخل ہوا اور پھر سیدھا راہداری سے ہوتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کپڑوں کو دیکھتے سکندر بولا

پینٹ کوٹ نہیں پہننا مجھے تبدیل کروا بھی۔

جمشید: مگر بھاؤ۔

سکندر:::: جو کہا ہے وہ کرو جاؤ۔

جمشید:::: جی بھاؤ میں ابھی کہتا ہوں۔

سکندر کو کچھ یاد آیا تو بولا۔

سکندر: روکو تم رہنے دو۔۔۔ میں خود دیکھ لوں گا۔

اور پھر کپڑوں کو اٹھاتا سکندر وہاں سے سیدھا اوپر کی۔ طرف بڑھا کمرے سے ملازمہ نکلی تو سکندر نے سر کے اشارے سے جانے کا کہہ دیا۔

دروازے پر دستک دیتا سکندر کمرے میں داخل۔ ہوا تو زیمل نماز پڑھنے میں مشغول تھی۔

سکندر کمرے میں داخل ہوا تو زیمل۔ پر نظر پڑتے ہی اُسے پیچھے سے دیکھنے لگا۔

وہ۔اُس آسمانی رنگ کے لباس میں آج کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔

کچھ دیر اُسے دیکھنے لگا تو کانوں میں جہانگیر کی آواز گونجی

کیا شادی کرلی ہے یا پھر اپنی بے سکونی کو صرف دیکھ کر ختم کرنے کا ارادہ "ہے۔"

سر کو جھٹکتے سکندر سیدھا واڈروب والے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اُس نے شلوار قمیض کی الماری کو کھولا اور وہاں سے ایک کالے رنگ کی شلوار قمیص کو نکلا۔

جوتوں کی الماری سے ایک جوتے جن کے آگے کا چہرہ لمبا اور نوک نماں تھا وہ نکالا۔۔

گھڑیوں سے ایک کالے رنگ کی برینڈ نیو گھڑی نکالی

اور دو منٹ میں تیار ہو تا وہ اُس کمرے سے نکلا۔ تو زیمل نماز ادا کرنے کے بعد اٹھ رہی تھی۔

تیز خوشبو کے باعث زیمل دائیں جانب کی طرف متوجہ ہوئی تو سکندر وہاں کھڑا کافی اچھا لگ رہا تھا۔

مگر کالے رنگ میں وہ اپنی شخصیت سے کئی گنا زیادہ روب دار معلوم ہونے لگتا تھا۔

زیمل سکندر کو اچانک وہاں دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تو بولی

زیمل: آپ۔۔

سکندر: میں بس۔۔۔اپنی چیزیں لینے آیا تھا۔۔۔تکلیف کے لیے معافی

چاہتا ہوں.

سکندر کو جاننے والے وہاں موجود ہوتے تو سکندر کے منہ سے معافی کا لفظ سن کر شاید وہ حیرانگی کی دنیا میں جا پہنچتے کیوں یہ لفظ سکندر کے منہ سے نکلا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔

زیمل: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔۔

سکندر زیمل کے چہرے پر نظر ڈالے وہاں سے چلتا باہر کو جانے لگا کہ زیمل مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔۔

زیمل: سنے۔

سکندر کو زیمل کے منہ سے خود کو بلانا بہت اچھا لگا تھا۔ چہرے کی مسکراتا کو چھپاتے سکندر موڑا اور بولا۔

سکندر: جی۔۔۔۔کہے۔

زیمل: و۔۔۔۔وہ میں۔ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔

سکندر: جی بولیے میں سن رہا ہوں۔۔۔آپ کی بات کو۔۔۔

زیمل: آپ نے مجھے رہنے کے لیے جو دو دن کی چھت دی

م۔۔میں۔ اُس پر۔۔۔آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔

نظروں کو جھکائے زیمل اپنی بات کو کہنے لگی تو ایک کے بعد ایک جملہ اُس کی بات کے ساتھ جوڑتا گیا۔

میں آپ کی بہت احسان مند ہوں۔

آپ بہت اچھے اور رحم دل انسان ہیں۔آپ نے میرے لیے جو بھی تکلیف اٹھائی۔۔۔میں اُس پر آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔آپ نے میرے لیے جو بھی کیا میرے پاس اُس کے مقابلے میں دینے کو کچھ نہیں ہے مگر میں آپ کے لیے دعا کر سکتی ہوں کہ آپ کو اللہ ہر نعمت سے نوازے۔

سکندر: اس میں شکریہ والی کوئی بات نہیں ہے۔آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

زیمل: پھر بھی آپ کا بہت شکریہ

۔۔۔مجھے آپ کے گھر میں دو دن ہو چکے ہیں۔۔۔میں اب صبح یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔

سکندر کو لگا کہ اُس کے کانوں نے کچھ غلط سنا ہے تو فوراً سے بولا۔۔

سکندر: میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔۔آپ نے کیا کہاں ہے ابھی؟

زیمل:: میں صبح یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔

زیمل کو سامنے کھڑے شخص سے کوئی خوف معلوم نہیں ہو رہا تھا مگر کچھ تھا جو زیمل کو اندر ہی اندر ایک۔ عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

سکندر: آپ یہاں سے کیوں جانا چاہتی ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ کو یہاں کوئی پریشانی ہے۔۔۔۔ یا کسی نے کچھ کہا ہے۔۔۔

اگر کوئی بات ہے۔آپ مجھے بتائیں۔

زیمل: نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایسی کوئی بات۔۔۔ نہیں۔ہے۔۔۔م ۔۔۔میں۔۔۔ یہاں۔ نہیں۔رہ سکتی۔

سکندر:: کیوں۔؟ایسے کیوں کہہ رہی ہیں۔۔۔۔۔آپ یہاں رہ سکتی ہے۔۔۔۔یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔

زیمل سکندر کی باتوں میں موجود عجیب سی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

مطلب۔۔۔ایک عجیب سی بے قراری سکندر کی باتوں اور لہجے میں معلوم ہو رہی تھی۔

زیمل: نہیں۔۔۔۔آپ مجھے غلط نہ سمجھے۔سب بہت اچھے ہیں۔میر ااتنا خیال بہت دیر بعد کسی نے رکھا ہے۔۔پر میں کسی اور پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ اس لیے میں صبح یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔

سکندر: آپ بوجھ نہیں۔ہیں۔۔۔ مجھ پر۔۔۔۔اور ایسا سوچے بھی۔مت۔۔۔۔یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔۔۔۔آپ یہی رہے۔اور یہاں سے مت جائیں۔

زیمل: سنے۔۔۔میں یہاں نہیں رہ سکتی ہوں۔۔۔۔مہ

۔۔۔۔میں۔یہاں۔۔۔

سکندر زیمل کی بات کو کاٹتے ہوئے بولا۔۔

سکندر: آپ رہ سکتی ہیں۔۔۔جب تک۔۔۔چاہے۔۔۔۔۔۔پوری زندگی بھی تو بھی سکندر صالح آپ کو۔جانے کا نہیں۔کہے گا۔۔۔ کبھی نہیں۔

زیمل گفتگو کی تکرار کو۔ سمجھ نہیں پارہی تھی۔اور پھر اپنی بات کو سمجھتے ہوئی بولی

زیمل: دیکھیے۔۔۔۔۔۔آپ بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں۔۔۔یہ جگہ میرے لیے نہیں ہے۔

یہ چھت میرے لیے نامحرم کی چھت ہے میں یہاں نہیں رہ سکتی۔۔

میں۔اب ٹھیک۔ہوں۔۔۔۔آپ بات کو سمجھنے کی۔کوشش کیجئے۔

میں صبح یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔

زیمل بہت ادب و احترام کے ساتھ بہت معصومیت سے سکندر کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

سکندر زیمل کی بات کو سمجھ گیا تھا وہ ایک باحیا عورت ہے اور یہاں نہ رہنا سکندر کا۔اُس کے لیے نامحرم ہونا تھا۔

جو بھی تھا زیمل۔یہ تو۔جان چکی تھی کہ اُس گھر میں سکندر ہی تھا باقی سب ملازم اور ملازمہ تھے جو گھر کے کاموں کو کرتے تھے اُس گھر میں اور کوئی نہیں تھا جو بات زیمل۔کو خود کے لیے بہتر معلوم نہیں ہو رہی تھی۔

سکندر: تو آپ جانا چاہتی ہیں؟

زیمل: ج۔۔۔جی

سکندر: صرف یہ ایک وجہ ہے جو آپ کو یہاں رہنے نہیں دے رہی۔

زیمل: می۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔و۔۔۔وہ۔۔۔۔آپ۔۔۔۔بات کو میری غلط نہ سمجھیں۔۔۔میں

سکندر کی کیفیت زیمل کے جانے کا سن کر کچھ اچھی نہیں تھی۔

بہت بے چینی تھی۔۔۔۔۔۔کچھ کھو جانے کا ڈر تھا۔

ایسا ڈر جو سکندر۔ کو خود میں گلے تک آتا محسوس ہو رہا تھا جیسے پوری طاقت سے اُس ڈر نے سکندر کی گردن کو جھکڑ لیا ہو۔

اور پھر کچھ سوچتے ہوئے سکندر وہ سب کہہ گیا جو اُسے لگا کہ وہ کہہ کے زیمل کو جانے سے روک سکتا ہے۔

اور پھر زیمل۔ کی بات کو کاٹتے ہوئے سکندر بولا:

سکندر: تو آپ صبح اس لیے جانا چاہتی ہے کہ یہ چھت آپ کے لیے نا محرم کی چھت ہے۔ یہی۔ ایک۔ وجہ ہے جو آپ یہاں سے دور جانا چاہتی ہے۔ اس گھر سے۔۔۔۔۔۔۔ مجھ سے۔۔۔۔۔ میری نظروں سے

زیمل وہاں کھڑی بے بس معلوم۔ ہو رہی تھی سکندر جو کچھ کہہ رہا تھا اُن باتوں کے باعث زیمل اپنی حیا میں نظروں کو بھی اٹھا نہیں پائی تھی۔

اُس نے تو ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔۔۔۔ مگر وہ یہ سب سامنے والے شخص سے سُننے کی توقع ہرگز نہیں کر رہی تھی۔

اُن لفظوں میں جو زیمل کے کانوں سے ٹکرائے بے شک اُن میں بہت خلوص اور محبت معلوم۔ ہو رہی تھی مگر یہ سب اُس موقع پر ہونے کی توقع زیمل کے دل و دماغ میں دور دور کہی نہ تھی۔

سکندر: میں نہیں جانتا آپ کو یہ سن کر کیسا لگے گا۔ مگر میں اگر اب نہ کہہ سکا تو میری زندگی اب کی بار بہت مشکل ہو جائے گی۔۔۔ آپ سے بہت کچھ کہنا

چاہتا ہوں مگر وقت اس بات کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ خود کو اپ کے سامنے کھول کر رکھ دوں۔۔

زیمل کا وجود کانپ رہا تھا۔۔۔ وہ اُس شخص سے خوفزدہ تو نہیں تھی ہوتی بھی کیسے جس شخص نے اُس کے مقابل کھڑے ہو کر بھی نظروں کو جھکا کر اُس کی حیا کے احترام۔ میں بات کی اُس شخص سے زیمل کسی طور خوفزدہ نہ تھی مگر مقابل کے الفاظ زیمل کو شرمندہ کر رہے تھے۔

سکندر: میں یہ تو نہیں جانتا کہ یہ وقت ٹھیک ہے یا نہیں میری نظر میں اس بات کی اہمیت کبھی نہیں تھی مگر ابھی یہ بات کہتے ہوئے مجھے شدت سے۔ اس بات کا احساس ہو رہا ہے کیوں کہ میں نہیں چاہتا آپ میری نیت یا میری چاہت میں کوئی کھوٹ دیکھیں۔

میں نے ان دو دنوں میں آپ کے یہاں نہ جانے کی تمنا کی ہے۔ مگر یہ بات آپ سے یوں کہہ دینا میرے بس میں ایسا ہے کہ

جیسے اگر یہ بات میں آج نہ کر سکا اور آپ چلی گئی تو ہر روز ہزار موت ایسی مروں گا کہ دنیا میں کوئی ایسی موت ہر روز ہر پل نہیں مارا ہو گا۔

زیمل سکندر کے اس اچانک سے اظہار پر سامنے اپنے دل کی بے لگام دھڑکنوں کو لیے کھڑی تھی۔۔۔ جیسے وہ ان باتوں کو سنتے وہاں جام ہو چکی ہو۔

اُس کے گال گلاب کے پھول سے زیادہ لال تھے جو سکندر کے اس بے دھڑک اور با احترام۔اظہار پر تلملا چکے تھے۔۔

وہ چاہتی تھی کہ سکندر کو سب کہنے سی روک دے۔

جو وہ۔ سن چکی اُسے ان سنا کر دے۔

اس گفتگو کو ختم کرنے کے لیے وہ بہت ہمت سے بولی۔

زیمل: مہ۔۔۔۔۔م۔

مگر زیمل کی زبان اور اُس کی آواز اُس کا ساتھ نہ دے سکی ابھی کہ زیمل بات کو ختم کرتی کہ سکندر بولا۔

سکندر: آپ اس چھت کو نا محرم کی چھت سمجھ رہی ہیں۔اور صرف اسی لیے یہاں سے جانا چاہتی ہے۔۔۔جو میں نہیں چاہتا ہوں۔آپ کی حیا مجھے بہت عزیز ہے۔۔میں اُن مردوں میں سے نہیں ہوں جنہیں عورت کے پاک تقدس کی اہمیت معلوم نہ ہو۔۔میری تربیت بھی ایک پاک سیرت عورت نے کی ہے۔

اور اسی عورت کی تربیت کو استعمال کرتے میں بہت ادب واحترام سے زیمل آپ کی حیا کے تقدس کو پامال نہ کرتے ہوئے بہت صاف اور شفاف الفاظ میں اس نا محرم رشتے کو محرم میں بدلنے کے لیے میں سکندر صالح ۔۔۔۔زیمل آپ سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہوں۔

ایک پل میں زیمل کی جھکی نظروں نے سپاٹ نظروں سے مقابل کے چہرے کی طرف دیکھا جو کچھ پل میں ہی زیمل سے وہ۔سب کہہ گیا جس کی زیمل نے کبھی اُمید بھی نہ کی۔ تھی۔

نظروں کو اٹھائے زیمل۔ سکندر کے چہرے کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ شخص
جو اپنی شخصیت میں ایک بہت روب دار انسان معلوم ہو رہا تھا
وہ ہاتھوں کو پکڑے بہت۔ ادب سے کھڑا نظروں کو جھکائے بول رہا تھا۔
وہ دنیا کا پہلا ایسا شخص تھا جو اپنی محبّت کا اقرار بھی اتنے ادب و احترام سے کہہ
رہا تھا جس کی نظریں اُس عورت پر یہ کہتے نہ ڈال سکی کہ وہ اُس سے نکاح کا
مطالبہ کر رہا ہے۔
مگر زیمل اس بات سے بے خبر تھی کہ مقابل میں کھڑا شخص پسینے میں لت
پت کھڑا جو کچھ کہہ چکا تھا دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہہ چکا تھا۔
ایسا نہیں تھا کہ سکندر اوروں کی طرح اپنی محبت کو خود سے یا زیمل سے کہنے
سے ڈرتا تھا یا اس بات کا اقرار نہیں کرنا چاہتا تھا مگر
وہ زیمل کو صرف دو دن کی ملاقات پر اپنی سالوں جیسی محبت سے آشکار کر
کہ اُسے خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سکندر: میں سکندر صالح زیمل۔۔۔۔آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ابھی اسی وقت اگر آپ اپنی رضامندی مجھے دے دیں۔

زیمل کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اُس شخص کے مطالبے یا اُس کی خود کے لیے چاہت کا کیا جواب دے۔

زیمل: می۔۔۔۔می۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔زیمل ناسمجھی سے جو سکندر کے چہرے کو دیکھ کر بولنا شروع کی کہ سکندر بھی زیمل کے چہرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

صرف ایک پل دونوں کی نظریں ٹکرائی تو زیمل ناسمجھی میں ادھر ادھر قدم اٹھاتی بیڈ پر بیٹھ کر پانی کا گلاس اٹھاتی پانی پینے لگی اس آس پر کہ یہ جو کچھ سنا ہے یہ ایک خیال ہو۔۔۔

مگر کچھ پل میں سب نہ بدلا تو حقیقت میں کہے سکندر کے سب الفاظ اُس کے کانوں میں دہرانے لگے۔

وہ پریشان ہو چکی تھی کہ وہ اب کیا کرے گی۔

ایک سوچ نے اُسے گھیرے میں لیا تو سکندر چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیتے ہوئے بولا

سکندر: آپ کو روکنے کیلئے میری یہ پیش قدمی صرف پیش قدمی نہیں ہے

زیمل۔۔۔۔ یہ سکندر صالح کا دل ہے جو وہ پہلی مرتبہ کسی پر ہار بیٹھا ہے

۔۔۔۔اور میں یہ ہار آپ کو اپنے نکاح میں لے کر اپنی جیت میں بدلنا چاہتا ہوں۔

مجھے صبح تک آپ کے جواب میں ہاں کا انتظار ہے۔

اُمید ہے آپ اس سے زیادہ مجھے انتظار نہیں کرائیں گی۔

اور پھر سکندر زیمل سے یہ کہتا اور حُسنِ زیمل پر ایک نظر ڈالتا وہاں سے چلا گیا۔

جہاں زیمل اس اقرار سے بلکل سنبھال نہیں پا رہی تھی وہاں سکندر کا دل اُس کے سینے سے ٹکراتا خوشی میں جھوم رہا تھا مگر جہاں زیمل کا وجود حیرانگی میں کانپ رہا تھا وہاں سکندر کا وجود صرف اُس پر ایک نگاہ ڈالنے پر تڑپ رہا

تھا۔۔۔ ہاتھوں میں ایک عجیب سی کانپنے کی کیفیت تھی کانوں کے پیچھے پسینے کی بوندھے تھی جو سکندر کے اندر موجود بے قراری کے ساتھ ساتھ اُس کی محبت سے یوں اچانک اقرار پر مزید بڑھ چکی تھی۔ مگر ایک الگ سا سکون تھا جو سکندر کے چہرے پر ایک مسکراہٹ بکھیر چکا تھا۔

اندر بیٹھی زیمل ابھی تک سکندر کی کہی جانے والی ہر بات پر خاموش بیٹھی ایک الگ ہی صدمے میں تھی۔

اُسے سکندر کی باتوں میں ایک لمبی عمر کی محبّت کا احساس محسوس ہوا۔

ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلتے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ یہ سب جو ہوا ہے شاید ایک خواب ہے اور ابھی وہ اس خواب سے اٹھ جائے گی۔

مگر جو سکندر کہہ چکا تھا اُس کا ہر لفظ ہر بات حقیقت کے ہر پنھے سے جوڑا تھا۔

زیمل تو۔۔۔ یہاں سے جانا چاہتی تھی۔۔۔۔ صرف اپنے رب کے آسرے پر۔۔۔۔ وہ یہ تو نہیں جانتی تھی کہ وہ یہاں سے کہاں جائے گی مگر اس نہ محرم چھت کے نیچے رہنا اب اُسے اپنی نظروں میں کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا

تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بات بھی اُس کے یااُس رحم دل انسان کے کردار پر اثر کرے۔

مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کسی زبان میں یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ زیمل کے کردار پر سکندر کے ہوتے ہوئے انگلی اٹھا سکے کیوں کہ سکندر دونوں چیزوں کو بروقت کاٹ دینے کی طاقت خود میں رکھتا تھا۔۔۔ جس کو زیمل ایک رحم دل انسان سمجھتی تھی وہ کوئی عام سکندر نہیں تھاوہ سکندر صالح تھا جس نے کبھی خود کو معاف کرنے کا بھی نہیں سوچ تھا۔۔۔ مگر آج زیمل کو زیمل کی خود کی مرضی سے وہ اُسے اپنے نکاح میں لینے کی چاہت کو

ظاہر کرچکا تھا۔۔۔ جبکہ وہ کبھی ایسے رشتے کو خود پر اُجاگر نہیں کرنا چاہتا تھا یہی وجہ تھی جو آج تک وہ کسی عورت کے حسن کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا

۔

مگر زیمل کا چہرہ نور کی روشنی سے منسلک تھا۔۔۔جو سکندر کے اندر ایک پر سکون زندگی کی ایک روشنی کے چراغ کو جلا گئی تھی۔

جو بھی تھا مگر زیمل ان باتوں کو سن کر بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کر پا رہی تھی۔۔

اُسے اب تک تو سکندر میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی تھی مگر اُسے ان سب باتوں کی اُمید اُس شخص سے کبھی نہیں تھی۔

کانوں میں سکندر کے کہے لفظ ایک کے بعد ایک بار دہرانے لگے۔

چہرے پر ہاتھ رکھے یہ سوچنے لگی کہ وہ اب کیا کرے گی۔

زیمل: یا اللہ میں نہیں جانتی کہ تو نے میرے لیے کیا سوچا ہے مگر یہ سب مجھے ایک نئے امتحان میں ڈالنے کے لیے بہت زیادہ ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تو اپنے بندوں پر اُن کی ہمت اور طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا مگر یہ سب سوچنے کی بھی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔

اور زیمل چہرے کو اپنی ہاتھوں میں۔ دیتی ہزار سوچ کے ساتھ اپنے رب سے گفتگو میں مصروف ہو گئی۔

زیمل کی کیفیت بیان کرنے کو کافی نہ تھی۔۔۔وہ بے حد بے چین اور پریشان تھی۔

اُس میں یہ بات سوچنے کی ہی ہمت نہیں تھی کہ وہ شخص جسے وہ اپنا خیر خواہ سمجھ رہی تھی وہ ابھی کچھ دیر پہلے اُس سے نکاح کی خواہش ظاہر کرتا صبح تک کی مہلت دے کر گیا ہے۔اور وہ بھی یہی کہ جواب ہاں میں ہو۔

جس بات کو زیمل سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی وہ صبح اُس شخص کا سامنا ہے کیسے کرے گی۔وہ اُس شخص کو یہ کیسے سمجھائے گی کہ وہ یہ سب نہیں سمجھنا چاہتی۔اور یہاں سے جانا چاہتی ہے۔

شاید سکندر اسی لیے اپنے دل کی بات کو زیمل پر اتنی جلدی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ جس رات زیمل کو اپنے گھر لایا تھا اُسی رات وہ سب کہہ دیتا جو وہ کہنا چاہتا تھا۔جو کہنے سے سکندر کو کوئی روک تو نہیں سکتا تھا مگر زیمل کے چہرے پر ڈلی ایک نظر نے یہ کام بھی کے دیا تھا۔

اور پھر زیمل نے ساری رات یہی سوچتے گزار دی کہ وہ صبح کیا جواب دے گی۔

دوسری طرف۔

سکندر کمرے سے نکلتا سیدھا گاڑی میں جا بیٹھا۔

جمشید جو پہلے سے گاڑی میں بیٹھا تھا گاڑی کو چلانے کے لیے بولا

جمشید: بھاؤ۔

سکندر: ہاں۔۔۔۔ چلو

سارا راستہ سکندر خاموش رہا تھا۔۔جو بات جمشید کو خاصی محسوس ہوئی تھی۔۔۔

گاڑی میں بیٹھا سکندر کسی بات کے سوچنے پر مسکرایا تو اچانک فون بجنے لگا۔

فون کو اٹھایا تو دوسری طرف سے کوئی بولا:

بڑی دیر کر دی سکندر فون اٹھاتے۔۔

ہاں وہ جہانگیر تھا۔

سکندر: تم نے پھر سے نمبر تبدیل کر لیا ہے؟

جہانگیر: نمبر تبدیل نہ کرو تو تم کہاں میری کال اٹھاو گے۔

سکندر: اب بکواس کو بند کر کہ کام کی بات کرو کس لیے فون کیا۔

جہانگیر: مارکس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور کارل۔۔۔

اور پھر ساری بات کو جہانگیر بتاتا فون بند کر گیا

یہ کہتے کہ تیرے کتوں کی وفاداری کو ایک دہمک لگ رہی ہے۔

دیمک کو وقت پر صاف کر لیا جائے تو باقی کی وفاداری کو بچایا جا سکتا ہے۔

سکندر: ہاں ٹھیک۔ہے۔۔۔فون رکھتا ہوں۔

جہانگیر: دیکھ لینا کہی میری ضرورت معلوم ہو تو ایک فون کرنا۔میں حاضر ہو جاؤ گا۔۔۔۔صالح تیرے بلاتے بلاتے۔

اور پھر ایک ہنسی کے ساتھ جہانگیر فون بند کر گیا۔

سکندر: فون کو رکھتے سکندر پھر سے گاڑی میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔

گاڑی روکی تو سکندر اکیلا منشن میں داخل ہوا۔۔۔کوئی باڈی گارڈ اُس کے ساتھ موجود نا تھے۔۔۔ایک بھی نہیں۔

سکندر کے داخل ہوتے ہی تالیوں کی گونج سے اُس کا استقبال کیا گیا۔

بڑے بڑے لوگوں کی فہرست میں جو نامی گرامی لوگ تھے وہ سکندر صالح کے استقبال میں کھڑے ہو گئے

منشن میں موجود ہر ایک نے پینٹ کوٹ پہنے تھا۔سوائے سکندر صالح کے۔

وہ اس قدر دلکش لگ رہا تھا کہ وہاں۔موجود بڑے بڑے

لوگوں کی بیٹیوں کی ایک لمبی قطار سکندر کو دیکھ کر دیوانہ وار مسکرانے لگی۔

مگر ہر۔بار کی۔طرح آج بھی سکندر کسی ایک پر بھی نظر نہ ڈالے سیدھا آگے کی طرف بڑھ گیا

جہاں سکندر ایک بڑے سے صوفے جہاں چار سے پانچ لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی سیدھا چلتے ہوئے اکیلا اُس صوفے کے بیچو بیچ بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اُس کی ٹیک پر دائیں بائیں رکھے بیٹھ گیا۔

سکندر کے چہرے کے تاثرات نہ ہی سخت تھے نا ہی نرم۔۔۔اسی لیے وہاں سکندر کی آمد پر اچھا خاصا شور برپا تھا۔

کارل اور مارکس کے ساتھ اینگلز سکندر سے ملنے کو آگے بڑھا تو سکندر ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے بولا۔

...ہاں تو مجھے یہاں بلانے کا سب سے پہلے مقصد بیان کرو

مارکس::::بھائی۔۔۔۔۔یہ۔۔۔یہ۔۔سب آپ کی آمد کی خوشی میں ہے۔

مارکس کی بات کو سن کر سکندر کارل کی طرف دیکھتے ہوئے چہرے سے واہ کا تاثر دینے لگا۔۔

کارل:::جی۔۔۔۔جی۔۔۔۔بھائی۔۔۔۔۔یہ سب آپ کی خوشی کے لیے کیا ہے۔

سکندر مسلسل سر کو ہاں میں ہلاتے ہوئے بولا۔

ہاں تو اینگلز تم نے کیا تیاری کی ہے میرے آنے پر۔

اینگلز: بھ۔۔۔۔۔بھ۔۔۔۔۔بھائ ی۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔میں

نے۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔نے بھی ان کے ساتھ۔۔۔۔مل کر یہ سب کیا ہے۔

سکندر::::: تو۔اتنا خوف زدہ ہو کر کیوں بول رہے۔

اینگلز: ن۔۔۔۔۔نہی۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔بھائی۔۔۔۔۔میں

بس۔۔۔۔۔۔آپ کے آنے پر۔۔۔کچھ۔۔۔۔نروس۔۔۔۔۔ہو

گیا۔۔۔ہوں

سکندر::: مجھے تو بلانے والے بھی تمہیں تینوں ہو۔اب بلا کر یوں نروس

ہونا۔غداری کی بو دے رہی ہے۔

کارل:: ن۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔بھائی۔۔۔۔۔آپ کے لیے ہماری جان بھی

قربان ہے۔

سکندر: یہ کی ہے نہ میرے آدمی ہونے والی بات۔

بس یہی جذبہ چاہیے۔

مارکس:: بھائی۔۔۔۔ہم آپ کے ساتھ ہر گز۔۔۔۔غداری نہیں کر سکتے۔

اینگلز: ج۔۔۔۔جی بھائی۔۔۔۔۔آپ پر جان بھی قربان ہے۔

سکندر: تم تینوں نے آج دل خوش کر دیا ہے میرا۔ چلو ایک کھیل کھیلتے ہیں۔

سکندر اپنی جگہ سے اٹھتا۔تالی بجانے لگا۔ جس سے وہاں موجود تمام لوگ سکندر کی طرف متوجہ ہو۔۔۔گے۔

سکندر::'ہاں تو خاموشی کو اختیار کیا جائے۔

اور پھر صرف ایک جملے سے۔وہاں ہر طرف خاموشی چھا گئی جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔۔

اور پھر ایک آدمی کو اشارہ کرتے سکندر نے گن کو پکڑا تو

.کارل مارکس اور اینگلز کے جسم میں ایک سنسنی پھیل گئی

سکندر کیا کرنے والا تھا یہ تو وہاں موجود کوئی بھی جانتا تھا البتہ جو ہونے والا تھا وہ سب کے دلوں میں خوف کو پیدا کرنے لگا تھا۔

سکندر::: ہاں تو میرے سب سے وفادار بندوں۔اب تم لوگوں کو اپنی وفاداری اس کھیل سے واضع کرنی ہو گی.

گن کو پکڑتے سکندر نے پانچ گولیاں نکالی اور وہی زمین اور پھینکتے بولا

سکندر::: چلو۔۔۔مارکس۔۔۔ تم سے شروع کرتے ہیں۔

لو پکڑو۔

۔اور پھر سکندر گن کو تھماتے واپس صوفے پر بیٹھتے بولا۔

پانچ گولیاں اس بندوق سے نکلی ہیں۔

اب وفاداری تبھی ثابت ہو سکے گی جب تم لوگ اس میں موجود ایک گولی سے بچ سکو گے۔۔۔جو بچ گیا سو وہ وفادار ہو گیا۔

مارکس کے ہاتھ میں وہ گن تھی جو مقابل میں بیٹھے سکندر نے اُس کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔

ہاتھوں کو کانپتے ہوئے دیکھ کر مارکس کارل اور اینگلز کی طرف دیکھنے لگا اور پھر آنکھوں کو بند کرتا ایک ہی جھٹکے سے ٹریگر دبا گیا۔

اور پہلے نشانے سے وہ بچ گیا۔

سکندر تالی مارنے لگا تو منشن میں موجود خاموشی بھی تالیوں کے گونج میں ٹوٹ گئی۔۔۔۔جہاں سبھی سکندر کے انداز کو دہراتے ہوئے تالیاں بجانے لگے۔

اور پھر سکندر بولا۔

سکندر::: ہاں تو اب تمہاری باری ہے کارل۔

کارل نے مارکس سے بندوق پکڑی تو نظروں کو سکندر کی طرف کرتا اپنے سانس کو اندر کھینچ گیا۔

وہ خود پر نشانہ باندھنے کے علاوہ وہاں کھڑا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا

اور پھر ٹریگر دبایا گیا تو دوسرے نشانے پر کارل بھی بچ گیا۔

تیسری باری اینگلز کی تھی۔۔۔۔جو خاصا ڈرپوک معلوم۔ہو رہا تھا

جس نے کانپتے ہاتھوں سے بندوق کو۔پکڑا تو گن نیچے کو گر گئی۔

سکندر تینوں کے چہروں کو دیکھتا ایک مسکراہٹ لیے بیٹھا تھا۔

اُس کا روب موت سے زیادہ بتر تھا جو وہاں ہر کسی کی سانسوں کو روکنے پر مجبور کر رہا تھا۔

گن کو نیچے سے اٹھاتے اینگلز نے خود پر نشانہ باندھا تو وہ بھی گولی کی موت سے بچ گیا۔

اب کی بار سکندر اپنی جگہ سے اٹھا اور تینوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

تینوں خوف میں پسینے سے شرابور کھڑے کانپ رہے تھے وہ سکندر صالح اُنہیں موت کا ایک احساس تڑپنے کی آخری حد تک دے رہا تھا۔

اور پھر پستول کو مارکس سے پہلے سکندر نے کارل کو تھمایا

اور اُس کے ہاتھوں میں پستول۔ کو دیتے اُس کی انگلیوں سے ٹریگر کو دبایا۔۔۔۔ جو خوف میں اتنا مبتلا تھا کہ گن کو ٹھیک سے اٹھا بھی نہیں پا رہا تھا۔۔

اب کی بار پھر سے بندوق سے گولی نہیں نکلی تھی۔۔ جو

کارل۔ کو موت سے بچا گئی۔

اب صرف دو بار اور ٹریگر کو دبانا تھا۔۔اور دونوں میں سے ایک میں سے ایک گولی نے نکل کر کسی کو موت کے گھاٹ اتارنا تھا۔

مارکس کو پکڑنے سے پہلے سکندر نے نشانہ خود مارکس پر ڈالا تو وہ خوف میں سکندر کے پیروں میں بیٹھ کر زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔

اور پھر سکندر نے بنا دیر کیے ٹریگر کو دبایا تو وہاں موجود ہر ایک کی سانسیں تھم گئی۔

اور پھر مارکس یہ تو نہ سمجھ سکا کہ بندوق سے گولی نہیں نکلی پھر خوف میں وہ اس قدر مبتلا ہو گیا کہ وہی ٹریگر کی آواز پر بیہوش ہو گیا۔

اور پھر سکندر نے مسکراتے ہوئے اینگلز کی طرف بندوق کو پھینکا اور بولا۔۔۔

سکندر:::: کھیل کا اختتام کرنے کا وقت آگیا ہے اینگلز۔

اور پھر اینگلز نے بندوق کو پکڑتے اپنے آس پاس دیکھا تو آپنے ادمیوں کو اشارہ دیتے بندوق کا رخ سکندر کی طرف کر دیا یہ جانتے ہوئے کہ سکندر

وہاں اکیلا آیا ہے۔اور بندوق میں ایک گولی۔۔۔۔ سکندر کے دل کو چیر دینے کے لیے کافی ہے

بندوق کا ایک رخ سکندر کی طرف ہوا تو منشن میں موجود انتشار برپا ہو گیا۔

ہر طرف سے بندوقوں کو لیے اینگلز کے لوگ باہر نکل آئے تا کہ کوئی بھی کسی قسم کی حرکت نہ کر پائے۔

سکندر بندوق کا دیکھتے مسکرایا اور آس پاس لوگوں کے ہاتھوں میں بندوقوں کا رخ دیکھتے ہوئے بولا۔

سکندر:::غدار کو غداری اپنا انجام سوچ کر کرنی چاہیے۔ابھی کہ سکندر اپنی بات پوری کرتا

اینگلز نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ دیتے ہوئے یہ کہتے ہوئے ٹریگر کو دبایا کہ۔

اینگلز:::: جہنم میں جا کر میری غداری کا حساب لینا جب خود اپنے ہاتھوں سے کیے لاکھوں خونوں کا حساب دے دو۔۔

اور پھر ایک پل کے لیے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

اور پھر دوسرے ہی پل کسی کی فاتحانہ مسکراہٹ کے جنازے نکل گئے جب ٹریگر کی ایک آواز پر کئی گولیوں کی آواز آئی جب کہ سامنے موجود سکندر ایک ہی احساس سے مسکراہٹ دیے اُس دیمک کو دیکھنے لگا جو ڈرگز کو سکندر کے نام پر فلسطین میں بیچ رہا تھا جو سکندر کے اصولوں کے خلاف تھا۔

اور پھر اینگلز اپنے اِرد گرد کی آوازوں پر متوجہ ہوتا دیکھنے لگا جہاں اُس کے ۲۰۰ ادمیوں کی لاشیں ہر جگہ بکھری پڑی تھیں۔

اور سکندر کے آدمی جو بھیس بدلے پہلے سے وہاں موجود اُس کی حفاظت پر تعینات تھے۔ سکندر اُن کو دیکھنے لگا۔

در حقیقت گن میں تو گولیاں ہی پانچ تھیں۔۔۔ جنہیں سکندر پہلے سے ہی نکال چکا تھا۔

یعنی گن ایک دم خالی تھی۔۔۔۔ سکندر تو بس اُن تینوں یعنی کارل مارکس اور اینگلز سے خوف کا کھیل کھیل رہا تھا۔

اور پھر اتنی ہی دیر تھی کہ اینگلز سکندر کی طرف متوجہ ہوا ابھی کہ وہ کچھ کہتا

اُس سے پہلے ہی سکندر اُس کے سر کا نشانہ باندھتے اُس کے ماتھے کے بیچوں بیچ

اُس کی موت کی مہر کو رقم کر گیا۔

جس سے وہاں موجود ہر کسی کے خوف میں چودہ طبق روشن ہو گئے۔

سکندر گن کو زمین پر پھینکتے ایک کپڑے سے ہاتھوں کو صاف کرنے لگا

۔۔۔اور پھر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

کارل۔۔۔۔اس گند کو صاف کرواؤ۔۔

اور پھر منشن میں موجود لوگوں سے مخاطب ہو کر اُن کے خوف سے بھرے

چہروں کو دیکھ کر بولا۔۔

Ladies and gentle men۔ at this beautiful night I want to say you guyz please Enjoy the party without any hesitation۔

جب کہ وہاں موجود ہر ایک کے خوف سے پسینے چھوٹ رہے تھے جنھیں سکندر خوف میں رہتے ہوئے اُس پارٹی کو انجوائے کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔

اور پھر یہ کہتا سکندر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔۔اور صرف پندرہ منٹ میں وہ جگہ ایسی صاف کی گئی جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

مارکس کو وہاں سے ہاسپٹل بھیج دیا گیا۔

ساری لاشوں کو وہاں سے نکال کر اُن کے انجام تک پہنچا دیا گیا۔۔

فرش کو چمکا دیا گیا۔

باقی اب وہ رونق جو منشن میں سکندر کے آنے سے پہلے کی تھی وہ مکمل طور پر خوف اور حیرانگی سے تبدیل ہو گئی۔

اور پھر یوں دو گھنٹوں تک سکندر وہاں بیٹھا ہر ایک کو دیکھنے لگا۔

دو گھنٹوں تک سکندر صرف وہاں بیٹھا رہا۔

مارکس سکندر کی پاس اپنے ساتھ ہوئے حادثے سے خوف میں اس قدر مبتلا تھا کہ اُس میں سکندر کو بھائی بلانے کی بھی ہمت نہ تھی۔

اور وہ یوں۔۔۔دو۔۔۔گھنٹے۔۔۔۔۔اینگلز کی لاش اور مارکس کی بیہوشی کا سوچ کر خوفا میں وہی کھڑا رہا۔

دوسری طرف سکندر بہت سی بے حیاء لڑکیوں کی نگاہوں کو خود پر محسوس کرتا کسی کی حیا کو یاد کرنے لگا۔

وہاں۔حسن کا دکھاوا تھا ہر سو ہر۔۔۔۔۔سماں

دل پر کسی کا ہاتھ تھا کسی کی یاد کے ساتھ

(((از قلم طوبیٰ میر

سکندر پارٹی میں بیٹھا شراب کو دیکھتے زیمل سے کہے اپنے الفاظوں کو سوچنے لگا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سکندر نے ہر الفاظ کو بہت سوچتے سمجھتے استعمال کیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی چاہت کسی طرح جنسی معلوم ہو۔ زیمل کیا جواب دے گی یہ تو سکندر نہیں جانتا تھا۔ مگر وہ کسی قیمت پر اُسے خود سے دور جانے پر راضی نہیں تھا۔

شراب کو دیکھتے آج پہلی مرتبہ سکندر کا خود شراب کو ہونٹوں سے لگانے اور خود کو اذیت دِینے کا من نہ چاہا۔

کیا وجہ تھی ایسا کیوں تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

مگر آج شراب نوشی کرنے میں وہ کچھ کترایا تھا۔

اور پھر زیمل کے چہرے کو آنکھیں کے سامنے دیکھتا وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

.تو ہر کسی کی توجہ سکندر کے خوف پر اُس کی طرف مرغوب ہو گئی

اور سکندر سیدھا وہاں سے چلتا۔۔۔ منشن سے۔ باہر چلا گیا۔

.جہاں جمشید کو گاڑی میں بیٹھنے کا اُس نے حکم دیا تھا

اور پھر سکندر کے نکلتے ہی وہاں سے سکندر کے تمام آدمی گنوں کے ساتھ چلے گئے۔

اور پھر منشن میں موجود سکندر کے اس انداز پر سرگوشیاں شروع ہو گئی۔

سکندر کے انداز کو ہر کوئی جانتا تھا مگر ہر بار ایک نئے خوف میں مبتلا لوگوں کو سکندر حیرانگی کے سمندر میں دھکیل جاتا تھا۔

وہی بہت سی امیر زادیاں سکندر کی ایک جھلک کو دیکھنے کو وہاں موجود تھی۔
جن پر سکندر حقارت کی ایک نظر بھی ڈالنا خود کی توہین سمجھتا تھا۔
سکندر صالح اپنا نام اور اپنا کام لوگوں کو حیران کر دینے کی حد تک سرانجام دیتا تھا۔
اور رحم دلی کا جذبہ اُس میں کہی موجود نہ تھا سوائے ایک عورت کے سامنے جس کے سامنے وہ خود کا وجود کانپنے کی حد تک دیکھ چکا تھا۔

گاڑی منشن سے گھر پہنچی تو سکندر خاصے روب ودبدبے سے گھر میں داخل ہوا۔
اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر سیڑھیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔
ایک عجیب سی کشش تھی۔۔۔جو اُسے اوپر جانے پر مجبور کر رہی تھی۔
ایک عجیب سا کھچاؤ تھا جو اوپر جا کر اپنی خواہش پر جواب طلب کرنا چاہتا تھا۔
شاید وہ کافی زیادہ وقت دے چکا تھا۔جو اُس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔

سکندر::: کہی وہ انکار نا کر دے میری چاہت کو قبول کرنے سے۔

گھر کی دہلیز سے چار قدم آ گے۔۔۔وہ اندر ہی اندر بہت سے سوالوں کے جوابوں اور بہت سی بے چینی لیے کھڑا تھا۔

رات کے دو بج رہے تھے۔اور صبح ہونے میں وقت تھا۔۔

نیند تو۔ سکندر کی آنکھوں سے بے دخل ہو چکی تھی۔

اور آنکھوں میں دل میں موجود بے چینی کا عکس تھا۔

مگر اب تو وہ صبح تک کا وقت دے چکا تھا۔ دو دن ہوئے تھے صرف زیمل کو سکندر کی چھت کے تلے۔

اور سکندر کا حال بے حال ہو چکا تھا۔ صرف ایک عورت کی وجہ سے۔۔۔اور وہی صرف ایک عورت تھی جس نے سکندر کو رحم دل بولا تھا جو شاید سکندر کی شخصیت کو جاننے والے لوگوں میں میں اور آپ 😉 □ □ زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں کہ یہ بات سکندر کی شخصیت کے بلکل بر عکس ہے۔

اور پھر اسی راہ پر نظریں ٹکائے سکندر لاؤنج میں بیٹھ گیا۔

گھڑی پر نظریں جمائے وہ جانتا تھا کہ فجر کی اذان کے وقت زیمل نماز ادا کرنے کے لئے ضرور اٹھے گی۔

اور اُس میں بھی ابھی وقت باقی تھا۔

گاڑی منشن سے گھر پہنچی تو سکندر خاصے روب ودبدبے سے گھر میں داخل ہوا۔

اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر سیڑھیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

ایک عجیب سی کشش تھی۔۔۔جو اُسے اوپر جانے پر مجبور کر رہی تھی۔

ایک عجیب سا کھچاؤ تھا جو اوپر جا کر اپنی خواہش پر جواب طلب کرنا چاہتا تھا۔

شاید وہ کافی زیادہ وقت دے چکا تھا۔جو اُس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔

سکندر::: کہی وہ انکار نا کر دے میری چاہت کو قبول کرنے سے۔

گھر کی دہلیز سے چار قدم آگے۔۔۔وہ اندر ہی اندر بہت سے سوالوں کے جوابوں اور بہت سی بے چینی لیے کھڑا تھا۔

رات کے دو بج رہے تھے۔اور صبح ہونے میں وقت تھا۔۔

نیند تو۔ سکندر کی آنکھوں سے بے دخل ہو چکی تھی۔

اور آنکھوں میں دل میں موجود بے چینی کا عکس تھا۔

مگراب تووہ صبح تک کاوقت دے چکا تھا۔دو دن ہوئے تھے صرف زیمل کو سکندر کی چھت کے تلے۔

اور سکندر کا حال بے حال ہو چکا تھا۔ صرف ایک عورت کی وجہ سے۔۔۔اور وہی صرف ایک عورت تھی جس نے سکندر کو رحم دل بولا تھا جو شاید سکندر کی شخصیت کو جاننے والے لوگوں میں میں اور آپ 😉 □□ زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں کہ یہ بات سکندر کی شخصیت کے بلکل بر عکس ہے۔

اور پھر اسی راہ پر نظریں ٹکائے سکندر لاؤنج میں بیٹھ گیا۔

گھڑی پر نظریں جمائے وہ جانتا تھا کہ فجر کی اذان کے وقت زیمل نماز ادا کرنے کے لئے ضرور اٹھے گی۔

اور اُس میں بھی ابھی وقت باقی تھا۔

دوسری طرف نیند تو زیمل۔ کی آنکھوں سے بھی کچھ اوجھل تھی۔۔۔

اُلجھنوں میں جکڑی زیمل۔اپنے رب سے اس امتحان کے لیے مدد کی طلبگار تھی۔

زیمل کا دل اس بات کو۔ سوچ کر ہی زوروں سے دھڑکنے لگا تھا کہ وہ شخص جس کو اپنا محسن سمجھتی ہے وہی اُس سے نکاح کا مطالبہ کر گیا ہے۔

.جواب تو زیمل کہ پاس اب تک موجود نہ تھا

شاید وہ جواب کی تلاش چاہتی بھی نہیں تھی۔

وہ اس بات سے انکاری تھی کہ وہ ایسا کچھ بھی اور سنے۔

یوں فجر سے کچھ دیر پہلے وہ اس عزم کے ساتھ لیٹ گئی کہ وہ صبح ہوتے ہی بغیر بتائے یہاں سے چلی جائے گی۔

یا پھر اپنا فیصلہ پوری ہمت سے سنا دے گی کہ وہ اس نکاح کے حق میں نہیں ہے۔وہ ایسا کچھ نہیں سوچنا چاھتی۔

اور پھر یہی عزم کرتے کرتے اُس کی آنکھوں میں نیند نے بسیرا کر لیا۔
جب کہ سکندر لاؤنج میں بیٹھا اوپر کی طرف نظروں کو ٹکائے بیٹھا رہا صرف۔اس بات پر کہ کہیں زیمل جانے کا ارادہ کرتے ہوئے اُسے چھوڑ نہ جائے۔
وہ کیا کرتا کہ وہ نہ جاتی۔وہ بس۔زیمل۔کو۔زبردستی خود سے جوڑنا نہیں چاہتا تھا۔
وہ چاہتا تھا کہ زیمل کے پیروں میں وہ اپنی محبت کی زنجیر زیمل کی زبان سے نکلے ہاں کے لفظ پر خود ڈالے تاکہ زیمل اُس سے جدا نہ ہو سکے۔
وہ اُن مردوں کی محبت میں خود کی محبت کو شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔جہاں محبت کے نام پر عورت کے گلے میں نکاح کی رسی کو زبردستی باندھا جاتا ہے۔
سکندر کبھی خود کی خواہش کو پانے کی دعا نہیں کیا کرتا تھا۔
جو۔وہ چاہتا تھا سو اُسے پا لیتا تھا۔کسی میں۔اتنی ہمت نہیں تھی کہ سکندر کی مخالفت کر سکے۔

مگر اب کی بار معاملہ کسی چیز کا نہیں تھا بلکہ اب کی بار سوال۔ایک۔۔۔ ملکہ کا تھا۔۔ وہ ملکہ جو سکندر کے دل میں اپنے ہاتھوں سے انجانے میں خود بسیرا کر چکی تھی۔

جہاں زیمل کی۔آنکھوں میں نیند سمائی وہی۔۔۔ سکندر کی زبان نے اُسے روک لینے کی دعا مانگی۔۔۔اُس کی زبان سے اقرار کی تمنا مانگی۔

زیمل کے دل۔ میں اپنی محبت کا چراغ جلنے کی آرزو کرتے خدا سے اُس زیمل کو مانگا جو رب سے بہت محبت کرتی ہے۔اُس زیمل۔ کو اپنی زیمل کہنے کا حق وہ آج بہت سالوں کے بعد اپنے رب کے حضور مانگ بیٹھا۔اس سودے پر کہ اُس پاک عورت کے ساتھ وہ کسی طور بھی حرام شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔

سکندر:::: سب کچھ چھین کر تو نے مجھے تنہا کیا۔میری کائنات اور میری جان کے عوض تو نے مجھ سے میری بربادی کا سودا کر لیا۔کیوں کہ میں جانتا ہُوں میں اسی کا حقدار ہوں۔

تو جانتا ہے کہ میں نے یہ ساری تمہید کیوں باندھی ہے۔

اگر لفظوں سے اُسے تُجھ سے مانگوں گا تو دل کی بے اختیار شدّت میرے لفظوں میں کم۔ نظر آئے گی۔

تو بس اُسے مجھے دے دے۔اس سے زیادہ صاف الفاظ میں اُسے تُجھ سے نہیں مانگ سکتا۔

اُسے بس میرے نصیب میں لکھ دے۔

سکندر ایک آس دل میں لیے اپنے خدا سے نہ جانے کب گفتگو میں مشغول ہو گیا۔اُسے پتہ ہی نہیں چلا۔

وہ رب سے گفتگو نہیں کیا کرتا تھا۔وہ تو بس اپنی موت کا انتظار کرتا تھا کہ وہ وقت آئے جب خدا اُسے خود اُس کے گناہوں کی سزا دیتے جہنم کی آگ میں جھونکے۔

مگر اب کچھ بدلاؤ سکندر کی شخصیت میں زیمل۔۔۔کے آنے کے بعد ۔ہونے لگا تھا۔

وہ جو موت کا انتظار کر رہا تھا آج کچھ لفظوں کی تمہید میں اُس رب سے اُسے مانگنے کی اُمید لگا بیٹھا تھا۔

دوسری طرف زیمل کچھ ہی دیر میں ایک گہری نیند کے آغوش میں جا چکی تھی۔

سوچ کے سمندر نے اُسے نیند کی آغوش میں ڈالا تو زیمل وہی بستر پر لیٹی سو گئی۔

وہاں سکندر کی آنکھیں اوپر کی راہ دیکھ رہی تھی کہ کب دن کا آغاز ہو اور وہ اپنے جواب کو اُس لڑکی سے حاصل کر سکے۔

اور یوں ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔

جہاں زیمل نے اپنی آنکھوں میں نیند کو ایک گھنٹے کی اجازت دی وہی سکندر نے اپنی آنکھوں اور سوچ کے ترازو کو کسی کے جواب کی راہ میں بیچ ڈالا۔

کمرے میں لیٹی زیمل کو کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ کوئی اُس کے کمرے میں موجود تھا۔

کوئی دبے قدموں سے اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ زیمل اپنی آنکھوں کو نیند کے باعث کھول نہیں پا رہی تھی

قدموں کی آہٹ خود کے بہت قریب محسوس ہونے لگی۔

تو زیمل نے اپنی آنکھوں کو اپنی پوری طاقت سے کھولا تو کسی کو خود کے قریب بیٹھا دیکھا۔

آنکھوں میں دھندلاہٹ کے باعث اُسے پاس بیٹھے شخص کے چہرے کو واضح دیکھنے میں کچھ پل کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔

ابھی کہ وہ چہرہ کچھ واضح ہوا ہی تھا کہ پاس بیٹھے شخص سے زیمل لپٹ کر رونے لگی۔

رونے میں زیمل نے تیزی پکڑی تو پاس بیٹھے شخص نے اُسے خود سے دور کرتے اُسے مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھا

اور پھر زیمل چہرے کے مکمل واضح ہونے پر سینے سے الگ ہو کر بولی۔

با۔۔۔۔ با۔۔۔۔ بابا۔۔۔ آپ۔۔۔ یہاں۔

زیمل میری بیٹی تم رو کیوں رہی ہو۔

زیمل: بابا۔ میں۔ آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اور پھر آنکھوں سے آنسو صاف کرتی بولی۔ آپ مجھے ساتھ لینے آئے ہیں؟؟

ہیں نہ؟؟؟؟

فاتح: نہیں میری گڑیا۔۔۔ میں تم سے ملنے آیا ہوں۔

زیمل کی آنکھوں میں کچھ نمی آئی تو بولی: بابا آپ کو میری یاد نہیں آتی۔ آپ مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر جاتے۔ میں یہاں بلکل اکیلی ہوں۔ نہ آپ ہیں۔۔۔۔ نہ۔ ماما۔۔۔۔۔ نہ ہی سالار۔۔۔۔۔ میں تنہا ہوں۔۔۔۔۔ بلکل اکیلی۔۔۔۔ میرے ہاتھوں کو دیکھیں۔ ہر وقت آپ لوگوں کو چھونے کے لیے ترستے ہیں۔ آپ لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔

اور پھر زیمل نے باپ کے ہاتھوں کو پکڑتے کتنے ہی انسوؤں کو بہا دیا۔

فاتح:::: زیمل میری بیٹی تم اکیلی نہیں ہو۔۔۔ کیا تم نہیں جانتی کہ جب کوئی موجود نہیں تھا تب کون تھا؟

زیمل دائیں ہاتھ سے بائیں طرف کی آنکھ کے انسوں کو صاف کرتی بولی۔۔

.وہی جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔۔۔ میرا رب

فاتح:::: تو پھر کیا اُس رب کی ہر سو موجودگی سے تم کبھی اکیلی ہو سکتی ہو؟

کیا تم نہیں جانتی کہ خدا ہر وقت بندے کے ساتھ ہوتا ہے

زیمل: جانتی ہوں۔۔۔ اللہ اپنے بندوں کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

وہ اپنے بندوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔

مگر میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔

فاتح: زیمل ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے۔۔۔ جانتی ہو۔۔۔۔ جب موت اتی ہے تو سب سے خوش قسمتی کیا ہوتی ہے۔

زیمل: دیدارِ خدا۔

فاتح: نہیں دیدارِ خدا تو ہر انسان کو روز محشر کرنا ہے مگر موت کے وقت انسان کو جب۔کلمے کی توفیق۔۔۔نصیب ہوتی ہے اُس وقت خوش قسمتی کا ٹھکانہ نہیں ہوتا

زیمل: بابا کیا آپ کو یہ توفیق حاصل ہوئی۔

فاتح: میری دو خوش قسمتی تھی۔۔۔ایک تمہاری ماں کا خوبصورت چہرہ جو میں نے اپنی زندگی کہ آخری لمحات میں دیکھا دوسری اُس کہ بعد مجھ اللہ نے یہ توفیق عطا کی

زیمل نے اپنے بابا کی آنکھوں میں اپنی ماں کی محبت کو اجاگر ہوتے دیکھا تو بولی۔

بابا کیا آپ مجھے اپنے ساتھ ماما کے پاس نہیں لے جا سکتے۔کیا میرے لیے اُس جہاں میں تھوڑی سی بھی جگہ نہیں ہے۔؟

فاتح: زیمل جہان کی وسعت کا اندازہ بھی انسان نہیں کر سکتا۔۔خدا کی بنائی ہر چیز میں اُس کے نیک بندوں کا حصہ ہے۔۔۔ مگر زیمل کیا تم اپنی

موت اپنے مقرر وقت سے پہلے چاہتی ہو؟ یا اُس جگہ کو اللہ کی مرضی سے پہلے پانا چاہتی ہو۔ تو بتاؤ پھر دیدارِ خدا کے موقع پر اس بات کا کیا جواب دو گی۔ تم؟

زیمل باپ کے سوال پر شرمندگی سے خاموش ہو گئی

اور پھر بولی۔

بابا میں اللہ کی رضا میں راضی ہوں۔ میں اُس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اور کبھی اپنے رب کی نہ فرمان نہیں ہونا چاہتی۔۔۔ اس سے پہلے کہ میں زمین در گور ہو جاؤ۔ بس آپ کی یاد سے کچھ دل میرا بو جھل ہو جاتا ہے کبھی رو دیتی ہوں تو کبھی یادوں میں ڈوب کر ہنس دیتی ہو۔۔۔ پر یہ دردِ جدائی میں کاٹتی زندگی اگر رب کی رضا ہے تو میں راضی ہوں اس میں۔۔۔ مگر اللہ کی نافرمانی زیمل اپنی آخری سانس تک بھی نہیں کر سکتی

فاتح::: اللہ کی رضا میں راضی جو لوگ رہتے ہیں وہ جانتی ہو نہ کہ وہ اپنی ہر آرزو پا لیتے ہیں

زیمل اپنے باپ کے ہاتھوں کو پکڑے چوم کر بولی۔۔۔ہاں بابا آپ کی زیمل جانتی ہے

فاتح: یہ بھی جانتی ہو نہ کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اُس میں اللہ کی کوئی مصحلیت ہوتی ہے

زیمل: جی بابا میں جانتی ہوں۔

فاتح: تو پھر آج میری بیٹی ایک جواب کی تلاش میں میں کیوں اتنی پریشان ہے۔

:زیمل باپ کے سوال کو سمجھ چکی تھی اور پھر جواب دیتی بولی

بابا میں بس یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔

فاتح:: میری گڑیا زندگی میں انسان کے ساتھ جو معاملات گزرتے ہیں اُن باتوں کی ایک وجہ ہوتی ہے۔

اللہ انسان کو جن بھی حالات میں رکھتا ہے وہ انسان کے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔

اور زندگی ایک واضع طور پر ایک امتحان ہے۔۔۔ جہاں خدا اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈال کر اُس کا صبر دیکھتا ھے۔ اور پھر اُس کا پھل انسان کو عطا کرتا ہے۔

زیمل: میں پریشان نہیں ھوں۔۔۔ بابا۔۔۔۔ مگر۔۔۔ ایسے یوں اچانک مطالبے پر میں۔۔ بس یہ سب نہیں چاھتی تھی۔

فاتح: زندگی میں ہر چیز کا وقت جو مقرر ہے وہ اُسی وقت پر ہوتی ہے۔

بس انسان جن باتوں کو قبول کرنے سے ہچکچاتا ہے وہ اچانک کی کیفیت کے احساس پر محسوس ہوتی ہیں۔

زیمل: تو بابا آپ چاہتے ہیں کہ میں اُس مطالبے کو قبول کرلو؟

فاتح: میں چاہتا ہوں کہ تم اس بات پر غور کرو کہ تم آج یہاں کیوں ہو۔

اگر تم یہ جان گئی تو جواب تمھارے لبوں پر خود واضح ہو جائے گا۔

زیمل میں اور تمھاری ماں تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔

اور چاہتے ہیں تم ہمیشہ خوش رہو۔

زیمل: بابا ایک سوال پوچھو؟

فاتح: میری بیٹی مجھ سے کس سوال کو پوچھنے کی خواہش مند ہے۔

زیمل: بابا کیا یہ سب خواب ہے یا حقیقت؟

فاتح: زیمل خوابوں کی دنیا بھی حقیقت سے منسلک ہوتی ہے۔۔۔۔ خواب آپ کو وہ دیکھاتے ہیں جن کو آپ اپنی بظاھری آنکھ اور عقل و شعور کو استعمال کر کہ نہیں دیکھ سکتے۔

اسے ایک خواب یا حقیقت کے پیمانے پر نہ تولو زیمل۔ یہ خواب ہے مگر حقیقت ہے۔

زیمل بابا کی بات پر ہلکا سا مسکرائی اور بولی۔۔۔

بابا ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے۔؟

فاتح: : ہاں ہو سکتا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔ میں دکھاتا ہوں۔۔

زیمل بستر سے اُترتی اپنے بابا کے پیچھے چلنے لگی۔۔۔

دروازے کو کھولا۔۔۔تو زیمل باپ کے ہاتھوں میں اپنی انگلی کو پکڑاتے کمرے سے باہر بڑھ گئی۔

اور پھر زیمل باپ کے ساتھ اپنے قدموں کو بڑھاتی کچھ آگے بڑھی تو فاتح بولا۔

دیکھو زیمل۔۔۔۔۔یہ خواب حقیقت ہے۔ثبوت سامنے ہے۔

زیمل کمرے سے باہر کھڑی اوپر سے نیچے کا منظر دیکھنے لگی تو لاؤنج میں بیٹھے سکندر کو نیند میں جھٹکے کھاتے دیکھ وہ ہلکی سی مسکرائی۔

اور پھر باپ کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔۔۔بابا اس بات کا خواب کے حقیقت ہونے سے کیا مطلب ہے۔

کیا یہ حقیقت ہے یا پھر خواب۔۔

فاتح مسکراتے ہوئے زیمل کو دیکھتے ہوئے بولا۔۔

فاتح::::زیمل اگر تھامنے کے لیے خدا خود کسی شخص کا ہاتھ تمھارے آگے پھیلا رہا ہے تو یہ جان لو کہ وہ شخص تمہاری دہلیز پر نہیں بیٹھ کر مانگ رہا ہے۔۔۔بلکہ وہ تم سے پہلے کسی اور سے تمہیں مانگ بیٹھا ہے۔

اور اس بات کو یقینی طور پر ماننے کے لیے زیمل اپنی آنکھوں کو بند کر لو اس کے بعد جب آنکھوں کو کھولو گی تو جواب آنکھوں کے بلکل سامنے موجود ہو گا۔

دوسری طرف سکندر اب نیند کی وادیوں میں ڈوبنے والا تھا کہ اچانک کسی آہٹ کی آواز اُس کے کانوں تک جا پہنچی۔

آواز اوپر سے آئی تھی۔

خود کو ہوش میں لاتے ہوئے۔ سکندر اپنی جگہ سے اٹھتا اوپر کی طرف بڑھا۔

قدموں میں کچھ تیزی لاتے ہوئے وہ کمرے کے باہر۔ پہنچا۔۔

قدموں کو آہستہ سے بڑھاتے ہوئے سکندر دروازے کو کھولنے کے لیے دو قدم آگے گیا۔

اور بہت آرام سے اُس نے دروازے کے ہینڈل پر اپنا ہاتھ رکھتے نیچے کی طرف کیا اور دروازے کو بہت آرام سے بنا کوئی آواز کیے کھولا۔ اُسے وہ آہٹ اوپر سے آئی تھی

تو سامنے لیٹی زیمل کی آنکھیں خواب کے زیرِ اثر قید سے رہائی پر کھول گئی۔

اور زیمل کی انکھوں نے سامنے کا منظر دیکھا تو باپ کے الفاظ کانوں میں گونجی

زیمل اپنی آنکھوں کو بند کر لو اس کے بعد جب آنکھوں کو کھولو گی تو جواب آنکھوں کے بلکل سامنے موجود ہو گا۔

سکندر دروازے کو کھولتے ہی زیمل کی بند ہوتی آنکھوں کو کھولتا بلکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے۔۔ کہ وہ اُس کی اس حرکت پر اُس کے لیے کوئی منفی سوچ قائم نہ کر لے

جب کہ زیمل باپ کے کہے الفاظوں کو سوچتے اپنے جواب کو سامنے دیکھتی حیران ہو گئی۔

دونوں کی نظروں کا تعاقب ایک دوسرے کی آنکھیں تھی ایک شرمندہ تھا تو دوسری حیران تھی۔

سکندر کا ایک قدم کمرے کے اندر تھا تو دوسرا کمرے کے باہر۔۔

دونوں ایسی شرمندہ کیفیت میں تھے کہ نہ ہی ایک دوسرے سے نظریں ہٹا پا رہے تھے نہ ہی کچھ کہہ پا رہے تھے۔

زیمل اس کیفیت کو ختم کرنے کے لیے اٹھ کر بیٹھی تو سکندر داڑھی کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا اپنے دوسرے قدم سے دروازے کو پورا کھولتا اندر داخل ہوا۔

ایسا نہیں تھا کہ زیمل کمرے میں اکیلی تھی۔۔۔وہاں پہلے سے دو ملازمہ زمین میٹرس بچھائے سوئی تھی۔۔

سکندر اپنے دونوں قدم کو اندر کی طرف بڑھتا خاصا شرمندہ تھا۔

کم از کم وہ خود کو اس طرح کے حالات میں خود کو زیمل کے سامنے کھڑا ہوتے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

جبکہ زیمل کو باپ کی وہ بات یاد آئی۔۔۔۔ کہ یہ حقیقت بھی ہی اور خواب بھی۔۔

زیمل سکندر کی جھوکی نظروں کو دیکھ رہی تھی اُن میں نیند تھی۔۔

کیا وہ خواب تھا یا حقیقت۔۔۔۔ پر اب تو جواب سامنے تھا۔۔

کیا اُس کا یہاں آنا اُس کا نصیب تھا۔۔۔۔ یا سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں دکھتی شرمندگی اور محبت و خلوص کے احساسات اُس کا باپ اُسے دکھانا چاہتا تھا۔

سکندر کمرے میں موجود خاموشی کو توڑتے ہوئے آگے دو قدم بڑھا تو زندگی میں پہلی دفعہ سکندر کی زبان کانپی تھی۔۔

سکندر: م۔۔۔ می۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں یہاں بس کسی آواز کو سن کر آیا تھا۔

زیمل تو جواب میں کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھی۔

ابھی کہ زیمل۔ کچھ بولتی۔

فجر کی اذان نے چاروں اطراف سے کمرے کی خاموشی کو توڑ دیا۔

سکندر اذان کی آواز کو سنتے دل۔ میں ایک آس ایک اُمید۔۔۔ ایک خوف

لیے اچانک بہت روب و دبدبے سے بولا۔

سکندر: میں اپنا جواب لینے بھی آیا ہوں۔ وقت بھی اپنے اختتام کو۔ پہنچ گیا

ہے۔

میں مزید انتظار کی شدت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

اُمید ہے آپ اپنے جواب کو تیار کر چکی ہیں۔

زیمل نظروں کو جھکائے بیٹھی بہت زوروں سے اپنی دھڑکنوں کو سن رہی

تھی۔

اور پھر خود سے بولی

کیا بابا میرے فیصلے کو بدلنے آئے تھے۔

اور پھر سکندر بولا۔

سکندر: کیا اب تک آپ جواب دینے کو تیار نہیں ہیں۔

دیکھیں زیمل۔۔۔میں مجبور ہوں۔۔۔اس لیے ایک بار پھر اپنی چاہت کو آپ کے آگے پیش کرتے اپ سے نکاح کا مطالبہ کرتا ہوں۔

زیمل سکندر کے کہے الفاظ پر اب تک خاموش تھی۔

نظروں کو جھکائے وہ بیٹھی اپنے خواب کو سوچ رہی تھی۔

سکندر اُس کی بے اعتنائی کو دیکھ رہا تھا۔جو اُس کی بات کو سن کر بھی جواب نہیں دے رہی تھی۔

:اور پھر سکندر پھر بولا

زیمل۔۔۔میں آپ سے۔۔۔آپ کو اپنے نکاح میں لینے کی اجازت مانگتا ہوں۔

کیا آپ میری چاہت کو میرے کھوکھلے وجود کے ساتھ قبول۔کرتی ہیں؟

زیمل ابھی بھی خاموش بیٹھی تھی۔۔۔وہ بے چین تھی۔۔۔بے حد بے قرار ۔۔۔دھڑکنوں میں شدت تھی۔۔۔

ہاتھ پسینے سے شرابور تھے۔۔

اذان ابھی تک کمرے میں گونج رہی تھی۔۔۔

سکندر پھر بھی وہی کھڑا اپنے جواب کے انتظار میں کھڑا رہا۔ کیوں کہ اُسے ایک اُمید تھی

اور پھر اپنی بات کو دہراتا بولا۔

میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔

اور جواب لیے بغیر نہیں جا سکتا ہوں۔۔ آپکی ہاں کو سُننے کے لیے اگر مجھے سورج کے طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے تک کا بھی انتظار کرنا پڑا تو میں کروگا۔

میں پورے دل سے آپکو اپنانے کی چاہت کو آپ پر آشکار کر چکا ہوں۔

زیمل نہیں جانتی تھی کہ اُس شخص کی باتیں اُس کے دل۔ پر کس حد تک اثر کر رہی ہیں۔

جواب تو اُس کے پاس نہیں تھا۔

کیا وہ بابا کی بات پر غور کر کہ بھی اس نکاح کے مطالبے پر اپنی نا کا اعلان کر دے۔

یا سامنے والے شخص کی جس کو وہ جانتی بھی نہیں اُس کی۔ چاہت کو قبول کر لے۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا وہ اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔۔

کیونکہ وہ آپنے بابا کے خود کے خواب میں یوں آنے کا سبب سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

سکندر زیمل کی خاموشی میں چھپی خود کلامی کو دیکھ چکا تھا۔

سکندر چاہتا تو زیمل کو خود کے نام سے جوڑ سکتا تھا۔

صرف اگر وہ یہ رشتہ زبردستی کی بنیاد پر قائم کرنا چاھتا۔ مگر وہ یہ قدم کسی صورت نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ نہ جانے اُسے کس بات کی تصدیق مل گئی تھی۔۔۔ کہ وہ اس رشتے کو زیمل کی رضامندی سے خود قائم کرلے گا۔

زیمل۔ کی بے قراری زیمل کے چہرے پر واضح تھی۔

سکندر جان چُکا تھا کہ وہ جواب جان چکی ہے۔

شاید زیمل کا دل کسی بات پر اس رشتے کی ہامی بھرنے پر مان چکا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ دنیا میں وہ مرد سب سے افضل ہے جو عورت کی حیا اور عزت کے تقدس کو پامال نہ کرے اور اُس کی حفاظت کرے۔۔اور سکندر نے بھی وہی کیا تھا۔

شاید یہ اُس کی ماں کی تربیت تھی جو آج زیمل اُس گھر میں موجود تھی۔

ورنہ کچھ لوگوں ایسی تربیت میں پروان چڑھتے ہیں جہاں ایتان جیسے گھٹیا لوگ پلتے ہیں جو عورت کی عزت کو اپنے پیروں کی دھول سمجھ کر روندھ دیتے ہیں۔

سکندر زیمل کی۔خاموشی کے ٹوٹنے کا انتظار کرنے لگا جو کہ سکندر نے کبھی کسی کا زندگی میں نہیں کیا تھا۔

وہ سکندر صالح تھا۔۔۔جو وہ چاہتا تھا یا تو اُسے چھین لیتا تھا یا پھر تباہ و برباد۔

کیوں کہ اُس کا یہی اصول تھا۔۔جسے وہ کبھی نہیں بدلتا تھا۔

مگر آج وہ ایک لڑکی کی دہلیز پر صرف ایک لفظ کے انتظار میں کھڑا تھا۔

جو سکندر کو زیمل کی خاموشی میں بدلتا نظر آیا وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ جواب کیا ہے۔

مگر پھر آخری دفع اپنے دل۔ کو زیمل کے سامنے کھولتا بولا۔

میں نے کبھی کسی عورت کی طرف ایسے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جیسے میں نے آپ کو دیکھا۔

میری ماں بہت خوبصورت تھیں دنیا میں وہ واحد ایسی عورت تھیں جن کا میرے دل میں وہ مقام ہے جو میں سوچتا تھا کہ کوئی دنیا کی دوسری عورت میرے دل میں نہیں بنا سکے گی۔

مگر اُس رات جب آپ پر نظر پڑی تو۔۔۔ سکندر صالح پہلی مرتبہ نظروں کو اٹھا کر چاہتے ہوئی بھی نہ جھکا پایا۔

میں نے کس عورت کو کبھی چھوا نہیں۔۔۔ مگر اُس رات آپ کا ملنا میری تقدیر میں ایسا تھا جیسے زیمل آپ صرف میری ہیں۔

نظروں کو اٹھا کر آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو سکندر صالح آپ کی حیا کو دیکھ کر نظروں کو جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آپ کے چہرے کا نور میری روح کو تسکین دیتا ہے۔

آپ کے چہرے پر پڑتی کسی اور کی نظر کو سکندر صالح کسی طور برداشت نہیں کر پاتا۔

اس لیے آپ کا نام اپنے نام سے آپ کی چاہت کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں ۔۔۔کسی۔۔۔زورزبردستی کے ساتھ نہیں۔

میں ایک بار پھر زیمل آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کرتا ہوں۔کیا آپ میری چاہت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں؟؟.؟؟

زیمل سکندر کا ایک ایک حرف سن کر اپنے بے قرار دل کو سنبھالنے لگی۔

وہ شخص جو سامنے کھڑے اپنے خلوص کو لفظوں میں بیان کر رہا تھا۔

اُس کا ہر حرف زیمل کے دل کو بے حد بے تاب کر چکا تھا۔

زیمل۔اب بھی خاموش تھی۔۔

سکندر اُس خاموشی میں چھپے جواب میں زیمل کی نہ کو سمجھتا اپنی ہار کو دیکھتے موڑا وہ نہیں چاہتا تھا کہ زیمل اس رشتے کی بنیاد کو گلے میں ڈلی رسی کی مانند محسوس کرتی قبول کرے اور پھر اسی خاموشی میں وہ وہاں سے جانے لگا کہ کانوں سے زیمل کی آواز ٹکرائی۔

زیمل: ہ...ہاں۔۔۔۔

یہ تین حرف جو لفظ ہاں کو تعمیر کر کے سکندر کے کانوں سے ٹکرائے تھے۔

وہ سکندر کو ایک جگہ ساکن کر چکے تھے۔

کسی ہاتھ کا احساس سکندر کو سینے پر محسوس ہوا

جو کبھی زیمل نے ان جانے میں سکندر کے سینے پر رکھا تھا۔

آج اُس ہاتھ سے زیادہ قریب زیمل۔کی ہاں تھی جو سکندر کو خوشی میں جھومنے پر مجبور کر رہی تھی۔

سکندر ہاں کی آواز پر پیچھے موڑا تو زیمل اپنی جگہ پر بیٹھی بلکل لال ہو چکی تھی۔

شاید وہ گھبرا گئی تھی۔۔۔یا اپنے جواب پر شرمندہ ہو گئی تھی۔

تین قدم لیتے سکندر زیمل۔ کی طرف بڑھا۔۔اور پھر بولا۔

قسم ہے مجھے اس ہاں کی اگر اس ہاں کے کی خوشی میں اگر سکندر صالح

۔۔۔پوری دنیا کو نہ سجا گیا تو سکندر صالح کی محبت اور چاہت پر لعنت۔

زیمل بس خاموش تھی وُہ اُداس نہیں تھی نہ ہی اُس نے یہ ہاں کسی دباؤ یا کسی بات کہ زیرِاثر کی تھی۔

وہ شاید خدا کی رضا کو اس رشتے میں دیکھ رہی تھی۔

اور شاید وہ سکندر کی آواز کی خوشی میں کچھ خوشی انجانے میں خود بھی محسوس کر گئی تھی۔

اور پھر سکندر کچھ جھکتا بولا۔

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں آپ کو کبھی اس ہاں پر پچھتاوا نہیں۔ ہو گا۔

اور اگر کبھی ہوا تو سکندر صالح اپنا دل خود آپ کے قدموں میں رکھ دے گا۔

جو وہ پہلے ہی آپ پر ہار چکا ہے۔

زیمل اب سکندر کی باتوں پر خاصی حیرت میں مبتلا تھی۔

جو الفاظوں کے جوڑ پر زیمل۔ کی برداشت سے زیادہ بول چکا تھا۔

اور پھر سکندر زیمل کی طرف دیکھتا بولا۔

اس نامحرم رشتے کو میں آج ہی محرم میں بدل دوں گا۔

مجھے آپ کی حیا اور آپ کی پاک دامنی دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔اپنی جان سے بھی زیادہ۔

اور پھر وہ یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

جہاں زیمل سکندر کی باتوں سے ایک الگ ہی کیفیت میں مبتلا۔ ہو گئی۔

نہ ہی وہ سکندر کو جاتا دیکھ سکی۔نہ اُس کے جانے کے بعد خود سے کچھ کہہ سکی۔

اُس نے تو بس ہاں بولا تھا۔اور ہاں کہ جواب پر وہ حیران کن ہ باتوں کا اعتراف سن چکی تھی۔ جس نے اُسے سکتے میں ڈال دیا تھا۔

اور پھر زیمل چہرے پر ہاتھ رکھے اپنے وجود سے نکلتی تپش کو محسوس کرتی بہت پریشان ہو گئی۔ مگر وہ یہ فیصلہ اللہ پر توکل کر چکی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ بابا کا خواب میں یوں آکر میرے جواب کو بدلنے کا احساس دلانا حکمِ الٰہی کے پیشِ نظر ہے۔ کیوں کہ اُسے اُس خواب میں اب حکمت نظر آرہی تھی۔ کیوں کہ وہ یہ جانتی تھی کہ اللہ بہترین کرنے والا ہے۔

اللہ انسان کو جن بھی حالات میں رکھتا ہے وہ انسان کے حق میں بہترین

ہوتے ہیں۔

اور شاید زیمل کی تقدیر میں سکندر کا ساتھ تھا جو سکندر کو دو سال کے بعد پاکستان سے فلسطین کے شہر غزہ اور زیمل کو فلسطین کے شہر غزہ میں اپنی خالہ کے گھر سے بارہ سال کی قید سے رہائی کے بعد زیمل۔ کو سکندر کی گاڑی کے سامنے لے آیا۔

تقدیر کے کھیل نرالے ھوتے ھیں۔

سکندر کو وہ ملنے لگا تھا جو اُس کی جان سے زیادہ عزیز تھا اور زیمل۔ وہ پانے والی تھی جو ایک شخصیت میں ہزاروں کردار رکھتا تھا۔

جو زیمل۔ کے لیے بہت حیران کن ہونے والا تھا۔

کمرے سے نکلتا سکندر اس قدر خوش تھا۔

زیمل کی ہاں پر اُس کا دل۔ چاہا تھا کہ وہ اُن ہاتھوں کو ایک دفعہ چھوئے جن ہاتھوں سے اُس نے زیمل کو دعا مانگتے چہرے سے لگایا تھا۔

وہ پل جب زیمل کے ہاتھوں کو دیکھ کر اُسے اُن ہاتھوں پر رشک آیا تھا

اپنے کمرے میں جاتے سکندر مسکراتے ہوئے ائینے کے آگے کھڑا ہو گیا

اُس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ آج بہت سالوں کے بعد سکندر پہلی دفعہ اس قدر مسکرایا تھا۔

دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔

اور پھر بے حد خوشی میں جھومتے دل سے مخاطب ہو کر بولا۔۔

سکندر: یقین نہیں آتا اُس نے ہاں کہا اُس نے سکندر صالح کی چاہت کو۔ قبول۔ کر لیا۔

جی چاہتا ہے پوری دنیا کو اُس کے قدموں میں بچھا دوں۔

مگر پھر سوچتا ہوں نہیں اُسے اوروں سے چھپا کر اپنے دل میں رکھوں گا۔
دنیا والوں نے دیکھا تو کہیں اُسے مجھ سے چورا نہ لے۔۔
نہیں کسی میں اتنی جرات نہیں کہ سکندر صالح کی محبت پر ایک نظر بھی ڈالے۔۔۔۔۔۔ بنانے والے نے اُسے صرف سکندر صالح کے لیے بیھجا ہے۔
اور وہ صرف میری ہے۔۔۔۔۔ اب تو اُس کی ہاں بھی اُسے سکندر صالح کی زوجیت میں دینے میں شامل ہے۔
اب تو اس محبّت کی زنجیر کو پھولوں کے ہار کی مانند خود اُس کے پیروں میں اپنے ہاتھوں سے ڈالوں گا۔
اور پھر سکندر مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکلتے گھر کی باہر کی راہداری کی طرف گیا۔
سکندر کے چہرے کی مسکراہٹ کو اندر کی طرف آتے جمشید نے دیکھا۔۔ تو وہ دیکھتے ہی کھانسنے لگا۔

شاید سکندر کی مسکراہٹ اُس کے گلے میں پھنس گئی تھی۔۔

سکندر جمشید کو دیکھتا اپنی مسکراہٹ کو چھپانے لگا تو بولا۔

سکندر: کہاں تھے تم۔۔۔۔؟

جمشید جواب کھانسنے میں کچھ کمی لاتے بولا۔

جمشید: ب۔۔۔بھاؤ۔۔۔میں۔۔۔تو

سکندر: اچھا اچھا۔اب زیادہ باتیں نہیں کرو۔۔اور ایک کام۔کرو۔

جمشید: جی بھاؤ۔۔۔۔آپ حکم کریں۔

سکندر: نکاح کے انتظامات دیکھو سارے۔۔۔۔ظہر سے پہلے تک۔

جمشید سکندر کی بات پر خاصا حیران ہوا تو بولا۔

جمشید: ب۔۔۔بھاؤ۔۔۔۔۔۔نکاح۔۔

کس کا نکاح ہے۔۔

میرا مطلب ہے۔۔۔کس کے نکاح کی تیاری ہے۔

.میرا مطلب ہے

سکندر جمشید کی بات کو کاٹتا ہوا بولا

۔سکندر: تمہاری نہیں۔۔۔۔۔۔ہے۔۔۔ تمھارے جاننے کے لیے کافی ہے۔

جمشید سکندر کی بات پر اندر ہی اندر خاصا چڑا تھا۔۔۔ مگر چہرے پر کوئی تاثر نہ لاتے ہوئے وہ اپنے خوبصورت چہرے کو سکندر کے ہاتھوں بگاڑنے سے بچا چکا تھا۔

سکندر: اب جاؤاور انتظامات شروع کرو۔

جمشید: بھاؤ۔۔۔ نکاح کے انتظامات کس حال میں کرنے ہیں۔

سکندر سوچتے ہوئے بولا۔

نہیں کسی حال میں نہیں۔۔۔۔۔۔ گھر کے اندر۔۔۔۔اور انتظامات شروع کرنے سے پہلے۔۔۔۔ گھر کے اندر موجود سٹاف لیڈیز ہو۔

مجھے۔۔۔کسی۔۔۔۔ صورت کوئی مرد گھر کے اندر نظر نہ آئے۔

لہجہ بہت سرد تھا۔

مگر لیڈیز سٹاف کی بات پر جمشید یہ تو سمجھ گیا تھا۔

کہ بھاؤ کس کے نکاح کی تیاریوں کا حکم اُس پر صادر کر رہے ہیں۔

اور پھر اُسے سکندر کے ساتھ وہ سارا عرصہ یاد آیا۔۔۔ جہاں اُس نے بھی کبھی شادی کا نہ سوچا۔۔۔ اور وہ تو۔ آج بھی کنوارا تھا۔۔۔۔ شاید اُسے یہ خیال کبھی نہ آتا اگر اُسے سکندر اپنے نکاح کی تیاریوں کے لیے انتظامات کرنے کا حکم نہ دیتا۔۔۔ ورنہ آج اُس کی بھی ایک بیوی ہوتی اور دو تین بچے۔

اور پھر اُترے چہرے کے ساتھ جمشید کے گھڑی کی طرف دیکھا تو ابھی تو گھڑی پر صرف چھ بجے تھے۔۔۔۔ اور جمشید پھر سے ایک نئے کام کی ذمے داری میں پھنس گیا تھا۔

جمشید کی اُترے چہرے کو دیکھتے سکندر بولا۔

سکندر: چلو کام کو شروع کرو۔۔۔۔ ۲ بجے سے پہلے یہ ساری تیاریاں تمھیں مکمل کرنی ہے۔۔۔ جاؤ اب۔

جمشید سکندر کے اتنے زیادہ وقت دینے پر اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔۔۔

جو اُسے اتنا زیادہ وقت اپنی زندگی میں پہلے نکاح کی تیاریوں پر دے رہا تھا۔
مطلب اتنے وقت میں ایک عالی شان کھانا تیار کرنا کتنا مشکل کام۔ ہے
اور جمشید اب صرف اتنے سے وقت پر سب تیار کرے گا۔
سکندر یہ کہتا وہاں سے جانے لگا تو جمشید اچانک اپنے دکھوں کی داستان کو
چھوڑتے بولا۔

جمشید: بھائی۔۔۔آپ کہاں جا رہے ہیں؟
سکندر جمشید کی بات پر ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا۔

سکندر: تمہاری زبان کو آکر لگام ڈالتا ہوں۔ جو سوالات کے لیے ہر وقت
چلتی ہے۔

جمشید اپنی زبان سے نکلے سوال پر خود کو کوسنے لگا اور پھر اپنی بات کو دوسرا
رخ دیتے ہوئے بولا۔

جمشید:::: و۔۔وہ میں اس لیے۔۔۔پوچھ رہا تھا۔ کہ آپ نے نکاح پر
کپڑے کون سے پہننّے ہیں۔

سکندر: تم اُس کی فکر مت کرو۔۔

اور جو کام کہا ہے بس وہ کرو۔۔۔۔۔۔۔۔ جتنا کہا جائے اتنا کیا کرو۔۔۔۔ نہ ہی اُس سے کم۔۔۔ نہ ہی اُس سے زیادہ۔۔۔

جانتے ہو نہ کہ مجھے یہ پسند نہیں۔

جمشید: ج۔۔۔۔ جی بھاؤ۔۔۔۔۔۔۔ میں سمجھ گیا ہوں۔

اور پھر سکندر وہاں سے باہر کی طرف چلا گیا تھا کہتا

سکندر: سمجھ گئے ہو تو جا کر کام شروع کرو۔۔۔ آ کر تم سے پوچھتا ہوں۔

اور پھر جمشید وہاں یوں کھڑا رہا جیسے بھاؤ کی بات پر اُس کا دل چاہا کہ دیوار کو سر مار دے۔

مگر وہ ایسا کچھ کرنے سے پہلے بھاؤ کے نکاح کی تیاریوں کو سرانجام دے دے ۔۔۔۔ کیوں کہ دوسری صورت میں بھاؤ اُسے کہی ٹھکانے نہ لگا دے۔۔

اور پھر جمشید وہاں کھڑا صرف سکندر کو جاتا دیکھ سکا۔

جس کے ناگوار چہرے کے پیچھے بھی ایک خوشی کا احساس چھپا تھا جو ہر لحاظ سے زیمل کی طرف منسلک تھا۔

زندگی میں سبھی کچھ پالینا۔۔۔۔۔زندگی کی جیت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ بعض دفعہ کچھ کھو کر۔۔۔۔۔۔بہت کچھ پانا انسان کے نصیب میں ہوتا ہے۔ اور نصیب تو لکھ دیے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ تقدیر کے سمندر میں انسان ڈوبا رہتا ہے۔ کنارے پر وہ اُس وقت پہنچتا ہے جب سانسوں کے اختتام کا وقت قریب آتا ہے۔۔۔۔اور وہ وقت قسمت خود طے کرتی ہے۔
کبھی خوشیوں کو دے کر اور کبھی خوشیوں کو لے کر۔

آگے کی منزل کس طرف زیمل اور سکندر کو لے جانے والی تھی کوئی نہیں جانتا تھا۔

اور زیمل اس فکر سے آزاد تھی۔ کیوں کہ بلاشبہ وہ دُنیا میں اپنا ایک۔ آسرا محسوس کرتی تھی۔۔۔جو اُس کے ایمان کا سب سے افضل اور طاقت ور ہتیار

تھا۔۔۔ کیوں کہ جو رب کی رضا میں راضی رہتے ہیں وہ ہمیشہ بہترین پاتے ہیں۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زیمل۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

بہت خوبصورتی سے باہر کے منظر کو سجایا جارہ تھا۔

زیمل۔۔۔۔۔۔اس رشتے کو قبول۔ تو کے چکی تھی۔۔۔۔۔ مگر نکاح کا سوچ کر وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔

باہر ہر جگہ ٹیبلز کو لگایا جارہا تھا۔

پھولوں سے ہر طرف کے منظر کو سجا کر باہر کی رونق کو چار چاند لگائے جا رہے تھے۔

جب کہ زیمل اتنی تیاریوں کے حق میں نہ تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ صرف گواہان کی موجودگی میں یہ نکاح ہو۔

رشتوں کے جوڑ پر دکھاوا کرنا کوئی عقل مندی نہیں تھی۔

مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جس نکاح کے مطالبے پر وہ ہاں کہہ چکی ہے وہ سکندر صالح کی دیوانگی کو اور ہوا دے چُکے ہیں۔

زیمل تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ جن انتظامات کو دیکھ کر وہ بہت زیادہ دکھاوے کی سوچ لیے بیٹھی ہے۔

وہ ابھی سکندر کے دل کی آرزو نہیں ہے۔۔

وہ۔چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو سجا کر۔۔۔زیمل کے نوری حسن کے مطابق اپنی محبت کا کھل کے اظہار کرے۔

مگر دنیا والوں کی نظروں کا زیمل۔پر پڑنا۔۔۔اُسے خود کی محبت پر پچھ ناگوار لگا تھا۔

مگر وہ دنیا کو سجا کر زیمل۔کو اپنی محبت تو دیکھا ہی سکتا تھا۔

پھولوں سے اپنے گھر کو سجا کر۔۔۔زیمل کو۔اپنے خلوص کا یقین۔دلا سکتا تھا۔

جب کہ زیمل اب تک۔۔۔۔۔سکندر۔۔۔۔کے اعترافِ محبت پر نظروں کو اٹھانے کی ہمت نہیں جٹا پا رہی تھی۔

ابھی تو سامنا ہونے میں بھی کچھ دیر تھی۔

زیمل کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

بہت خوبصورتی سے باہر کے منظر کو سجایا جارہ تھا۔

زیمل۔۔۔۔۔اس رشتے کو قبول۔تو کے چکی تھی۔۔۔۔مگر نکاح کا سوچ کر وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔

باہر ہر جگہ ٹیبلز کو لگایا جارہا تھا۔

پھولوں سے ہر طرف کے منظر کو سجا کر باہر کی رونق کو چار چاند لگائے جا رہے تھے۔

جب کہ زیمل اتنی تیاریوں کے حق میں نہ تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ صرف گواہان کی موجودگی میں یہ نکاح ہو۔

رشتوں کے جوڑ پر دکھاوا کرنا کوئی عقل مندی نہیں تھی۔

مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جس نکاح کے مطالبے پر وہ ہاں کہہ چکی ہے وہ سکندر صالح کی دیوانگی کو اور ہوا دے چکے ہیں۔

زیمل تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ جن انتظامات کو دیکھ کر وہ بہت زیادہ دکھاوے کی سوچ لیے بیٹھی ہے۔

وہ ابھی سکندر کے دل کی آرزو نہیں ہے۔۔

وہ۔چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو سجا کر۔۔۔زیمل کے نوری حسن کے مطابق اپنی محبت کا کھل کے اظہار کرے۔

مگر دنیا والوں کی نظروں کا زیمل۔پر پڑنا۔۔۔۔اُسے خود کی محبت پر کچھ ناگوار لگا تھا۔

مگر وہ دنیا کو سجا کر زیمل۔کو اپنی محبت تو دیکھا ہی سکتا تھا۔

پھولوں سے اپنے گھر کو سجا کر۔۔۔زیمل کو۔اپنے خلوص کا یقین۔دلا سکتا تھا۔

جب کہ زیمل اب تک۔۔۔۔سکندر۔۔۔۔کے اعترافِ محبت پر نظروں کو اٹھانے کی ہمت نہیں جٹا پا رہی تھی۔

ابھی تو سامنا ہونے میں بھی کچھ دیر تھی۔

دوسری طرف۔۔۔۔سکندر۔۔۔۔صبح۔۔۔چھ بجے ہی۔۔۔۔۔۔بڑے بڑے مالز کی اوپننگ ٹائمنگ کروا چکا تھا۔

جو مالز بارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتے تھے۔۔۔وہ سکندر کے ایک فون پر کھول چُکے تھے۔

جن باڈی گارڈز کے ہاتھوں میں بندوقیں ہوتی تھیں۔آج۔اُن کے ہاتھوں میں لاتعداد شاپرز تھے۔

سکندر صرف ایک گھنٹے میں اتنی چیزوں کی خریداری کر چکا تھا جو۔۔شاید دنیا میں کسی نے بھی صرف نکاح کی ہاں پر نہ کی ہو گیں۔

ایک کہ بعد ایک دکان کو خالی کرتا سکندر دو گھنٹوں میں وہاں کی سب سے خوبصورت اور قیمتی اشیاء کو خرید چکا تھا۔

اور مالز کا بہت سا سامان پکڑے گارڈز اب تک تین گاڑیوں میں چودہ چکر لگا چکے تھے۔

مگر سکندر کا نکاح کسی عام انسان کی محبّت کی طرح نہ تھا۔۔۔ جہاں محبت میں زبردستی نکاح بھی صرف چار لوگوں کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

وہ سکندر صالح تھا جو اپنا دل ہار کر اُس لڑکی کی ہاں کے بل بوتے پر فلسطین میں اپنے دل میں آنے والی اُس نایاب لڑکی کے لیے ہر خوبصورت اور قیمتی چیزوں کو خرید رہا تھا۔ جو اُسے زیمل کی برابری کے مطابق محسوس ہوتی۔۔۔ جب کہ وہاں ایک بھی ایسی چیز نہ تھی جو اُس کی زیمل کا مقابلہ کر سکتی۔

مگر جو زیمل کے مقابل کچھ کم نایاب اُسے لگی وہ اُنہیں خرید چکا تھا۔

مالز میں ہر کوئی سکندر کو۔ جانتا تھا اور یہ بھی جان چکا تھا کہ سکندر اُس مکمل خالی مالز میں گھومتا کسی اور کی نہیں بلکہ اپنے نکاح کی تیاری کر رہا ہے۔

اور صرف کچھ پل میں ہی۔۔۔ یہ خبر۔۔۔۔ ساری دنیا میں پھیل گئی۔

کہ سکندر صالح جو اپنی جہنم کو تیار کیے دوسروں کا شکار کرتا ہے۔۔۔۔ جس کی ایک جھلک کے لیے لڑکیاں پاگل ہیں۔ وہ سکندر صالح فلسطین کسی اور مقصد کے لیے آیا تھا۔

اور پھر یہ بات فلسطین کے ساتھ ساتھ۔۔۔۔ فرانس۔۔۔۔ آسٹریلیا

۔۔۔۔ ترکی۔۔۔۔۔ سپین۔۔۔۔۔۔ اٹلی

۔۔۔۔۔ روس۔۔۔۔۔ ایران۔۔۔۔۔۔ انڈیا۔۔۔۔۔۔ اور پاکستان کے ساتھ ساتھ دوسرے اور بھی ممالک میں پھیل گئی۔۔۔۔ جہاں

سکندر صالح۔۔۔۔۔۔۔ the black devil۔۔۔۔ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اور یہ بات ہر جگہ موجود سکندر کے بہت سے دشمنوں کو سکندر کی کمزوری کی ایک نئی خوشخبری دے چکی تھی۔

سکندر black devil کے نام سے ہر جگہ خاصا مشہور تھا۔ سکندر کو بے حد بے رحم ہونے پر ڈویل کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔

اور بلیک کا لفظ سکندر کو زیادہ تر کالے رنگ کے لباس میں ملبوس ہونے پر دیا گیا۔۔۔۔ جو اُس کی بے لگام بے رحمی اور خوف کے کھیلوں پر اُسے دیا گیا۔

مگر دشمنوں کی فہرست میں شمار ہر کوئی یہ بات تو جانتا تھا کہ سکندر کی کمزوری کو چھونا کسی طور بھی آسان کام نہیں ہے۔

جہاں زیمل سکندر کو رحم دل۔ انسان کے طور پر جانتی تھی وہاں

سکندر دنیا میں ۔۔۔۔ the black devil کے نام سے جانا جانے والا ایک درندہ تھا جو رحم دلِ کے اوصاف کھو سو دور تھا۔

مگر سکندر اُن ہاتھوں کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی جو طاقت رکھتا تھا وہ طاقت بھی ہر کوئی جانتا تھا۔ اس لیے جو کوئی بھی ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرے گا وہ کفن باندھتا ہوا آئے گا۔۔۔۔ کیوں کہ اُس شخص کے جنازے کو کندھا دینے کی بھی سکندر کسی کو اجازت نہیں دے گا۔

کیوں کہ غداری اور بغاوت کی بو سکندر کو بے رحم۔ بنانے میں صرف کچھ پل کا وقت درکار کرتی ہے۔

گھر پر سامان سے بھرے شاپرز زیمل کے کمرے کو بھر چُکے تھے۔۔۔

ملازمہ گھر کے باہر سے سامان لاتی زیمل کے کمرے میں موجود بیڈ ٹیبل صوفوں اور کمرے میں جہاں جگہ ملی رکھتی گیئں۔

اب تک تو سکندر زیمل کے لیے اور سامان کی خریداری کر رہا تھا۔ مگر زیمل کمرے میں موجود ہر طرف بکھرے کپڑوں

۔۔۔۔جوتوں۔۔۔۔۔۔زیوروں۔۔۔۔۔۔۔اور نجانے وہاں اور کیا کیا باقی تھا جو شاپروں میں موجود اب تک پیکنگ کی حالت میں موجود تھا۔۔۔زیمل۔ دیکھنے لگی۔

سامان کو سکندر کے کمرے یعنی جہاں اب تک زیمل رہ رہی تھی۔۔۔وہاں کمرے میں موجود بڑے سے کمرے نماں واڈروب میں

ملازمہ ایک کہ بعد ایک چیز کو رکھنے لگی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے سکندر کی چیزوں کے ساتھ زیمل کی چیزوں کا وہاں اضافہ ہو گیا۔

زیمل یہ منظر دیکھ کر حیران تھی وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شخص جو اپنی شخصیت کو اُس کے سامنے لیے تین دفعہ کھڑا ہوا تھا وہ صرف اُس کی ہاں پر یہ سب کر رہا تھا۔

دوسری طرف سکندر ابھی تک صرف زیمل کی ضرورت کا سامان خرید چکا تھا۔

اچانک ایک دکان سے گزرتے سکندر کی نظر ایک دکان پر پڑی۔۔۔تو نظریں ایک سکارف پر جا ٹکی۔

وہ عام سا ایک سادہ سا سکارف تھا۔۔۔

مگر رنگت بلکل سفید۔۔۔ایسا نہیں تھا کہ سکندر کے دل سے زیمل کا خیال ایک پل کے لیے بھی نکلا تھا۔۔۔مگر تمام خریداری میں وہ واحد ایسا سکارف تھا۔۔۔جو سکندر کو زیمل کی پہلی دفعہ صورت کے دیکھنے کے وقت کو اُس

کی آنکھوں کے سامنے اُجاگر کر گئی۔ بلکل وہی وقت جب زیمل سفید لباس میں ملبوس سفید چادر میں۔اپنے چہرے کو ڈھانپے پہلی بار سکندر کی گاڑی کے سامنے آئی تھی۔۔

اُس مال میں سکندر اب تک ہر قیمتی چیز کو اپنی ملکیت میں لے چکا تھا۔

مگر نجانے کیوں اُس کا دل اُس عام سے سکارف کو دیکھ کر دھڑکا تھا۔

دکان میں داخل۔ ہوتے ہی اُس نے اُس سکارف کو صرف تین ڈالر پر خرید لیا۔

اور تمام خریداری میں ہر چیز اس عام سے سکارف سے زیادہ قیمتی نفیس اور شاندار تھی۔۔

مگر وہ سکارف سکندر کو اُن تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی معلوم۔ ہوا تھا۔۔۔ کیوں کہ اُن تمام چیزوں میں سے صرف اُس سکارف میں یہ طاقت تھی کہ وہ زیمل۔ کی حیا کو اپنے وجود سے ڈھانپ سکتا تھا۔

شاید اسی لیے سکندر کو اُس سکارف میں چھپی ایک خوبصورت یاد کے ساتھ زیمل کی حیا کے حسن کا خیال اتنی شدّت سے آیا تھا۔ کہ اُس سکارف میں اُسے اپنی زندگی کی پہلی اور آخری عورت پر اپنی منزل ختم ہوتی محسوس ہوئی جو شاید اُسے اپنی زندگی کے آخری وقت پر بھی محسوس نہ ہوتی۔

وہ سکارف در حقیقت قیمت کے مقابلے میں دوسری چیزوں کہ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مگر جو طاقت عورت کی حیا کو پردے میں رکھنے کا ہنر وہ عام سا سکارف رکھتا تھا کسی اور چیز میں وہ طاقت موجود نہیں تھی۔

سکندر خریداری کرتے اُس سکارف کو پکڑے دیکھنے لگا تو فون کو نکلتے جمشید کا نمبر ملاتے بولا۔

جمشید: جی۔۔۔۔بھاؤ۔

. سکندر: فون ابھی اندر کسی ملازمہ کو دو

جمشید: جی بھاؤ۔۔۔دیتا ہوں

اور پھر جمشید اندر کی طرف جاتا ایک ملازمہ کو فون دیتا بولا یہ بات کرو۔۔

... ملازمہ: میں؟

جمشید:::: ہاں جی۔۔۔۔آپ۔۔۔۔

ملازمہ فون کو کن سے لگائے جمشید کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

ملازمہ:::: ہاں جی۔۔۔۔کون ہے؟؟؟؟

جمشید کے چہرے پر ایک مسکراہٹ واضح ہوئی تو ملازمہ ناگواری سے جمشید کا چہرہ دیکھ کر بولنے لگی۔۔۔۔ابھی کہ آگے وہ کچھ بولتی اگلے آواز پر اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔۔

سکندر:::: میں سکندر صالح۔

ملازمہ کی ایک پل میں ہی سکندر کی آواز پر سانسیں رُک گئیں۔۔۔

ملازمہ:::::

م۔۔۔۔مہ۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔مہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔معافی۔۔۔۔۔چ۔۔۔۔

چاہتیں ہوں۔۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔

سکندر:::: تمہاری میں۔۔۔ میں۔۔۔۔ سننے کے۔۔۔ لیے۔۔۔ فون نہیں کیا۔۔۔۔ ابھی۔۔۔ فوراًاوپر جاؤ۔۔۔۔۔اور زیمل سے میری بات کرواؤ فوراً۔۔۔

ملازمہ:::جی۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔

اور پھر یہ کہتی وہ ملازمہ بھاگتی۔۔۔۔۔اور اوپر کی طرف دو قدم ایک قدم کے ساتھ لیتی۔۔۔۔ بگڑی۔۔۔ سانسوں کے ساتھ زیمل کے کمرے میں داخل ہوئی۔۔۔ تو زیمل جو بیڈ پر بیٹھی اُن لاتعداد چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔

ملازمہ کی آمد پر اُس کے چہرے کے رنگوں کو اڑتا دیکھ بولی۔۔۔۔

زیمل: آپ ٹھیک ہیں۔۔۔۔؟؟... کیا ہوا ہے۔۔؟

دوسری طرف فون سے آتی زیمل کی آواز سکندر کے چہرے میں ہزاروں رنگ بکھیر چکی تھی۔اور پھر زیمل کی آواز پر بولا۔

سکندر: زیمل۔۔۔۔۔

سکندر ہولے سے زیمل کا نام بہت آہستہ سے پکارنے لگا جیسے اُس کے نام کو اپنی زبان پر لاتا اپنے کانوں کو تسکین دے رہا تھا۔۔۔اور پھر بولا۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔میری زیمل۔

دوسری طرف۔۔۔۔ملازمہ بھاگتی ہوئی۔۔۔۔۔زیمل کی طرف بڑھی اور فون کو پکراتی بولی

ملازمہ:": س۔۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔سر۔۔۔۔۔۔کا۔۔۔۔۔فون۔

زیمل ہاتھوں میں لیے اُس فون کو دیکھنے لگی وہ کیا بات کریں گی زیمل اس خیال سے کچھ ڈر گئی تھی۔

پھر کانوں سے فون کو لگاتی۔۔۔۔۔۔خاموش ہو گئی۔

دوسری طرف سکندر زیمل کی خاموشی کو سنتا مسکرایا اور پھر بولا۔

سکندر:::: آپ کی خاموشی میں آپ کی آواز سے زیادہ مٹھاس ہے۔

زیمل اپنی مٹھیوں کو سکندر کی بات پر دبا چکی تھی۔

سکندر:::: آپ کے لیے کچھ خریداری کی تھی چیزیں آپ کو اب تک مل چکی ہو گی۔
میں معزرت خواہ ہوں کہ آپ کو خود خریداری کا موقع نہ دے سکا۔
پھر بھی اگر آپ کو کوئی چیز نہیں پسند تو آپ مجھے بتادیں یا کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو وہ بھی۔
سکندر بہت مودبانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔
زیمل سکندر کی بات پر کچھ دیر خاموش ہونے کے بعد بولی
زیمل: نہیں سب چیزیں بہت اچھی ہیں۔۔۔ مگر۔۔
سکندر زیمل کے مگر پر پوچھے بنا نہ رہ سکا تو بولا۔
سکندر: مگر۔۔۔۔ کیا؟
زیمل: میں چاہتی تھی کہ یہ نکاح سادگی سے ہو۔۔۔ اتنی فضول خرچی کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔
زیمل اپنی بات کو بہت آرام سے اور آہستہ سے کہہ چکی تھی۔۔

دوسری طرف سکندر فضول خرچی کی بات پر کچھ حیران ہوا تو بولا۔

سکندر:::: یہ فضول خرچی نہیں ہے۔۔یہ آپ کے لیے ہے سب ۔۔۔اور میں نے ہر چیز آپ کے لیے بہت محبت اور احترام میں خریدی ہے۔

سکندر صالح آپ کی ہاں کے بعد اتنا تو حق رکھتا ہے کہ آپ کے لیے اپنی مرضی کی خریداری کر سکے۔۔۔یا ابھی بھی اس حق کو پانے کے لیے مجھے انتظار کرنا پڑے گا؟؟؟

زیمل سکندر کے جواب کے ساتھ سوال پر کچھ اُلجھی تو بولی۔

زیمل::: مہ۔۔۔۔میرا کہنے کہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔مطلب نہیں تھا۔

بس میں یہ کہہ رہی۔۔۔

سکندر زیمل کی بات کو کاٹتے ہوئے بولا۔

سکندر::: میں جانتا ہوں کہ آپ۔کی باوقاری یہ نہیں چاہتی کہ میں یہ سب کرو۔۔۔۔مگر یقین جانے یہ صرف میری محبت کا ایک نمونہ ہے۔

اگر آپ کے قدموں میں سکندر صالح کو دُنیا بھی بچھانی پڑی تو وہ پھر بھی اس کام سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔

ابھی میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی پسند کہ جوڑے کا مجھے بتائیں آپ کو کون سے رنگ کا ڈریس ہمارے نکاح میں پہننا ہے۔ آپ مجھے بتائیں میں چاہتا ہوں کہ آپ زندگی کے اس رشتے کی شروعات اپنی پسند کے ساتھ کر سکیں۔ کیا آپ وہ سب چیزیں پسند ہیں یا نہیں۔

زیمل سکندر کی بات پر ارد گرد کی چیزوں کو دیکھنے لگی جہاں آس پاس ملازمہ چیزوں کو سمیٹ رہی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ زیمل کو وہ سب پسند نہیں تھا مگر وہ ان چیزوں کی چاہ نہیں رکھتی تھی۔۔

زیمل: نہیں۔۔۔ مجھے سب پسند ہے۔

سکندر زیمل کی آواز میں کچھ کمی محسوس کر رہا تھا۔۔

کیا وہ۔ اُداس تھی۔۔۔ یا خوش۔۔۔۔

اور پھر سکندر اپنی بات کہتا بولا۔

سکندر::::: میں۔آپ۔سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کبھی اپنے اس فیصلے پر پچھتاوا نہیں ہو گا۔۔میں کبھی ایسا نہیں ہونے دوں گا۔

اور پھر یہ کہتا سکندر زیمل کی آواز میں واضح نمی کو محسوس کرتا بولا۔

مجھے آپ کی آواز میں نمی محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ان آنسوؤں کو یوں نہ جانے دے۔

میں جانتا ہوں یہ سب بہت جلدی ہے آپ کے لیے میں آپ۔کو اس فیصلے پر اور وقت دینے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

دل کو ڈر ہے کہ آپ بھی کہی سب کی طرح مجھ سے بہت دور نہ چلی جائیں۔

میں بس چاہتا ہوں کہ اپنے نام کا ایک حصہ آپ کے نام سے جوڑ دوں۔تاکہ یہ بے قراری ختم۔ہو جائے جو بتدریج دل میں ہر پل اٹھتی رہتی ہے۔

زیمل اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی خواہش مند نہیں تھی بس آج کے دن پر کسی کی کمی محسوس کر رہی تھی۔۔

مگر اُسے اللہ پر بھروسہ ہے۔۔۔۔ مگر ماں باپ کی کمی کا احساس انسان کو بڑھاپے تک رہتا ہے کیوں کہ اللہ نے یہ رشتہ قائم ہی اس طرح سے کیا ہے کہ جس کوک میں بچہ نو ماہ پلتا ہے وہ اُس کوک سے نکلتے ہی سب سے پہلے دو لوگوں کی محبت سے منسلک ہو کر زندگی کا ہر چھوٹا بڑا قدم اُٹھاتا ہے۔۔۔یہی وجہ تھی کہ آج بارہ سال گزر جانے کے بعد بھی زندگی میں اُن کی کمی کا زخم زیمل میں ابھی تک تروتازہ تھا۔

زیمل کو سکندر کی اُس کی اپنی خواہش کو((یعنی زیمل کی))))))اتنی اہمیت دینا زیمل کے دل میں سکندر کی ایک نئ جگہ بنانے لگا تھا۔

ابھی کہ زیمل کچھ بولتی فون کی دوسری طرف گولیوں کی آوازوں نے جنم لیا۔

زیمل آوازوں کے غور کرنے پر بے حد ڈر گئ تھی۔۔۔اور پھر اسی خوف میں وہ اپنی پوری طاقت میں پکارنے لگی۔۔

زیمل:::::ہ۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔ہ۔۔۔ہیلو۔۔۔۔۔۔۔سکند۔۔۔ر

۔۔۔۔۔۔۔ہ ہیلو۔۔۔ہیلو۔۔۔میری آواز۔۔۔آ

۔۔۔رہی۔۔۔ہے۔۔۔آپ۔آپ۔۔۔آ۔۔۔۔۔پ۔۔۔۔۔آپ

۔۔ٹھیک ہیں نہ۔۔۔۔۔۔۔سینے۔۔۔۔آپ۔۔۔آگے

۔۔۔سے۔۔کچھ۔۔۔۔بولتے۔۔۔کیوں نہیں

ہے۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔سکندر

زیمل کی آنکھیں ایک کہ بعد ایک انسوں خوف میں بہنے لگے

گولیوں کی آواز اُس رات کے منظر کو تر و تازہ کرنے کے لیے کافی

تھی۔۔۔جس سے زیمل نے گولیوں کے نشانے پر ایک موت ہوتی دیکھی

تھی۔

اور پھر فون پر زیمل آخری آواز گولیوں کے ساتھ صرف چیخوں کی سن سکی۔

جو اُس کو کمرے سے لے کر باہر کی راہ داری تک بھاگنے کے لیے کافی تھے۔

زیمل اس قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی تھی کہ آنکھوں میں انسوں کی شدت

میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ زیمل کو اندازہ ہی نہیں ہوا۔ وہ سکندر کے لیے

۔۔۔خاصی۔۔۔۔پریشان معلوم ہو رہی تھی۔

وہاں موجود ملازمہ زیمل کے اس انداز کو دیکھ کر اُسے روکنے کے لیے آگے

بھری تو زیمل اتنی تیزی سے نیچے اُتری جیسے مانو کوئی ہوا کا جھونکا ہو۔

۔زیمل کا یہ انداز باقی سب کے لیے بہت حیراں کن تھا۔

وہ اب تک بہت پر سکون شخصیت کی مالک معلوم ہوتی تھی

مگر اس بوکھلاہٹ کو دیکھ کے ملازمہ زیمل کی طرف بھاگی۔۔

مگر زیمل ابھی کہ گھر کی راہ داری سے باہر نکلتی جہاں جمشید کچھ مردوں سے

کام کرواتا بول رہا تھا۔۔اُس سے پہلے ہی دو ملازمہ نے زیمل کو پکڑ لیا

۔۔۔جو پہلے سے ہی نیچے موجود تھیں۔

ملازمہ زیمل کو روتا دیکھ۔۔۔۔پریشان ہوئی تو بولی۔

ملازمہ::::: میم۔۔۔۔آپ ٹھیک ہیں۔۔۔؟؟؟

آپ روکیوں رہی ہیں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔۔ ؟؟

کیا ہوا ہے ؟؟

زیمل روتے ہوئے عجیب بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔۔۔

اُس کے دماغ میں صرف چیخوں اور گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

یا پھر ایتان کا بے جان مردہ وجود۔

زیمل اس قدر خوف میں مبتلا تھی کہ۔۔۔ شاید اُن چیخوں کو سکندر کی چیخوں کو سمجھ کر اُن گولیوں کو سکندر پر برستا محسوس کرنے لگی۔۔

اور پھر ملازمہ کے جواب پر صرف روتے ہوئے سکندر کا نام لے سکی۔

زیمل::: و۔۔۔و۔۔۔و۔ہ۔۔۔ سي۔۔۔۔ سکندر

۔۔۔۔۔وہاں۔۔۔۔۔ گولیاں۔۔۔۔۔۔ چیخوں کی۔۔۔۔ آواز۔۔۔مجھے

۔۔۔۔ چھوڑوں۔۔۔ پلیز۔۔۔۔

جانے دو۔

زیمل کی اس قدر بے قراری اور الجھنوں سی بھری بات وہاں موجود سب کے لیے حیران کن تھی۔

ملازمہ::::: میم۔۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔۔ہوا۔۔۔۔سب ٹھیک ہیں۔۔۔۔سر۔۔۔ابھی۔۔۔آجائیں۔۔۔گے۔۔

زیمل کو فل وقت صرف اُن گولیوں کی آواز اور سکندر کی چیخوں سے بھری آواز یاد تھی۔۔

اور اُسے یہ تسلی دے کر اُس کی بے لگام بے قراری کو روکنا ممکن نہیں تھا۔

زیمل ابھی خود کے اس انداز سے بھی واقف نہیں تھی۔

اور پھر روتے روتے زمین پر بیٹھ گئی۔

۔جب کہ ایک ملازمہ۔۔۔۔۔باہر کی طرف۔۔۔جمشید کی طرف بھاگی۔۔۔جہاں جمشید کسی سے پھولوں کا کام کروا رہا تھا۔۔۔باہر بہت سے تیاریاں مکمل جو چکی تھی۔

ملازمہ بھاگتی ہوئی جمشید کی طرف بھری اور اُکھڑی سانسوں سے بولی۔۔۔

ملازمہ::::: میں۔۔۔ میم۔۔۔۔۔۔ کی سر۔۔۔۔۔ سے بات ہو رھی تھی۔ انہوں نے۔۔۔ فون پر۔۔۔۔۔ شاید گولیوں کی۔۔۔ آواز سنی ہے۔۔

وہ۔۔۔

جمشید:: صرف لفظ گولیوں کی آواز پر اندر کی طرف بھاگا اور اگلے پانچ سیکنڈ میں جب وہ اندر داخل ہوا تو سامنے ہی زیمل کے روتے وجود کو زمین پر بیٹھتا دیکھ بولا۔۔۔

جمشید:::: بھابھی۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا ہے۔۔۔؟

جمشید اتنی تیزی سے زیمل کی طرف بڑھا اور اپنی بات کہتا زمین پر پڑے اپنے فون کو اٹھاتا نمبر کو ملانے لگا۔

زیمل جو زمین پر بیٹھے رو رہی تھی اچانک جمشید کے سوال پر کھڑی ہوئی اور بولی۔

زیمل:::::آپ جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں۔۔۔مجھے۔۔۔وہاں۔۔۔لے جائیں۔۔۔۔۔میں۔۔نے بہت سی۔۔۔۔ گولیوں کی آواز سنی ہے۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔وہاں لے جائیں۔

جمشید کو بھی زیمل کا یہ انداز بہت مختلف لگا تھااور حیران کن بھی زیمل کا یہ انداز وہاں موجود ہر ایک کے لیے اتنا ہی حیران کن تھا جتنا کہ آپ کے لیے ۔۔ مگر نظروں کو جھکاتا بولا۔۔

جمشید: آپ پریشان ناہو وہ ٹھیک ہو گے۔اور پھر ملازموں کو اشارہ کرتے زیمل کو اوپر لے جانے کا کہتا اپنے فون کو پکڑے باہر کی طرف بھاگا۔

ابھی جمشید کو صرف سکندر کی فکر تھی۔۔

کیا بھائی پر مال پر حملہ ہوا ہے۔

اور پھر سکندر کو فون ملاتے وہ کان سے لگا گیا۔۔

جمشید بھی خاصا پریشان تھا۔۔۔اُسے بھاؤ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔۔

وہ اندر ہی اندر خود کو اس بات کے لیے کوس رہا تھا۔

سکندر..... کا فون بند جا رہا تھا۔۔۔ جو لا تعداد اندیشوں میں مزید اضافہ کر گیا۔۔

اور پھر جمشید ایک بعد ایک نمبر ملانے لگا۔۔

مگر کسی ایک نے بھی فون نہیں اٹھایا تھا۔

جمشید وہاں انتظار کرنے کے سوا کچھ اور کر بھی نہیں سکتا تھا۔

کیوں کہ اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ جو لوگ مال میں بھاؤ پر حملہ کر سکتے ہیں اُن کا کہی اگلا ٹارگٹ زیمل نہ ہو۔

وہ جانتا تھا کہ بھاؤ کے اس قدم پر بھاؤ کے دشمن متوجہ ہو جائیں گیں مگر۔۔۔۔ اتنے سالوں میں جمشید نے سکندر میں یہ خوشی کا احساس اب دیکھا تھا۔۔۔ ورنہ اُسے تو لگا تھا کہ جس دن۔۔۔۔ سکندر نے اپنی بہن کو قبر میں اتارا تھا اُس دِن اُس کا بھاؤ اپنی ہر خوشی کو دفن کر چکا تھا۔

اور اب جمشید اُس جگہ میں موجود تمام لوگوں کو جو وہاں کی سکیورٹی پر تعینات تھے ہدایت دیتا ہر جگہ کھڑا کرتا جگہ کو محفوظ بنانے لگا۔

دوسری طرف زیمل صرف گولیوں کی آوازوں اور چیخوں کی آوازوں کو اپنے کانوں تک سنتی سکندر کی ہر بات کو یاد کرنے لگی۔

سکندر کا اس قدر زیمل کی حیا کا احترام زیمل کے دل میں پہلے سے جگہ بنا چُکا تھا۔ جسے زیمل نے احسان مندی کا نام۔ دیا تھا۔

مگر کچھ لوگوں کا انداز ہی آپ کے دل میں بنا بھنک لگے گھر کر لیتا ہے کہ جب تک انسان کو اس بات کا پتہ لگتا ہے اُس وقت خاصی دیر بھی ہو جاتی ہے۔

زیمل بس اب اُس شخص کی باتوں کو یاد کرتی خدا سے اُس کی سلامتی کی دعا گو تھی۔

وہ اپنے رب پر اپنے کانوں سے سنی چیزوں سے زیادہ یقین رکھتی تھی۔

بے شک زیمل کا دل سکندر کے لیے بہت بے چین تھا آنکھوں میں بھی بہت انسوں تھے شاید گولیوں کی آواز کے نتائج اُسے ایتان کی موت دیکھا رہے تھے شاید اسی لیے کہی وہ یہ منظر اپنی سوچ میں کہی سکندر کا دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

وہ تو آج خود اپنی رضامندی دیتے ہوئے اُس رشتے کا آغاز کرنے لگی تھی۔۔۔ یہ تو اُس نے بلکل نہیں سوچ تھا۔۔۔ کہ وقت اُسے یہاں بھی لا کھڑا کرے گا۔

نہ جانے زیمل خود بھی ابھی تک۔ اپنے بدلتے انداز کو محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔

کیا یہ فکر مندی تھی۔۔۔۔ نہیں یہ اُس سے کچھ بڑھ کر تھا جس سے زیمل کچھ ان جان تھی۔

دوسری طرف سکندر جو مال میں موجود اپنے گارڈز کے ساتھ کھڑا اُس سفید سکارف کو خون میں بھرا ہوا دیکھ رہا تھا۔۔۔

سامنے پندرہ لوگوں کی لاشوں کا ڈھیر تھا۔۔

سکندر کا فون گرنے سے بند ہو چکا تھا۔ جس وقت سکندر زیمل سے بات کر رہا تھا۔

اس وقت مال کی دوسری طرف سے تیس لوگوں کو سکندر کے دو اپنے ہی ادمیوں نے داخل کیا تھا۔

یہ لوگ جو وہاں داخل ہوئے یہ جرمن کے مافیا ڈون ارنو کے بھائی برون ہلڈ نے سکندر کو مارنے کے لیے بھیجے تھے۔

فائٹنگ سکیلز میں مہارت رکھنے والے یہ تیس لوگ سکندر پر یوں اچانک حملے سے کچھ بھاری پڑنے والے تھے۔۔

ان کے داخل ہوتے ہی جب نیچے کی طرف فرائنگ ہوئی تو اُسی وقت سکندر کے پیچھے سے وار کرنے والے سکندر کے ادمیوں میں چھپے دو برون ہلڈ کے اپنے آدمی میں سے ایک نے سکندر پر وار کیا۔

ابھی کہ وُہ وار سکندر کے سر کو لگتا۔۔ سکندر کسی اچانک سے ملتے احساس پر کچھ ہلا تو وُہ وار سکندر کے دائیں بازو پر لگا جس سے دوسرے فلور پر کھڑے سکندر کا فون اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔۔

اور پھر ایک زوردار مکا سکندر نے اُس آدمی کو مارا اور ہاتھ کو پکڑتے پوری طاقت سے مڑور دیے۔۔۔ جس سے اُس آدمی کی چیخوں کی آواز مال میں موجود ہر ایک نے سنی اور پھر گولیوں کی آوازوں نے اُس پورے مال کو اپنی گرفت میں لے لیا۔۔۔ اور اسی لڑائی میں سکندر کا فون پہلے فلور سے گراؤنڈ فلور پر جا گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

اور پھر وہاں موجود دکانداروں نے وہ لڑائی دیکھی جس نے مال کے شیشوں سے لے کر ہر چیز کو تہس نحس کر دیا۔۔۔

سکندر چلتا ہوا نیچے کی طرف بڑھا تو نیچے سکندر کے آدمی گولیوں کی برسات اُن لوگوں پر کر رہے تھے۔

دوسری طرف سے گولیوں کی برسات میں کوئی کمی واقع نہیں تھی۔

سکندر یہ جان گیا تھا کہ یہ کون ہیں اور انہیں کس نے بھیجا ہے۔

اور پھر ایک آدمی کو اپنی طرف بھرتا دیکھ سکندر نے ایک فلپ کے ساتھ اُس کی ٹانگوں پر وار کیا جس سے وہ۔ آدمی منہ کے بل زور سے جا گرا۔۔۔ جس سے اُس کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔۔

سکندر کے دو آدمی بے حد زخمی ہو چکے تھے۔۔۔

جب کہ اُن کے ادمیوں کی بھی حالت کچھ ناساز ہی معلوم ہو رہی تھی۔۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سکندر کے چار آدمیوں نے پیچھے کی طرف سے اُن بچے کچے لوگوں پر حملہ کر کہ

اُنہیں موت کی وادی میں اتار دیا۔

جہاں صرف ایک آدمی کو چھوڑا گیا۔

جو سکندر کی طرف گولی کہ نشانہ باندھتے ہوئے گن کا ٹریگر دبا گیا۔۔ جس سے نکلتی گولی سکندر کے بر وقت ہٹنے پر دل کی بجائے بازو کو چھو کر گزر گئی۔

اور پھر وہ آدمی جو سکندر کی طرف بھرتا۔۔۔اپنی تیز رفتار سے سکندر کے بازوں پر حملہ کرنے لگا۔۔۔۔ جس کو روکتے ہوئے سکندر آپنے بازوں کی سمت تبدیل کرتا روکنے لگا اور پھر بولا۔

سکندر:::: نائس۔۔۔۔شاٹ۔۔۔۔

اب میرے باری۔

اور پھر ایک ہی جھٹکے میں سکندر نے ایک کلا بازی لگاتے ہوئے اُس آدمی کو پیچھے کی طرف سے اپنی ٹانگوں کی جکڑ میں لیا اور پھر اپنے نام کا داؤ مارتے ہوئے اُس کے گردن کی ہڈی کو توڑ دیا۔

سکندر کا یہ انداز دیکھ کر لگا جیسے سکندر اُس فائٹنگ کے انداز کو جانتا تھا۔

کیوں کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے سکندر ارنو کے ساتھ اس فائٹنگ میں جتنے والا پہلا انسان تھا جس نے ارنو کو بھی موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

ارنو جرمن کا مافیا ڈون تھا۔اُس کو ریسلنگ میں خاصی دلچسپی تھی۔۔۔

اور سکندر کو اُس کی موت میں۔۔۔ سکندر ہر اُس آدمی کا شکار کرتا تھا جسے وہ سمجھتا تھا کہ اُسے اس دنیا میں اُس کی جہنم کا مزا چکھ کر الوداع کہنے کی ضرورت ہے۔

اور ارنو کی موت بھی ایسے ہی تھی۔

اس لیے وہ اُن کے فائٹنگ مووز کو جان چکا تھا کہ وہ سب کون ہے اور اُنہیں کس نے بھیجا ہے۔

زیمل کے جس سکارف کو سکندر نے اُس کی حیا کو ڈھانپنے کے لیے لیا تھا اُس سکارف کو زمیں سے اٹھاتے سکندر اپنے بازو سے نکلتے خون کو روکنے کے لیے باندھ گیا جس نے سکندر کے زخم کو مضبوطی سے باندھ دیا۔

اور پھر سکندر اپنے زخم کو باندھتا اپنے ایک آدمی سے بولا۔

ان کی لاشوں کو واپس جرمنی بھجواؤ اور جو زخمی ہیں اُنہیں یہاں سے ہسپتال پہنچاؤ۔۔۔ باقیوں کو کہو کہ مال والوں کو کمپنسیٹ کریں

جی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ بھائی۔۔

کسی اور بات کے خیال پر سکندر چہرے پر ہاتھ پھیرتا بولا

سکندر::::: مجھے اپنا فون دو۔

سکندر فون کو پکڑاتے وہ وہاں سے یہ پوچھ کر چلا گیا۔

بھائی اور کچھ ؟؟؟؟

سکندر: نہیں تم جاؤ۔

سکندر کو یاد تھا کہ اس ہڑبڑی میں وہ فون بند نہیں کر پایا تھا۔

اور زیمل فون پر کافی کچھ سن چکی ہو۔۔۔۔ گی۔۔۔اور اب سکندر زیمل کے لیے پریشان تھا

فون پر جمشید کے نمبر کو ملاتے سکندر ٹہلنے لگا۔

دوسری طرف جمشید کا فون بجا تو فوراً اسے کان سے لگاتا بولا۔

جمشید::::: بھاؤ.... آپ ٹھیک ہیں۔۔۔۔؟؟؟آپ کو تو کچھ نہیں ہوا۔۔

آپ کہاں ہیں۔۔۔۔آپ مجھے بتائیں۔۔۔میں ابھی وہاں آتا ہوں

سکندر سمجھ گیا کہ زیمل بہت کچھ سن چکی ہے۔ تو بولا

سکندر:::: میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔ میں گھر ہی آرہا ہوں۔۔۔

تم وہی رہو۔۔۔۔اور یہ بتاؤ زیمل کیسی ہے۔۔۔۔۔ وہ ٹھیک ہے۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔۔ وہ بھابھی نے۔۔۔۔ گولیوں کے ساتھ چیخوں کی آوازیں سنی ہیں۔۔۔ جس کی وجہ سے وہ۔ بہت عجیب طریقے سے پیش آرہی ہیں۔

وہ سمجھی ہیں شاید وہ آپ کی چیخیں تھیں۔

میں نے بہت مشکل سے اُنہیں اُن کے کمرے میں بھیجا ہے۔

وہ باضد تھی کہ میں اُنہیں آپ کے پاس لے کر جائوں۔

سکندر جمشید کی بات سے زیمل کی پریشانی کا اندازہ لگا کر بولا۔۔

سکندر:::: اُسے کچھ مت بتانا میں گھر ہی آرہا ہوں۔۔۔اور آکر تمہاری ساری بات سنتا ہوں۔

اور پھر سکندر مال سے باہر کی طرف بڑھ گیا اپنے دو آدمیوں کے ساتھ۔

زیمل کی فکر مندی کا احساس سکندر جمشید کی باتوں سے لگا چکا تھا۔۔

وہ سمجھتا تھا کہ شاید ابھی اُسے زیمل کے دل میں اپنی جگہ بنانے میں وقت لگے گا۔۔۔

مگر شاید جہاں زیمل انجانے میں سکندر کے دل میں گھر کر گئ تھی وہاں کہی نہ کہی زیمل کے دل میں بھی سکندر کی محبت کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ جسے اب تک وہ احسان مندی کی چادر دیے سہلا رہی تھی۔

دوسری طرف زیمل کمرے میں بیٹھی کسی سوگ وار حالت میں تھی۔۔۔ جیسے اُس کی سوچ اُن آوازوں کو حقیقت کا یقین دلا تھی تھی۔

پتہ نہیں زیمل کی یہ کیفیت ہر ایک کی تسلی کے باوجود کیوں اتنی اُس پر حاوی تھی۔

لاکھ یقین دلانے پر بھی زیمل کا دماغ اُن آوازوں کو بھلانے پر قائل نہیں تھا۔

وہ بس خدا سے کسی معجزے کی منتظر تھی۔

آنسوؤں کو بہاتے بہاتے زیمل کسی الگ ہی کیفیت میں مبتلا تھی۔

دوسری طرف گاڑی سکندر خود چلاتا اتنی تیزی سے وہاں کی سڑکوں پر اپنے انداز کو قائم کر گیا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے سکندر کتنے ہی وہاں کے ٹریفک قوانین کو توڑ گیا جو اُس کی نظر میں ریت کی مانند تھے۔

گاڑی کو سکندر گھر کی راہداری میں بڑھاتا پہنچا تو سامنے کھڑے جمشید اور اُس کی سب سے پہلی نظر پڑی۔

اور پھر گاڑی سے فوراً سے اترتا وہ جمشید کی طرف بھاگا۔اور پھر بولا۔

سکندر::: کیا ہوا ہے ؟؟؟؟

جمشید::: بھاؤ۔۔۔آپ ٹھیک ہیں۔مال میں آپ پر حملہ ہوا۔کس نے ... کروایا

سکندر::: جمشید جو پوچھا ہے اُس کا جواب دو۔۔۔

کیا ہوا ہے۔۔۔زیمل کو

جمشید::: بھاؤ وہ بہت عجیب طریقے سے پیش آ رہی تھیں۔

آپ سے بات کرتے ہوئے شاید وہ کچھ آوازوں کو سن چکی تھیں۔

یہاں بیٹھی رو رہی تھیں۔۔

پھر مجھے آپ تک پہنچانے کا کہنے لگی۔

میں سمجھ نہیں پایا۔۔اُن کا یہ انداز۔۔

بہت مشکل سے اُنہیں اوپر ملازموں کے ساتھ بھیجا ہے۔

وہ آپ کے لیے بہت پریشان تھیں۔

سکندر کو جمشید کی بات اتنی حیران کن معلوم ہوئی کہ وہ جمشید کی بات کو حقیقت سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔

بات ہی ایسی تھی۔

سکندر::: جمشید اگر یہ کوئی من گھڑت کہانی ہوئی اُس دن کی کال کی طرح تو یاد رکھنا کہ میں سکندر صالح خود تمھارے اس دماغ کی دھجیاں اڑائوں گا جس میں ایسے پلان جنم لیتے ہیں۔

جمشید:::: ب۔۔۔بھائی۔۔۔میں سچ کہہ رہا ہوں۔

بھابھی واقعی بہت عجیب طریقے سے پیش آ رہی تھیں۔۔

مجھے آپ کی اور اُن کی بہت فکر ہے۔

سکندر جمشید کی بات پر ناگواری سے دیکھنے لگا اور پھر ایک زوردار مکا اُس کے ناک پر کچھ کم طاقت سے رسید کیا۔۔۔ تو جمشید ناک کو پکڑے درد سے ہلکا سا کراہا

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔۔ میں بس۔۔۔

سکندر::: تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ زبان کو دیکھ کر استعمال کیا کرو۔۔

جمشید جو ناک کو پکڑے درد سہہ رہا تھا۔۔۔ سکندر کے انداز پر اُسے دیکھنے لگا

جمشید::: معافی چاہتا ہوں بھاؤ۔۔

سکندر::: جاؤ اب یارم کو بلاؤ۔۔

سکندر جو بازو پر کپڑا باندھے کھڑا تھا جمشید کو کہتا بولا۔

سکندر::: کہاں ہیں وہ؟

جمشید::: وہ۔۔۔ اوپر کمرے میں ہیں۔

جمشید درد سے اپنے ناک سے نکلتے خون کو روکتے ہوئے بولا

جمشید::: بھاؤ میں واقع سچ کہہ رہا ہوں۔آپ یقین کرے۔۔۔۔بھابھی ۔۔۔بہت رو رہی تھی

سکندر وہاں کھڑا اپنے بازو کو پکڑے زخم کی طرف متوجہ ہوا تو بولا۔

سکندر::: ٹھیک ہے یار م۔کاظم کو بلاؤ۔۔۔۔میں مل کر آتا ہوں۔

سکندر عجیب محسوس کر رہا تھا۔۔۔وہ اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ جمشید جو سب کچھ کہہ رہا ہے اُس میں جھوٹ کی آمیزش ہے۔۔

زیمل کے انداز کی داستان اب تک سکندر کے حلق سے اتر نہیں رہی تھی۔

ملازمہ کو نیچے کی طرف آتا دیکھ سکندر فوراً سے

ایک ساتھ دو دو۔۔قدم بڑھاتے۔۔اوپر کی طرف بڑھا۔۔

ملازمہ سکندر کو دیکھ کر گھبرائی تو اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔۔یہ سوچتے ہوئے کہ کہی اب سکندر اُس پر برس نہ پڑے

سکندر ملازمہ کو رکتا دیکھ بولا۔

سکندر::: تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

ملازمہ:: می۔۔۔ می۔۔ میں۔۔۔۔ میں۔۔۔

سکندر::: میں میں ہی کرتی رہو گی یا آگے بھی کچھ بولو گی۔۔

ملازمہ؛: و۔۔۔وہ۔۔۔میں۔۔۔۔ سر۔۔۔ جمشید سے۔۔۔ آپ۔۔ کا پوچھنے جا رہی تھی۔۔

میرا مطلب ہے۔۔ کہ۔۔۔و۔۔۔ہ۔۔۔میں۔۔۔۔۔ میم۔۔۔۔ کافی دیر سے رو رہی ہیں۔

تو۔۔۔اس لیے۔۔۔اُن سے پوچھنے جا رہی تھی۔

سکندر کو اب لگا تھا کہ جمشید اپنے کسی پلان کو سر انجام نہیں دے رہا تھا بلکہ سچ کہہ رہا تھا۔

دل زوروں سے دھڑکا تھا۔۔۔۔ شاید بہت سالوں کے بعد اُس نے کسی کو خود کی پریشانِی میں روتا سنا تھا۔

اور پھر بول

سکندر::: مگر۔۔

چلو تم جاؤ یہاں سے میں دیکھ لیتا ہوں۔

اور پھر ایک لمبی سانس لیتا۔۔۔ایک جھٹکے سے کمرے کے دروازے کو کھولتا اندر کی طرف چلا گیا

تو سامنے کا منظر یوں تھا کہ ہر طرف سکندر کی بھیجی چیزیں موجود تھیں۔

اور جس کی وہ چیزیں تھیں۔۔۔وہ چہرے کو چھپائے شاید رونے میں مصروف تھی۔

زیمل بیڈ پر بیٹھی۔۔۔۔ سر کو ہاتھوں کے گھیرے میں دیے بیٹھی خاموش تھی۔اور آہستہ سے رونے کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

سکندر کے دروازہ کھولتے ہی۔۔۔۔ ملازمہ ایک جھٹکے سے زیمل کے ارد گرد سے دور ہو گئیں۔

سکندر کا چہرہ ہی اُن کے جھٹکوں کی خاص وجہ تھا۔

سکندر وہاں کھڑا اب تک خاموش بیٹھی زیمل کی سسکیوں کو سن رہا تھا۔

اُسے اب تک آپنے کانوں سے لگتی یہ آواز حقیقت نہیں لگ رہی تھی۔

سامنے کا منظر دیکھ سکندر خود سے مخاطب ہو کر بولا

سکندر::: میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔۔۔ کہ آخر ایسا کیا ہوا ہے۔

کہ وہ لڑکی جو مجھ سے نظریں اٹھا کر بات نہیں کر سکی

اپنے جواب کو صرف ہاں لفظ پر محدود کر گئی۔۔ وہ لڑکی جو اپنی بات کہنے میں ہچکچاتی ہے اور خاموش لفظوں کی مار مجھے مارتی ہے وہ لڑکی۔۔۔ صرف اُس سے دو گھنٹے کی دوری میں اتنی بدلی کیوں معلوم۔ ہو رہی ہے۔

یہ فکر۔۔۔ یہ رونا۔۔۔ کیا واقع میرے لیے ہے۔۔

یہ ماننا سکندر کے لیے زمین آسمان کے ایک ہونے جیسا تھا جو بات ہر لحاظ سے ناممکن تھی۔

سکندر کو دیکھتے ہی جو چار ملازمہ زیمل کے پاس موجود تھی۔۔۔

سکندر کے اندر داخل ہوتے ہی زیمل سے دور ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔۔۔ جیسے سکندر اُن کی موت کا پروانہ لایا ہو۔

ملازموں کے زیمل سے دور ہونے پر بھی زیمل کسی طور وہاں موجود حالات میں تبدیلی پر متوجہ نہیں ہوئی تھی

جو لوگ زیمل کا یہ انداز دیکھ رہے تھے وہ زیمل کے اس انداز کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔۔

مگر اب تک جو یقینی اور نا یقینی کے پل پر کھڑا تھا وہ سکندر صالح تھا۔۔۔جو یہ منظر دیکھ کر بھی اس کو حقیقت ماننے کے لیے راضی نہ تھا۔

سکندر حیران تھا اور بے یقینی کی کیفیت میں۔ مبتلا تھا۔۔۔

ایک اشارے سے ملازموں کو باہر کا راستہ ناپنے کا کہتا وہ بیڈ پر بیٹھی اُس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو کچھ دیر پہلے اُس سے فون پر بات کرنے کی بھی ہمت نہیں جٹا پا رہی تھی۔۔۔کیا وہ میری زیمل تھی یا یہ۔۔میری زیمل۔ہے

سکندر کا دل اُس سے مخاطب ہو کر بولا۔

قدموں کو آہستہ سے بڑھاتا سکندر اُس کی طرف بڑھا۔

جو نجانے کس اُداسی کو خود پر طاری کرتی یہ بے یقینی کا منظر ہر کسی کے لیے قائم کر رہی تھی۔

قدموں کے بڑھنے پر بھی زیمل کسی طور آس پاس کی حرکت پر متوجہ نا ہوئی
--

سکندر کا زیمل کی طرف بڑھنا اُسے ایک گہرے حیرانگی کے سمندر میں ڈبو رہا تھا۔

اور پھر زیمل۔ کے پاس چار قدموں کے فاصلے پر کھڑا سکندر ہاتھوں کو باندھے بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ شاید وہ اب تک خود کو اس حیران کن کیفیت کا یقین دلا رہا تھا۔

اور پھر آہستہ سے زیمل سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر:::: ز۔۔۔ زیمل۔۔۔ آپ۔۔۔ رو۔۔۔ رہی ہیں۔۔۔ ؟؟؟

سکندر نہ جانے کس ہمّت سے وہاں کھڑا زیمل۔ کے اس انداز کو دیکھ رہا تھا۔

زیمل کا دماغ اُسے ہوش کی دنیا کی بجائے کسی اور ہی دنیا میں کھینچ لے گیا تھا ۔۔۔اسی لیے۔۔۔وہ جس کی وجہ سے اِس کیفیت میں گر چکی تھی۔۔۔اُس کی آہٹ اور بھی متوجہ نہیں ہو سکی تھی۔

اُس کا روتا چہرہ تو سکندر اب تک دیکھ ہی کہاں سکا تھا۔۔۔۔وہ تو اب تک اُس کے جھکے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

اور خود کو اس کیفیت کا یقین دلا رہا تھا جو اُسے اِس موقعے کو خواب کا روپ سمجھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

سکندر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اُسے خود کی طرف متوجہ کیسے کرے۔۔۔

اور پھر ہاتھوں میں جسم کی ساری طاقت کو اکھٹا کرتے اُس نے زیمل کی طرف بڑھایا۔

ہاتھوں میں ایک لڑکھڑاہٹ تھی جو سکندر کو اُس کے نا محرم ھونے کا احساس زیمل کی طرف دلا رہی تھی۔

ورنہ سکندر کو دنیا میں کسی چیز کی روک نہ تھی۔۔۔ جس طاقت کو وہ ہاتھوں میں رکھتا تھا وہ اُس کام کو بنا سوچے کر جاتا تھا۔ مگر آج سوچ تو تھی۔۔ پر ہاتھوں میں طاقت سامنے والی کی حیا سے گھٹ گئی تھی۔

سکندر نے اچانک ہاتھ میں مضبوطی لاتے ہوئے خود کو سکندر صالح کے نام سے پکارا اور بولا۔

سکندر ':: صرف اُسے ہوش میں لانے کی خاطر۔۔۔۔ سکندر صالح۔۔

زیمل کے بازو پر ہاتھ رکھتے سکندر کا دل اتنی زوروں سے دھڑکا تھا کہ پل میں اچھل کر باہر گر جاتا اگر وہ ہاتھ کو فوراً سے زیمل سے دور نہ کرتا۔

سکندر کے جھٹکے سے ہاتھ رکھتے اور جھٹکے سے پیچھے کرتے زیمل ہوش کی دنیا میں آئی تھی۔

یوں اچانک کسی کے چھونے پر وہ ایتان کی حرکت کو یاد کر بیٹھی۔

اور ایک ہی پل میں کمرے کے دروازے کی طرف بھاگی یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ سامنے والا شخص بے شک بے رحم ہے مگر بے غیرت ہر گز نہیں

وہ یہ بھی دیکھ نہ سکی کہ سامنے کھڑا شخص سکندر صالح ہے۔۔۔ جس کی موت کا خوف اُس کے دل میں ایسا بیٹھا ہے کہ وہ ہوش و حواس کچھ کھو بیٹھی ہے۔

زیمل کا یہ انداز سکندر کی سوچ پر قبضہ کر گیا۔۔ تھا

اور زیمل کے یوں دروازے کی طرف بھاگنے پر سکندر ایک پل کے لیے حالات کو سمجھنے لگا۔۔۔ تو دوسرے ہی پل میں زیمل کو روکتا دروازے کی طرف بھاگا۔۔۔

اور ایک فاصلے سے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

زیمل جو نور سے چہرے پر لگی سمندر سے گہری آنکھوں میں بہتے انسوں لیے کھڑی تھی اچانک سکندر کو سامنے کھڑا دیکھ ہوش کی دنیا میں آئی۔۔

سکندر اُس کے انداز کو دیکھ کر پہلے ہی اس قدر حیران تھا کہ اُسے یہ منظر کسی خواب کے زیرِ اثر معلوم ہو رہا تھا۔۔

مگر اب اُسے زیمل کی سوجھی آنکھوں میں اتنے گہرے انسوں دیکھ کر دل میں تکلیف ہوئی تھی۔

وہ یہ چہرہ ایسا چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔

وہ تو اُس چہرے پر اپنی مسکراتی۔۔۔۔۔دنیا کو چھوڑ کر گیا تھا۔۔۔ مگر وہ تو کسی طوفان کے اثر سے بکھری معلوم ہو رہی تھی۔

زیمل کی آنکھوں میں بہت سے لوگوں کو کھو دینے کی اُداسی کے ساتھ سکندر کے کھو جانے کا ڈر تھا۔

جسے وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔۔۔ وتو اب تک خود کی یہ کیفیت بھی محسوس نہیں کر پائی تھی جس نے سامنے کھڑے سکندر کو اتنا حیران کر دیا تھا۔

زیمل جو عجیب سے انداز میں سکندر کو دیکھ رہی تھی جو اُس کی طرف دنیا میں حیران کن لوگوں کی طرح اُسے دیکھ رہا تھا۔۔۔ لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ۔۔ مخاطب ہوتی بولی۔

زیمل::: آ۔۔۔۔آ۔۔۔۔پ۔۔۔؟؟

سکندر جو حیرانگی سے زیمل کے اس انداز کو دیکھ رہا تھا۔نہ سمجھی سے زیمل کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔۔۔

تو زیمل نظروں میں سب بتاتی رو دی۔۔

شاید لفظوں میں وہ طاقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ دل کی کیفیت کو سمجھا سکے یہ کام صرف خاموشی میں بہتی آنکھوں کا ہے۔۔کیوں کہ دل کا عکس اگر انسان دیکھنا چاہے تو صرف مقابل کی آنکھوں کی زبانی دیکھ اور سن سکتا ہے۔۔

سکندر کو اپنے قدم سامنے کھڑی اُس کی زیمل کی آنکھوں میں دکھتے انسوؤں پر دبتے محسوس ہوئے۔۔

زیمل کی آنکھیں اُس کا درد۔۔۔اُس کا خوف۔۔۔وڈر۔۔ہر چیز سکندر کو بیان کر رہی تھی۔۔۔جو زیمل کی زبان میں کہہ دینے کی ہمت نا تھی۔مگر پھر سکندر کے بازو کی طرف متوجہ ہو کر روتی آواز پر لڑکھڑاتے ہوئے بولی۔

زیمل:: آ۔۔پ۔۔آپ۔۔۔کو۔۔۔گو۔۔لی۔۔۔لگی۔۔ہے۔

اُس کی معصوم آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سکندر کا دل چاہا کہ خود کو وہی دفن کر دے۔

وہ جان گیا تھا کہ زیمل گولیوں کی آوازوں کو سن کر اس خوف میں مبتلا ہو گئی ہیں۔

ایک کہ بعد ایک انسوں زیمل کے سکندر کے بازو کو دیکھ زمین پر گرنے لگے تو سکندر کسی گناہ گار کی طرح گھٹنوں کے بل سر کو جھکا کر بیٹھ گیا۔۔

اُس کا دل اس قدر اُس کی زیمل کو یوں دیکھ کر تڑپ رہا تھا۔۔۔ کہ اُس کا نا محرم ہونے کا رشتہ اُسے خود کے سینے سے لگانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔۔

ورنہ اُس کے آنکھوں میں انسوں کو سکندر چن کر اپنے دل کے زخموں پر رکھ دیتا۔۔

سکندر کے یوں قدموں پر گرنے پر زیمل ایک قدم پیچھے کو ہوئی۔۔۔ تو سکندر بولا۔

سکندر::: آپ کی آنکھوں میں یہ دکھتے انسوں سکندر صالح کو جہاں پہلی بار آدھی موت دے گئے تھے۔۔

وہی ان آنکھوں میں دکھتی یہ فکر۔۔۔ آج سکندر صالح کو نئی زندگی دے گئی

ہے۔

میں آپ کا گناہ گار ہوں۔۔۔۔ آپ کی آنکھوں میں آتے آنسوؤں کا مجرم

۔۔۔۔

آپ سزا دینے کا حق رکھتی ہیں زیمل اور۔۔۔۔ میں سزا کاٹنے کی حیثیت۔۔

خدا کی قسم اگر آج آپ مجھ سے میرا دل سینے سے نکال کر آپ کے

قدموں۔میں رکھنے کو بھی مانگے گی تو سکندر صالح اپنے سینے کو چیر کر آپ

کے قدموں۔میں ڈھیر کر دے گا۔

مگر ان آنسوؤں میں دیکھتا خود کا ایک مجرم وجود۔۔۔ اور اسی جرم کی فکر میں

شامل لاتعداد اندیشوں میں میری موت کی کہانی کو دیکھنا میرے بس میں

نہیں ہے

میں آپ سے معزرت کا بھی طلب گار نہیں ہوں۔۔۔آپ کی آنکھوں میں انسوں لانے والا مجرم ہو میں۔

آپ مجھے سزا دیں

زیمل کے انسوں جو سکندر کے پاس گرے تو سکنڈر اپنی بات کو کہتا مزید بولا۔۔

سکندر::::: آپ کو اُس خدا کا واسطہ ہے۔۔ان انسوں کو گرنے سے روک لے۔۔۔ورنہ۔۔۔۔یہ سکندر صالح جو آج آپ کے قدموں میں شرمندہ پر زندہ بیٹھا ہے کہیں۔۔۔یہ انسووں اور یہ دن۔۔۔میری موت۔۔۔۔۔کا سبب نہ بن جائے۔

آپ کی آنکھوں۔میں انسوں نہ لانے کا میں نے عہد امی نے آج ہی کیا تھا۔

اور آج ہی اُس عہد کو ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

زیمل جو سکندر کے اس انداز اور باتوں پر ایک کے بعد ایک انسوں بہا رہی تھی۔۔۔۔ہاتھوں سے چہرے کو صاف کرتی دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

زیمل خاموش تھی۔۔۔آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کی روانی میں زیادتی تھی۔

سکندر جو سر کو جھکائے بیٹھا تھا زیمل کے دو قدم پیچھے ہٹانے پر بولا۔۔

سکندر:::: دور۔۔۔مت۔۔۔جائیں۔۔۔۔یہ سزا سکندر صالح کی برداشت سے کہی زیادہ مشکل ہے۔

زیمل سکندر کی بات پر اپنے قدموں کو روک گیئ۔۔۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر سکندر کی باتیں اُسے خود کے اس انداز اور شرمندہ کر گئی تھی۔۔

سکندر::: کیا آپ کی خاموشی میری سزا ہے؟؟؟

زیمل سکندر کی بات پر ہولے سے بولی۔

زیمل::: می

۔۔۔۔میں۔۔۔آ۔۔۔پ۔۔۔آ۔۔۔پ۔۔۔۔سے۔۔۔بہت۔۔۔۔ش

.رمندہ ہوں

سکندر زیمل کی بات پر نہ سمجھی سے اُسے محبت سے دیکھنے لگا جو چہرے پر سرخ ناک لیے۔۔۔اپنے آنسوؤں کو۔روکے سکندر کے مقابلے میں گھٹنوں بیٹھتے اپنی شرمندگی کا کہہ گئی تھی۔۔

نظروں کو جھکائے وہ اپنی بات کو جاری رکھتی روتی آواز میں بولی۔

زیمل::: می۔۔۔میں۔۔۔۔۔بو۔۔۔۔۔بہت۔۔۔۔۔۔۔ڈ۔ر۔۔۔۔گئی تھی۔۔

سکندر اُس کی بات کو بہت محبت اور عقیدت سے سن رہا تھا۔۔

جو نظروں کو جھکائے اپنے خوف کو سکندر کے سامنے بیان کر رہی تھی۔

زیمل::: می۔میں۔۔۔۔نے۔۔۔بو۔۔۔۔بہت۔۔۔۔سی

۔۔۔۔چیخوں۔۔۔کی۔۔۔اوازوں۔۔۔کو۔۔سنا۔۔۔

بہت۔۔۔زیادہ۔۔۔۔گولیوں۔۔۔کی۔۔۔آواز۔وں۔۔۔۔کو بھی۔۔

می۔۔میں۔۔۔۔ڈر۔۔۔گئی۔۔۔تھی۔

یہ کہتے زیمل کی آنکھوں میں بہت سے انسو جمع ہو گئے

جسے۔۔۔ سکندر مسکراتا دیکھنے لگا۔۔۔ وہ انسوں۔۔۔۔ سکندر کے کھو جانے کے خوف کو واضح کر گئے تھے۔۔۔

سکندر اُس کی جھکتی نظروں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

سکندر:: میں دل سے آپ سے اس بات کی معزرت کرتا ہوں۔۔۔ خوشی کے انسو سکندر کی آنکھوں میں بھی جمع ہوئے تھے جنھیں زیمل جھکی نظروں کے باعث دیکھ نا سکی تھی۔

اور پھر اپنی بات کو۔ جاری کرتا بولا۔

زیمل۔۔۔ آپ اپنے دل میں موجود ہر برے اندیشے کو نکال دیں۔۔۔

میں آئندہ کبھی یہ تکلیف آپ پر نہیں آنے دوں گا۔

n سکندر صالح کی یہ غلطی پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر دیں۔

زیمل کا خوف بجا تھا۔۔۔ جو زندگی میں بہت چھوٹی عمر میں بہت سے رشتوں کو کھو چکی تھی اُس کے لیے نئے رشتے کی شروعات سے پہلے ہی یہ سب سننا

اُسے جس طرح سکندر کی موت کی تصویر دیکھا رہا تھا وہ اُسے اُس کے ہوش میں نہ رہنے کے لیے کافی تھا۔

زیمل زمین سے اٹھی تو سکندر بھی کھڑا ہو گیا۔

زیمل کی آنکھوں میں سوجن تھی۔۔۔ ناک لال تھی۔

پر چہرہ پر سکون معلوم ہوا تھا۔۔

شاید وہ سکندر کو دیکھ کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔۔ جس تصویر کو اُس نے گولیوں کی آواز پر اپنے ذہن میں نقش کیا تھا۔

وہ تصویر سکندر کے سامنے ہونے پر دھندلی ہو چکی تھی۔

سکندر زیمل۔ کی خاموشی کو۔ سنتا بولا۔

سکندر::: کیا آپ اپنی سزا آج سنائے گی؟

زیمل سکندر کی بات اور کچھ شرمندہ ہوئی تو بولی۔

زیمل:::: نہیں۔۔۔۔ میں آپ کو۔۔۔ کیوں سزا دوں گی۔۔

زیمل کی بات پر کمرے کے کھولے دروازے پر دستک ہوئی تو ملازمہ اندر داخل۔ہوتے بولی۔۔

سر... ڈاکٹر یارم کاظم۔۔۔آگئے ہیں۔

زیمل ملازمہ کی بات سکندر کے بازو کی طرف متوجہ ہوئی۔۔۔

چہرے پر اُس کے فکر واضح تھی۔۔۔جو سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھ چُکا تھا۔

اُس کا دل اُس فکر کو دیکھتے بہت زوروں سے دھڑک رہا تھا۔۔

بہت سالوں کے بعد یہ فکر اُس نے خود کے لیے کسی میں محسوس کی تھی۔

اور پھر ملازمہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر::: ٹھیک۔ہے۔۔۔جاؤ۔۔۔

سکندر کے بولنے کا انداز زیمل سے بات کرتے انداز سے بہت مختلف تھا۔

اور پھر زیمل سے مخاطب ہوتا بولا

سکندر::: میں۔۔۔کچھ۔۔۔دیر میں آتا ہوں۔۔

اور یہ کہتا وہ مورا تو اُسے زیمل کی نظریں خود کے بازو پر محسوس ہوتی معلوم ہوئی تو وہ دوبارہ سے زیمل کی طرف موڑتا دیکھ بولا۔

سکندر::: آپ پریشان نا ہو زیمل۔یہ تکلیف آپ کے آنسوؤں کو دیکھ کر میرے دل پر لگی ضرب سے زیادہ نہیں ہے۔

یقین کریں سکندر صالح اس سے زیادہ تکلیف کو سہہ چکا ہے

آپ فکر نہ کریں میں بلکل ٹھیک۔ہوں۔

اور پھر سکندر زیمل کے چہرے کی طرف مسکراتا دیکھ چلا گیا۔

سکندر کی زندگی کا سب سے خوبصورت منظر اُن سمندر سے گہری آنکھوں میں خود کے لیے وہ فکر تھی جو آج دس سال بعد سکندر کی آنکھوں میں خوشی کی ایک لگن چھوڑ گئے تھے۔۔

نیچے اترتا سکندر کچھ الگ معلوم ہو رہا تھا۔

جمشید::::بھاؤ۔۔۔وہ یارم آگیا ہے۔

سکندر:::یہ کھولو۔

سکندر بازو سے اُس سفید دوپٹے کو اُتارنے کا حکم دیتے

جمشید سے بولا۔

جمشید اُتارنے کے لیے آگے بھر کر بولا

جمشید:::بھاؤ۔۔۔۔۔گولی چھو کر گزری ہے پر زخم گہرا ہے۔

سکندر:::ٹھیک ہوں میں۔۔

جن بچے کچے زندہ ادمیوں کو پکڑا ہے اُن کی کھال اُدھیر کر اُنہیں واپس اُن کے مالک بروں ہلڈ لوکس کے پاس شاندار طریقے سے بیھجوانا ہے۔ سمجھے

۔۔۔

جمشید::جی بھاؤ۔۔

سکندر:::انتظامات کہاں تک پہنچے ہیں۔

جمشید::: بھاؤ بس کچھ کام رہ گیا ہے اور آپ نے بتایا نہیں کہ کن لوگوں کو بلانا ہے۔

سکندر:::: کسی کو نہیں بولنا۔۔۔اب ایک کام کرو۔۔۔یہ سارے انتظامات جو کر چُکے ہوا نہیں یہی روک دو۔اور گواہان کا انتظام کر کے رکھو۔

جمشید سکندر کی بات پر خاصا حیران ہوا۔۔۔ جس بھاؤ نے اُسے یہ انتظامات کرنے کو صبح چھے بجے لگایا تھا وہ سب انتظامات کو جواب تک مکمل ہونے کے در پر تھے۔۔اُن کاموں کو روک دینے کا کہہ چکا تھا۔۔۔

جمشید:: مگر بھاؤ۔۔وہ۔۔۔۔ کھانا بھی تیار کروادیا گیا ہے۔

سکندر:::: ''''''''''عمل '''''''میں بھجوادو۔

ال عمل غزہ میں موجود ایک یتیم خانہ ہے جو اٹلی کے ساتھ مل کر یہ ادارہ چلا رہا ہے۔

سکندر کی اس ادارے سے خاصی وابستگی تھی۔اپنی ماں اور بہن کے ساتھ اُس نے اسی جگہ پر ہی تو زندگی کے دو ماہ گزارے تھے۔

جمشید:::::جی بھاؤ۔۔۔۔۔ٹھیک ہے۔۔

اور پھر مزید بولا۔۔۔۔

بھاؤ۔۔

یارم بھی آگیا ہے۔

سکندر سفید دوپٹے پر لگے اپنے خون کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔

سکندر:::: جمشید اسے میرے کمرے میں رکھوا دینا۔

اور پھر یہ کہتا وہ گھر کے باہر کی راہ داری کی طرف چل دیا۔

اور جمشید جاتے ہوئے سکندر کو صرف ہمیشہ کی طرح

صرف جی کہہ سکا۔

یارم جمشید کا بہت اچھا دوست تھا۔۔۔یارم کاظم کو سکندر زبردستی اپنے ساتھ لایا تھا۔۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ یارم کی سکندر کے ساتھ آنے کی مرضی شامل نہیں۔۔

گھر کے باہری حصے کی جانب ایک حال نماں کمرے میں جہاں بہت سے جھومروں سے کمرے کو روشن کر کے۔۔اور۔۔۔صوفوں سے تین حصوں میں اُس کمرے کو بانٹ کر اُس کمرے کی رونق کو بڑھایا گیا تھا۔

اس پاس بڑی بڑی شیشے کی دیواروں کی لمبائی تک کھڑکیاں تھیں۔جو کمرے کو باہری روشنی سے روشن کر رہی تھیں۔۔

سکندر کمرے میں داخل ہوا تو یارم کھڑا ہو کر ہاتھ بڑھانے کی غرض سے بولا۔

یارم:::::سلام۔۔

سکندر نہایت نظر اندازی کے انداز میں بنا ہاتھ ملائے جمشید کو پکارتے بولا۔

سکندر:::::جمشید۔۔۔۔۔باقی لاشوں کو ٹھکانے لگا دینا۔۔

یارم کاظم سکندر کی بات پر خاصا چڑا تھا اور پھر بول

یارم::::آپ کے بازو سے خاصا خون نکل رہا ہے بہتر ہے آپ پہلے بازو کی مرہم پٹی کروالیں

سکندر دوبارہ سے نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: آپ یہاں کیسے۔۔۔ڈاکٹر۔۔۔۔ کیا نام تھا آپ کا۔۔۔

یارم کاظم کی برداشت پہلے ہی زبردستی یہاں آنے پر ختم تھی۔۔۔۔کیوں کہ جن دنوں میں سکندر کے کہنے پر جمشید یارم کو یہاں ساتھ لایا تھا وہ اُس کے شادی کے دن تھے۔

اور پھر بولا۔۔

یارم:::: میرا نام یارم کاظم ہے۔۔۔۔ بھاؤ

سکندر:::: ہاں ہاں۔۔۔۔وہی۔۔۔ چلیں جس کام۔کے لیے آئے ہیں وہ کر لیں۔۔

یارم سکندر کی بات پر فوراً آگے بڑھتا ہوا زخم کو دیکھنے لگا۔۔اور پھر بولا۔

یارم:::: جسم کے کون سے حصے کے زخموں کو ٹھیک نہیں کیا آپ کے۔۔۔

سکندر:::: ظاہری زخموں پر وقتِ مرہم رکھنا ہر کسی کے بس میں شامل نہیں ہوتا ہے کاظم۔۔

یارم::: مگر یہ زخم اس قدر گہرا تو نہیں ہے کہ آپ کو مجھے بلانے کی ضرورت پیش آئی ہو۔

سکندر ہنستے ہوئے بولا۔

سکندر:::: یہ تو نمائشی دکھاوا ہے جو پیشے قدم پر کسی کی فکر کو بڑھانے میں آگ سا کام کرتا ہے۔

یارم زخم کو صاف کرتے ہوئے سکندر کے ماس کو سینے لگا تو سکندر کے جواب پر بولا۔

یارم::: زخموں کو سیچنا فکر کو نہیں درد کو بڑھاتا ہے جس فکر کو بڑھانے میں یہ زخم کی نمائش کا سوچا جا رہا ہے کہی مقابل کے درد میں اضافہ نہ کر دے۔

سکندر یارم۔ کی بات پر۔ بنا کسی تاثر کے بولا۔

سکندر::: جو درد جانتے ہیں وہی فکرِ سخن میں مبتلا ہوتے ہیں اور درد فکر کو جنم دیتا ہے

۔۔۔۔ فکر درد کو نہیں۔

جہاں درد ہوتا ہے وہی فکر حاصل ہوتی ہے۔۔

اور ایسا درد احساس کا یقین دلاتا ہے۔۔۔۔ جو تم۔۔۔پڑھے لکھے ڈاکٹروں کے بس کی بات نہیں۔

یارم::::: زخموں کا علاج ہمارا کام۔ہے۔

مرہم رکھنا ہرگز نہیں

ہم علاج کر کے لوگوں کی جانوں کو بچاتے ہیں۔۔۔۔لاشوں کو ٹھکانے نہیں۔

سکندر::: ڈاکٹر بھی ہماری طرح ہوتے ہیں۔۔

پیسوں کی خاطر علاج کے نام پر انسان کو کاٹ دیتے ہیں۔۔

اور پھر اُنہیں کی لاشوں کو ٹھکانے لگاتے ہوئے واڈ میں بھیج دیتے ہیں۔

یارم::: سبھی ایک سے نہیں ہوتے۔۔۔

سکندر:::: ہاں شاید۔۔۔۔پر ایسے کرداروں کی فہرست بہت لمبی ہے۔۔

یہ تو تم اچھے سے جانتے ہو۔۔

یارم خاموشی سے سکندر کی بات پر متفق ہونے کا انداز اختیار کر گیا۔

یارم: زخم کو ہمیشہ کی طرح پانی سے دُور رکھیے گا۔

سکندر::: پانی زخم کی گہرائی کو بیان کرتے ہیں۔

پانی سے ہی تو معلوم پڑتا ہے کہ کون سا زخم کس قدر گہرا ہے اور تم مجھے اُسی سے دور رہنے کا کہہ رہے ھو۔

یارم::: زخم کی گہرائی کے درد کو سہنے سے بہتر ہے کہ آپ زخم کو بڑھنے دے۔۔۔زخم کو ٹھیک ہونے دے۔۔۔زخم بڑھ جائے گا تو اُس تکلیف کاناموں نشان نہیں چھوڑے گا

بہتر یہی ہیے کہ آپ اُسے مزید نہ خروچے۔۔۔

سکندر::: مگر جو درد روح کی تسکین ہو اُنہیں خود سے دور کرنا ضمیر کے ہاتھوں خود کو موت دینا ہے۔

جو درد روح میں ایک بار اتر جائے اُسے خود سے جدا کرنا بے وفائی کہلائی جاتی ہے۔

اور سکندر صالح تو اپنا ایک پیسہ کسی کو معاف نہ کرے یہ تو پھر بھی میرا وجود میں سیچا درد ہے جو میرے سینے میں پلتا ہے

یارم:::: مگر۔۔

سکندر:::: خیر۔۔۔۔ یہ ہو گیا ہے۔۔۔۔ تم جا سکتے ہو۔۔

یارم کاظم سکندر کے دوٹوک جواب پر خاموش ہوا اور پھر بولا۔

یارم:::::: بہتر ہو گا اس چھوٹے زخم کو پانی سے دور رکھیے گا۔۔۔۔ اور بندوقوں کی نوک سے نکلی گولیوں سے بھی۔۔

سکندر یارم کی طرف دیکھنے لگا تو کچھ دیر تکتا رہا۔۔

یارم کے دل میں سکندر کے یوں دیکھنے پر کچھ خوف پیدا ہوا۔۔ تو سکندر بولا۔

سکندر:::: جمشید کو کہو کہ تمہاری فلائٹ پاکستان کی کروادے۔۔

یارم کاظم ایک پل سکندر صالح کو نہ سمجھی سے دیکھنے لگا

یارم::: ک۔۔۔ کیا

سکندر::::اب تم جا سکتے ہو۔

یارم:::: مگر۔۔۔

سکندر:::: میں نے کہا جاؤ۔۔۔ یہاں سے۔

یارم:::: پر بھاو

سکندر:::: جاؤ

یارم سکندر کی بات پر خوش ہونے کی بجائے حیران تھا۔۔

کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ سکندر صالح اُسے اپنے ساتھ پوری ضد کے ساتھ لایا تھا۔۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس کا اُسی ہفتے نکاح تھا۔

یارم کاظم ہی وہ شخص تھا جس کے پاس سکندر کی بہن کو اپنی زندگی کے آخری وقت پر لایا گیا تھا۔

گولی بلکل دل کے قریب واقع خون کی نالیوں کو بہت برے طریقے سے نقصان پہنچا چکی تھی۔ جس وقت روشانے یعنی سکندر کی بہن اپنی آخری سانسوں کے در پر تھی۔۔۔ اُس وقت یارم کاظم وہ شخص تھا جس نے سکندر

کی بہن کا علاج سکندر کے اپنے ویلہ دی بلیک ویلہ۔۔۔میں کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

کوئی نہیں جانتا کہ اُس وقت ایسا کیا تھا کہ یارم کاظم سکندر کے مقابل کھڑا صاف الفاظ میں اُس کی بہن کی زندگی کو بچانے سے انکار کر گیا۔۔۔

جو لوگ اُس قصے سے واقف تھے وہ اُس بات کو اُس منظر اور بہت سے بے جواب سوالوں کو مٹی کی خاک میں روشانے۔۔۔۔۔۔کے ساتھ دفن کر چُکے تھے۔۔

یارم یہ سنتا وہاں سے چلا گیا۔۔۔جبکہ سکندر کسی یاد کے ساتھ آنکھوں کو بند کرتا بیٹھ گیا۔

((((یاد

روشانے::::بھائی۔۔۔ہم واپس پاکستان کب جارہے ھیں۔۔

سکندر جو بیٹھا کافی تھکا معلوم ہو رہا تھا بہن کی بات پر کوئی جواب نہ دیتے ہوئی خاموش رہا۔

روشانے::::: بھائی۔۔۔۔۔آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے۔۔۔

سکندر:::: تم کہاں سے آ رہی ہو ابھی؟؟؟؟

سکندر خاصے روب دار لہجے کے ساتھ بولا۔

روشانے'::::م۔۔۔۔میں۔۔۔۔میں۔۔میں۔۔وہی تھی۔۔

سکندر:::: کہاں؟؟؟؟

روشانے: میں روزی کے ساتھ پریکٹس کے لیے گئی تھی۔

روشانے سکندر کے ساتھ جرمنی کے شہر برلن میں سکندر کے ساتھ آئی تھی۔

سکندر خاصا سخت طبیعت کا مالک تھا۔۔۔۔

اور اپنی بہن سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔

اسی لیے اُس نے فرنیز نامی مارشل آرٹ میں ٹریننگ کے لیے روشآنے کو اجازت دے دی تھی۔

سکندر::::روزی کے ساتھ؟؟؟؟

روشانے::::جی۔۔۔۔

سکندر::::تو باڈی گارڈز کو واپس کیوں بھیجا تم نے؟؟؟

روشانے::::وہ میں۔۔۔۔۔نے۔۔۔بھائی۔۔مجھے اتنی سیکیورٹی کی ضرورت نہیں ہے۔

سکندر::::میں نے تمہیں کتنی دفع سمجھایا ہے۔تم میری بات پر کیوں دیہان نہیں دیتی۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے تمہارا بھائی بیوقوف ہے جو یہ سب کرتا ہے۔۔

اچانک سکندر کا لہجہ سخت ہونے کے ساتھ اونچا ہوا تو روشانے کا چہرہ ڈر میں مبتلا ہو گیا۔۔۔جسے سکندر ایک۔پل میں محسوس کرتا اپنے غصے کو خود سے دور پھینکتے ایک لمبئ سانس بڑھتا بولا

سکندر::::اِدھر آؤ۔۔۔میرے پاس آکر بیٹھو۔۔

سکندر:::: یہ میں سب تمہاری فکر میں کرتا ہوں۔۔۔۔روشانے۔۔۔میں تمہیں کسی طور پر کھونا نہیں چاہتا۔۔۔

میرا تمھارے سوا کوئی نہیں ہے

یہ دنیا کسی کی سگی نہیں ہوتی۔۔۔اور یہ بات میں تمہیں بار بار سمجھ چُکا ہوں۔

یہ سب میں تمہاری فکر میں کرتا ہوں۔۔میں تمہارا بھائی ہوں۔۔۔اور میں تمہیں کسی طور کھونے کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا

تم جانتی ہو کہ جس کام کو میں کر رہا ہوں۔۔اُس میں مُجھ سے جوڑے لوگوں کی زندگی بھی جوڑی ہے۔

کب کون سے دشمن سے مقابلہ ہو جائے کون پیٹھ پر خنجر خونپ دے میں نہیں جانتا۔۔

مگر میں نے تمہیں اپنی اولاد کی طرح چاہا ہے۔۔

تم جانتی ہو۔۔۔کہ تم میری سب سے بڑی کمزوری ہو

اور میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات مان کر میری طاقت بنو۔۔۔ کمزوری نہیں

روشانے::::: بھائی۔۔۔ میں جانتی ہوں۔۔۔ آپ میری فکر مت کیا کریں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔۔ اور اب میں بچی نہیں رہی۔۔۔

میں اپنی حفاظت کے لیے ہی تو یہ فائٹنگ سکیل سیکھ رہی ہوں۔۔

میں جانتی ہوں کے آپ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔۔ مگر اتنے باڈی گارڈ کے ساتھ گھومنا مجھے عجیب لگتا ہے۔

پھر بھی۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ کبھی میں آپ کی کمزوری بنو۔۔

میں بھی آپ سے بہت پیار کرتی ہو۔۔۔ اور آپ کو تکلیف یا کسی قسم کی پریشانی نہیں دینا چاہتی۔

مگر یہ یاد رکھے اب آپ کی روشانے کوئی بچی وچی نہیں رہی۔۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔۔۔ اور پورے بیس سال کی۔۔۔ ھونے والی ہوں۔۔

سکندر:::: مگر تم بچی ہی ہو۔۔۔۔۔۔۔ میرے لیے تو تم ہمیشہ وہی بچی رہو گی۔۔۔ جس نے میری انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا ہے۔

جس کو میں نے اپنے سامنے اتنا بڑا ہوتے دیکھا۔

یقین جانو تمہارا بھائی دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ چاہتا ہے۔۔

اپنے بھائی کا سر کبھی جھکنے نہ دینا۔۔۔۔ برداشت نہیں کر پاؤ گا۔۔

روشانے:::: بھائی آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں

سکندر:::: کچھ نہیں۔۔ خیر اب جاؤ جا کر فریش ہو جاؤ۔

روشانے بھائی کی بات پر اپنی جگہ پر اٹھی تو پھر موڑتے ہوئے بولی

روشانے:::::: بھائی..... ایک سوال پوچھو۔۔

سکندر جو فون سے لگا تھا۔۔ بہن کی بات پر بولا

سکندر:::: ہاں پوچھو۔۔۔۔

روشانے:::::: اب تو میں بیس کی ہو جاؤ گی۔

سکندر:::: ہاں پھر؟

روشانے:::: تو آپ بابا کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں گے

سکندر کی ایک پل میں چہرے پر سختی واضح ہو گئی۔۔

سکندر::::: تمہیں وہ سب جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔

تمھارے لیے تمہارا بھائی ہی تمہارا ہر رشتا ہے۔

اور آئندہ پھر کبھی تمہاری منہ سے اس بارے میں کوئی بات میں نہ سنو۔۔۔

جاؤاب۔۔۔ جا کر فرش ہو لو۔

روشانے:::: مگر بھائی۔

سکندر::::: جاؤ۔۔۔

سکندر جیسے اپنی بات پر خاتمی نکتہ لگا کر بات کو شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر گیا۔

اور روشانے بھائی کا یہ انداز دیکھ کر اپنے باپ کو جاننے کا تجسس خود میں مزید بڑھا گئی۔

اور پھر سکندر روشانے کے اس قدر بڑھتے تجسس کی کہانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔۔۔جو پچھلے چار سالوں سے اُس میں جنم لے رہی تھی۔

حال))))))

سکندر:::اے کاش میں اُن بے پردہ رازوں کو تم سے بیان کر دیتا تو میری گڑیا تم آج میرے ساتھ ہوتی۔

کاش تم آج اپنی سب سے بڑی خواہش کو پورا ہوتے دیکھتی

آج تمہارا بھائی شادی کر رہا ہے۔۔۔تمھارے بنا۔

وہ بھی انجان ہے مجھ سے میرے ماضی سے۔۔میرے حال سے۔

اپنے بے پردہ رازوں کی کہانی اُسے خود سنانے کی ہمت نہیں ہے تُمہارے بھائی میں۔

نہ تمہاری طرح نہ۔۔۔۔ماں۔۔۔کی

طرح۔۔۔۔اُسے۔۔۔بھی۔۔۔کھو۔۔۔دینے کی۔۔۔

یاد)))))

روشانے:::: بھائی۔۔۔جب آپ کی شادی ہو گی۔۔۔ ناتو میں نے پورے پندرہ فنکشن کرنے ہیں

سکندر:::: یہ پندرہ فنکشن کس خوشی میں؟؟

اور تمھیں نہیں لگتا کہ یہ پندرہ فنکشن کچھ زیادہ ہیں۔

روشانے::: بھائی آپ کو نہیں پاتا۔۔۔۔۔کچھ بھی۔۔۔۔۔

اب میرے اکلوتے بھائی کی شادی ہو تو میں تو پورے دھوم ڈھر کے ساتھ اپنی اکلوتی بھابھی کو گھر لاو گی۔

اور میرا تو دل چاہے تو میں تو پورا مہینہ آپ کی شادی کو انجوئے کروں۔۔

بلکہ پندرہ رہنے دے۔۔۔ ہم بیس۔۔۔ کریں۔۔۔گے۔۔۔

ہاں بلکل ٹھیک ہے۔۔۔۔ بیس کرے گے۔

سکندر بہن کی باتوں پر مسکرا رہا تھا۔۔ جو بہت شوق سے اپنے شوق اُسے بتا رہی تھی۔

سکندر:::: اچھا تو میں اگر شادی نا کرو تو..؟

روشانے:::::تو میں خود جا کر بھابھی کو بھگا لاؤ گی اور۔ گن پوائنٹ پر آپ کا نکاح کرواؤ گی۔

سکندر ایک پل میں روشانے کی بات پر حیران ہوا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا

۔

سکندر::::اور تمہیں لگتا ہے کہ تم اپنے بھائی پر گن تان کر شادی کروا سکتی

ہو۔۔

روشانے:::ہ۔۔۔۔ہ۔۔۔۔ہاں۔۔

ویسے اگر آپ کو کسی سے محبّت ہو گئی نہ تو پھر تو مجھے کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑنی۔۔۔آپ نے بس اُسے اٹھا لانا ہے۔ہائے۔۔۔۔ کتنا مزا آنا ہے

سکندر::::اچھا تو اگر وہ مجھ سے شادی نہ کرنا چاہے تو۔۔۔اور وہ نہ۔۔۔ کر دے۔۔۔۔تو۔

۔روشانے:::::ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔

سکندر:::::اچھا تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔

روشانے:::: کیوں کہ۔۔۔ میرا بھائی۔۔۔اتنا ڈیشنگ۔۔اتنا ہینڈسم ۔۔۔۔۔اتنا سمارٹ ہے۔کہ کوئی لڑکی منع کر ہی نہیں سکتی۔

سکندر:::: چلو بالفرض وہ کر دے پھر۔۔۔

روشانے:::: تو پھر اُس کی تو ایسی کی تیسی۔۔۔۔ پھر اُسے روشانے ہی اکیلے دیکھ لے گی۔

اُس کی ہمت بھی کیسے ہوئی۔

اچانک کسی خیال کو سوچتے ہوئے روشانے کا سخت لہجہ مسکراہٹ میں بدلا تو بولی۔۔۔

ویسے بھائی اگر آپ اُسے اچھے سے اپنی فیلنگز بتائیں گے۔۔۔ تو مجھے پکا یقین ہے۔۔۔ وہ انکار نہیں کرے گی۔

۔اور اگر کے بھی دیا تو میں ہوں نہ آپ کے ساتھ مل کر اُسے منائے گے ۔۔۔ پر یہاں سے جانے نہیں دے گے۔۔۔

روشانے اپنی باتوں پر اس قدر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

کہ سکندر کو اپنی گڑیا میں اپنی ماں کا کھلکھلاتا چہرہ دیکھا۔۔۔جو سکندر ویلہ میں اُن۔کی چہچہاہٹ کے ہزاروں رنگ بکھیر گئی۔

حال))))))

جمشید:::::بھاؤ۔

سکندر جو بیٹھا اپنے ساتھ کسی کا احساس محسوس کر رہا تھا۔۔

اچانک جمشید کی آواز پر خود کو کمپوز کرتا بولا۔۔

سکندر:::::یارم کو واپس بھیج دو۔

جمشید:::::ٹھیک ہے بھاؤ اور کوئی حکم۔

سکندر:::::تم بتاؤ یہاں کیا کرنے آئے ہو۔

جمشید:::::بھاؤ....وہ گوز برق یگیز۔۔۔ترکی جانے والا ہے۔

وہ وہاں خاص طور پر """"""اولکے ایمن """"""سے ملاقات کو جا رہا ہے۔

آپ۔۔۔۔اگر اُس سے پہلے ہی اُس سے ملاقات کر لیں۔۔تو

سکندر:::::ٹھیک۔۔۔۔ہے

تم ایسا کرو۔۔۔۔ کل صبح یہاں سے جانے کا انتظام۔۔۔ کرو

اور وہ۔۔مارکس کو جو کام کہا تھا اُس کا کیا بنا ہے۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔۔وہ۔۔۔

ایتان ایمت۔ (((eitan eymet)))))

اب تک مرا نہیں ہے۔۔

سکندر:::::: کیوں؟؟؟؟

جمشید:::: بھاؤوہ۔۔۔۔۔۔۔دراصل وہ

سکندر::: اب۔۔۔۔وہ۔۔۔۔وہ کیا کر رہے ہو۔۔ جمشید فوراً مدعے کی بات کیا کرو۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔ تین گولیاں لگنے کے بعد بھی بچ گیا ہے۔۔

سکندر::: کن لوگوں کو بھیجا تھا؟

جمشید:::: بھاؤوہ۔۔۔مارکس۔۔۔۔۔۔نے۔۔۔ایک اپنے آدمی کے ساتھ۔۔۔۔ڈینیئل کے بھائی کو بھیجا تھا۔۔

سکندر::::::مارکس کو بولو اُس آدمی کو فارغ کرے۔۔۔جسے یہ نہیں پتہ کہ جس کام کے لیے اُسے بھیجا ہے اُسے کیسے پورا کرنا ہے۔۔۔۔اُسے بولو اُسے ایک منٹ میں فارغ کرے یا اس سے پہلے میں اُسے دنیا سے فارغ کر دوں۔

پتہ نہیں کیسے نکمنے پال رکھے ہیں۔

ایسے چھوٹے چھوٹے کام بھی نہیں پورے کر سکتے

اور تم بھی جاؤ۔۔۔اپنی اس خبر کے ساتھ۔۔۔

جمشید::::۔بھاؤ۔۔۔وہ۔۔۔ایک بات اور کرنی تھی۔

سکندر:::اب کیا ہے؟

سکندر اکتائے لہجے کے ساتھ بولا۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ سٹیفن آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

سکندر:::: کیا مطلب۔۔۔۔ سٹیفن یہاں آیا ہے۔۔۔۔۔وہ فلسطین ہے ؟؟؟

جمشید:::: جی بھاؤ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔ فلسطین میں ہے۔۔

سکندر::: ملاقات کی کوئی خاص وجہ؟؟؟؟

جمشید:::::بھاؤوہ۔۔۔۔۔۔ سٹیفن کی بہن روزی

اور وہ اس سلسلے میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

سکندر::::روزی؟

جمشید::::جی بھاؤ۔۔۔

۔سکندر:::: ٹھیک تو پرسو صبح ۹ بجے جانے کے سارے انتظامات کر لو۔۔

آج نہیں بلکے کل۔۔میں سٹیفن سے ملاقات کرلوں گا۔

خیر تم اب جاؤ۔۔۔

جمشید:::: مگر بھاؤ۔۔۔۔وہ گیارہ بجنے والے ہیں۔۔

سکندر::::ہاں تم جاؤ۔۔۔۔۔مجھے معلوم ہے۔۔۔اور اب بنا کسی سوال کے

یا کسی خبر کو دیے یہاں سے ابھی جاؤ

اور مجھے تم سے زیادہ وقت کا پتہ ہے۔

۔اب جاؤ یہاں سے۔۔۔اپنی شکل کو گم کرو۔۔

جمشید سکندر کی بات سنتے ہی ایک سیکنڈ میں وہاں سے غائب ہو گیا۔

جب کہ سکندر اپنی جیب سے فون نکالتا بولا۔

سکندر::::ہیلو۔۔۔۔

ہیلو سر۔۔۔آپ کی چیزوں کی ڈیلیوری کچھ دیر تک ہو جائے گی

سکندر:::: کب تک۔

سر کچھ دیر میں

سکندر::: میں نے پوچھا ہے۔۔۔ کب تک۔۔ صحیح سے وقت کا بتاؤ۔۔

سر صرف دس منٹ۔

سکندر:::: ٹھیک۔۔۔اُس کے ساتھ کسی میک اپ آرٹسٹ کو بھی بھیج دیجیے گا

۔

جی سر۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔۔

اور پھر سکندر یہ کہتا فون بند کر گیا۔۔

اور پھر دروازے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے اٹھتے باہر کی طرف چلا گیا۔۔

زیمل جو کمرے میں بیٹھی خاصی خاموش تھی۔

اپنی بے چینی کو سکندر کے سامنے ظاہر کرنے پر خاصی شرمندہ تھی۔

ایک ملازمہ زیمل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

ملازمہ:::: میم۔۔۔۔۔آپ۔۔۔فرش ہولیں۔۔

زیمل اپنی جگہ سے اٹھ کر واشروم کی طرف چلی گئی۔۔

وہ خود سے سوالوں میں خاصی گم تھی۔

اور پھر انھیں آوازوں سے جوڑے اپنے تصوراتی منظر کو دیکھتے دل میں اپنے رب سے مخاطب ہو کر بولی۔

زیمل::::::اے اللہ۔۔۔۔

میں ایک ناچیز سی بندی ہوں

اور تُجھ سے بے اختیار محبت کرتی ہے۔

تو میری اس بے قراری کا سبب جانتا ہے۔

تو میرے خوف سے بھرے جذبات پر ہمیشہ میرے دل کو راحت بخشتا ہے۔

میں بہت خوش قسمت ہوں جو تجھ جیسا مہربان خدا رکھتی ہوں۔

تیری زیمل کا دل تیری محبت سے اس قدر بھرا ہوا ہے۔۔ کہ اس محبت میں روز بروز تیری رحمتوں کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

میں خوش ہوں کہ اس جہان میں میں صرف تیری احسان مند ہوں۔

ہر راہ میں تو ہی میری رہنمائی فرماتے ہے۔۔۔ تیری زیمل۔۔۔ تیرے سوا کچھ نہیں۔۔

نہ ہی زیمل تیرے سوا کچھ ہو سکتی ہے۔

حال دل بیان نا بھی کروں تو کیا فرق پڑتا ہے۔

تو تو وہ بھی جانتا ہے جو میں نہیں کہتی۔۔۔

میری زندگی کا یہ انتخاب صرف تیرا ہے۔۔۔ یہ رشتہ جو بنا کسی سوال یا کسی جواب کے بغیر قائم کرنے کی راہ پر میں چلی ہوں صرف تیری بدولت ہے۔

وہ جھلک۔۔۔۔مجھے میرے خوبصورت اور خوش گوار مستقبل کی تصویر دیکھا چکی ہے۔اور میرے انکار کو تیری رہنمائی کی بدولت اقرار میں تبدیل کروا چکی ہے۔

میں تیری بہت شکر گزار ہوں۔

((((((((جھلک

دیکھو زیمل۔۔۔۔۔یہ خواب حقیقت ہے۔ثبوت سامنے ہے۔

زیمل کمرے سے باہر کھڑی اوپر سے نیچے کا منظر دیکھنے لگی تو لاؤنج میں بیٹھے سکندر کو نیند میں جھٹکے کھا رہا تھا۔

زیمل::: بابا یہ بچہ اُن کی گود میں کون ہے۔۔

زیمل اُس نیلی آنکھوں والے بچے کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی تو فاتح بولا۔

فاتح:::: یہ بچہ تمہارا سب کچھ ہو گا۔۔۔اُس کے ہاتھ میں موجود جو لکیریں دیکھ رہی ہو۔۔۔وہ لکیریں تم سے وابستہ ہیں۔

اور پھر زیمل باپ کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔۔۔ بابا اس بات کا خواب کے حقیقت ہونے سے کیا مطلب ہے۔

کیا یہ حقیقت ہے یا پھر خواب۔۔۔۔ یہ بچا کس کا ہے۔۔۔اور آپ مجھے یہ سب کیوں دیکھا رہے ہیں

فاتح مسکراتے ہوئے زیمل کو دیکھتے ہوئے بولا۔۔

زیمل وہ سامنے دیکھو۔۔۔۔۔

اچانک آنکھوں کے سامنے کا منظر تبدیل ہو گیا۔۔۔۔

اور ایک بند دروازہ جو دیار کی نایاب لکڑی سے بنا سامنے کھڑا ہو گیا۔

زیمل:::::::: بابا یہ۔۔۔

ابھی کہ زیمل بات مکمل کرتی کہ دروازہ خود اپنے آپ کھول گیا۔

اور دروازے کے کھولتے روشنی کا سیلاب اُس جگہ کو سیراب کرتا زیمل کی آنکھوں کا منظر بھی صاف کر گیا۔

دروازے کے دوسری طرف ایک شخص مسکراتے چہرے کے ساتھ احرام باندھے زیمل کو دیکھ رہا تھا۔

چہرے پر روشنی ڈالتے ہی زیمل اُس شخص کو جان گئ

جو اُس کے بدلتے چہرے کو دیکھ اپنے ہاتھ کو زیمل کی طرف بڑھا گیا۔

وہ سکندر صالح تھا۔

زیمل::::::ب۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔

فاتح مسکراتے چہرے کے ساتھ زیمل کو واپس اُسی طرف متوجہ کر گیا۔

تو زیمل کا چہرہ۔۔۔۔ حیرانگی کے سمندر میں ڈوب گیا۔

زیمل::::ہاں۔۔۔ یہ تو احرام ہے۔۔۔۔۔

تھوڑا پیچھے کے منظر کو دیکھنے کو زیمل نے سر ہلایا۔۔۔

تو خواب میں دکھاتا وہ شخص اپنی جگہ سے کچھ ہل گیا۔

زیمل۔:::::::ب۔۔۔۔۔ب۔۔۔۔ بابا۔۔۔ی۔۔۔۔۔یہ

۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔می۔۔۔میں۔

بابا۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔تو۔

فاتح::::زیمل راستہ صاف ہو تو منزل قریب دکھتی ہے۔

چلو آؤ میرے ساتھ۔۔

زیمل:::::کہاں؟

فاتح::::میرے ساتھ چلو۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی زیمل کا لباس تبدیل ہو گیا۔اور وہ کعبے کے بلکل قریب کھڑی تھی۔

چہرے پر بے انتہا محبت۔۔۔سکون اور خوشی نمودار تھی۔

دل زوروں سے دھڑک بھی رہا تھا۔۔مگر آج انسوؤں کی آنکھوں میں جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔

بس چہرے پر بے شمار موتیوں کی برسات تھی۔

فاتح::::چلو دعا میں ہاتھ اٹھاو۔۔۔

اور پھر زیمل اُس مکمل خالی جگہ کو دیکھتے دعا میں ہاتھ اٹھاتی بولی۔

زیمل:::::: اللہ آج تیری زیمل تیرے گھر تیرے بلاوے پر آئی ہے۔
یہ جگہ بلکل ویسے ہی ہے جیسے کبھی آج سے اٹھارہ سال پہلے تھی۔
پر یہ جگہ۔۔۔تو بھیڑ سے بھری رہنی چاہیے۔
طوافِ کعبہ تو ہر پل چلتے رہنا چاہیے
اچانک زیمل نے آنکھوں کو کھولا تو وہ دروازے سے باہر کھڑی تھی۔۔۔
جہاں سامنے کا منظر میں طوافِ کعبہ چال رہا تھا۔۔
ایک طرف لوگوں کا طواف تھا تو دوسری طرف پرندے اس عمل کو سر انجام دے رہے تھے۔۔
زیمل::: بابا ہم باہر کیوں آ گئے۔۔میں نے ابھی اللہ کے گھر کو چوما بھی نہیں۔۔
فاتح::: وہ وقت دور نہیں ہے میری گڑیا۔۔
وہ وقت ضرور آئے گا۔۔۔

اچانک سامنے دروازے پر کھڑا شخص کسی بچے کو اٹھائے ایک ہاتھ کو بڑھاتے زیمل کی طرف مسکراتے ہوئے بولا۔۔

سکندر صالح::::: میں۔۔۔ منتظر ہوں۔۔۔ تمہارا زیمل

میرا دل بھی منتظر ہے

میری راہ منتظر ہے۔۔ کیوں کہ تم میری منزل ہو۔

یہ دیکھو ہمارا بیٹا بھی تمہارا منتظر ہے۔۔۔۔۔

چلو اب تھام لو ہاتھ۔

زیمل جو سامنے کے منظر کو دیکھتی ایک الگ ہی کیفیت میں مبتلا تھی۔

اُس کی آنکھیں سامنے کھڑے سکندر کے چہرے اور اُس بچے کے چہرے اور ٹک سی گئی تھیں جو زیمل اور سکندر سے بہت مماثلت رکھتا تھا۔

فاتح:::: زیمل اگر تھامنے کے لیے خدا خود کسی شخص کا ہاتھ تمھارے آگے پھیلا رہا ہے تو یہ جان لو کہ وہ شخص تمہاری دہلیز پر نہیں بیٹھ کر مانگ رہا ہے۔۔۔ بلکہ وہ تم سے پہلے کسی اور سے تمہیں مانگ بیٹھا ہے۔

اوراس بات کو یقینی طور پر ماننے کے لیے زیمل اپنی آنکھوں کو بند کر لو اس کے بعد جب آنکھوں کو کھولو گی تو جواب آنکھوں کے بلکل سامنے موجود ہو گا۔

زیمل باپ کی بات کی طرف متوجہ ہوئی تو سامنے کا منظر تبدیل ہو گیا اور وہی لاؤنج میں بیٹھا وہ شخص جو ابھی زیمل سے مخاطب تھا۔۔

زیمل اُس منظر کو یاد کرتی باپ کے کہنے پر آنکھوں کو بند کر گئی۔۔۔وہ اب خاموش تھی۔۔اور کچھ اُلجھی بھی تھی۔

((((((حال

زیمل جو واشروم سے نکلتی اپنے بستر کی طرف بھری تو ملازمہ آتے بولی۔

ملازمہ:::: میم۔۔۔۔آپ کے کپڑے آچکے ہیں۔

زیمل:::: جی ٹھیک ہے۔۔

زیمل آنکھوں پر ہاتھ رکھے ایک لمبی سانس بھرنے لگی تو اچانک تین ملازمہ اُس لباس کو اندر لاتی ہوئے بولی۔

ملازمہ::::: میم۔۔۔۔۔آپ کا ڈریس۔۔۔

زیمل اُس کی آواز پر متوجہ ہو کر آگے بھری تو ڈریس کو دیکھتے ہی اُسے سمجھ نہ آیا۔۔ کہ یہ کیا ہے۔۔

وہ لباس بیشک بہت خوبصورت تھا۔۔

نہایت نفیس اور دلکش بھی تھا۔

بہت خوبصورت دھاگے کا کام اُس پر نفاست سے کیا تھا

کوئی موتی۔۔۔ کوئی چمک اُس لباس میں موجود نہیں تھی۔ جو اُس کی سب سے بڑی خوب صورتی تھی۔۔

مگر زیمل دنیا کی پہلی لڑکی ہونے والی تھی جو اپنے شادی کے دن کالے رنگ کہ لباس پہننے والی تھی۔

ڈریس کو دیکھتے ہی نے اُسے اپنے ہاتھوں سے چھوا تو کسی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

سکندر:::::: کیسا لگا ہے۔؟

زیمل دروازے کو طرف متوجہ ہوئی تو سکندر کے بازو پر پہلی نظر اُس کی پہنچی

۔۔

سکندر::::: فکر نہ کریں میں ٹھیک ہوں۔۔۔

زیمل خاموش تھی جو اُس کے سوال کرنے سے پہلے ہی اُس کا جواب دے چُکا

تھا

سکندر:::: آپ کو پسند نہیں آیا؟؟؟؟

زیمل::::: نہیں یہ بہت۔۔۔ خوبصورت ہے۔

سکندر:::: آپ دل رکھنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟

زیمل:: ایسی بات نہیں ہے۔

سکندر::::: مگر آگر آپ کو یہ پسند نہیں ہے تو میں باقی ڈریس منگوالیتا

ہوں۔۔

زیمل:::::: نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ یہ بہترین ہے۔

سکندر::::یہ ڈریس میں نے اُس رات کی وجہ سے آپ کے لیے پسند کیا ہے۔ جس رات آپ مجھے پہلی دفع ملی۔

زیمل خاموش تھی۔۔ نظروں کو جھکائے وہ خاموشی سے مقابل کی بات سن رہی تھی۔

سکندر::::میں چاہتا ہوں کہ بلکل اُسی رات کی طرح آپ میرے سامنے آ کر کھڑی ہو جائے۔

جیسے اُس رات آپ آئی تھیں۔

زندگی میں پہلی مرتبہ دن اور رات ایک ساتھ میری انکھوں کے سامنے ظاہر ہوئے تھے۔۔۔

آسمان میں کالی سیاہی چھائی تھی اور آپ سفید چادر میں لپیٹی میرے گاڑی کے سامنے آگئی۔

یہ ڈریس اسی رات کی خوب صورتی کو ظاہر کرتا ہے۔

بلکل سادہ۔۔۔۔۔بنا کسی۔۔۔۔۔شوخ رنگ کے۔۔۔

آپ کی باحیا آنکھوں اور باپردہ وجود کی طرح جو سفید چادر کی طرح صاف اور شفاف ہے۔۔

جن میں دیکھتا اپنا عکس مجھے اپنی نظروں کو جھکانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

زیمل اُس شخص کے اندازے گفتگو کو سمجھتے ہوئے اور بااحترامِ گفتگو کو پایا تکمیل پر پہنچتے حیران تھی۔

سکندر:::: آپ پریشان نا ہو۔۔۔۔ میں

آپ سے آپ کا پورا نام جاننے آیا تھا اور آپ کے والد کا بھی۔

نکاح کے لیے۔

زیمل:::: زی۔۔۔۔ زیمل فاتح۔۔۔۔ بابا کا نام فاتح۔۔۔ احمد۔۔۔

سکندر::: آپ گھبرائے نہیں۔۔۔

یہ باتیں زیادہ بہتر ہے کہ میں محرم میں بدل کر آپ سے کروں۔۔۔

لہٰذا اجازت چاہتا ہوں۔

آپ بھی تیار ہو جائیں۔۔۔۔

کچھ دیر تک نکاح ہے۔۔۔۔

اور یہ کہتا سکندر چہرے پر ایک مسکراہٹ لیے چلا گیا۔

جب کہ زیمل ان سب باتوں سے اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ الجھ سی گئی۔

جمشید::::: بھائی۔۔۔آپ اپنی شادی پر بھی شلوار قمیض پہننے گے۔۔

سکندر:::: کیوں تمہیں کوئی مسئلہ ہے؟

جمشید:::: نہیں میں بس۔۔۔ کہہ رہا تھا۔۔ کہ آپ۔۔اپنی شادی پر بھی؟

سکندر::::: شلوار قمیض مرد کی پہچان ہے۔۔۔۔

یہ پینٹ کوٹ میں کیا رکھا ہے

جو شان شلوار قمیض میں ملبوس اصل مرد کی نظر آتی ہے۔۔۔وہ ان انگریزی لباس میں ملبوس مردوں میں کہاں۔۔

خیر۔۔۔۔ تم اب اپنی یہ بکواس کو بند کر کے بتاؤ۔

کہ گواہان آ گئے ہیں۔۔

جمشید::::: جی بھاؤ۔۔۔۔ سب تیاری ہو گئی ہے

سکندر:::: باہر۔۔ پردے کا انتظام کیا ہے۔۔

جمشید:::: جی بھاؤ۔۔

سکندر::::: اچھا تو۔۔ پھر۔۔۔ ایسا کرنا کے۔۔۔۔ نکاح کے فوراً بعد۔۔۔ مولوی صاحب کے ساتھ باقی سب کو آگے گیسٹ روم میں لے جانا۔۔

اور جو کرنا ہوا۔۔۔ وہاں۔۔۔ کر لینا۔۔

میں زیادہ دیر۔۔۔ کسی کو اس طرف۔۔۔ برداشت نہیں کروں گا۔۔۔

جمشید:::: جی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ بھاؤ۔۔۔

دوسری طرف زیمل۔۔۔ کمرے میں ائینے کے آگے بیٹھی۔۔۔ کافی خاموش تھی۔

خوف دل میں بے انتہا تھا۔

اپنوں کی بہت سی یادیں تھیں۔

((((((یاد

زیمل:::: سالار تمہیں پتہ ہے۔۔۔آج بی اماں نے صورت النور

پڑھائی۔۔۔

سالار:::::اچھاتو کیا ہوا؟

زیمل:::::::تو میں نے پڑھا کہ

اَل خَبِیْ ثٰتُ لِلْ خَبِیْ ثِیْ نَ وَالْ خَبِیْ ثُوْ نَ

لِلْ خَبِیْ ثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْ نَ وَالطَّیِّبُوْ نَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ ﴿۲۶﴾

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے .

لئے ہیں،اور پاک وطیب عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاک وطیب

مرد پاکیزہ عورتوں

کے لئے ہیں۔

توسالار مرد اور عورت پاک اور پلید کیسے ہوتے ہیں۔

اور پاک مرد پاک عورتوں کو کیسے ڈھونڈھے گے۔۔۔ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کے یہ مرد یا عورت پاک ہے اور یہ مرد اور عورت پلید۔۔۔

:::::سالار

زیمل میں اس آیت کی تفسیر تو نہیں کر سکتا نہ ہی۔۔۔ تمھارے سوالوں کہ بہترین جواب دے سکتا ہوں۔

مگر جو میں سمجھتا ہوں اُس کے مطابق جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔

زیمل تم جانتی ہو۔۔۔کے پاک مرد اور پاک عورت کی نگاہ کیسی ہوتی ہے۔

وہ کس ایمان کے متحمل ہوتے ہیں۔۔

کوئی عبادت سے پاک نہیں بنتا۔۔۔۔

پاکی۔۔۔۔۔۔آنکھوں میں، کردار میں، اور روح میں رونما ہوتی ہے۔

یہ حیا ہے جو مرد اور عورت کے پاکیزہ ہونے کا ثبوت ہے۔

اور عبادات انسان میں درستگی کے عوامل ہیں۔

جو بہت حد تک اشرف المخلوقات کو پاکیزگی کا راہ انتخاب کرنے کی تلقین کرتی ہے۔۔۔

جیسے نماز انسان میں عاجزی

روزہ انسان میں صبر

زکوۃ انسان میں رب کی رضا

اور حج انسان میں اتحاد کا درس دیتا ہے۔

اور ہر کوئی عبادت کر کے بھی ان سب کو حاصل نہیں کر پاتا۔

یہاں نیت کے کھیل ہیں۔

اور عبادت کرنے والوں کی عبادت اس بات کی ضمانت نہیں کے وہ یہ سب حاصل کر کے پاکیزگی کی راہ کو اختیار کر گئے ہیں۔

تو اللہ نے پاکیزہ مردوں کو پاکیزہ عورتوں کے لئے مخصوص فرما دیا ہے۔۔۔یعنی۔۔۔اللہ پاکیزہ مردوں کے نکاح میں پاکیزہ عورتوں کو دے دیتا ہے۔۔۔تاکہ اپنے پیارے بندوں کو پلیدی سے بچا لے۔۔

اور پاکیزہ عورتوں کے لئے پاکیزہ مرد مخصوص کر دیتا ہے۔۔۔ جن کے نکاح میں وہ عورتیں شامل ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح جن مردوں اور عورتوں کو پاکیزگی کا خیال نہیں اور وہ بد فعلی کے باعث پلیدہ قرار دے دیے گئے ہیں وہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں۔۔

اور اُنہیں ڈھونڈھنے کے لئے سب سے ضروری ہے کہ اُن میں پاکی۔۔۔ پاکیزگی کو ڈھونڈھ جائے۔۔۔ یعنی حیا کو۔ کیوں کہ اگر حیا مرد اور عورت میں ہو تو گناہوں سے اُن مردوں اور عورتوں کا جوڑنا ناممکن ہے۔۔۔

اور یہ حیا کوئی عام حیا نہیں یہ حیا۔۔۔ ایمان کی مضبوطی سے جوڑی ایمان ال حیا ہے جو اللہ اپنے پاکیزہ بندوں میں مردوں اور عورتیں کو عطا فرماتا ہے۔۔۔

اور ایسے لوگوں کا ایمان چٹان سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ جو بڑھتے ہوئی شیطانی قوتوں سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔۔ نہ ہی اُن کی طرف کھچے جاتے ہیں۔۔

پلیدی۔۔۔۔ گناہوں سے جوڑی ہوتی ہے۔۔

ایسی پلیدی جو انسان کو یہ سمجھنے ہی نہیں دیتی کے وہ کس قدر گناہوں کے سبب پلیدہ قرار دے دیے گئے۔

اور یہ تو خوشخبری ہے اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے رب کے لیے پاکیزگی اختیار کی اور خود کو گناہوں سے بچایا

پھر بھی تم یہ سوال بی اماں سے کرنا تا کہ وہ تمہیں اس کا بہترین جواب دے۔

پر یہ یاد رکھنا کہ اللہ نے یہ بات فرمادی ہے۔۔۔ کے۔ پاک۔۔۔ مردوں کے لیے۔۔۔ پاک عورتیں ہی ہیں۔۔

اور پاک عورتوں کے لئے۔۔۔ پاک مرد ہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جاری ہے۔۔۔۔۔۔

))))) اگلی قسط

نکاح خواں::::::زیمل فاتح.....ولد۔۔۔فاتح احمد آپ کو سکندر صالح ولد از مودیس سے بعوض چار ملین سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ یہ نکاح قبول ہے؟؟۔۔

زیمل:::جی

نکاح خواں::::::زیمل فاتح.....ولد۔۔۔فاتح احمد آپ کو سکندر صالح ولد از مودیس سے بعوض چار ملین سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ یہ نکاح قبول ہے؟؟۔۔

زیمل:::ق۔۔۔قبول ہ۔۔۔ہے

نکاح خواں::::::زیمل فاتح.....ولد۔۔۔فاتح احمد کیا آپ کو سکندر صالح ولد از مودیس سے بعوض چار ملین سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ یہ نکاح قبول ہے؟؟۔۔

زیمل::::ج۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔قبول ہے

پر یہ یاد رکھنا کہ اللہ نے یہ بات فرمادی ہے۔۔۔کے۔پاک۔۔۔مردوں کے لیے۔۔۔پاک عورتیں ہی ہیں۔۔

اور پاک عورتوں کے لئے۔۔۔۔پاک مرد ہی ہیں۔

((((((((حال

چہرے کو اٹھاتی زیمل ائینے میں خود کو دیکھنے لگی۔

وہ نہیں جانتی تھی کے اُس کا رب اُسے کن عورتوں میں رکھتا ہے۔

کیا وہ پاک ہے۔

کیا وہ پاکیزہ ہے۔

زیمل:::خواب کی روح سے لگتا ہے کہ مجھے میرا رب بہت چاہتا ہے۔

زیمل ہولے سے بولی

ملازمہ:::::: آپ نے کچھ کہا ہے۔۔۔۔ میم؟

زیمل سر کو نہ میں ہلانے لگی۔ ملازمہ بولی۔

ملازمہ:::: میم آپ بنا کسی میکپ کے جانا چاہ رہی ہیں۔

وہ لڑکی آئی ہے۔

کہے تو میں اُسے کہہ دیتی ہوں۔ کیوں کے سر نے اُنہیں آپ کے لیے ہی بلایا ہے۔

زیمل:::: نہیں مجھے یہ سب پسند نہیں جو دوسروں کی توجہ کا مرکز بنے۔

اور پھر زیمل مسکراہٹ کے ساتھ بولی

میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان نا ہو۔ میں نے وضو کر لیا ہے۔

ملازمہ::::: جی ٹھیک ہے۔

تین چار ملازمہ اندر داخل ہوئی تو اُن میں سے ایک بولی۔

نکاح کے لیے۔۔۔ نیچے سب تیار ہے۔ میم کو نیچے لے کر جانا ہے۔

زیمل اپنی جگہ سے اٹھی تو لگا جیسے کہانیوں کی شہزادی دنیا میں تشریف لائی ہو۔

زیمل کو دیکھتے ہی سبھی کے منہ سے یکجا بیوٹی فل نکلا۔

جس کو سنتے ہی سبھی مسکرا دیں۔

زیمل کا لباس اُس کی معصوم اور نورانی چہرے کی طرح سادہ اور دل کش تھا۔

کالے رنگ کی وہ فراک زیمل کے پورے جسم کو ڈھانپے ہوئے تھی۔۔ کہی سے بھی جسم کا رنگ نظر نہیں آرہا تھا۔

سر کو بہت بہترین طریقے سے ساتھ آئے حجاب سے اُس نے ڈھانپ رکھا تھا۔

اور پھر ملازمہ آگے بڑھتے ہوئے زیمل کے سر پر ایک بڑی سی چادر کو ڈالے اُس کے چہرے کو چھپا گئی۔

جیسا کہ سکندر نے ملازمہ کو حکم دیا تھا۔

کمرے سے نکلتے ہی زیمل خاصی خوف زدہ معلوم ہو رہی تھی۔

کوئی بھی تو خونی رشتہ نہیں تھا اُس کے پاس۔

اور اللہ تو ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہے گا۔

مگر پھر بھی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔

نیچے لاؤنج میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

اور پھر زیمل سب ملازموں کے ساتھ نیچھے اترتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

جہاں سکندر کے حکم پر ملازموں کو زیمل کو بیٹھانے کا کہا گیا۔

باہر کا منظر کسی جنت سے کم نہ تھا۔

ہر طرف سفید پھولوں کی چادر تھی۔ کسی شوخ رنگ کا انتخاب نہیں کیا گیا تھا۔

جمشید نے نکاح کے لیے تمام انتظامات کو خوبصورتی سے مکمل کیا تھا۔

مگر خیرت کی بات یہ تھی کہ وہاں زیمل اور ملازموں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔

زیمل کو کسی آواز یا حرکت کا بھی احساس نہ ہوا۔

ملازمہ زیمل کو پکڑتے ہوئے بولی

میم۔۔۔۔اس طرف۔۔۔

اور پھر پردے کے دوسری طرف زیمل کو بیٹھا دیا گیا جبکہ ملازمہ بھی زیمل کے ساتھ وہی بیٹھ گئیں۔

زیمل کا دل بے قرار تھا۔وہ خاصی خوف زدہ تھی۔

جو کچھ ہو رہا تھا۔۔۔اُس کے پیشِ نظر ایک لڑکی کا یوں خوف زدہ ہونا کوئی حیران کن بات نہیں تھی۔

زیمل۔اپنی جگہ پر بیٹھی۔۔۔۔۔کچھ اُلجھنوں کی شکار تھی۔

دل۔میں بے شمار ہول اٹھ رہے تھے۔

اُس کا نکاح تھا۔

وہ بے چین تھی۔

دل۔زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

ملازمہ:::::بھلا دیکھو آئے ہیں؟

اور پھر دوسری ملازمہ اٹھ کر پردے کے پاس کھڑی ہو کر بولی۔

وہ آ گے ہیں۔

صرف تین منٹ کے بعد وہاں سکندر صالح۔۔۔ نکاح خواں

جمشید۔۔۔۔ جہانگیر۔۔۔۔ اور دوسرے اور گواہان کے ساتھ داخل ہوا۔

پردے کے دوسری طرف کا منظر کچھ خاص واضع نہ تھا۔۔

مگر ایک کھڑی ملازمہ سکندر کو دیکھ کر اچانک اپنی جگہ پر بیٹھ کر یہ بولی تھی۔

سکندر سب کو خود کے پیچھے لاتا کسی جنگ میں سپسلار کی طرح معلوم ہو رہا

تھا۔

خیر۔۔۔ وہاں موجود سب لوگوں میں سکندر صالح ہی واحد ایسا تھا جو آج

شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا۔

یہ اُس کا انداز تھا یا اُس کی شان جو بھی تھا۔۔۔ اُس پر خاصا جچتا تھا۔

کچھ پل میں ہی سکندر پردے کی دوسری طرف بیٹھا۔

جب کہ گواہان کو بیٹھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

البتہ سکندر کی اس بے حد مقبول خواہش کو سرانجام دینے میں جس نکاح خواں کا کردار تھا اُسے بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

اور پھر پردے کی دوسری طرف سکندر صالح بیٹھتا بولا۔

سکندر::: نکاح شروع کریں۔۔ نکاح خواں صاحب۔

سکندر کی آواز میں خاصی خوشی تھی۔اور حکم صادر کرنے کا روبودبدبہ بھی۔

جو جہانگیر کے چہرے پر مزاح انگیز مسکراہٹ کا پہرہ بچھا گئی۔۔

نکاح خواں:::::: بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سکندر صالح ولد از موڈیس آپ کو زیمل فاتح ولد فاتح احمد سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت نکاح قبول ہے؟؟

سکندر::: جی۔۔۔مجھے قبول ہے۔

سکندر صالح ولد از موڈیس آپ کو زیمل فاتح ولد فاتح احمد سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت کی ادائیگی کے ساتھ اپنے نکاح میں قبول ہیں؟؟

جی مجھے قبول ہے۔

سکندر صالح ولد ازموڈیس کیا آپ کو زیمل فاتح ولد فاتح احمد سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت کی ادائیگی کے ساتھ اپنے نکاح میں قبول ہیں؟؟

جی مجھے۔۔۔زیمل۔۔۔فاتح۔۔۔اپنے۔۔۔نکاح میں قبول ہیں۔

اور پھر سکندر صالح نے آج پہلی بار اُس کا غذات پر دستخط کر کے خود کو تا حیات کسی کی قید میں باخوشی مسکراتے چہرے کے ساتھ سپرد کر دیا

زیمل کا دل اس قدر زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

آنکھوں سے انسو بھی ہاتھوں میں جذب ہو رہے تھے۔

یہ دن تو کسی بھی بیٹی کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے۔۔اور ماں یا باپ میں سے کسی کا سایہ اس پر موجود نہ تھا۔

کچھ اکیلا پن تھا۔۔۔جو اپنوں کی یاد اور اُن کی نہ موجودگی کو زیمل کے چہرے پر اُداسی کی شکل میں اُجاگر کر رہا تھا۔

آج اُسے آپنے پیاروں کی خاصی کمی محسوس ہوئی تھی۔

اگر ماں باپ میں سے کوئی ہوتا تو وہ اس قدر اکیلا محسوس نہ کرتی۔
اور اگر سالار ہوتا تو

نکاح خواں::::::زیمل فاتح.....ولد۔۔۔فاتح احمد آپ کو سکندر صالح

ولد از موڈیس سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ یہ

نکاح قبول ہے؟؟۔۔
زیمل خاموش تھی۔

ہونٹوں میں کپکپاہٹ تھی۔۔۔لفظ منہ سے نکلنے کو تیار تھا۔۔مگر انسوؤں
نے ہونٹوں سے طاقت چھین لی تھی۔
کچھ دیر خاموش رہی تو سکندر کے چہرے کی رونق کچھ کم ہوئی۔
نکاح خواں::::::زیمل فاتح.....ولد۔۔۔فاتح احمد آپ کو سکندر صالح

ولد از موڈیس سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ کیا یہ

نکاح آپ کو قبول ہے؟؟۔۔
زیمل اب بھی خاموش تھی۔

زیمل کے کانوں میں کسی کی آواز گونجی۔

"""""""بولو زیمل۔"""""""

چہرے سے گھونگھٹ کو ہٹاتے زیمل نے پاس کھڑے اپنے ماں اور باپ کو دیکھا۔

تو چہرے سے انسوں خوشی کے ساتھ بہنے لگے۔

فاتح:::: بولو۔۔۔بیٹا۔۔۔جواب دو۔

تالیہ نے مسکراتے چہرے کے ساتھ زیمل کو ہاں کرنے کے لئے سر ہلایا تو زیمل کی آنکھوں سے ایک کے بعد ایک انسوں جاری ہونے لگے۔۔۔

نکاح خواں:::: زیمل فاتح.....و

زیمل:::: ج۔۔۔جی

زیمل کا رخ اب تک ماں اور باپ کے چہرے کی طرف ٹکا تھا۔

لگا ہی نہیں تھا کے وہ اب اس دنیا میں بھی رہے ہیں۔

زیمل کا یہ انداز پردے کی دوسری طرف تو دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر سکندر زیمل کی روتی اور کپکپاتی آواز سے کچھ بے چین ہو گیا تھا۔

نکاح خواں:::: زیمل فاتح..... ولد۔۔۔فاتح احمد آپ کو سکندر صالح ولد ازموڈیس سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟؟۔۔

آنکھوں میں بستی ماں اور باپ کی صورت زیمل کے چہرے پر بے انتہا مسکراہٹ بکھیر گئی۔۔۔اور اُن کی مسکراہٹ کو دیکھتے بولی۔۔

زیمل:::ق۔۔۔قبول ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہے

نکاح خواں:::: زیمل فاتح..... ولد۔۔۔فاتح احمد آپ کو سکندر صالح ولد ازموڈیس سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ یہ نکاح قبول ہے؟؟۔۔

چہرے سے گرتے انسوں کو صاف کرتے زیمل ماں باپ کو اس قدر محبت سے دیکھ رہی تھی۔۔۔ جیسے۔۔۔۔ وہ۔۔۔اس منظر کو دیکھنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی اسے پورا نہ ہونے کا مان چکی ہو۔۔

پر نظروں کے سامنے ظاہر ہوتا منظر تو ہر مایوسی کو ملیا میٹ کر گیا تھا۔۔۔

اور پھر زیمل کی ماں زیمل کی طرف بڑھتی اُس کے ماتھے کو چومتی بولی۔

تالیہ::::: میری جان کوئی بلا تم تک۔۔نہ آئے۔۔۔ تمہارے بابا اور میں تم سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔۔ چلو شاباش اب جواب دو۔اور نکاح کو قبول کرو۔

زیمل::::: م۔۔۔ما۔اما آپ۔۔اور بابا۔۔۔ یہاں۔۔۔۔۔ ہیں نہ۔

میرا۔۔۔وحم۔۔۔ تو نہیں ہے نہ۔۔۔ یہ۔

بتائیں آپ اور بابا۔۔۔ یہیں۔۔۔۔ ہیں۔۔۔نہ۔

زیمل۔روتے ہوئے ماں سے یہ سوال کر رہی تھی۔

تالیہ::::زیمل۔۔۔میں اور تمھارے بابا ہمیشہ تمھارے ساتھ ہیں۔۔۔۔یہاں۔۔۔ تمھارے دل۔۔۔میں۔۔۔۔۔جب تم۔ ہمیں نہیں دیکھ پاتی۔۔۔تب بھی۔۔۔میں اور تمھارے۔۔۔بابا۔۔۔ تمھارے ساتھ ھوتے ہیں۔

ہم اپنی گڑیا سے کبھی دور نہیں رہے۔

چلو اب رونا بند کرو۔۔۔۔اور نکاح کے کلمات کا جواب دو۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتی بولی۔

نکاح خواں::::زیمل فاتح.....ولد۔۔۔فاتح احمد کیا آپ کو سکندر صالح ولد از موڈیس سے بعوض چار کروڑ سکہ رائج الوقت حق مہر کے ساتھ یہ نکاح قبول ہے ؟؟۔۔

زیمل::::ج۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔قبول ہے۔

تیسری دفع یہ الفاظ سکندر کے کانوں سے ٹکرائے تو اُسے لگا جیسے آج اُس نے سب پالیا ہے۔

زیمل کی کیفیت کا اندازہ تو وہ اُس کی کانپتی آواز سے لگا ہی چکا تھا دل اُس کا بھی بے حد بے چین تھا۔

فاتح اور تالیہ نے آگے بھر کر زیمل کے سر پر ہاتھ پھیرا تو آنکھوں سے انسو خوشی میں بہنے لگے۔

اور پھر اُس نے اُن دونوں کو خود سے دور جاتے دیکھا جو کچھ دور جاتے ہی غائب ہو گئے۔

سکندر نکاح کے کاغذات کو نکاح خواں سے پکڑتے اٹھ کھڑا ہوا تو جہانگیر کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔۔اور بولا۔

جہانگیر:::::ابھی بھابھی کے دستخط رہتے ہیں۔

سکندر بنا اُس کی بات کا جواب دیتے پردے کی دوسری طرف بڑھا۔

سکندر کے بڑھتے ایک ملازمہ زیمل کے چہرے کو دوبارہ اُس کی چادر سے ڈھک گئی۔

سکندر پردے کے بلکل سامنے کھڑا ہو گیا۔

اور ہاتھوں میں موجود کاغذات کو دیکھتا بولا۔

سکندر:::::: جمشید؟

جمشید:::: جی بھاؤ۔

سکندر:::: ان کی نظروں پر پہرے باندھو۔

سکندر کی بات پر جہانگیر مسکرا دیا اور بولا۔

جہانگیر:::؛ اس مہمان نوازی کی ضرورت نہیں ہے ہم بس پلٹ جاتے

ہیں۔

زندگی میں پہلا انسان دیکھ رہا ہوں جو نظروں پر پہرے بیٹھا رہا ہے

سکندر::::: جمشید زبانوں پر بھی۔

اور پھر جمشید سکندر بھاؤ کے حکم پر چلتا اُن کے چہرے پر لگی آنکھوں پر ایسے پہرا دینے لگا جیسے کوئی قیمتی چیز نمودار ہونے لگی ہو۔

سکندر ہاتھوں کو پردے کی طرف بڑھاتا۔۔۔ آپنے گزرنے کی جگہ بنا گیا اور زیمل کے پردے والی طرف داخل ہو گیا۔

اُس کے داخل ہوتے ہی تمام ملازمہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔۔

اور زیمل ایک نئے رشتے کی ڈور سے بندھی سکندر کے قدموں کو خود کی طرف بڑھتا محسوس کر کے کچھ بے چین ہو گئی۔

جسم میں بے اختیار ہلچل تھی۔

سکندر زیمل کو ایسے دیکھتے سمجھ گیا تھا وہ کس کیفیت میں مبتلا ہے۔۔

اور پھر ہولے سے بہت پیار سے زیمل سے مخاطب ہو کر بولا

سکندر::::دستخط۔۔۔

وہ دنیا کا پہلا شخص تھا جو اپنی ہی بیوی سے نکاح کے کلمات کے ساتھ اُسے قبول کرنے کے بعد اُس کی طرف دستخط کروانے آیا تھا۔

اور پھر سکندر زیمل کے ہاتھوں کو بڑھتا دیکھ اُسے وہ کاغذات تھما کر بولا۔

سکندر:::: یہ لیں قلم۔

قبول تو کر ہی لیا ہے۔

سکندر::اب دستخط کر کہ مجھے زندگی بھر کا اختیار بھی دے دیں۔

زیمل کو اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا تو دوسرے ہاتھ سے اپنی چادر کو ہٹا کر دیکھنے لگی۔

تو مقابل میں بیٹھا شخص جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ ہولے سے غائب ہو گئی۔

وہ ہاتھ سکندر کا تھا جو زیمل کو دیکھتے ہی اُس کے کندھے سے ہٹ گیا۔

اور اس ہاتھ نے کندھے کی بجائے اُس کے چہرے کے انسوں کو صاف کرنے میں لے لی

.سکندر::::آپ ٹھیک ہے؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر کے چہرے پر کچھ مسکراہٹ واضح ہوئی تو بولا۔

سکندر:::::جن کی یاد میں یہ انسوں بہائے جا رہے ہیں وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں۔۔۔۔ماں اور باپ کے نہ ہونے کا دکھ کیسا ہوتا ہے۔۔

یہ بھی جانتا ہوں کے آپ کی زندگی کا یہ بہت ہی بڑا دن ہے۔۔۔

اگر آپ ایسے آنسوؤں کو بہائے گی تو میں خود پر قابو نہیں پا سکوں گا۔

میں آپ کے ساتھ ہوں۔۔۔جو نہیں رہے وہ اپ کے دل میں ہیں

۔۔۔۔اور جو آپ کا دل بنے گا۔۔۔وہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔۔

آپ کا ہر رشتے اب مجھ سے وابستہ ہے۔

آج سے آپ سکندر صالح کی زندگی ہیں۔

ایسی زندگی جو مٹنے کے بعد ایک نئ زندگی اختیار کرلے گی۔

زیمل اور سکندر

سکندر زیمل کے نام کے ساتھ اپنے نام کو لگا کر مسکرایا تھا۔

جب کے زیمل کے انسو خشک اور آنکھیں جھک گئ تھیں۔

اور پھر سکندر بولا۔

سکندر:::::دستخط؟

زیمل قلم کو پکڑتی کاغذات کو دیکھنے لگی۔

سکندر زیمل کے تعاقب میں وہ کاغذات کو دیکھنے لگا اور بولا۔

سکندر::::دستخط۔۔۔

زیمل پہلے حیرانگی سے سکندر کی طرف دیکھنے لگی اور پھر قلم کو تھامتے وہاں آج اپنی خوشیوں سے بھری زندگی کی مہر لگا گئی۔

اور پھر سکندر آگے بھرتے بولا۔

سکندر::::چشمہ محبت کی قید پر مبارک ہو۔

مسز سکندر۔

اور پھر ہولے سے زیمل کے چہرے کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ کر بولا

سکندر::::اجازت ہے.؟؟؟؟

زیمل جھکی نظروں سے ہاں میں سر ہلا گئی تو۔۔سکندر زیمل کے چہرے کو ہاتھوں میں تھامتا زیمل کے ماتھے پر نکاح کے ہار کو اپنے لبوں سے اُس کے ماتھے کی لکیروں پر سجا گیا۔

اور زیمل کا رنگ دیکھتے ہی دیکھتے سرخ ہو گیا۔

سکندر:::: جمشید....

جمشید:::: جی۔۔۔بھائی۔۔

سکندر..... یہ پکڑو۔

زیمل کو چہرے کا ڈھکنے کا اشارہ کرتے۔

پردے سے اپنا ہاتھ نکالتا سکندر کا غذات کو جمشید کو پکڑا گیا۔اور خود وہی

زیمل کے پاس کھڑا ہو گیا۔

ہاتھوں کو اٹھائے دعا کی گئی۔۔۔اور دعا کی تکمیل ہوتے ہی۔۔۔

سب نے آمین کہا۔

جمشید:::: آپ سب میرے پیچھے آجائیں۔

جمشید سب کو لیتا وہاں سے چلا گیا۔۔۔۔ جس کے بارے میں سکندر اُسے پہلے

سے کہہ چُکا تھا

ملازموں کو بھی سکندر نے جانے کا اشارہ کر دیا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جگہ جو کچھ لوگوں سے ابھی کچھ بڑھی تھی۔۔۔وہ خالی ہو گئی۔

اوراب صرف سکندر اور زیمل وہاں موجود تھے۔

زیمل جو بیٹھی کسی خیال میں گم تھی۔۔۔۔خدا سے مخاطب ہو کر۔۔۔۔اُس کی عنایتوں پر اُس کی شکر گزار تھی۔

آج سامنے بیٹھی لڑکی جو دو دن سے اُس کے لیے اجنبی تھی۔۔۔آج سکندر اُس کا محرم بن کر خاصا خوش تھا۔

اور ہاتھ کو اُس آگے پھلاتا بولا۔

سکندر::::: چلیں۔۔

زیمل نے نظروں کو اٹھائے اج پہلی مرتبہ اُس شخص کو بہت غور سے دیکھا تھا۔مگر زیادہ دیر اُن انکھوں سے ٹکراتی آنکھوں کو لگائے وہ پھر بھی اُسے دیکھ نا سکی۔

اور پھر اپنا ہاتھ سکندر کے ہاتھ میں دیتی کھڑی ہو گئی۔۔

ایک پر رونق مسکراہٹ سکندر کے چہرے پر نمودار تھی۔

آج اُس کا دل جو بہت زوروں سے اُسے چھونے پر دھڑ کا تھا۔ جبکہ زیمل بھی اُن دھڑکنوں کی آواز کو واضح سن رہی تھی۔

چلتے چلتے وہ گھر کی راہداری تک پہنچ گئے۔

سکندر::::::آپ ٹھیک ہیں۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتے بولی۔

زیمل:::جی

سکندر::::ایک سوال پوچھوں؟؟؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔۔اور اپنے قدموں کو سکندر کے قدموں کے ساتھ بڑھانے لگی۔

سکندر::::آپ نکاح کے وقت رو رہی تھیں۔۔۔کیا اُس کی وجہ صرف اپنوں کی دوری تھی یا کوئی اور بات بھی ہے؟۔

زیمل خاموش ہو گئی۔

سکندر::اگر آپ بتانا نہیں چاہتی تو کوئی بات نہیں

زیمل:::ایسی بات نہیں ہے

سکندر:::: پھر کیسی بات ہے؟

سکندر گویا مسکراتے ہوئے سیڑھیوں کے درمیان کھڑا رُک گیا۔

زیمل::::و۔۔و۔۔وہ۔۔میں

سکندر:::: کیا آپ اس رشتے کے لیے دل سے راضی نہیں ہیں؟؟

زیمل:::: نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔

سکندر:::: تو کیا آپ دل سے اس رشتے کے لیے رضامند ہیں؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

زیمل جو کھڑی نظروں کو جھکائے سکندر کی بات پر جواب دے گئی تھی

سکندر اُس پر خاصا مسکرا اٹھا تھا۔اور زیمل اپنے جواب پر کچھ سمجھ نہ سکی۔

سکندر::: آپ سے ایک بات کہوں۔

زیمل نے نظروں کو اُٹھا کر دیکھا تو سکندر بولا

سکندر::اگر سکندر صالح کو اس رشتے میں صرف آپ کو دیکھنے کی بھی اجازت ہوتی تو بھی میں دور بیٹھا آپ کو تاعمر دیکھنے کے لیے تیار تھا۔

مگر یہ دیکھیں یہ رشتا مجھے آپ کے ہاتھ کو تھام لینے کی اجازت دیتا ہے جسے کبھی میں نے رشک کی نظروں سے دیکھا تھا۔

میرے لیے میری محبت آپ کے لیے کسی طور جنسی نہیں ہے۔میں نے کہی پڑھا تھا کہ محبت روح سے کی جائے تو دنیا محبت والوں کا نام اُن کے خون سے رقم کر دیتی ہے۔

مگر میرے لیے یہی کافی ہے کہ آج میرے نام کا حصہ آپ کے نام سے جوڑ گیا ہے۔

سوچتا ہوں کہ میں ایسا تو نہیں تھا۔۔جو یوں بے دھڑک اپنی کیفیت کو ظاہر کر دوں۔پھر سوچتا ہوں کہ اگر آپ اس کیفیت سے غافل رہی تو آپ کو مجھ سے محبت کیسے ہو گی۔

زیمل جو کھڑے سکندر کی باتوں کو سن رہی تھی۔بس سنتی ہی جا رہی تھی۔
کچھ کہنے کو تھا بھی اور نہیں بھی۔

سکندر:::::آج یہ چھت جو کل تک آپ کے لیے نامحرم تھی آج
۔۔۔۔محرم کی چھت میں تبدیل ہو گئی۔

میں چاہتا تھا کہ زندگی کے اس قیمتی رشتے کی بنیاد جس نکاح پر کی گئی ہے اُس
نکاح کے رشتے میں آپ کی رضامندی کسی بھی دباؤ کے بغیر ہو۔

میں نہیں چاھتا تھا کہ یہ رشتا کسی زور زبردستی کے ساتھ میں آپ کے ساتھ
جوڑو۔

آپ کو دیکھتا تھا تو نظریں زیادہ دیر آپ پر ٹکا نہیں پاتا تھا۔

یہ دل بار بار ایک سوال پوچھتا تھا۔۔کہ۔۔۔۔آپ کون ہیں۔

کبھی سوچتا تھا کہ کہی آپ چلی نہ جائیں۔

نہیں جانتا کے اس دو دن میں نے خود میں کیا کیا بدلتے محسوس کیا ہے۔

میں چاہتا تو یہ باتیں آپ سے آپ کو یہاں پہلی رات کی آمد پر کہہ سکتا تھا۔۔
مگر پہلی بار میں نے یہ کرنے سے پہلے بھی سوچا تھا کہ کہی آپ میری باتوں سے یہاں سے چلی نہ جائیں۔

میں بس یہ چاہتا ہوں کہ """""""میری بیوی""""""" یہ بات یاد رکھے کے اُس کا شوہر۔۔۔ سکندر صالح جیسا بھی ہے۔۔۔۔اُس کے ساتھ دنیا کی ہر چیز ہر احساس اور ہر جذبات سے زیادہ مخلص ہے۔

اگر آپ۔۔۔۔ میرے ساتھ اپنے قدم کو بڑھانے کی بھی اجازت دے دے گی اور اس ہاتھ کو کبھی مجھ سے جدا نہ کریں گی۔تب۔۔۔ بھی۔میں۔ سکندر صالح۔۔۔اس احساس کے ساتھ آپ کے ساتھ جوڑے رہنے پر اپنی باقی کی زندگی گزارنے پر راضی ہوں۔

اس کے علاوہ جو بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کافی دیر سے۔۔۔ میں چاہتا تھا کہ آپ پر کچھ باتوں کا کچھ حال دل کا کچھ جذبات کا انکشاف کر کے کہوں.

میں یہ تو نہیں جانتا کہ باقی لوگ اپنی بیوی کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر کیا کہتے ہیں

مگر میرا دل آپ کو اس روپ میں دیکھ کر جو کہنے کو چاہ رہا ہے۔۔ وہ الفاظ میں آپ سے کہنا چاھتا ھوں

جن کو میں نے اپنے دل کے ہر قیمتی گوشوں سے بڑی محبت سے اکھٹا کیا ہے۔

آپ اس روپ میں بہت پاک اور حیا کے دامن سے بھرپور لگ رہی """"""" """"""" ہیں۔

میں نے کبھی کسی کو آپ سے زیادہ حیا سے جوڑے نہیں دیکھا۔

آپ کی جھکتی نظروں میں جو ملتا ہے۔۔۔ وہ۔۔۔۔ صرف پاکی و باوقاری کا جز ہے۔

آپ کی حیا مجھ میں تہلکہ مچا دیتی ہے۔۔۔ آپ کا یوں ہر پل حیا سے جوڑے رہنا آپ کو ہر چیز سے زیادہ نایاب کرتا ہے۔

میں نہیں جانتا یہ کیسی تعریف ہے۔۔۔۔پر خوبصورت اور دلکش لفظوں سے آپ کی تعریف کرنا کچھ عام سا لگتا ہے۔

اسی لیے وہ الفاظ ادا کر رہا ہوں جو حقیقت پر مبنی میری محبت کا اظہار ہے۔

زیمل جو سکندر کی باتوں کو سن رہی تھی۔۔۔اُس کا چہرہ اب تک سکندر کی باتوں پر لال ہو چکا تھا۔

اور اس کے پاس وہاں خاموش رہنے کے علاوہ کوئی چارا نہیں تھا۔

سکندر::::لوگ حوروں کا ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں جنت میں مردوں کو حوریں دی جائیں گی.

میں کیا کروں۔۔۔۔مجھے تو دنیا میں ہی مل گئ ہے۔

اور پھر ایک دم سکندر بولا

سکندر؛::آپ کچھ نہیں کہے گی؟؟؟

سکندر::::::ویسے آپ کی خاموشی میں بھی بہت شور برپا ہے۔

آپ کی خاموشی کو بھی سکندر صالح کو سننا اچھا لگتا ہے۔

دونوں کالے رنگ کے لباس میں ملبوس نہایت دلکش معلوم ہو رہے تھے۔
جہاں زیمل چاند کے روشن چراغ کی طرح معلوم ہو رہی تھی وہی سکندر سیاہ رنگ کے آسمان میں چمکتے دمکتے ستاروں کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔۔۔ جہاں ستارے چاند کی خوبصورتی کو بڑھا دیتے ہیں۔۔۔ وہی سکندر اُس کے ساتھ کھڑا زیمل کی آنکھوں کی چمک کو بڑھا گیا تھا۔
اور پھر سکندر اُس ہاتھ کو تھامے جس کی اُس نے آرزو کی تھی اُسے ہمیشہ کے لیے تھامنے کی اجازت لیے اوپر کی طرف بڑھ گیا۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی سکندر کا فون بجنے لگا۔۔۔ تو سکندر وہی دروازے میں داخل ہوتے روک گیا۔
جب کہ زیمل کمرے میں داخل ہوتے۔۔۔۔ ہی آگے بڑھ گئی۔
.. سکندر:::: میں فون سن لوں
اور پھر یہ کہتا وہ وہاں سے باہر کی طرف نکل گیا

جب کہ زیمل کمرے میں داخل ہوتے ہی۔۔۔۔زیمل کا دل سکندر کی

باتوں پر اب زوروں سے دھڑک رہا تھا

سکندر کو دیکھ کر اُسے ایک بار بھی کسی طور وہ ایسی شخصیت کا مالک نہیں لگا

تھا۔

زیمل کو وہ خاصا رو بود بدبے کا مالک۔۔۔۔شخص لگتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ زیمل اُس کی ہر بات کو خاموشی سے سن رہی تھی۔

جواب دینے کی ہمت کرتے ہوئے بھی وہ خاموشی کو ترجیح دے رہی تھی۔

مگر اب یہ رشتا اُس نے اپنے رب کو گواہ بنا کر نکاح کے تین بول پر قائم کر

لیا۔۔تھا۔

پورے خلوصِ نیت کے ساتھ۔۔۔جس کا خیال بھی وہ سکندر پر واضح نہیں کر

پائی تھی۔

ظہر کی نماز کے لیے اُس نے جائے نماز کو زمین پر بچھایا اور پھر قدم کو بڑھاتے

وہ نماز میں مشغول ہو گئی۔۔اپنے رب کے ساتھ۔

کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوتا سکندر زیمل کو نماز ادا کرتے دیکھ اُس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

جہاں ایک دن پہلے وہ زیمل کو دور دروازے کی پاس بیٹھا پیچھے سے نماز ادا کرتا دیکھ رہا تھا۔۔۔وہی سے چلتا سکندر اب اُس کے پاس بہت حق سے اُس کے قریب موجود بیڈ پر بیٹھ گیا۔۔۔جہاں وہ اُس کا چہرہ اپنی نظروں میں رکھتا دیکھ سکتا تھا۔

سکندر خود سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر:::::بس مجھے تم نہ چھوڑ کر جانا۔۔۔نہ میری سانسوں کی بحالی میں نہ ہی۔۔۔۔میری موت پر

نماز ادا کرتی زیمل۔۔۔۔بنا کسی خوف سے اپنی نماز میں مشغول کسی الگ ہی دنیا میں تھی۔

سلام پھیرتے زیمل کے ہاتھ دعا میں اٹھے تو سکندر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ اب کیا مانگے گی۔۔۔ کیوں کے وہ تو ابھی یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اُس نے اُس دن کیا مانگا تھا۔

سکندر::: کیا کبھی اُس کی دعا میں میں شامل ہوا ہوں؟؟؟

چہرے پر ہاتھ پھیرتے زیمل نکاح کے لیے نوافل ادا کرنے کو اٹھی تو پاس بیٹھے سکندر کی نظروں نے اُس کی توجہ اپنی طرف مرکوز کرلی۔

زیمل سوالیہ نظروں سے سکندر کو دیکھنے لگی۔۔۔ تو سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ بولا۔۔

سکندر:::: آپ کی نظروں کو میں سمجھتا ہوں۔۔۔ مگر اب آپ سے گوئی کی صورت میں بات کرنا اور سننا چاہتا ہوں۔

زیمل:::: آ۔۔۔آپ۔۔۔۔ نوافل نہیں۔۔۔ پڑھیں گے؟؟؟

سکندر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: میں پڑھ چکا ہوں۔

جو واضح طور پر جھوٹ تھا۔۔۔ جو سکندر کی زندگی سے متعلق واقعات سے واقف تھے وہ یہ بات اچھے سے جانتے تھے کہ سکندر کون ہے اور کیا ہے۔

مگر اُسے محبت ہوئی بھی تو کس سے جسے رب سے سب سے زیادہ محبت تھی۔۔ جو سانس بھی لیتی تو شکر خدا ادا کرتی۔

مگر سکندر تو وہ نہیں تھا۔۔۔۔ جو زیمل سکندر کو سمجھ چکی تھی۔

جس رشتے کی بنیاد کسی زور زبردستی پر نہیں بلکہ خلوص پر مبنی تھی وہاں کہی کسی نے اپنی محبت کو پانے کی خاطر اپنی حقیقت کو راز رکھا تھا۔

سکندر::: خیر آپ۔ نوافل۔۔۔ ادا کریں۔ میں۔۔۔۔ کپڑے بدل لوں۔

اور پھر یہ کہتا وہ وہاں سے واڈروب والے کمرے کی طرف چلا گیا۔

جب کہ زیمل واپس اپنے نوافل کی ادائیگی میں مشغول ہو گئی۔۔۔۔

۔۔دوسری طرف۔۔۔

سکندر وہاں داخل ہوا تو۔

اندر داخل ہوتے ہی۔۔۔۔اُس الماری کی طرف بڑھا جو یہاں آنے سے پہلے کی بند تھی۔

جسے سکندر نے دو سال پہلے یہاں آنے پر کھولا تھا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اُس میں کیا ہے۔

سوائے سکندر کے۔

کیا راز تھا اُس میں جو اُسے چابی سے بند کر کے دفن کیا گیا تھا۔۔۔یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا۔

ایک الماری میں موجود ایک دراز کو کھولتا سکندر اُس کے نیچے کی طرف چپکی ایک چابی کو اُتارنے لگا جسے نظروں سے چھپا کر لگایا گیا تھا۔

چابی کو پکڑتے ہی اُس الماری کی طرف گیا اور اُسے کھولنے لگا۔

چہرے کے تاثرات کمرے میں زیمل کے سامنے کچھ اور تھے اور اب جو سکندر الماری کے سامنے کھڑا تھا وہ سکندر کوئی اور سکندر ہی معلوم ہو رہا تھا۔

الماری کو کھولتے ہی سکندر سامنے لگی ایک تصویر کو دیکھنے لگا جو کسی فریم میں لگی کسی خوشی کے موقع کی یاد دلا رہی تھی۔۔۔ مگر اُس

فریم پر لگی خون کی جمی چھینٹے کسی بھیانک دن کے زخموں کو تازہ کر گئی تھی۔

گھٹنوں میں بیٹھتے ہی سکندر کسی ڈبے کو نکالتے کھولنے لگا۔

اور پھر اُس میں موجود کسی لڑکی کے لباس کو دیکھنے لگا جو خون سے لت پت

تھا۔۔

ایک انسوں بھی سکندر کی آنکھ میں نہیں تھا۔۔۔ مگر چہرے میں موجود

تکلیف سب بیان کر رہی تھی۔

اور پھر اچانک اُسے بند کرتے ہی اندر رکھنے لگا۔۔اور پھر کھڑا ہوا اور

الماری کو بند کر گیا۔۔۔ جیسے اُس میں اتنا حوصلہ نہیں کہ وہ اُن چیزوں کو زیادہ

دیر دیکھ کر اُس رات کو یاد کر سکے۔۔

دوسری وڈروب سے اپنے کپڑے نکالتا وہ بدلنے لگا۔

دوسری طرف زیمل۔۔۔جو نماز ادا کر کے شکرانے کے نوافل بھی ادا کر چُکی تھی۔

کھڑی ہوتی اپنا حجاب کھولنے لگی۔۔۔۔۔ابھی اُس نے حجاب کو کھولتے اپنے خوبصورت اور بے حد لمبے بالوں کو کھولا ہی تھا کے دوسری طرف سکندر وہاں سے نکلتا بنا کسی آہٹ کے رُک گیا۔۔اور پھر اپنی موجودگی کا احساس دلاتے سکندر بولا۔۔

سکندر: آپ نوافل ادا کر چکی؟؟؟؟

زیمل سکندر کی آواز پر فوراً سے سر کو ڈھانپتے بولی۔۔

زیمل::: ج۔۔۔جی۔

سکندر چلتے ہوئے زیمل کی طرف آیا اور اُس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

سکندر::::: آئیں اس طرف بیٹھیں۔

اور پھر اُسے اپنے ساتھ بیٹھتا دیکھنے لگا۔۔اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا

سکندر::::: ہم۔۔۔پرسوں۔۔۔ترکی جا رہے ہیں۔

مجھے وہاں ایمر جنسی میں جانا پڑ رہا ہے۔۔اس لیے

زیمل: س۔۔۔۔سب۔۔۔ٹھیک ہے ؟

سکندر::::: ہاں سب ٹھیک ہے۔۔۔۔مجھے وہاں ایک ضروری کام۔ہے۔

اور آپ پریشان مت ہو۔۔

زیمل خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

سکندر زیمل کو دیکھتا اُس کے ہاتھوں کو اپنی ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: آپ کے یہ ہاتھ دعاؤں میں اٹھتے میں نے دو مرتبہ

دیکھیں۔۔ہیں۔۔۔۔خیال آتا ہے کہ آپ۔۔۔اس قدر متاثر شخصیت کے

ساتھ۔۔۔۔خدا سے کیا مانگتی ہے۔؟

پھر خیال آتا ہے کہ کیا آپ نے مجھے اپنی دعاؤں میں شامل کیا ہے ؟؟؟

میں جانتا ہوں کہ آپ آج کی وجہ سے خاصی پریشان ہیں۔

یہ گولی۔۔

وہ آوازیں۔۔۔۔

وہ چیخیں۔۔

زیمل سکندر کی بات پر بولی

زیمل::::آپ کا زخم اب۔۔ کیسا ہے؟

سکندر:::: یہ زخم اتنا گہرا نہیں ہے۔۔۔ کہ سکندر صالح کی زبان سے سی کی آواز بھی نکل سکے۔

مگر آپ نہیں جانتی آپ کے چہرے میں موجود جس فکر کو میں نے دیکھا تھا وہ میرے چہرے میں کتنے رنگ بکھیر گئ تھی۔

میں جانتا ہوں یہ سب بہت جلدی ہے۔۔۔۔ شاید آپ ابھی اس رشتے کے لیے مکمل تیار نہ ہو۔۔۔۔ مجھے کوئی جلد بازی بھی نہیں ہے۔

میں اسی میں خوش ہوں۔۔۔ کہ آپ یہاں ہیں۔۔۔۔ آپ ہر اُس جگہ پر ہو۔۔۔ گی۔۔۔۔ جہاں میں موجود ہوں۔۔۔۔ آپ کے نام کے ساتھ جوڑ جانے والا نام میرا ہے۔۔۔ سکندر صالح اسی میں خوش ہے۔

اگر اس سب کے ساتھ مر بھی جاؤ تو کوئی غم نہیں ہے مجھے۔

مگر مرنے سے پہلے میں آپ سے آپ کو جاننا چاہتا ہوں۔۔۔۔

ہر چیز کھلی کتاب کی طرح پانا چاہتا ہوں۔۔۔ہر وہ بات جو آپ کے دل میں اب تک دفن ہے اُس کی داستان کو اپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔اتنا تو میں حق رکھتا ہوں نہ؟؟

زیمل جو سکندر کی بات کو سن رہی تھی۔۔۔۔چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے بولی۔

زیمل:::::: میں گیارہ سال کی تھی جب میں نے ایک کار ایکسڈنٹ میں اپنی فیملی کو کھو دیا۔

میری زندگی میں صرف تین ہی لوگ تھے۔۔جو میری دنیا تھے۔

میرے بابا مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔۔۔اور میری ماما مجھے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی۔

میں اُن کی جان تھی۔

مگر ایک دن سب بدل گیا۔۔۔اور سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر میری آنٹ ایوا مجھے یہاں لے آئی۔

میری ماما یہودی گھرانے سے تھیں۔

میرے بابا پاکستان سے فلسطین اپنی پڑھائی کے سلسلے میں آئے تھے۔

میری ماما نے میرے بابا سے ملاقات سے پہلے ہی اپنا گھر چھوڑ دیا تھا۔۔۔اور اس کے بعد اسلام قبول کر کے میرے بابا سے شادی کر لی تھی۔۔۔اور پھر اُن کے ساتھ پاکستان آگئی۔

میں نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔۔۔ مگر جب میں یہاں آئی تو میرے سے میرا سب کچھ چھین لیا گیا۔۔۔۔

سوائے میرے رب کی تعلیم کے۔

سکندر جو بہت حیرانگی سے زیمل کی باتوں کو سن رہا تھا۔۔۔وہ۔کافی زیمل سے متاثر ہوا تھا۔

سکندر::::: پھر؟؟؟

زیمل:::: پھر میں نے وہاں بارہ سال گزارے۔۔۔وہ چاہتی تھی کہ میں اپنا مذہب بدل کر یہودی مذہب میں شامل ہو جاؤ۔۔۔پر میں ایسا کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

ہر مشکل وقت انسان کی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔۔۔میرے لیے وہ سب امتحان تھے۔۔۔۔اور ہر امتحان کے بعد میں نے خود کو مضبوط پایا۔۔

سکندر:::::::: کیا وہ تم پر تشدد کرتی تھیں؟؟؟؟؟

زیمل:::: وہ تشدد ایسا تھا جیسے لوہے پر ضربیں مار کر اُسے اور کندن کرنا۔

سکندر کی رگے تنی تھی۔۔۔۔۔وہ تو اُس کی آنکھ میں ایک انسوں برداشت کرنے کی سکت خود میں نہیں رکھتا تھا

اور لفظ ضربوں نے اُسے اندر ہی اندر آگ بگولا کر دیا تھا۔۔۔ مگر خود پر تحمل رکھتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: آپ اُسی رات ہی کیوں وہاں سے بھاگ نکلی تھیں۔۔ کیا وجہ تھی۔۔؟

کیا کچھ ہوا تھا۔۔۔؟

زیمل کی آنکھوں میں کچھ نمی آئی تو وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔۔۔۔

زیمل::::: ن۔۔۔۔ن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ تو۔

سکندر زیمل کی کپکپاتی آواز کو سنتے اور چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھتے

ہوئے بولا۔

سکندر:::::: کیا ہوا تھا؟؟؟؟

زیمل::: ک۔۔۔ک۔ چھ۔۔۔ بھی۔۔ نہیں۔۔ ہوا تھا۔۔

سکندر بہت آرام سے زیمل کے چہرے کو خود کی طرف کرتا بولا۔۔۔

سکندر::::: میری آنکھوں میں دیکھیں۔۔۔۔ کیا آپ کو میری

آنکھوں میں آپ کے لیے کوئی بے اعتبار دِیکھ رہی ہے۔؟

کوئی بے اعتنائی دیکھ رہی ہے؟

آپ مجھے بتائیں۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کچھ ایسا ضرور ہوا تھا جو آپ اتنی رات

میں وہاں سے نکلی تھی۔

میں چاہتا تو یہ بات خود بھی پتہ کروا سکتا ہُوں۔

مگر میں چاہتا ہوں آپ مجھ پر اعتبار کر کے مجھے مکمل بات بتائیں۔

سکندر صالح کسی کی انگلی کو اپ کی طرف بڑھنے نہیں دے گا۔

اور زیمل کی آنکھوں سے گرتے انسوں نے دھیرے دھیرے سب بتانا شروع کر دیا۔

جیسے جیسے وہ اُس رات کی حقیقت کو ٹپکتے انسوں کے ساتھ بیان کرتی رہی وہی ساتھ ساتھ سکندر کا اندر ہی اندر توازن کھو گیا۔

مگر اُسے زیمل کے سامنے خود پر ہر طرح سے قابو رکھنا تھا۔

زیمل کے بیان کرتے ہر لفظ نے سکندر کے غضب کو ہوا دے رہے تھے۔۔۔ جواب ایتان کو اپنے پیدا ہونے والے دن پر پچھتانے پر رولانے والے تھے۔

زیمل نے روتے روتے سب بیان کر دیا۔ جس طرح اُس کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

اُس کی چادر کو اتار کر اُسے رسوا کرنے کی بے لگام کوشش کی گئی تھی۔
اُسے کے وجود کو بیڈ پر ڈالتے بے حیائی سے نوچنے کی سازش کی گئی تھی۔
اُس کے خود کو چھوروانے کی کوشش پر اُسے کے چہرے پر تماچوں کا وار کیا گیا تھا۔
اُس گردن پر جھکتے ہوئے کیسے اُس انسان نے اُس کے لفظوں منتوں اور انسوں کو دھتکار کر اُس کی بے بسی کا مذاق اڑایا تھا۔
اور کیسے خدا نے اُس کی بے بسی میں اُس کی حفاظت کر کے اُسکی آبرو کو رسوا ہونے سے بچالیا تھا۔
سکندر کس طرح زیمل کے سامنے خود پر قابو پاتے بیٹھا تھا۔ یہ صرف سکندر ہی جانتا تھا۔
کہ اگر زیمل کی جگہ کوئی اور بیٹھا ہوتا تو وہ اب تک اُس کمرے کو تہس نہس کر کے وہی ایتان کی قبر کھودوا گیا ہوتا۔

مگر اُسے تو ایتان کو وہ موت دینی تھی جو دنیا کا انسان اب تک حاصل نہ کر سکا تھا۔

زیمل کی آنکھوں نے شرم کے ساتھ نظروں کو جھکا لیا تھا۔

وہ یہ سب اپنے شوہر کو بتا رہی تھی۔ جو شاید یہ جان کر اُسے چھوڑ دیتا۔

مگر وہ سکندر صالح تھا جسے ابھی زیمل نہیں جانتی تھی۔ وہ دنیا تو چھوڑ سکتا تھا۔۔ مگر اپنی زیمل کو ہرگز نہیں۔۔۔ چاہے اُسے اس کے لیے کسی کی جان کو عبرت ناک موت میں تبدیل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اور پھر زیمل اپنے دل کے اُس آخر راز کو جس راز کو چھپاتے وہ یہ رشتہ قائم کر گئی تھی۔۔۔۔ زار و زار رونے لگی۔۔۔

اور سکندر اُسے چہرے پر بند انکھوں سے نکلتے انسوں کو دیکھ اپنی آنکھیں میچ گیا اور پھر کچھ آگے ہوتا اُسے اپنے سینے سے لگا گیا۔

جہاں کبھی زیمل کے ہاتھ کی چھاپ تھی۔۔۔۔ جو اندر ہی اندر سکندر کو ایک راحت کا احساس دے گئی تھی۔

آج وہی جگہ اُس کے سر۔۔۔۔اور جذب ہوتے ہوئے انسوؤں۔۔۔۔۔کے ساتھ اُس کی سانسوں نے لے لی تھی۔جو سکندر کو اندر ہی اندر آگ بگولا کر گئے تھے۔

سر سے کھسکتا سکارف۔۔۔۔زیمل کے بالوں۔کو بے پردہ کر گیا۔

اور وہ کتنی ہی دیر اُس رات کے خوف میں روتی رہی۔

جہاں سکندر اُس کے سر پر تھپتھپاتے اُسے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔

کسی لڑکی کے باحیا وجود کو چھونا اُس حالت میں جس سے زیمل کا معصوم وجود گزرا تھا۔۔۔کسی بھی لڑکی کے لیے زندگی بھر ایک ایسے حادثے کے برابر ہے جو وُجود کے پلید ہونے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

باخدا کسی ایسے مرد کو مرد نہ کہو جو کسی عورت کی حیا اور تقدس کو پامال کرنے کی سوچ بھی رکھتا ہو۔

کسی کی عزت کو پامال۔کرنا۔۔۔اُسے جلتے انگاروں میں جلا دینے سے بھی زیادہ بتر ہے۔

اور پھر روتے سسکتے وجود کے کانوں میں سکندر کی ہولی آواز میں بات گونجی۔

سکندر:::::: میں نے آپ سے زیادہ بہادر لڑکی آج تک نہیں دیکھی زیمل۔

مجھے آپ پر خود سے زیادہ فخر ہے۔

میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آپ میری بیوی ہے۔

زیمل جو روتے سسکتے سینے سے لگی انسووں کو بہا رہی تھی۔۔۔ سکندر کی بات پر خاموش ہو گئی۔۔

کیا وہ اُس مرد سے اس بات کی توقع کر سکتی تھی؟؟؟

ہاں اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اس بات کی توقع کرنا نا ممکن تھا۔

مگر مقابل میں سکندر صالح تھا۔۔۔۔ جو اُس کی بے گناہی کو اپنی بند انکھوں سے بھی قبول کر سکتا تھا۔

زیمل ہٹنے لگی تو سکندر سر پر ہاتھ سے زور دیتا بولا

سکندر:::: آج اس بات پر جتنا رونا چاہے رو۔۔ لیں۔۔۔

سکندر صالح حاضر ہے۔۔

اور پھر خود سے مخاطب ہو کر بولا۔۔خدا کی قسم ہے۔۔۔اُسے پتال سے بھی ڈھونڈھ کر مجھے لانا پڑا تو ڈھونڈ کر لاؤ گا۔۔

ان انسوں کی قیمت کا حساب تو ہر اُس شخص کو دینا پڑے گا جو اس کے ذمے دار ہیں۔

اور پھر زندگی کے نئے سفر کا آغاز شروع ہو چکا تھا۔

اب کس کس کو حساب دینے کی فہرست میں کھڑا ہو کر۔

اپنی عبرت ناک موت کو دیکھنا تھا۔۔۔یہ تو آنے والا وقت بتانے لگا تھا۔

کیوں کہ سکندر صالح وحشی تو بن سکتا تھا مگر معاف کر دینے والا ہر گز نہیں ۔۔۔۔دنیا میں بنائی خود کی جہنم میں وہ یوہی سزاوں کا ارتقاء کر کے ایسے لوگوں کی ہیبت ناک موت کی وجہ بنتا تھا۔

مگر آج بات کسی دوسرے کی نہیں تھی۔۔۔اُس کے خود کے سینے کو چاک کرنے کی تھی۔۔۔یعنی اُس کی بیوی پر وار کیا گیا

تھا۔۔۔ نظر۔۔۔چہرے۔۔۔ حواس کی خصوصیت کا مالک وہ۔ گھٹیا شخصیت ایتان نہ جانتے ہوئے وہ کر گیا تھا۔۔۔جو شاید اب اُسے اُس دنیا میں تو کیا۔۔۔اُسے اس دنیا میں بھی۔۔۔خود کو۔ایسی المناک موت کے ائینے میں اپنی موت کا سانحہ دیکھنا تھا۔۔۔کہ۔۔۔۔جس موت کا اُس نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔

کس کی زندگی آج نئے سفر پر چل پڑی تھی اور کون اپنی موت کی کہانی کو آج رقم کرنے والا تھا یہ تو آنے والا وقت بتانے والا تھا۔

سکندر زیمل کو خود سے لگائے کتنی ہی دیر بیٹھا رہا اور پھر زیمل کو لیٹاتے اُسے دیکھنے لگا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر صاحب میرے بیٹے کی اب کیا کنڈیشن ہے؟؟

کب تک وہ ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔

ایوا روتے ہوئے ڈاکٹر سے اتیان کے بارے میں پوچھنے لگی۔۔۔۔ جس کے آپریشن کے بعد اُس کی حالت خطرے سے باہر نہیں تھی۔

ڈاکٹر::::: دیکھیں اُن کی گولیاں نکال دی گئی ہیں۔

آپریشن کریٹیکل تھا۔۔

تینوں گولیوں نے اندر کے سسٹم کو کافی حد تک ڈیمیج کیا ہے۔۔۔

خون بھی بہت بہہ گیا ہے۔۔اُن کا۔

اور ابھی ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔

اور پھر یہ کہتا وہ ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا۔

لیہ ماں کے پاس بیٹھے ماں کو چپ کروانے لگی جو ڈاکٹر کی بات سے خاصا رونے لگی۔

ایوا::::: یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔اُسی۔۔۔ڈائین کی وجہ سے۔۔۔۔ڈائین ہے وہ میرے بیٹے کو کھا گئی۔۔

لیہ::::: ماما زیمل کا ویسے کچھ پتہ نہیں ہے۔۔۔۔

آپ پولیس میں کمپلین کیوں نہیں کرتی۔۔۔۔۔

وہ اُس بیچاری کو ساتھ لے گئے ہیں۔۔۔۔۔۔وہ کس حال میں ہو

گی۔۔۔آپ

ایوا::: تو اٹھ یہاں سے اور دفع ہو جا۔

دیکھ تیرے بھائی کی کیا حالت ہو گئی ہے۔

اور تجھے اُس کی پڑی ہے

اچھا ہے اسے لے گئے۔

خداوند کرے اُسے نوچ کر کہیں پھینک دے۔۔

میرے بیٹے کو کس حال میں اُس نے پہنچا دیا۔۔۔

میرے سامنے آئی تو میں خود اُس کا گلا دبا کر مار ہی دوں گی۔

پتہ نہیں کون سا وہ وقت تھا جب اُسے اِس گھر میں اٹھا کے لائی تھی۔۔

لیہ:::: ماما آپ کیسی۔۔۔۔۔باتیں۔۔

ایوا::::: ابھی کہ ابھی میری نظروں سے دفع ہو جا۔۔۔لیہ۔۔۔۔ ورنہ یہ نہ ہو میں تیرے ساتھ کچھ کر بیٹھو۔

جا دفع ہو جا۔۔۔

اور پھر لیہ ماں کی باتوں سے پریشان ہوتی وہاں دوسرے بینچ پر جا کر بیٹھ گئی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر:::: پتہ کیا تم نے۔۔۔؟

جمشید::::: بھاؤ کچھ دیر تک پتہ چل جائے گا۔

سکندر:::::::اُس کتے کو سارے فلسطین کی گلیوں میں گھسیٹتے ہوئے میرے پاس لانا۔۔ہے تم نے۔۔۔ سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

اُس کتے کو ڈھونڈھ کر میرے پاس لاؤ۔۔

وہ مرنا نہیں چاہیے۔

سمجھے

اگر وہ اتنی آسانی سے مر ایا اُس کی سانسیں یہاں آنے سے پہلے رو کی تو یہاں

اُس کی جگہ میں تم سب کی لاشوں کا ڈھیر لگاؤ گا۔

تم۔لوگوں کو دفنانے کے لیے تم لوگوں کی راکھ بھی نہیں چھوڑوں گا۔

سکندر جو آدھی رات گئے زیمل کے سو جانے کے بعد جمشید پر برس رہا تھا۔

مقابل میں کھڑے جمشید کی جان پر بن آئی تھی۔

سکندر جو دوپہر سے رات سونے تک زیمل کے سامنے اپنے آپ کو سنبھالے

ہوئے تھا۔اب اپنے آپ کو روک نہیں پا رہا تھا۔

جمشید کو اُس نے کچھ دیر بعد ہی اُس شخص کو ڈھونڈھنے کا کہہ دیا تھا۔

سکندر:::: کتنا وقت اور لگے گا۔

سکندر اپنی برداشت کے پیمانے کے ٹوٹتے ہوئے بولا۔

دو گھنٹوں کے کام۔ کو تم نے پورا دن لگا دیا۔

فلسطین کیا اتنا بڑا تمہیں لگ گیا ہے کہ اُس کمینے کو تم ڈھونڈھ نہیں پا رہے۔

(سکندر برابر چیلا کر بہت غصے سے بولا تھا)۔

اگر تم اگلے دس منٹ تک اس کی خبر نالائے تو میں تم سب کی کھال اُدھیڑ دوں گا۔

سکندر اب تک برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

جمشید::::: بھاؤ۔۔بس کچھ۔۔۔کچھ دیر اور۔

جمشید::::: ب۔۔۔۔بھاؤ۔۔۔بس۔۔۔۔کچھ دیر۔۔

سکندر::::: اسے ڈھونڈھ کر لاؤ جمشید۔۔۔۔مجھے وہ ہر قیمت پر یہاں چاہیے۔

ورنہ اس شہر کو نظرِ آتش کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچوں گا کہ یہاں کتنے بے قصور لوگ رہتے ہیں۔

اچانک جمشید کا فون بجنے لگا۔

کان سے لگائے فون کچھ دیر بات کرتا رہا۔

جبکہ دوسری طرف سکندر سگار کا کش لگاتے خود کے پاس پڑی شراب کی بوتل کو دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد فون کو رکھتے ہوئے جمشید بولا

جمشید::::::بھاؤ۔۔۔پتہ چل گیا ہے۔

سکندر::::::گاڑی نکالو۔۔۔فوراً۔۔۔

یہ کہتا سکندر رُبنا جمشید کی بات سنے اپنے کف کو اوپر کی جانب کرتا بہت غصے سے باہر کی طرف نکل گیا۔

رات کے دو بج رہے تھے اور وہ اپنی شادی کی پہلی رات کسی کی موت کا پروانہ لیے فلسطین کی سڑکوں میں گاڑی چلا رہا تھا۔

گاڑی سوا نیزے کی دھاڑ سے زیادہ تیز چل رہی تھی۔

جمشید کچھ خاموش تھا۔

کچھ کہنے کے باوجود کچھ کہنے کی اُس میں ہمت نہ تھی۔

آج کن لوگوں کے خون سے بھاؤ کے ہاتھ رنگنے والے تھے

جمشید اس بات سے پریشان تھا۔

گاڑی میں موجود لوکیشن کو لگاتے سکندر کچھ دیر میں اُس گھر کے سامنے پہنچ گیا تھا۔

اور گاڑی سے نکلتا اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ جو سکندر کی گاڑی کے ساتھ آتی گاڑی سے وہاں پہنچ چکے تھے۔

جمشید بھی گاڑی سے نکلتا بھاؤ کے ساتھ آگے کو بڑھا۔۔

آدھی رات میں سکندر نے اُس گھر کے دروازے کو ایک جھٹکے سے توڑ دیا۔

وہ۔دروازہ جہاں سے نکلنے کے لیے زیمل۔کو بارہ سال۔لگ گئے تھے۔

دروازے کو توڑتا سکندر اندر کو داخل ہوا۔تو باقی سب بھی سکندر کے ساتھ اندر داخل۔ہو گئے۔

اس پاس رہنے والے لوگ بھی اس دھڑک کی۔آواز سے اٹھ گئے تھے۔مگر باہر کھڑے لوگوں کے ہاتھوں میں موجود بڑی بڑی گنوں کو دیکھتے چپ کا پھیرا سجا کریوں بیٹھ گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

دوسری طرف ایوا جو اپنے کمرے میں ہسپتال سے دو دن کے بعد آئے سو رہی تھی۔

دروازے کے ٹوٹ جانے کی آواز پر خوف سے اٹھ گئی۔ دوسری طرف لیہ گھر پر موجود نہیں تھی بلکہ ہسپتال میں ایتان کے ساتھ موجود تھی۔

سکندر نے اشارے سے گھر کی تلاشِ لینے پر اُس شخص کو حکم دے دیا تھا۔

ایوا جو فون کی طرف بھاگتی پولیس کو فون کرنے لگی۔

اچانک دروازے کی طرف کسی کو بڑھتے دیکھ فون پر بولنے لگی۔

ایوا::::م۔۔۔مو۔۔۔۔۔مو۔۔۔مجھے۔۔۔۔ب۔۔۔بچا لیں۔۔۔۔۔

میرے گھر میں۔۔کوئی۔۔۔۔ گھس۔۔۔آیا ہے۔

ابھی کہ وہ اپنا پتہ بتاتی۔ سکندر کے بھیجے گارڈز میں سے ایک نے اُس کمرے کے دروازے کو توڑ دیا۔

اور پھر ایوا کی طرف بھرا جو فون پر بے حد خوف سے بات کرتے ہوئے کانپ رہی تھی۔

اور پھر ایک آدمی نے ایوا کا فون چھینتے اُسے کمرے سے باہر نکالا۔

سکندر جو نہایت غصے میں کسی بے لگام شیر کی طرح لگ رہا تھا۔ وہاں بیٹھا بظاھری طور پر پر سکون لگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گھر کی چھان بین کرنے کے بعد ایک آدمی بولا۔

بھائی یہاں کوئی نہیں ہے۔۔

سکندر جو بیٹھا اُس کی بات پر غصے سے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ جیسے خود کی بے رحمی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

اوپر سے اتی ایوا کی اواز جو وہاں موجود سب کو بتا چکی تھی کہ گھر میں ایک۔ فرد موجود ہے۔

سکندر جو گردن کو موڑتا سیڑھیوں کی طرف متوجہ ہوا

جہاں سے زیمل کی آنٹ ایوا کو لایا جا رہا تھا جو خود کو چھڑوانے کو ناکام کوشش کر رہی تھی۔

سکندر اُس کی آواز پر اچانک کھڑا ہوتا ایک زوردار تھپڑ اُس گارڈ کے چہرے پر رسید کر گیا۔ جو ابھی گھر میں کسی کے نہ ہونے کا کہہ رہا تھا۔
یوں سکندر کے انداز پر وہاں مکمل خاموشی چھا گئی۔

اور ایوا کو سکندر کے سامنے لا کر کھڑا کے دیا گیا۔

جمشید جانتا تھا۔۔۔ کہ بھاؤ اس وقت کس قدر غصے میں ہیں۔۔

اور ایک چھوٹی سی۔۔۔ آہ۔۔۔ پر بھی بھاؤ اس وقت کسی کی بھی جان لے سکتے ہیں۔

سکندر::::::جب تک معلومات سو فیصد درست نہ ہو تب تک معلومات کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔۔ سمجھے۔۔
تھپڑ کی گونج وہاں موجود ہر ایک کے سانسوں کو روک چکی تھی۔

اور سکندر بہت برداشت کے ساتھ وہاں اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور پھر ایوا کی طرف بڑھتا اپنے ایک گارڈ سے بولا۔۔

سکندر::::: تمیز سے لانا تھا۔۔۔۔رشتے داری۔۔۔کی بات ہے۔

ایوا:::: ک۔۔۔۔کو۔۔۔کو۔ن۔۔۔ہو تم۔۔۔

سکندر::::: میرے بارے میں جاننے کی اتنی بھی کیا جلدی ہے۔

کتنی عمر ہے تمہاری۔

ایوا سکندر کے انداز سے خوف میں مبتلا ہو گئی تھی۔

اور پھر سکندر چیلا کر بولا

سکندر:::: میں نے پوچھا ہے۔۔۔۔عمر۔۔۔کتنی ہی تمہاری؟

ایوا جو سکندر کی آواز پر کانپ اٹھی تھی کانپتی آواز پر بولی۔

ایوا:::: پ۔۔۔۔پ۔۔پچ۔۔۔۔پچپن

سکندر::::: اونچا بولو۔۔۔۔

(سکندر::::: بارے روب ودبدبے سے بولا)

ایوا::::: پچ۔۔۔پن

سکندر پھر بھی کافی طاقت لگتی ہے۔خیر

گھر میں کتنے لوگ رہتے ہیں؟

ایوا:::::م۔۔۔م۔۔میں۔۔۔اکیلی۔۔۔

ایوا جھوٹ بولتی اپنے بچوں کو بچانے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی۔

سکندر::::: کتنی ہمت ہے۔۔۔۔تم میں۔جو میرے منہ پر جھوٹ بول کر۔۔۔سچ کو چھپا رہی ہو۔

چلو تمھارے لیے یہ سوال آخری دفع دوبارہ دہراتا ہوں۔

اگر جواب صحیح نہ ہوا تو ایک گولی تمھارے وجود سے آر پار ہو گی۔

سکندر::::: کتنے لوگ رہتے ہیں اس گھر میں؟

ایوا جو سکندر کے ہاتھ میں موجود گن کو دیکھ رہی تھی اور خوف میں مبتلا تھی۔۔۔سکندر کے سوال کے جواب پر بولی۔

ایوا::::م۔۔۔میں۔۔۔می۔۔۔ری۔۔۔بیٹی۔۔۔۔۔۔۔میرا۔۔۔بیٹا

۔۔

سکندر ایوا کی بات اور مسکرایا۔۔

اور اگر گن کو ایوا کی طرف تانے بولا۔

سکندر::::: غلط جواب

(ٹھا) اور پھر گولی کی آواز کمرے میں گونجی

آہہہہہہہہ

سکندر:::::اوہ۔۔ گولی چھو کر گزر گئی۔

ایوا جو کچھ دیر پہلے کھڑی تھی اچانک ٹانگ کی طرف گولی چلنے پر چیخوں کے ساتھ رونے لگی۔۔

سکندر::::: کچھ بھی نہیں ہوا۔۔۔۔ مس۔۔۔ایوا۔۔

صرف گولی ٹانگ کے پاس سے چھو کر گزری ہے۔

ہلکی سی خراش ہے۔

ایوا جو روتے ہوئے سکندر کی بات پر بولی۔

ایوا:::: ک۔۔۔کو۔۔ن۔۔۔۔ہو۔۔۔تم؟

کیا۔۔۔۔چاہتے۔۔۔ہو۔

ایوا جو مسلسل روتے ہوئے سکندر سے سوال کرتی بولی۔

سکندر:::: میں تو یہاں کھیلنے آیا ہوں۔

ایک سوال کا ایک بار میں صحیح جواب۔

ورنہ ڈیمو تو دیکھ چکی ہو۔

جواب نہ صحیح دیا تو اگلے بار گولی ٹانگ پر نہیں بلکہ۔

دماغ کے آر پار کروں گا۔۔۔

چلو اب بتاؤ۔

گھر میں کتنے لوگ ہیں۔؟؟؟

ایوا:::: چ۔۔۔چار۔

سکندر:::: یہ دیا نہ صحیح جواب۔۔۔

..اگلا سوال

سب کہاں ہیں

آپ میرے یوٹیوب چینل پر آنے والی باقی قسطیں پڑھ سکتے ہیں ناول کا نام سرچ کریں اور ناولز کی دنیا کے اکاؤنٹ پر اس کے باقی قسطیں جلدی پڑھ لیں(

ایوا سکندر کی بات پر رونے لگی۔۔اور پھر جواب دیتی بولی۔

ایوا:::: میرا۔۔۔بیٹا۔۔۔ہسپتال۔۔۔۔میں۔۔۔ہے۔

میری بیٹی وہاں اُس کے پاس ہے۔

اور۔

سکندر::::: اور کیا۔؟

ایوا:::: می۔۔۔۔میری۔۔۔بھا۔۔۔۔نجی۔۔۔کسی۔۔۔کے

۔۔ساتھ۔۔۔بھاگ۔۔۔گئی۔

سکندر کا آخری بات پر پارا ہائی ہوا گیا۔

سکندر::::: کیا۔۔۔ کہا ہے۔۔۔ تم نے۔۔۔۔؟

کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔؟

ایوا سکندر کی بات پر ہاں میں سر ہلانے لگی۔

سکندر نے ایوا کے پیچھے لگے شیشے میں ساری گولیاں بھرتے ہوئے بولا۔

سکندر::::::: تم نے تو ثابت کر دیا۔ کہ تم نے ہی اس کمینے کو جنم دیا ہے۔

کانوں میں۔ ہاتھ رکھے ایوا چیخنے لگی۔

سکندر:::::: جس طرح کسی کی زندگی کو تم نے اور تمھارے اُس بیٹے نے جہنم بنایا تھا۔

اگر میں نے تمھارے اور تمھارے بیٹے کو جہنم واصل کر کہ مرنے پر مجبور نہ ہاں کر دیا تو میرا نام سکندر صالح نہیں۔

جس طرح تمہیں اپنی اس چھوٹی سی جہنم پر جس میں تم دوسروں کی زندگی کو۔ اجیرن کرتی ہو۔۔۔ بڑا غرور ہے۔

اگر میں نے بھی اس جہنم کو تمھارے لیے دوزخ کے پہلے درجے کی طرح تم پر نازل نہ فرمایا تو میرا نام سکندر صالح نہیں۔۔

یہ تو صرف ڈیمو دیا ہے تمہیں میں نے۔۔۔ٹریلر تو تم اپنے بیٹے کی موت کے ساتھ دیکھو گی۔

جسے اتنی آسانی سے مرنے نہیں دوں گا۔

موت کو وہ روز دیکھے گا۔اور تم اُس موت کے درد کا احساس اُس کی آنکھوں میں محسوس کرو گی۔

جس طرح تمھارے بیٹے نے کسی کی حیا کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے اُسے طرح اگر میں نے بھی تمھارے بیٹے کو ذلت کی پستی میں اتار کر موت نا دی تو میرا نام سکندر صالح نہیں۔

ایوا جو سکندر کی بات پر اپنی سانسوں کو روک چکی تھی بولی۔

ایوا:::م۔۔۔م۔۔۔میرا۔۔۔۔۔ب۔۔۔ب۔۔۔۔۔بی۔۔۔۔۔بیٹا۔۔۔۔ت

۔۔۔۔۔ت۔۔۔۔ت

تم۔۔۔۔ایسا۔۔۔ایسا۔۔۔کو۔۔۔کچھ۔۔۔ن۔۔۔ نہیں۔۔۔کرو
۔۔گ۔۔۔گے۔

سکندر:::::میں اس سے کئی زیادہ بتر کروں گا۔

تمھارے بیٹے کی موت دنیا کی تاریخ کی سب سے دردناک اور بھیانک موت
ہو گی۔

ایسی موت جس کا تصور بھی تم نے کبھی نہیں کیا ہو گا۔۔

تم صرف اپنے بیٹے کی موت کو دیکھنے کے لیے زندہ ہو۔۔

تم لوگوں کو اتنی آسانی سے مرنے نہیں دوں گا۔۔

سکندر صالح کو خوف کی دنیا کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔

میں دی بلیک ڈیول تم لوگوں کی زندگیوں میں ایسی کلک بھروں گا کہ کھلی
انکھوں سے بھی تم صرف موت کا انتظار کرو گے مگر موت نہیں آئے گی۔

تم جیسی ماں ہی ایسے کمینوں کی پیدائش کاری کا سبب ہے جو دوسری عورتوں
کے پاک تقدس کو پامال کرتے ہیں۔۔

ایک مرد وہ ہے جو عورت کی پاک دامنی کی حفاظت کرے مگر تم ایک نہ مرد کی ماں ہو۔۔اور وہ ایک بے حیاء عورت کا بیٹا۔

ایوا سکندر کی بات پر ہزاروں انسوں بہا گئی تھی۔اُسے اپنے کیے کا کوئی دکھ نہیں تھا وہ اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ کوئی ایتان کی دشمنی میں یہاں آیا ہے۔

مگر سکندر آیا تو وہاں اُسے وجہ سے تھا مگر پہلی وجہ زیمل کے چہرے پر بہتے انسو تھے جن میں بے پناہ درد کی شدت تھی۔

سکندر::: اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے تم دنیا کے کسی کونے میں بھی جا کر ہے چھپ جاؤ۔۔۔مجھے فرق نہیں پڑتا

یہ بات ذہن نشین کر لو تمھارے اور تمھارے بیٹے کی موت اسی دنیا میں میری بنائی جہنم میں ہو گی۔۔۔وبھی عبرت ناک۔

اور پھر سکندر یہ کہتا وہاں سے نکل گیا۔

سکندر:::: جمشید ہسپتال سے اُس آدمی کو اٹھواؤ۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔ مجھے آپ کی کچھ بتانا ہے۔

سکندر:::: فل وقت میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جیتنا کہا ہے وہ کرو۔۔ اور اپنی زبان کو جب تک میں نہ کہوں کھولنا مت

۔۔۔ ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہی گا سمجھے

مجھے وہ ہر قیمت پر چاہیے وہ بھی زندہ سمجھے۔۔۔

اس عورت پر بھی نظر رکھواؤ۔

جمشید:::: جی۔۔۔ بھاؤ۔۔۔

سکندر:::: مجھے وہ صبح تک چاہئے۔۔۔ یاد رکھنا صبح تک۔۔۔

جمشید:::: جی بھاؤ۔۔

اور پھر سکندر یہ کہتا وہاں سے چلا گیا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر:::: جمشید ہسپتال سے اُس آدمی کو اٹھواؤ۔

جمشید::::: بھاؤ۔۔۔مجھے آپ کی کچھ بتانا ہے۔

سکندر:::: فل وقت میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جیتنا کہا ہے وہ کرو۔۔۔اور اپنی زبان کو جب تک میں نہ کہوں کھولنا مت

۔۔۔ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہی گا سمجھے

مجھے وہ ہر قیمت پر چاہیے وہ بھی زندہ سمجھے۔۔۔

اس عورت پر بھی نظر رکھواؤ۔

جمشید:::: جی۔۔۔بھاؤ۔۔۔۔

سکندر:::: مجھے وہ صبح تک چاہئے۔۔۔۔یاد رکھنا صبح تک۔۔۔

جمشید:::: جی بھاؤ۔۔

.اور پھر سکندر یہ کہتا وہاں سے چلا گیا

))))))اگلے دن

سکندر کی آنکھ کھلی تو چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ

ایک لمبی سانس لیتا تو اپنی دوبارہ سے بند ہوتی آنکھوں کو کھولنے لگا۔

پاس موجود زیمل جو شاید ابھی نماز ادا کر کے قرآن پڑھنے میں مصروف تھی۔

سکندر اُسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔اور کتنی ہی دیر ویو ہی اُسے دیکھتا رہا۔

جو دوبارہ سے بند بالوں پر سکارف کا پہرہ بیٹھائے باپردہ وجود میں بیٹھی تلاوتِ قرآن میں مشغول تھی۔

اور پھر جب تک زیمل قرآن کو پڑھتی تھی سکندر اُس کے محبت سے پڑھتے انداز کو دیکھتا رہا۔

قرآن پڑھنے کے بعد زیمل نے قرآنِ پاک کو بند کرنے کے بعد چوم کر غلاف میں ڈال دیا۔ابھی کہ وہ سکندر کی طرف موڑی ہی تھی۔

کہ اچانک سکندر کی آنکھوں کو کھولتا دیکھ وہ ڈر گئی۔

زیمل:::آ۔۔۔آپ۔۔۔اٹھ۔۔۔گئے۔

اور پھر یوں اچانک ڈر جانے پر اپنی سانس کو بحال کرنے لگی۔

سکندر مسکرانے لگا اور بولا۔

سکندر::::ایک سوال پوچھوں آپ سے؟

زیمل دنیا کی وہ واحد عورت تھی یا پھر یوں کہا جائے۔

کہ دنیا میں صرف زیمل ہی تھی۔۔جس۔۔۔سے کچھ پوچھنے کے لیے سکندر سوال کی طرح اجازت طلب کرتا تھا۔۔۔ورنہ اجازت مانگ کر اپنی بات کرنا یہ انداز سکندر میں اُسے جاننے والوں نے آج تک کبھی نہیں دیکھا تھا۔

زیمل:::::ج۔۔۔جی۔۔پوچھیں۔

زیمل بھی پورے ادب واحترام سے سکندر کے سوال کا جواب دیتی ہوئے بولی۔۔۔جیسے سکندر کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

سکندر:::کیا آپ قرآن روز پڑھتی ہے۔۔۔۔اور روز۔۔۔اتنی ہی توجہ اور محبت سے؟

وہ سوال تھا یا زیمل کے قرآن پڑھنے کا خلوص تھا جسے سکندر بہت خوبصورتی میں سوال کی شکل دے کر پوچھ چکا تھا۔

زیمل:::::::: جن سے آپ کو محبت ہو۔۔۔اُن کو پڑھنے میں محبت اور خلوص خود باخود شامل ہو جاتی ہے۔۔ پھر اُسے جب بھی پڑھا جائے زبان صرف محبت سے اُس کے ہر حرف کو ادا کرتی ہے.

سکندر::::: مگر یہ تو ایک کتاب ہے۔۔۔۔ کوئی کسی کتاب کو بھی اتنی محبت سے پڑھ سکتا ہے؟؟؟؟

زیمل::::: قرآن ایک کتاب نہیں ہے۔۔۔ بلکہ ایک زندہ وجاوید کتاب ہے۔۔

سکندر:::::: زندہ وجاوید کتاب؟ کیسے؟

زیمل:::::::: میرے بابا کہتے تھے۔ کہ۔ زیمل انسان دلوں سے جوڑتا ہے۔۔۔انسان کو کسی چیز سے جوڑنے والی چیز یہ دل ہوتا ہے جو سینے میں دھڑکتے دل کو کسی دوسرے دل سے جوڑ دیتا ہے اور کہتے تھے زیمل اگر تمہارا دل قرآن کے دل سے جوڑ گیا تو محبت تو صرف عام سی چیز ہو جائے گی

۔۔کیوں کہ دلوں کا جوڑ جانا محبت والوں کی نشانی نہیں بلکہ عاشقوں کی نشانی ہے۔

محبت والوں کو جو چیز بھا جاتی ہے وہ اُن پر مر مٹنے کی آرزو کر بیٹھتے ہیں مگر جہاں دل دل سے جوڑ جائے وہاں عاشقوں سی حالت ہو جاتی ہے۔۔وہاں مر مٹنے کی آرزو نہیں۔۔بلکہ۔۔۔انسان عشق کے رنگوں میں لپٹے۔رنگوں میں جھومتے جھومتے مر جاتا ہے۔

تم محبت قرآن سے محبت والوں سی محبت نہ کرنا بلکہ عاشقوں سا عشق کرنا۔ کیوں کہ قرآن کے دل سے دل لگا لینا ایمان والوں کی نشانی ہے۔اور عشق ایمان والوں کے دلوں میں وہ روشن چراغ ہوتا ہے جو اُن کے دلوں کو ہمیشہ نور کی روشنی سے منور کرتا ہے۔۔۔۔کیوں کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔

اور قرآن کے زندہ وجاوید ہونے کا ثبوت اس کا دل ہے۔جو سورۃ یاسین ہے جسے "قلب القرآن" (قرآن کا دل) کے عنوان سے بھی ملقب کیا گیا ہے۔

جس کتاب کے سینے میں دل ہو۔

اور لکھا خالقِ کل ءنے ہو۔

اُسے اگر محبت و خلوص سے پڑھا نہ جائے

تو پھر کیسا عشق کیا عاشق نے خوب۔

(از قلم طوبیٰ میر

کیوں کہ جہاں عشق ہوتا ہے وہاں عاشق کے دل میں خلوصِ محبت

۔۔۔کا۔۔۔ قیام ہوتا ہے۔

اور جہاں قیام ہوتا ہے وہی لب پر خلوصِ دل سے ادا کلام ہوتا ہے۔

سکندر جو بیٹھا زیمل کی بات سن رہا تھا اُس کا ایک ایک حرف سکندر کے دل کو

جا لگا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کی بیوی اس قدر متاثر الفاظوں کی گہرائی سے اُس کے

دل کو دھڑکنے پر مجبور کر دے گی۔

وہ کوئی عام لڑکی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔

اُس کا ایک ایک حرف کسی اور ہی مخلوق کی ادائیگی معلوم ہو رہا تھا۔

سکندر جو بیٹھا زیمل کی بات سن رہا تھا۔۔ نجانے اُس کے رُکجانے

پر۔۔۔ایک اور سوال کرتا بولا۔

سکندر::::: آپ نے توجہ کا ذکر نہیں کیا؟

زیمل::::؛ جو عشق کرتے ہیں اُن کی توجہ کا مرکز بھی صرف عاشق کے

دل سے جوڑ جانے والے کا دل ہوتا ہے۔

پھر عشق کی عبادت میں اگر توجہ ہٹ جائے تو عبادت ٹوٹ جاتی ہے۔

سکندر:::: محبت اور عشق تو دونوں ایک سی ہوتی ہیں۔

پھر محبت کی جائے یا عشق۔ کیا تو ایک ہی سے جاتا ہے۔

زیمل:::: محبت اور عشق کے پیمانے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے

ہیں۔

دونوں میں چاہنے کی شدت میں فرق ہے۔

عشق محبت پر غالب آسکتا ہے۔اور اُسے خود میں شامل کر کے اسے عشق میں بدل سکتا ہے۔

مگر محبت کبھی عشق پر غالب نہیں آسکتی نہ ہی عشق کو بدل کر محبت میں تبدیل کر سکتی ہے۔

سکندر:::::::اور آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں؟؟؟

زیمل::::: محبت میں پالینے کی خواہش ہوتی ہے جو پالیا جائے اُسے پالینا کہتے ہیں.

جب کہ عشق میں دیکھنے کی چاہ ہوتی ہے جسے عشق میں عاشق دیکھتا ہے اُسے پالینا کہتے ہیں۔

دونوں میں چاہنے کا فرق ہے۔۔۔کوئی پانے کی چاہ میں محبت کر رہا ہے کوئی دیکھنے کی چاہ میں عشق کر رہا ہے۔

کیوں کہ عشق میں پالینے کا مطلب پالینا نہیں ہوتا۔

دل اگر جوڑ جائے عشق کی ڈور سے تو رابطے رہے نہ رہے دنیاوی

۔۔۔۔دلوں کی ڈور کافی ہے دیدارِ یار کے سامنے آنے پر۔

سکندر زیمل کی باتوں پر حیران بھی تھا اور اُس کی باتوں سے بے حد متاثر بھی۔

سکندر:::: تو پھر ایک اور سوال پوچھ سکتا ہوں؟

زیمل سکندر کی بات پر سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر::::: عشق کیسے کیا جاتا ہے؟؟؟؟

زیمل جو سکندر کے سوال کو سنتے کچھ دیر خاموش ہوئی اور پھر بولی۔

زیمل:::: اُلفت سے محبت اور محبت سے اختتامِ سفر کو عشق کہا جاتا ہے۔

یعنی اُلفت سے محبت تک کا سفر خوش رنگین ہوتا ہے۔

بلکل کسی خوب صورت باغ کی طرح۔

مگر پھر محبت سے عشق کے سفر کو طے کرنے میں سالوں بیت جاتے ہیں۔

یعنی انسان جس چیز کو محبت میں پالیتا ہے۔

محبت سے عشق کے سفر میں اُس سے جدا ہو جاتا ہے۔

جس کو پا کر پھر اُس سے جدائی کا غیر متعین سفر کاٹنا پڑے اُسے عشق کہتے ہیں۔

وہاں صرف دیکھ لینے کی چاہ انسان کو تڑپنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

اور حالتِ زار کسی ریگستان میں موجود پیاسے کی سی ہو جاتی ہے جو ہر پل مارا مارا صرف کنویں کی تلاش میں رہتا ہے۔

سکندر::::: تو عشق کرنا مشکل ہے۔

سکندر جیسے زیمل کی بات کا خلاصہ کر رہا تھا

زیمل:::: عشق تحفہ ہے خدا کی طرف سے کیوں کہ عشق انسان کو خالق کلِ کائنات کے قریب کر دیتا ہے۔

جسے دیکھنے کی چاہ کو لیے انسان مارا مارا پھیرتا ہے۔

اُس کے لیے جدائی کا وقت کاٹنا پڑتا ہے۔یعنی وقت اور محبوب سے دوری کی قربانی۔۔جو جتنا زیادہ جدائی کے وقت کو کاٹ لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے ۔وہ اپنے دردِ عشق کا پھل پا لیتا ہے۔

پھر ایسے میں پا لینے کا مطلب حقیقی معنوں میں عاشق کے دل میں اُس چاہت کو پا لینا ہوتا ہے جو دنیا کی ہر آرزو کو پا لینے سے مختلف اور مقبول ہوتا ہے۔

سکندر تو زیمل کے اندازِ بیان پر اب تک حیران تھا۔

اُس کے ہر سوال کا وہ کس طرح کن معنوں میں۔کن لفظوں میں۔۔۔کن کیفیات کے زیرِ نظر میں۔۔کن جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ اپنے جواب کی تکمیل کر رہی تھی۔سکندر اب تک حیران تھا۔

سکندر::::آپ بہت گہری باتیں کرتی ہیں۔بلکل اپنے چہرے کی پراسرار رونق کی طرح۔

زیمل سکندر کی بات پر خاموش ہو گئی۔

سکندر زیمل کے یوں خاموش ہونے پر اپنی جگہ سے اٹھتا زیمل کے سامنے بیٹھتا بولا۔

سکندر::::: ابّ اتنی تعریف کرنے کا تو میں حق رکھتا ہوں۔

زیمل سکندر کے انداز سے خاموش ہوئی تو سکندر زیمل کو یوں گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

سکندر::::: زیمل؟

زیمل سکندر کے منہ سے اپنا نام سنتے ہی اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو سکندر بولا۔

سکندر:::: میں نے کبھی یہ بات تصّور نہیں کی تھی کہ کبھی مجھے کسی کا ساتھ اس قدر متاثر کر جائے گا۔

زندگی کا سفر کاٹنے کو سکندر صالح کو بھی کسی ہمسفر کی تمنا ہو جائے گی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ میرے یوں نکاح کے مطالبے کو تسلیم کر لیں گی۔

جس چہرے پر نظر اٹھانے کی چاہ دل میں رکھتے ہوئے بھی میں نے نظروں کو آپ پر پڑنے نہیں دیا۔ صرف اس حیا کی تپش سے۔۔۔آج اِس چہرے کو نظروں کے یوں اتنا قریب دیکھنا مجھے۔۔میرے دل۔ کو بدگمانی کی منزل کی راہ پر چلنے کی تلقین کر رہا ہے۔

کہیں یہ سب مجھ سے پہلے کی طرح چھین نہ لیا جائے۔

کیوں کہ خوبصورت خوابوں کا ٹوٹ جانا لازم ہے۔

پر یہ خواب حقیقت ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں میرے دل میں کسی انتشار کو برپا کرنے کی راہ دیکھ رہا ہے۔

زیمل::::خوبصورت خوابوں کی تعبیر بھی بہت خوبصورت ہوا کرتی ہے۔

آپ خدا پر یقین رکھے۔بدگمانی خود باخود غائب ہو جائے گی۔

سکندر وہ جو رب سے گفتگو کرنے کی خواہش بھی نہیں رکھتا تھا۔۔در حقیقت بدگمانی اور سزائے آتش جو دُنیا میں اُس کی زندگی کا انجام طے کر چکی تھی وہی اُس کی زندگی تھی۔

سکندر:::::جن بدگمانیوں کی زنجیر زندگی میں لاتعداد سانحیوں سے جوڑی ہو۔وہاں گمان کا غائب ہو جانا صرف اک مذاق لگتا ہے۔۔خیر آپ کچھ دیر آرام کرلیں۔

اور پھر سکندر یہ کہتا وہاں سے اُٹھ کر باہر کی طرف چلا گیا۔۔اس ڈر سے کے کہی وہ اپنی حقیقت کو کسی طور اپنی زندگی کی اکلوتی خوشی کے سامنے ظاہر نہ کردے۔

اور جس خوبصورت خواب کو وہ اب تک دیکھ رہا تھا کہی کسی طرح وہ اُس سے ٹوٹ کر الگ نہ ہو جائے۔

زیمل کو اُس شخص کے چہرے پر بدلتے انداز نظر آئے تھے۔

زندگی میں کچھ مقامات انسان کو گزرے لمحات میں جینے پر مجبور کردیتے ہیں۔وہ گزرے لمحے روح پر ضربوں کا کام کرتے ہیں جو جسم میں جینے کی طاقت کو ختم کردیتے ہیں۔اور اُس تکلیف سے جوڑے انسانی وجود کو چھلنی کر کے ہزاروں موت مارتے ہے مگر سکندر صالح ایسوں میں سے نہیں تھا کہ

اپنی تکلیف کو کسی پر ظاہر کر دے یا یہ مان لے کہ وہ کبھی کبھی ایسی حالت سے گزرا ہے۔

کمرے سے نکلتے ہی سکندر کے چہرے کے تاثرات بھاؤ کے رو بو د بد بے کی شخصیت دھاڑ گئے۔

ایک آتش فشاں تھا جو سکندر صالح کے۔اندر پھٹنے کو۔تھا۔

سکندر نیچے اترتا صبح پونے چھ جب باہر کا اندھیرا کچھ ہی اترا تھا۔۔اترتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

اور پھر نیچے اترتا باہر راہداری کی طرف چلا گیا۔

مکمل خاموشی سے وہ جگہ پر سکون معلوم۔ہو رہی تھی۔

اور پھر وہاں سے نکلتا جمشید کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر یو ہی کھڑے رہنے کے بعد بھاؤ میں فون کو۔نکالتے ہی جمشید کو فون لگا یا۔

جمشید::::جی۔۔۔۔بھاؤ۔

سکندر:::::کام۔ہوا ہے یا نہیں؟

(وہ بہت سرد لہجے میں بولا تھا)

جمشید:::جی۔۔بھاؤ پہنچ گئے ہیں۔

سکندر یہ سنتا فون کو بند کر گیا۔

کچھ دیر بعد ایک گاڑی داخل ہوئی۔۔۔اور پھر کچھ آگے آتی گاڑی دوسری طرف کی بیسمینٹ کے سامنے کھڑی ہوئی۔

باہر کی جگہ اور پانچ باڈی گارڈز کھڑے ہوئے۔

اور باقی بیسمینٹ میں ایتان کو لیے نیچے کی طرف چلے گئے۔۔

جمشید::::::تم۔۔۔ادھر آؤ۔

ڈاکٹر جمشید کی آواز پر اُس کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر:::؛دیکھیں جو کچھ آپ۔۔۔کے رہے ہیں یہ سب غلط ہے

جمشید:::::اے۔۔۔ڈاکٹر تُجھے یہاں ڈاکٹری کرنے کے لیے لائیں

ہیں۔۔۔ سمجھے۔

یہ جو کمینہ یہاں لیٹا ہے اگر یہ مرا۔۔۔تو تو اپنی موت کا خود ذمے داری ہو

گا۔

تُجھے یہاں لیکچر دینے کے لیے نہیں لایا ہوں بلکہ اس کے لیے لایا ہوں سمجھے

۔

اس کا علاج کر۔۔۔یہ مرنا نہیں چاہیے کسی قیمت پر بھی نہیں ورنہ تیری وجہ

سے بہت سو کو اس کی قیمت چکانی پڑے گی

اور اسے ٹھیک۔کر۔۔۔۔ورنہ اُس کے بعد جو میں تیرے ساتھ کروں گا

۔۔۔ تیری نسلیں یاد کریں گی۔

اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی زندگی چاہتا ہے۔۔۔تو یہ کام۔کر۔

اور یہ یاد رکھ تیری بیوی اور بچے کہاں ہیں۔

ڈاکٹر:::::تم لوگ ٹھیک نہیں کر رہے؟

جمشید:::::اُف۔۔

ابھی میں نے تجھے سمجھایا ہے

تو کیوں اپنی موت کو بلوا دے رہا ہے۔

بھاؤ اگر آ گئے تو اِس کمینے سے پہلے تیری موت کا پروانہ کاٹے گے

چل اپنی اس بکواس کو۔ بند کر اور کام پر لگ۔

ڈاکٹر جمشید کی بات پر بول اُٹھا۔

ڈاکٹر:::::اس کی حالت نہیں ٹھیک۔۔۔اور میں اس کا علاج یہاں نہیں کر۔ سکتا۔

جمشید جو رات کا ان سب کاموں میں پھنسا تھا۔

وہ اب تک ایتان کی حالت کو سکندر بھاؤ کو بتا نہیں پایا تھا۔

اور اس ڈاکٹر کی باتوں سے اب اُسے غصا آ رہا تھا۔

جو جمشید کا دماغ اور خراب کر رہا تھا۔

جمشید نے ڈاکٹر کی بات پر ایک زوردار تھپڑ اُس کے منہ پر رسید کیا۔۔۔

جمشید:::::: ہاں بول۔۔اب۔ کیا کہہ رہا تھا۔

کب سے پٹر پٹر لگائی ہے۔

ایک کہ بعد ایک تھپر جمشید اُس ڈاکٹر کے چہرے کی دائیں طرف رسید کرنے لگا۔

جمشید:::: بول اب۔۔۔۔ ہو گا یہاں علاج یا نہیں ؟؟؟

تھپڑوں کی گونج سے وہ کمرہ بھر گیا۔۔۔

ڈاکٹر جو کب سے جمشید کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔۔

ایک ساتھ اتنے تھپڑوں کو وصول۔ کرتا بولا۔

ڈاکٹر:::: ہ۔۔۔ہاں۔۔۔۔مہ۔۔۔میں۔۔۔۔ کروں گا۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔ علاج۔۔۔

مہ۔۔۔میں

جمشید:::: تو کر۔۔۔۔اور اگر اب تیری اس زبان سے کوئی لفظ نکلا تو پیروں تلے رکھ کر کچل دوں گا۔۔۔ سمجھا۔

ڈاکٹر جو جمشید کی بات پر ہربری کے ساتھ ایتان کی طرف بھرا۔اُس کا گال

نیلا پڑ چُکا تھا۔۔

گھبراتے ہوئے ایتان کو دیکھنے لگا

دوسری طرف جمشید اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتا۔۔اب کچھ اچھا محسوس کر

رہا تھا۔

اور پھر کچھ دیر کے بعد بولا۔

جمشید:::: ہارون تم اس اور نظر رکھو۔۔کوئی ہوشیاری نہ کرے۔۔۔اور

اگر کرتا ہے۔۔۔تو گولی سے اڑا دینا سمجھے۔

ہارون:::::جی بھائی۔۔۔ٹھیک۔۔ہے۔

اور پھر جمشید یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

اور اب اُسے بھاؤ کو ساری بات بتانی تھی۔

جو اُس کے لیے اب تک کا سب سے مشکل ترین کام۔تھا۔

کیوں کہ ایتان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔اُس کو بچانا ناممکن سا تھا۔

اور وہ۔ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ اس خبر کے بعد بھاؤ اُس کا کیا حال کرنے والے تھے۔

جمشید وہاں سے نکلتا سیدھا سکندر کی طرف گیا جو پہلے سے ہی کھڑا سیگار کے کش لے رہا تھا۔

جمشید سکندر کو دیکھتا اُس کی طرف بڑھا۔

جمشید::::::بھاؤ۔۔۔بات کرنی تھی آپ سے

نجانے کس ہمت سے جمشید نے یہ بات کی تھی۔

سکندر جو کھڑا سیگار کے کش لے رہا تھا جمشید کو دیکھتا بولا۔

سکندر::::لے آئے اُسے؟

جمشید::::::جی بھاؤ۔۔۔۔مگر۔۔

سکندر:::::جب لے آئے ہو تو۔۔۔تو مگر کی وجہ۔

جمشید::::بھاؤ۔۔وہ۔۔جو۔۔ڈر گز۔۔کا کام کر رہا تھا نہ۔۔جس کو۔مارکس نے تھامس کے قاتل کی وجہ سے اُس کے بھائی کو ہمارے آدمی کے ساتھ بھیجا تھا۔

سکندر::::ہاں تو۔۔

سکندر بہت سرد لہجے۔میں بولا تھا۔

جمشید::::بھاؤ۔۔وہ۔۔۔جسے تھامس کے بھائی نے گولیاں ماری تھی اور میں نے بتایا تھا کہ وہ بچ گیا ہے۔

سکندر::::مدعے کی بات پر آؤ۔جمشید

جمشید جو خاصا خوفزدہ تھا ایک سانس کو اندر کھینچتا بولا۔

جمشید::::بھاؤ وہ۔۔ایتان نامی شخص ہی وہ کمینہ آدمی ہے۔۔جسے آپ نے اٹھانے کا کہا تھا۔۔۔اور اُس کی حالت کافی خراب ہے۔

سکندر جو ابھی جمشید کی بات سن چکا تھا۔۔ایک پل میں۔۔سیگاڑ کو منہ سے الگ کرتا ہوا۔جمشید کو گیرے بان سے پکڑتے ہوئے۔۔بولا۔۔

سکندر:::: یہ۔۔ کیا۔۔۔ بکواس کر رہے ہو تم۔

جمشید::::: بھ۔۔۔۔ بھائی۔۔۔۔ مہ۔۔۔۔ میں۔۔ نہیں جانتا تھا۔

سکندر:::: جمشیداگر وہ اتنی آسان موت مرا تو میں تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں رہنے دوں گا۔

اُس کمینے کی موت کو عبرت ناک بنانے کی جو میں نے قسم کھائی ہے اُسے اگر میں پورا نا کر سکا۔۔۔ تو تم لوگوں کو اس کا حساب دینا ہو گا۔

ڈاکٹر کو بلاؤ۔۔۔ یا کسی جادو گر کو۔۔۔ مجھے وہ ہر قیمت پر زندہ چاہیے۔۔۔ اُس کی سانسیں اکھڑے۔۔۔۔ جان حلق تک آجائے۔۔ دماغ کی نسیں تک پھٹ جائیں۔۔ مگر اگر وہ مرا تو تم لوگوں کو میں کتوں کی طرح فلسطین کی سڑکوں پر ایسے گھسیٹوں گا کہ تم لوگ اپنے ہاتھوں سے خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔۔۔۔ سنا

مجھے وہ چاہئے۔۔۔ ہر حال میں زندہ۔

وہ مرنا نہیں چاہیے۔

جس مرضی کو بلا کر اُس کتے۔۔ کمینے۔۔۔ کا علاج کرواؤ

بس وہ مرنا نہیں چاہیے۔

ورنہ تم میرا وہ روپ دیکھو گے۔۔۔۔ جو تم نے آج سے نو سال پہلے دیکھا

تھا۔

لوسیفر کو جگانے کی غلطی اگر کسی سے بھی سرزد ہوئی تو اب کی بار کسی کو بھی

زندہ نہیں چھوڑوں گا

کسی کو بھی نہیں۔۔۔۔ سنا تم نے۔

اب دفع ہو جاؤ۔۔ یہاں سے۔

۔اور پھر سکندر نے جمشید کو خود سے دور پھینکتے ہوئے۔۔۔ اُسے انگلی اور

آنکھوں سے اشارہ کیا۔۔

جو بہت حد تک جمشید کی بچی کچی سانسوں کو بھی روک چکا تھا۔۔

اور پھر جمشید صرف دو لفظ ادا کرتا وہاں سے غائب ہو گیا

جمشید::: ج۔۔۔۔جی۔۔۔۔جی ی بھاؤ۔

سکندر کمرے میں داخل ہوا تو اُس کی زندگی کا سب سے خوبصورت حصہ
۔۔یعنی اُس کی بیوی سو چکی تھی۔

کمرے میں بنا کسی آہٹ کے اندر داخل ہوتا سکندر اُس کے قریب جا کر بیٹھ
گیا۔

کتنی دیر وہ زیمل کو یوہی دیکھتا رہا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ اُسے کسی عورت کو دیکھنے سے محبّت ہو گئ تھی۔

اُس کے چہرے پر موجود آنکھیں سکندر کو زیادہ دیر اُس پر نظریں جمائے
رکھنے نہیں دیتی تھیں۔

اور سکندر بھی اُس کی حیا کی تپش کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھ پاتا
تھا۔۔اور نظروں کو جھکا لیتا تھا۔

زیمل سے پہلے سکندر کی ماں وہ عورت تھی جو سکندر کے لیے اُس کی کل
کائنات تھی۔ وہ ایسا نہیں تھا جیسا کہ بن چکا تھا۔

بیڈ سے ٹیک لگائے وہ کسی خیال میں کھو چُکا تھا۔

خیال))))))))

سکندر:::::ماں جی۔۔۔آپ پریشان ہیں؟

سکندر کی ماں جو بڑے بڑے قدموں کو اٹھاتی کسی خوف کا شکار تھی۔یوں سکندر کی بات پر رُک گئی۔

.ماہِ نور:::::نہیں میری جان میں پریشان نہیں ہوں

سکندر::::ماں میں کوئی بچہ نہیں ہوں جو سمجھ نہ سکے۔۔

یہ بات ایک سات سالہ بچہ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔

ماہِ نور:::ہاں مجھے پتہ ہے میرا بیٹا بہت بڑا ہو چکا ہے۔اور سب سمجھتا ہے۔ سکندر میں تم پر بہت یقین کرتی ہوں۔۔۔

روشانے ابھی بہت چھوٹی ہے۔۔تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے ہمیشہ۔

سکندر::ماں جب میں بڑا ہو جاؤ گا۔۔تو میں اتنا امیر آدمی بنو گا کہ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔

اور ہم یوں ایسے در در کی ٹھوکریں نہیں کھائے گے۔

میں آپ کے لیے ایک محل نما گھر بناؤ گا۔

بلکل اُسی طرح جیسے آپ کہانیوں میں بتاتی ہیں۔

سکندر کی ماں سکندر کے چہرے کو مسکراتے ہوئے چوم کر بولی۔

ماہِ نور:: سکندر یہ سب دنیاوی چیزیں ہیں۔۔۔یہ سب معنی نہیں رکھتا ۔۔۔میں جانتی ہوں یہ وقت مشکل ہے مگر کٹ جائے گا۔ تمہیں اپنی بہن کا بہت خیال رکھنا ہے۔۔

اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم نے ہمت نہیں ہارنی۔۔۔

وعدہ کرو کسی طور بھی ہار نہیں مانو گے۔

سکندر:: ماں آپ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔۔۔آپ تو جنت ہے میری اور جنت سے کوئی الگ نہیں ہونا چاہتا۔

ماہِ نور: سکندر موت ایک دن آنی ہی آنی ہے۔۔۔یہ فیصلہ ہے رب کا۔

سکندر: ماں میں آپ کی حفاظت کروں۔۔ گا موت سے۔ اُسے آپ کے قریب نہیں آنے دوں گا۔

اُسے کہو گا کہ وہ آپ کو نہ لے کر جائیں۔

ماہِ نور: تمہیں اپنی بہن کی حفاظت کرنی ہے۔ وعدہ کرو اُسے اپنے باپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔

سکندر:: میں وعدہ کرتا ہوں ماں۔ میری بہن میری جان ہے اور آپ میری کائنات۔۔۔ میں آپ دونوں کی حفاظت کروں گا۔

ماہِ نور: سکندر ماما تم سے بہت محبت کرتی ہے۔ اپنی جان سے بھی زیادہ

ماں جی میں بھی آپ سے بہت محبّت کرتا ہے۔۔۔
سکندر کی ماں نم انکھوں سے سکندر کو دیکھنے لگی۔ اور بولی۔

ماہِ نور::: سکندر اپنی بہن کی ہمیشہ عزت کرنا۔۔ اور ہر عورت کو احترام کی نظر سے دیکھنا۔۔

کچھ انسوں تھے سکندر کی ماں کے چہرے پر جو اپنی تذلیل کی کہانی کو بیان کر رہی تھی۔

اور شاید یہی وجہ تھی کہ سکندر کی ماں اُسے محبت سے عورت کے احترام کا درس دے رہی تھی۔

سکندر::: ماں آپ روئے مت۔۔۔ جب آپ روتی ہیں تو مجھے بھی درد ہوتا ہے۔۔

سکندر جو دل پر ہاتھ رکھ کر اپنی تکلیف کا اپنی ماں کے انسوں دیکھ کے بتا رہا تھا۔

سکندر کی ماں فوراً سے اپنے چہرے سے آنسوؤں کو صاف کرتی بولی

ماہِ نور::: نہیں میں رو نہیں رہی۔ بس آنکھوں میں کچھ چلا گیا تھا۔

سکندر::: ماں۔۔۔ جھوٹ بولنا اچھی بات نہیں ہے۔۔ اللہ ناراض ہوتے ہیں۔

ماہِ نور مسکراتے ہوئے سکندر کو دیکھنے لگی اور۔ بولی

ماہِ نور:::: میرا بیٹا بہت بڑا ہو گیا ہے۔۔اس لیے سب سمجھتا ہے۔

سکندر ماں کی زبان سے خود کی تعریف سنتا بولا

سکندر:::: ماں آپ کے چہرے پر مجھے انسوں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔

اس لیے جب میں بہت بڑا ہو جاؤ گا تو آپ کو کبھی رونے نہیں دوں گا۔

گود میں پکڑی روشانے کو ماہِ نور نے مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر بولی۔

ماہِ نور:::۔دیکھا تم نے تمہارا بھائی کیا کہہ رہا ہے۔

سکندر:::روشانے تم بھی ماں سے کہو کہ رویا نا کریں۔

ماہِ نور::: چلو پھر آج سکندر کی ماں اُس سے وعدہ کرتی ہیں کہ آج کے بعد کبھی نہیں روئے گی۔

سکندر ماں کی بات پر کچھ دیر سوچنے لگا اور پھر بولا۔

سکندر:::: تو پھر وعدہ رہا؟

ماہِ نور::: ہاں میری جان وعدہ رہا۔۔

سڑک کے ایک کنارے پر سکندر اپنی ماں کے ساتھ چل رہا تھا۔

::::دوسرے کنارے پر ایک آئسکریم والے کو دیکھتے سکندر کی ماں بولی

ماہِ نور::::آئسکریم کھاؤ گے؟؟؟

سکندر مسکراتے ہوئے ہاں میں سر ہلانے لگا۔ جیسے نجانے اُسے دنیا کا کون سا خزانہ ملنے لگا تھا۔

ماہِ نور:::: یہاں بیٹھو تم اور لوروشانے کو دیہان سے پکڑو۔ میں ابھی لاتی ہوں۔

ماہِ نور سکندر کو بینچ پر بیٹھاتی بولی۔

اور پھر مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولی۔

ماہِ نور:::: چلو دیکھتے ھیں کہ میرا بیٹا کتی دیر اپنی بہن کا دیہان رکھ پتہ ہے۔

سکندر::::ماں جان کی حفاظت جان سے کی جاتی ہے۔

اور میری بہن میری جان ہے۔ میں اُس کا دیہان اپنی جان کے ساتھ کروں گا

--

سکندر اپنی باتوں سے سات سالہ بچہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

شاید یہ ماہِ نور کی تربیت تھی یا اُس کی ممتا میں بھرتے سکندر کی ذہانت جو وہ اپنی ماں اور اپنی بہن کی محبت میں کہہ رہا تھا۔۔

اور پھر ماہِ نور سکندر کا سر چوم کر روشانے کو پیار کرنے لگی جو بنا کچھ سمجھے مسکرا رہی تھی۔

ماہِ نور:::: یہیں بیٹھنا میں ابھی لے کے آتی ہوں۔۔اور پھر وہ یہ کہتی وہاں سے اٹھ گئی۔

مسکراہٹ میں بدلی کیفیت تینوں کے چہروں پر ہزاروں رنگ بکھیر گئی۔

آئسکریم کو لیتی ماہِ نور سکندر کو دیکھنے لگی جس کا چہرہ آئسکریم کو دیکھ کر خاصا کھل سا گیا تھا۔

سکندر بہت خوبصورت انداز میں اپنی بہن کو اپنی گود میں سنبھال رہا تھا۔

ماہِ نور سکندر کے چہرے کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

واپسی کا سفر طے کرنے کے لیے اُس نے صرف تین قدم ہی لیے تھے۔اور وہ سڑک سے بلکل درمیان میں کھڑی تھی۔

ابھی کہ وہ واپسی کا مکمل سفر طے کرتی اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے منظر کو اور خوبصورتی میں بدلتی۔۔

اس سے پہلے ہی ایک تیز رفتار گاڑی نے وہ خوبصورت اپنی گاڑی کے پہیوں تلے کچل دیا۔

اور وہ چہرہ جو ابھی اپنی ماں کے کھلکھلاتے چہرے کی وجہ بنا تھا۔اور ماں کے ہاتھوں میں موجود آئسکریم کو دیکھ کر کسی خوبصورت خواب کی تصویر کو رقم کر رہا تھا۔

ایک جھٹکے میں اُس کے سامنے کا منظر اُس کی ماں کو کہی دور اُس سڑک سے اٹھا کر پھینک گیا۔

وہ جو ابھی اپنی ماں کو اپنی کائنات کہہ رہا تھا۔
اُس کی کائنات تو اُس کی آنکھوں کے سامنے کچل دی گئ۔

اُس کے ہاتھوں میں موجود اس کی بہن جسے اُس نے اپنی جان کہا تھا۔
وہ بھی رونے لگی۔۔۔

سڑک سے کچھ دور اُس کی ماں کی لاش گری شاید اپنی زندگی کی آخری سانسیں بھر رہی تھی۔

وہ تو ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔

آنکھوں میں انسوں تیرنے لگے تھے۔

اپنی جان سے پیاری بہن کو وہ اپنے ننے ہاتھوں سے سنبھالتا اٹھ پڑا۔

وہ۔جو ابھی اپنی ماں کی حفاظت اُس کے موت سے کرنے کا کہہ رہا تھا۔

وہ اپنے چھوٹے قدموں سے اپنی بہن کو اٹھائے رونے لگا۔

چہرے کی خوشی اُس سے چھین لی گئی تھی۔

اور وہ گاڑی کچل کر نجانے کہی غائب ہو گئی۔

لوگوں کا جھرمٹ لگ گیا۔

سکندر اپنے قدموں کو بڑھاتا روتا ہوا۔۔۔اپنی بہن کو اٹھاتا سنبھالتا اپنی ماں کی آخری سانسوں کی طرف بھرا۔۔

سکندر::::م۔۔۔ماں۔۔۔۔۔

م۔۔۔مہ۔۔۔

مہ۔۔۔

ماں

اس سے لفظ ماں کی ادائیگی ہو نہیں ہو پا رہی تھی۔

ماں۔۔

ماں۔۔۔

ماں۔۔آپ۔۔

بولتے ہوئے اُس کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔

ماں۔۔۔میں۔۔۔۔میں۔

آس پاس لوگ اُس بچے کی بے بسی کو دیکھتے۔۔۔باتیں کرنے لگے۔۔

سکندر جو ماں کے سرہانے بیٹھا رونے لگا۔اپنی ماں سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

اُس بچے کے ہاتھوں میں ایک روتی بہن۔۔۔اور آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کا خون میں لت پت وجود تھا۔

سکندر::::ما۔۔۔ں۔۔۔۔آپ۔۔مجھے۔۔۔چھوڑ کر۔۔۔نہ جانا۔۔

ما۔۔۔ں۔۔۔۔سکندر۔۔۔آپ کے بغیر۔۔۔مر۔۔جائے گا۔۔۔۔

ماں۔۔۔پلیز۔۔۔مجھے۔۔۔چھوڑ کر مت جانا۔

نجانے وہ روتے ہوئے کیسے ہر لفظ اپنی تکلیف کے باعث ادا کے رہا تھا۔

اُس پر اُس وقت بے بسی کی انتہا ختم تھی۔

وقت ہاتھوں سے نکل رہا تھا۔

اچانک ایمبولینس وہاں پہنچی۔

اور پھر سکندر کی آنکھوں کے سامنے اُس کی ماں کو وہاں سے اٹھا کے

ایمبولینس میں ڈال دیا گیا۔

وہ تو۔ایک پل میں اپنی ماں کو اپنی آنکھوں کے سامنے

خون میں لت پت دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں اُس کی بہن تھی سامنے ایمبولینس میں اُس کی مرتی ہوئی

ماں۔۔۔جو اپنی زندگی کی آخری سانسیں بھر رہی تھی۔

آنکھوں میں اُس کے بے انتہا درد تھا۔

جیسے وہ اپنی ماں کو یوں دیکھ کر مر جائے گا۔

مگر ہاتھوں میں ننا وجود جو ابھی اپنی سانسوں سے اپنی موجودگی کا احساس اُسے دے رہا تھا۔ وہ اکلوتا وجود اُس کی بہن تھی۔ جس کی حفاظت کا وعدہ اُس نے اپنی مسکراتی ماں سے کچھ دیر پہلے کیا تھا۔۔۔

وقت پل میں اُس کی ہنسی کو اور اُس کی مسکراہٹ کو اُس کے چہرے سے چھین کر اُس کی آنکھوں میں انسو اور دل میں لا محدود درد کو تبدیل کر گیا تھا۔

سکندر کا سسکتا وجود۔۔۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ۔۔۔ اُس کے دل۔ کو پھٹنے کی حد تک لے آئی تھی۔

ماں کی بند آنکھوں کو دیکھ وہ بچا تڑپ کر بول اٹھا

سکندر:::: کاش کہ میں مر جاتا۔۔

ماں۔۔۔ اٹھے نہ۔

آپ ایسے مجھے۔۔۔ چھوڑ کر نہیں جائیں۔۔

میں آپ سے التجاء کرتا ہوں۔۔۔

پلیز اٹھ جائیں۔۔

مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔

وہ بچہ جو اپنی ماں کو ابھی کچھ دیر پہلے اپنی کائنات کہہ گیا تھا۔

وہ یوں اپنی کائنات کو مرتا دیکھ تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا۔

اُس کی عمر اتنی نہیں تھی کہ وہ اپنی گود میں روتی بہن کی دیکھ بھال کر سکتا۔۔۔اُس کے انسو ایک کہ بعد ایک بہہ رہے تھے۔

ماں اٹھ جائے۔۔

میرا دل۔ پھٹ جائے گا۔

مجھے آئسکریم۔ بھی نہیں کھانی۔

پلیز اٹھ جائے۔

دیکھے روشانے کتنا رو رہی ہے۔

ماں پلیز اٹھے نہ۔

ماں آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ نہیں روئے گی۔ مگر آپ مجھے بہت رولا رہی ہیں۔

پلیز اٹھ جائے۔

ماں پلیز۔۔۔ میں آپ کے بغیر مر جاؤ گا۔

سکندر کو۔ یہ دنیا اچھی نہیں لگتی۔

میں آپ کو۔ بلکل تنگ نہیں کروں گا۔

ماں آپ اٹھ جائیں۔

سکندر جو ماں کے سرہانے بیٹھا اپنی بہن کو پکڑے رو رہا تھا۔اس قدر درد کی شدت اُس پر ظاہر ہو چکی تھی۔ کہ ایمبولینس میں موجود اُس کی ماں اپنی بند آنکھوں کو کھولنے پر مجبور ہو گئی۔

سکندر جو ماں کی آنکھوں کو کھولتا ہوا دیکھنے لگا۔

پل میں انسو سے بھرے چہرے اور مسکراہٹ آگئی اور وہ ماں سے لپٹ کر رونے لگا۔

ما۔۔۔ما۔۔۔ماں۔۔۔۔۔آپ اٹھ کیوں نہیں رہی تھی۔

ماں۔۔۔۔ سکندر کو کچھ نہیں چاہیے۔۔۔آپ پلیز جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔

ماہِ نور جو بیٹے کے چہرے پر اس قدر تکلیف کو دیکھ رہی تھی۔اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

دو انسوں اُس کی آنکھوں سے برسے موتی کی طرح نمودار ہوئے اور پھر وہ سکندر کو آخری بات کرتی ہوئے۔بولی۔

ماہِ نور:::: مہ۔۔۔ما۔۔۔م۔۔۔ما۔ سکندر سے۔۔۔بہت پیا۔۔رر۔۔

کرتی ہے۔۔

سس۔۔۔۔کندر۔۔۔۔۔میرا۔۔۔بہادر۔۔۔بیٹا

۔۔۔۔اپنی۔۔۔بہن کا۔۔۔خیال۔۔۔۔رکھنا۔۔۔

ماما۔۔۔ہمیشہ۔۔۔تمھارے ساتھ ہیں

ماہِ نور کی آنکھوں سے ایک کہ بعد ایک انسوں بہنے لگا۔

سکندر جو ماں سے لپٹا رو رہا تھا۔۔۔اپنی ماں کی بات پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔اور التجائی الفاظ کے ساتھ بول

سکندر:::: پلیز۔۔۔ماں۔۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔ چھوڑ

۔۔۔۔۔کر۔۔۔مت۔۔۔جائیں۔

میں آپ کا۔۔۔اچھا۔۔۔بیٹا۔۔۔بن۔۔۔ کر رہو گا۔

میں روشانے کا۔ بھی۔۔۔بہت خیال رکھوں گا۔

آپ سے کی ضد نہیں کروں گا۔

ماہِ نور کی آنکھیں اپنے۔بچوں کے چہرے کے درد کو دیکھتی آہستہ آہستہ بند ہو گئی۔

اور سکندر جو ماں سے لپٹا کسی چشمے سے نکلے پانی کی طرح اپنے انسوں بہا رہا تھا۔

ماں کی دوبارہ سے بند ہوتی آنکھوں سے چیخنے لگا۔

اُس کے ننھے ہاتھوں میں وہ معصوم۔بچی جو ابھی دنیا کے دستورِ زندگی کے انجام مو سمجھی بھی نہیں تھی آج وہ زار وزار تڑپ کر رو رہی تھی۔

کسی معصوم۔کی آنکھوں سے بہتے انسوں ایک ننی پڑی کے روتے چہرے پر برس رہے تھے۔۔

ما۔۔۔۔۔ں۔۔

اُس کے دل میں اس قدر تکلیف تھی کہ اُسے لگا شاید وہ ابھی کہ ابھی مر جائے گا۔

وہ۔سات سالہ بچہ اپنی دو سالہ بہن کو سینے سے لگائے رونے لگا۔۔۔۔

ایمبولینس ہسپتال پہنچ گئی تھی۔

ماہِ نور کو فوراً سے نکل۔کر اندر لے جایا گیا۔

ایک۔آدمی جو۔ایمبولینس کے پیچھے اُن بچوں کی وجہ سے آیا تھا۔

سکندر کو ایمبولینس سے اترتا دیکھ آگے کو بھرا۔جو اپنی بہن کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالتا روتے چہرے کے ساتھ اتر رہا تھا۔

نرس::::: بیٹا اسے مجھے پکڑا دو۔

ایک۔نرس سکندر سے روشانے کو مانگتے بولی۔

سکندر جو ایک کہ بعد ایک انسوں بہار رہا تھا نرس کی بات اور روتے ہوئے

بولا۔

سکندر::::: نہیں۔۔۔۔میں نے۔۔۔ماں۔۔۔سے وعدہ

کیا۔۔۔ہے۔۔۔میں اپنی۔۔۔بہن کی۔۔۔حفاظت۔۔کروں گا۔

نرس:::: بیٹا رومت۔۔۔۔اپنی ماما۔۔۔ٹھیک۔ہو جائیں گی۔

سکندر راؤں ننے پیروں کے ساتھ نرس کی بات کو ان سنا کر کے اپنی ماں کی

طرف بھر گیا۔

وہ۔آدمی سکندر کا یہ انداز دیکھ اُس کے لیے اُس کے پیچھے گیا۔

ماہِ نور کو ڈائریکٹ آئی سی یو میں لے جایا گیا۔

خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اُس کی حالت کافی خراب تھی۔

سکندر اُس ہسپتال میں۔موجود ہر کسی کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔

کسی کے اُس کے پاس جائے پر وہ روتے ہوئے چیلانے لگتا تھا۔

وہاں موجود ہر کسی کو سکندر سے ہمدردی ہونے لگی۔

وہ بچا جو صرف سات سال کا تھا وہ اپنی بہن کو کسی کو چھونے کی اجازت بھی نہیں دے رہا تھا۔

وہ اپنے ننے ہاتھوں سے اُس کو اپنے سینے سے لگائے بس روتا جارہا تھا۔

انسو کم ہونے کو نہ تھے

اور وہ جس کی ماں زندگی اور موت کی جنگ میں تھی

وہ معصوم بچی سو چکی تھی۔

وہ آدمی سکندر سے کچھ دور کھڑا اُسے دیکھتا جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر باہر آیا۔

تو سکندر اُس ڈاکٹر کی طرف بھاگا۔

سکندر::::: میری ماں۔۔۔ ٹھیک ہیں نہ۔۔۔؟

وہ کس قدر آنکھوں میں لی اُمید کے ساتھ یہ سوال کر رہا تھا۔۔۔ جیسے اُسے یقین ہو کہ اُس کی ماں اُسے چھوڑ کے جا ہی نہیں سکتی۔

ڈاکٹر سکندر کو دیکھتا بولا

ڈاکٹر::::: بیٹا آپ کے ساتھ کون آیا ہے۔؟؟؟

آپ کے بابا کہاں ہیں؟؟؟؟

.... سکندر جو ڈاکٹر کے سوال کا جواب بہت معصومیت کے ساتھ دیتا بولا

سکندر::::: میرے ساتھ۔۔۔۔ یہ۔۔۔ میری۔۔۔ بہن۔۔۔ آئی

ہے۔۔۔

آپ بتائیں مجھے۔۔۔ میری ماں۔۔۔۔ ٹھیک۔ ہیں نہ۔۔۔

پلیز بتائیں۔۔۔

ماں ٹھیک۔ ہیں نہ؟؟؟؟

ڈاکٹر سکندر کے بھیگے چہرے کو دیکھتا اُس کے سر پر ہاتھ رکھتا بولا۔

ڈاکٹر::::: بیٹا آپ کی ماما۔۔۔۔ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔

سکندر جو ڈاکٹر کی بات کو سنتا ایک دم۔خاموش ہو گیا تھا۔

انسو آنکھیں سے نکلنا فوراً سے بند ہو گئے تھے۔

وہ ڈاکٹر کو۔ صرف دیکھنے لگا تھا۔

جیسے وہ ڈاکٹر کی بات کو۔ سمجھا نہیں ہے۔

اور ڈاکٹر سکندر کے سر پر ہاتھ کو پھیرتا وہاں سے چلا گیا۔

سکندر اپنی بہن کو دیکھنے لگا اور پھر ہولے سے اُس کے کان میں بولا۔

سکندر::::روشانے تم پریشان نہ ہو۔۔میں ہوں نہ۔۔۔

ماں بھی ٹھیک۔ہیں۔۔۔۔

مجھے پتہ ہے۔۔۔ماں ہم دونوں کو۔۔ چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔

تمہیں تو پتہ ہے نہ ماں جنت ہوتی ہے۔۔۔

اور جنہیں جنت ملتی ہے جنت صرف اُن کی ہوتی ہے۔

ماں کو کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔

تم سو جاؤ۔۔۔۔ماں۔۔اٹھے گی تو پھر میں تمہیں ماں کے پاس لے کر جاو گا۔

ٹھیک ہے۔

یہ کہتا سکندر اپنی بہن کے گال کو چومنے لگا۔

سکندر:::: تم۔ سو جاؤ۔۔۔۔ شاباش۔

وہ۔ آدمی جواب تک سکندر کا پیچھا کر رہا تھا۔

وہ۔ اُس بچے کو دیکھ رہا تھا۔

اور پھر ڈاکٹر کی بات کو سنتا اپنے فون کو نکلتے ہوئے۔۔

کچھ دور چلا گیا۔ اور فون کو ملاتے بولا۔

کام۔ ہو گیا ہے۔۔۔۔ میرے پیسے اب مجھے پہنچ جانے چاہیے۔

دوسری طرف سے ایک شخص جواب دیتا بولا۔۔

۔بچوں کو بھی مار دو۔۔۔پیسے تمہیں مل جائیں گے۔

اور پھر اُس آدمی نے سکندر کی طرف دیکھا جو اپنے چہرے کے انسوں کو خود

اپنے ننے ہاتھوں سے صاف کر رہا تھا۔

ہاں ٹھیک ہے۔

اور پھر وہ یہ کہتا فون بند کر گیا۔

((((((حال

سکندر جو ٹیک لگائے زیمل کے پاس بیٹھا تھا اُس کی آنکھیں کچھ بھیگ سی گئی تھیں۔۔

اپنے خیال کی دنیا سے وہ نکلتا
زیمل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو ابھی تک سو رہی تھی۔
سکندر کی آنکھوں میں دیکھتا درد واضح تھا۔
زیمل کی پیشانی پر سکندر ہاتھ رکھتا بولا۔
سکندر:::::اپنی کائنات کو کھو چکا ہوں۔
جان بھی کھو چُکا ہوں۔۔
مگر اب زندگی سے دستبردار ہونے کی مجھ میں سکت نہیں۔۔
آپ کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاھتا۔
نہ آپ سے دور ہونا چاہتا ہوں۔

بہت کچھ کھو دیا ہے میں نے۔

مگر اب آپ کو نہیں کھونا چاہتا۔

ایک تکلیف تھی اُس کے لفظوں میں۔۔۔زیمل کے ہاتھ کو پکڑتا سکندر زیمل کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

کچھ دیر زیمل کو تکتے رہنے کے بعد سکندر کے چہرے پر کچھ سکون واضح ہوا تھا۔

اور پھر زیمل کے ہاتھ کو پکڑتا وہ اُس کے سرہانے لیٹ گیا۔

زیمل جو بے خبر سو چکی تھی۔

اپنے خوابوں میں سے ایک خواب کے ساتھ اُس کی آنکھیں ٹکرا گئیں۔

زیمل::::::: کون ہے وہاں۔؟؟؟

کسی کے رونے کی آواز کا تعاقب کرتی وہ قدموں کو بڑھانے لگی۔

آواز ایک بند دروازہ کے پیچھے سے آتی زیمل کے کانوں کو اپنی طرف متوجہ کر چکی تھی۔

اندھیرے میں سامنے کا منظر کچھ بھی واضح نا تھا۔

مگر ہر قدم پر زمین صاف معلوم ہو رہی تھی۔۔۔ کوئی چیز زیمل سے نہ ٹکرائی تھی۔

زیمل:::::: کون ہے وہاں؟؟؟؟؟

دروازے پر کھڑی زیمل مکمل اندھیرے میں اُس دروازے کو پکڑے کھولنے لگی۔

دروازہ کھولتے ہی بند کمرے کے ایک کونے سے آتی روشنی اُس کی آنکھوں میں روشنی بڑھتے ہوئے سامنے کا منظر کچھ واضح کر گئی تھی۔

ایک شخص بیٹھا اپنا چہرہ چھپائے رونے میں مشغول تھا۔

زیمل اُس شخص سے مخاطب ہو کر بولی۔

زیمل:::::: کون ہو تم؟؟؟؟

زیمل کی آواز پر اُس شخص کے رونے کی آواز میں کثرت ہو گئی۔اور وہ اور رونے لگا

زیمل:::::: تم کون ہو اور کیوں رو رہے ہو؟؟؟؟

وہ شخص جو کمرے میں اکیلا بیٹھا زیمل سے کچھ دور تھا۔

زیمل کے اگلے سوال پر مکمل خاموش ہو گیا۔

کمرے میں اچانک قبرستان سے خاموشی ہو گئی۔

زیمل کا اُس شخص کا یوں خاموش ہونا اُسے خوفزدہ کر گیا تھا۔۔اور پھر سوال کرتی بولی۔

زیمل:::::: سنو تم ٹھیک ہو؟؟؟؟

اچانک زیمل سے کمرے کی دہلیز سے دور ہونے لگی۔

جیسے کسی نے کمرے کو چوڑائی میں کھینچا ہو۔

اور اگر وہ سفید چادر میں لپٹا شخص جو رونے کے باعث زیمل کو خود کی طرف متوجہ کر چکا تھا۔

وہ اپنا چہرے دیکھنے کے لیے اپنا سر اٹھانے لگا۔۔

چہرے کو اٹھانے کے لیے اُس نے ابھی کچھ اوپر ہی سر کو کیا تھا کہ زیمل کی آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ چھا گئی۔

اور جس چہرے کو دیکھنے کے لیے اُس نے دو قدم آگے بڑھائے تھے وہ کمرہ اُسے چار قدم کی دوری پر کھڑا کرتا۔

سامنے کے منظر کو غائب کر گیا۔

اور زیمل جو خوابوں کی دنیا میں کسی خواب کے زیرِ اثر تھی اچانک آنکھوں کو کھول بیٹھی۔

دھڑکن بہت تیز تھی اُس کی۔ خواب سے جاگتے ہی۔

وہ ابھی سوچنے ہی لگی تھی کہ۔۔ اپنے ہاتھ پر کسی کا ہاتھ محسوس کرتی اپنی توجہ سکندر کی طرف مرکوز کر گئی۔

اُس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں تھا۔

یا یوں کہا جائے اُس کا ہاتھ اُس شخص کے ہاتھوں میں تھا جو کچھ دیر پہلے اُسے اپنی زندگی کا نام دے چکا تھا۔

۔زیمل جو لیٹی اپنی آنکھوں کے تعاقب میں یہ دیکھ رہی تھی۔

اُسے اپنے دل کی دھڑکنوں میں مزید اضافہ ہوتا محسوس ہوا۔

اُس کا ہاتھ جو سکندر تھام کر کسی گہری سوچ پر مبتلا تھا۔وہ زیمل کی بند آنکھوں کے کھولنے پر ذرا بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

۔زیمل جو ہاتھ کو یوں سکندر کے ہاتھوں میں دیکھتی ایک عجیب کیفیت میں مبتلا ہوئی تھی۔۔

اپنے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچتے نظروں کو جھکا گئی تھی۔۔۔

سکندر جواب تک کسی سوچ کسی گم تھا۔۔

زیمل کے یوں ہاتھ کو اپنی طرف موڑ لینے پر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اور پھر مسکراتے چہرے کے ساتھ اُسے دیکھنے لگا جو شرم کے باعث اپنی نظروں کو جھکائے اب تک اٹھ کے بیٹھ چکی تھی۔

سکندر::::آپ مجھ سے ڈرتی ہیں۔؟؟

زیمل جو سکندر کے سوال پر ہلکا سا مسکرائی تھی۔اُسے سکندر کے سوال پر نجانے کیوں ہنسی آئی تھی۔کیوں کہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ اُس شخص سے ڈرتی تھی ہاں مگر اسے سکندر خاصا روب دار شخص معلوم ہوتا تھا۔

جو اپنی اس شخصیت کے باوجود زیمل کے ساتھ بہت ادب و احترام کے ساتھ محبت سے بات کرتا تھا۔

جو اُس کی شخصیت کا پہلو معلوم نہیں ہوتا تھا۔

سکندر زیمل کی اُس مسکراہٹ کو غور کرتا بولا۔

سکندر::::آپ کا چہرہ یوں پہلی بار پھول کی طرح کھلتا دیکھ رہا ہوں۔کافی خوبصورت ہے۔

سکندر بھی زیمل کی اس مسکراہٹ کو اپنی باتوں کی گرفت میں قید کر گیا تھا۔

سکندر:::تو بتائیں کیا آپ مجھ سے ڈرتی ہیں؟؟؟

زیمل نا میں سر کو ہلاتی بولی۔

زیمل؛:::نہیں۔

سکندر::: مجھے تو لگتا ہے آپ مُجھ سے خاصی خوف زدہ ہیں۔۔

زیمل مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتی بولی۔

زیمل::::: نہیں ایسی بات نہیں ہے.

سکندر::::: تو پھر کیسی بات ہے؟

زیمل سکندر کے جواب پر چونک کر خاموش ہو گئی تھی۔

اور مسکراہٹ میں کمی واقع ہو گئی تھی۔

سکندر:::: زیمل آپ سے ایک بات کہو۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر:::: میں جانتا ہوں یہ سب بہت جلدی ہے آپ کے لیے۔ مگر مجھے لگتا ہے جیسے میں آپ سے بہت پہلے سے وابستہ ہوں۔

زندگی میں بہت چیزیں یوں اچانک رونما ہو جاتی ہیں۔

مگر کہتے ہیں نہ کہ جو کچھ ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔۔

مگر ان سب کے باوجود میں آپ سے ایک۔بات کہنا چاہوں گا کہ زندگی میں کچھ بھی کیوں نہ ہوجائے سکندر صالح کبھی آپ سے جوڑی اس مضبوط ڈور کو نہیں توڑے گا۔۔۔۔

میں نہیں جانتا کہ اس رشتے میں بندھے رہتے ہوئے آپ کو مجھ سے محبت ہو پائے گی یا نہیں۔۔یا میں آپ کو خود سے محبت کرواسکوں گا یا نہیں۔

مگر آپ کو ایک بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی میں آپ ہر چیز سے اہم ہو چکی ہیں۔

جب تک میری سانسیں ہیں سکندر صالح آپ کے ساتھ کھڑا ہے اور کبھی آپ کو تنہا نہیں کرے گا۔

کہتے ہیں محبت اور جنگ امی سب جائز ہے مگر میرے لیے آپ کی حیا محبت اور جنگ میں لڑی جانے والی لڑائی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔جس کے لیے میں اپنی جان دے بھی سکتا ہوں اور کسی کی جان لے بھی سکتا ہوں۔

زیمل جو سکندر کی باتوں کو ایک سانس میں سن رہی تھی۔اُسے سکندر کی باتوں میں خاصا جنون معلوم ہوا تھا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔۔۔۔آنکھوں سے نہیں بلکہ زبان کی زبانی اُس شخص کو کچھ کہنا چاہتی تھی جو ہر طرح سے ان دو دنوں میں اُس پر اپنی چاہت کے رنگوں کا اظہار کر رہ تھا۔اور پھر بہت ہمت کے ساتھ بہت ہولے سے بولی۔

زیمل:::::: میں۔۔۔۔آپ سے ڈرتی نہیں ہوں۔

سکندر اپنی باتوں پر زیمل کے جواب پر مسکرا پڑا تھا۔

سکندر:::::: واقع ؟؟؟؟

زیمل جو سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

اور پھر سکندر جواب دیتا بولا۔۔۔

سکندر:::::: تو پھر اپنے ہاتھوں کو مجھے تھما دیں... پھر پتہ چلے گا کہ آپ مجھ سے کتنا ڈرتی ہیں۔

سکندر یہ سب زیمل میں انداز میں دیکھتا خوف ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا ۔۔۔شاید وہ چاہتا تھا کہ زیمل کے انداز میں اُس کے لیے احترام کے ساتھ محبت آجائے۔۔

زیمل جو خود کو یہ سمجھا چکی تھی کہ وہ مقابل میں بیٹھے شخص سے نہیں ڈرتی ۔۔۔سکندر کی بات پر اپنے ہاتھوں کو ہولے سے اٹھاتی کسی سوچ کے ساتھ اُس کے ہاتھوں میں تھما گئی۔

سکندر جو زیمل کے انداز پر اُسے دیکھنے لگا خود سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر:::ان ہاتھوں کو میں ہمیشہ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس ہلکی سے مسکراہٹ کے بیچ کو میں تنے درخت کی طرح شاد و باد دیکھنا چاہتا ہوں۔

ان آنکھوں میں یہ حیا جس سے مجھے ایک نظر میں محبت ہو گئی یوہی قائم و دائم دیکھنے کی خواہش کرتا ہوں۔

بس آپ کے ساتھ کے ساتھ اپنی سانسوں کے رکنے کی آج میں دعا کرتا ہوں۔۔

زندگی میں انسان کی کچھ آرزوں کا بدلہ خدا بہت بہترین انداز میں عطا کر دیتا ہے۔

جن۔لوگوں کو انسان کھو دیتا ہے اُن کا درد انسان کے دل میں ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے مگر کسی کا زندگی میں آجانا اُس روشن کمرے میں اندھیرے کے بعد پھر اجالے کی طرح ہے جو اُس ویرانی اور تاریکی کا خاتمہ کر کے اُس کمرے کو روشنی کی قیادت میں روشن اور واضح کر دیتا ہے۔ہاں یہ بات سچ ہے کہ انسان کا نہ ختم ہونے والا درد ختم تو نہیں ہو گا مگر کچھ راحت اختیار کر ہی جاتا ہے۔۔

____

جمشید،::::::اسے ٹھیک ہونے میں کتنا وقت لگے گا ڈاکٹر؟؟؟

ڈاکٹر:::::ان حالت ابھی مکمل طور پر خطرے سے باہر نہیں ہے۔۔

ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا ان اور گنز بہت بری طرح دیمیج ہوئے ہیں۔۔

یہ دیکھیں آپ دیکھ رہے ہیں یہ تین گولیاں ہیں

ان دو گولیوں نے تو اس کے پیٹ کو چھلنی کر دیا ہے۔

یہ تو شاید بھر ہی جائیں۔۔

مگر یہ جو گولی ان کے دل کے پاس لگی ہے اس کی وجہ سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔

آپریشن تو ان کا پہلے ہی ہو چکا ہے۔

ہمیں اب ان کی ریکوری کو چیک کرنا ہے۔

اگر کچھ پازیٹیو نہ دکھا تو اُن کو بچانا نہ ممکن ہے۔

جمشید::::: دیکھ ڈاکٹر اسے جیسے مرضی بچا۔۔اگر تو اسے نہیں بچا پایا تو ہم سب کو کوئی نہیں بچا پائے گا۔۔

بھاؤ ہم سب کو مار کر اسی بیسمینٹ میں یا تو زندہ دفن دے گے۔۔۔یا پھر کاٹ کر ہمیں جانوروں کے آگے ڈال دے گے۔۔

تو بہتر ہے تو اپنی یہ ساری بکواس کو بند کر.. میرے دماغ کو مزید خراب نہ کر اور اسے جیسے مرضی بچا۔

سالار اپنے کمرے میں بیٹھا پیپرز کو دیکھ رہا تھا۔

خضر کمرے میں داخل ہوتا بولا۔

خضر::: سر یہ کچھ انفارمیشن آئی ہے۔

مجھے لگتا ہے آپ کو یہ دیکھ لینی چاہیے۔

سالار::: یہاں لاؤ۔

خضر::: یہ دیکھیں سر۔

خضر جو ایک فائل کو لاتا سالار کی طرف کرتا بولا۔

خضر::: سر یہ دیکھیں۔۔۔ سر۔۔۔اس کہ مطابق سکندر یتیم نہیں تھا۔ پہلے جو رپورٹ تیار کی گئی تھیں ہمیں لگا تھا کہ وہ فلسطین کے ایک درالمان میں رہا تھا۔۔

مگر یہ دیکھیں یہ رپورٹ میرے ایک دوست نے مجھے فلسطین سے بھیجی ہے۔

سکندر کی ماں کی موت ایک ایکسڈنٹ میں ہوئی تھی۔

ماں کا نام تو نہیں پتہ چلا نہ ہی کوئی ایسا ثبوت ملا ہے کہ سکندر کا باپ کون ہے۔

ہاں ایک بہن کی جو معلومات ہمیں پہلے ملی تھیں ابھی بھی وہی ہے۔

یہ دیکھیں اس آدمی کو۔۔

سالار:::: یہ کون ہے؟

خضر:::: یہ ڈیوڈ ولیم ہے۔ سکندر کی ماں کی موت کے بعد یہ شخص سکندر کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

یہی شخص سکندر کو مافیا کی دنیا میں لایا تھا۔

سالار:::: مجھے بھی کچھ ملا ہے۔۔

پچھلے دس سالوں سے جرمنی, فرانس, اٹلی کے ساتھ اور بہت سے دوسرے ملکوں کے مافیا گروپس کے لیڈرز نے ایک ساتھ دو سال پہلے فلسطین کا رخ کیا تھا۔

اور اُنہیں دنوں میں ایک قتل فلسطین میں ہوا تھا۔

یہ دیکھو اس کا۔

اس شخص کا نام بابر عطاری ہے رپورٹ کے مطابق مگر درحقیقت یہ جرمنی کے ایک ڈرگز مافیا کا خاص بندہ ہے۔

اس کا اصل نام بیلی بار کر ہے۔

اس کی موت کے بعد مافیا کی ایک خاص میٹنگ کی انفو لیک ہوئی تھی۔

جس آدمی نے یہ انفو لیک کی تھی اُس کا آج تک کوئی ناموں نشان نہیں ملا۔

خضر::: مگر سر ان سب باتوں کا ہمارے اس کیس سے کیا تعلق ہے۔۔؟

سالار::: یہ دیکھو یہ سپاٹ بتایا گیا تھا جہاں اس میٹنگ کو ہونا تھا۔

اور جس دن بیلی بار کر کی موت ہوئی اُس سے دو دن پہلے سکندر بھاؤ فلسطین گیا۔

اور پھر اُس کی موت کے فوراً بعد مافیا گروپس کی میٹنگ فلسطین ہوئی۔

مطلب یہ چیز کہی نہ کہی ثابت کرتی ہے کہ۔۔ سکندر بھاؤ کی وجہ سے یہ میٹنگ رکھی گئی۔

خضر:::: سر اگر دیکھا جائے ہم مان لیتے ہیں کہ سکندر بھاؤ کی وجہ سے یہ میٹنگ وہاں ہوئی۔۔۔اور اگر یہ بھی مان لیں کہ وہ مافیا کے لوگ کے ساتھ ڈرگز کے دھندوں میں شامل ہے۔تو وہ سب آخر کیوں سکندر بھاؤ سے ملنے وہاں گئے ہوں گے۔۔

سالار:::: خضر ہمیں یہی تو پتہ کرنا ہے۔

یہ بہت بڑی گیم ہے۔ سکندر بھاؤ جس طرح کا آدمی دیکھ رہا ہے۔۔اُس کی طاقت اُس سے کہیں زیادہ ہے۔

اور ایسے لوگوں کا تعلق ایک جگہ سے نہیں ہوتا۔

خضر::::سر اگر مان بھی لیں کہ سکندر بھاؤ کا تعلق ہے بھی تو وہ اپنے ہی بندے کو کیوں مارے گا؟

سالار::::میری بھی سمجھ سے باہر ہے۔

مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ سکندر بھاؤ کا وہاں جانا کوئی اتفاق نہیں تھا۔

وہ کسی مقصد کی وجہ سے وہاں گیا ہو گا۔

.خضر::::سر ایک بات اور بتانی تھی آپ کو

سالار::::ہاں کہو۔

خضر::::سر یہ جو آدمی ہے۔جس نے سکندر کی ماں کی موت کے بعد سکندر کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔

اس کی بھی موت نو سال پہلے ہو چکی۔ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نو سال پہلے ہی کیوں۔

سالار::::نو سال پہلے تو فلسطین میں ایک کافی دردناک حادثہ بھی ہوا تھا۔

خضر::::ہاں مگر وہ تو وہاں کی گورنمنٹ کے مطابق ایک حادثہ تھا۔۔۔

گیس پائپ لائن کی وجہ سے۔

سالار::::ہاں یہ تو میں جانتا ہوں۔

تم ایسا کرو کہ اس آدمی کی رپورٹ تیار کرو۔۔۔اس آدمی سے متعلق جو معلومات ملتی ہے اُسے سکندر بھاؤ کے ساتھ ملانے کی کوشش کرو مجھے یقین ہے کہ اس آدمی کی موت کے پیچھے کوئی خاص وجہ ہو گی۔

ورنہ سکندر بھاؤ کو پالنے والے شخص کی موت وہ بھی قتل مجھے کچھ ہضم نہیں ہو رہا۔

خیر تم ڈھونڈو مجھے ہر طرح کی معلومات کی ضرورت ہے۔۔۔

ہمارا مقصد ثبوت اکھٹے کرنا ہے۔

خضر::::جی سر میں سمجھ گیا ہوں۔

سالار::::: خضر ہمیں ہر حالت میں اُس شخص کے خلاف ثبوت اکھٹے کرنے ہو گے۔۔ ہیں سوالوں کے جوابات ہمارے پاس موجود نہیں ہیں اُن سوالوں کو اکٹھا کرو۔

خضر::::: یس سر۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کمرے میں آتی ملازمہ دروازے پر دستک دینے لگی۔

زیمل جو ابھی بیڈ پر بیٹھی پاس کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

اور سکندر جو اپنے کپڑوں کو بدلتا چینجنگ روم سے نکلا تھا۔

دروازے کی دستک پر دونوں متوجہ ہوئے تھے۔

سکندر کمرے کی دستک پر کپڑے کے دروازے کی طرف بھرا تھا۔

شلوار قمیض میں ملبوس وہ غضب کا روبدار معلوم ہو رہا تھا۔

دروازے کے کھولتے ہی ملازمہ کمرے میں کھانے کی ٹرالی کو اندر داخل کرنے لگی۔اس سے پہلے ہی سکندر نے اُسے جانے کا اشارہ کر دیا۔

اور زندگی میں پہلی بار ٹرالی کو اندر کی طرف کھینچ کر بولا۔

سکندر::::: آپ اتنا خاموش کیوں رہتی ہیں؟

زیمل جو سکندر کو یوں ٹرالی لاتی دیکھ اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی پکڑتے ہوئے بولی

زیمل::::: زندگی کے کافی سال خاموش گفتگو میں گزارے ہیں اس لیے نہ بولنے کی عادت ہو گئی ہے۔

آپ بیٹھ جائیں۔میں ڈال۔دیتی ہوں۔

سکندر زیمل کی بات پر اُس کے کی طرف دو قدم بڑھاتا بولا۔۔۔

... سکندر:::::؛ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ بولتی نہیں ہیں

زیمل یوں سکندر کے انداز پر اپنے قدموں کو ساکن کر گئی تھی۔

زیمل::::: نہیں میں۔۔۔بس۔۔۔۔آپ سے۔

سکندر::::::میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا آپ کی یہ خاموشی مجھ میں بہت شور برپا کرتی ہے

زیمل دل میں سکندر کے انداز پر بول اٹھے۔

زیمل::::مجھے کیا جواب دینا چاہیے۔

سکندر::::::جو جواب آپ دینا چاہتی ہیں وہ دے دیں۔

زیمل سکندر کے یوں جواب پر چونکی تھی۔کیا اُس نے ابھی ابھی کچھ اونچا بولا تھا۔

سکندر:::::اپنی بیوی کی آنکھیں تو پڑھ ہی سکتا ہوں۔

زیمل نہ چاہتے ہوئے بھی ٹرالی کے پاس بیٹھ گئی۔۔اور بولی۔۔

زیمل::::چینی۔۔۔کتنی۔۔

سکندر:::::میں میٹھا نہیں کھاتا۔

زیمل سکندر کی بات پر اُس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

اور پھر چائے کو تیار کرتی سکندر کو پکڑانے لگی۔

سکندر کی صبح ہی شراب سے ہوتی تھی آج نو سالوں کے بعد پہلا ایسا دن تھا کہ وہ صبح کا آغاز اپنی بیوی کے ہاتھوں سے بنی چائے سے شروع کرنے لگا تھا۔

سکندر::::: میرے پاس بیٹھی جائیں۔

زیمل چائے کو پکڑاتی سکندر کے ساتھ والی کُرسی پر بیٹھ گئی۔۔۔

سکندر کچھ دیر زیمل کو دیکھنے لگا اور پھر مسکرانے لگا۔۔۔

زیمل جو سکندر کی نظروں کو خود پر محسوس کرتی

سکندر کے پاس بیٹھی تھی بولی۔

زیمل:::: آپ کو کچھ اور چاہیئے۔۔۔۔؟

سکندر:::: نہیں مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔ سکندر کچھ سنجیدہ انداز میں بولا تھا جیسے وہ بہت ہی ضروری بات کرنے لگا ہو۔

زیمل:::::: جی۔

زیمل بہت ہولے سے سر جھکا کر جواب دیتی بولی۔

سکندر::::::: آپ مسکراتی نہیں ہیں ؟؟؟؟

زیمل جو بہت توجہ سے سکندر کے بات کو سننے لگی تھی یوں سکندر کی بات کو سن کر اُسے نہ سمجھی سے دیکھنے لگا

سکندر زیمل کے نہ سمجھ انداز کو دیکھ کر بولا۔

سکندر:: آپ مسکراتی نہیں ہیں؟

زیمل اب تک سکندر کے چہرے کی سنجیدگی کے ساتھ جوڑے سوال کو سمجھ نہیں پا رہی تھی کیوں کہ سکندر اس قدر گہرے انداز کے ساتھ بات کر رہا تھا کہ مقابل میں بیٹھی زیمل کا دماغ ہی بند ہو چکا تھا وہ پہلے ہی کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔

سکندر کے چہرے پر کچھ مسکراہٹ واضح ہوئی تو سکندر بولا۔

سکندر:::: گھبرائیے نہیں۔

پھر سکندر ٹرالی کو اپنی طرف کھینچتا ایک پلیٹ میں زیمل کا ناشتا لگانے لگا۔

زیمل یوں سکندر کو کام کرتے دیکھ بولی۔

زیمل:::: میں کر دیتی ہوں۔

سکندر:::: آپ بیٹھ جائیں میں ہوں نا۔

::زیمل یوں سکندر کو دیکھتی بولی

زیمل:::: سنے۔

سکندر زیمل کے یوں بلانے پر پلٹا تھا۔زیمل نے اب تک صرف دو مرتبہ اُسے مخاطب کیا تھا اور وہ بھی لفظ سنیے سے۔

.سکندر::::: آپ کو کچھ کہنا ہے

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر:::: کہیں !؟؟

زیمل ہاتھوں کی انگلیوں کو مسل رہی تھی۔

وہ کل سے کچھ پریشان تھی۔

ایتان کے بارے میں سب بتانے کے بعد بھی زیمل کو سکندر کا اس قدر محبت بھرا انداز شرمندہ کر رہا تھا۔

سکندر:::::::: آپ کسی بات سے پریشان ہیں ؟؟

زیمل کے چہرے نے کوئی اور رنگ بدلا تھا۔۔۔کچھ اُداسی اُس کے چہرے پر واضع ہوئی تھی۔

سکندر کے سوال پر نہ میں سر ہلاتی بولی۔

زیمل:::::: شکریہ

سکندر زیمل کی زبان سے نکلے لفظوں کو سنتے بہت پراسرار انداز میں اُس کی طرف پلٹا تھا۔

سکندر سمجھ گیا تھا کہ یہ شکریہ کس مناسبت سے ادا کیا گیا ہے۔

اور پھر مسکراتے ہوئے بولا

سکندر::::: مجھے آپ پر۔۔۔فخر ہے۔

اس سے زیادہ ایک شوہر اپنی بیوی کی بے جا شرمندگی کو کچھ اور کہہ کر ترک نہیں کر سکتا۔

میرے یہ ہاتھ آپ کی پاکدامنی کی گواہی دے سکتے ہیں۔

کہ نامحرم ہوتے ہوئے بھی آپ کی طرف بڑھتا ہر بار میرا یہ ہاتھ میرے دل کی تیز دھڑکنوں سے کئیں زیادہ کانپ اٹھتا تھا۔ کہ کہی میرے یہ ہاتھ آپ کے وجود کو ناپاک نہ کردے۔

سکندر نے کس قدر محبت سے اپنے لفظوں کو زیمل کے سامنے ادا کیا تھا۔

کہ زیمل کی جھکی آنکھیں خوشی کے انسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

سالار جو ڈی آئی جی کے کمرے میں موجود تھا۔

وہ کسی سوچ میں گم تھا۔

وہی ڈی آئی جی کسی ضروری دستاویزات پر اپنے دستخط کرتے ہوئے بولے۔

سالار کوئی خاص بات ہے ؟؟؟؟

سالار وہی ہوش کی دنیا میں آتا ہوا بولا۔

جی سر۔۔ضروری بات کرنی تھی۔

ہاں بولو تم میں سن رہا ہوں۔

سر مجھے کچھ ثبوت اکھٹے کرنے کے لیے فلسطین جانا ہے۔ سر یہ دیکھیں یہ جو تصویر ہے اور جو۔ یہ والی تصویر ہے۔ان میں جو دونوں آدمی ہیں ان دونوں کا قتل ہوا تھا۔

مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان دونوں کے قتل کا طریقہ کار بلکل ایک جیسا ہے۔

سر اس آدمی کی موت یہیں پاکستان میں دو سال پہلے۔ڈر گز ڈیلینگز کے ایک لوکل گروہ کے اڈے پر ہوئی۔

مگر یہ گروہ صرف چھوٹی موٹی ڈر گز ڈیکنگ کرتے ہیں۔

اب یہ دیکھیں سر یہ قتل بھی آج سے تقریباً ڈھائی سال پہلے فلسطین میں ہوا۔

مگر یہ بندہ کوئی عام لوکل ڈر گز ڈیکنگ نہیں کرتا تھا۔

بلکہ یہ پوری دنیا میں ڈر گز کے مافیا گروپس کو یکجا کرتا تھا۔اور پوری دنیا میں

""اس ڈر گ "" میتھیمفیٹامین

کی سب سے زیادہ سپلائے کرتا تھا۔

تم۔ کہنا کیا چاہتے ہو سالار؟

سر بات یہ ہے کہ جس آدمی کی لاش ہمیں دو سال پہلے اس سپاٹ پر کٹی ہوئی ملی وہ ایک لوکل گروہ کا آدمی تھا۔

اور اُن کے اڈے پر جو لوکل ڈرگز کے ساتھ یہ والا اتنا مہنگا اور خطرناک ڈرگز ملاوہ کہاں سے آیا؟

سالار وہ کیس تو دو سالہ پہلے ہی بند ہو گیا تھا۔ ابھی اُس کیس کا تمہاری بات سے کیا تعلق ہے؟

سر یہ دیکھیں یہ جو دو قتل ہیں یہ دونوں الگ الگ ملکوں میں ہوئے ہیں مگر ان کا طریقہ کار ایک جیسا ہے۔

دوسری بات جو مجھے کھٹک رہی ہے وہ یہ ڈرگ ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ دونوں قتل۔ ہوئے اُس وقت دونوں ملکوں میں ایک شخص موجود تھا۔

تمہارا اشارہ کیا سکندر بھاؤ کی طرف ہے؟؟؟؟

جی سر۔

سالار کیا کسی پر یہ کہہ کر تم الزام لگاؤ گے اور اس دلیل پر تم اپنی بات کو ثابت کرو گے؟

دیکھیں سر میں جانتا ہوں کہ یہ بات کافی نہیں ہے۔۔

اسی لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔

سر یہ جو قتل ہوئے تھے اُن دونوں شہروں میں سکندر بھاؤ کی موجودگی تھی۔

اور اتنے مہنگے داموں اور ایک عام گروہ کا آدمی یہ ڈرگز نہیں خرید سکتا یہ بات آپ بھی سمجھتے ہیں۔

تو تمہیں لگتا ہے کہ سکندر بھاؤ نے اُن۔ دونوں۔ کا قتل کیا ہے۔؟؟؟؟

سر میں۔ یہ تو نہیں جانتا کہ قتل کس نے کیا ہے مگر مجھے یقین ہے اس کے ساتھ سکندر بھاؤ کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔

سالار تم جس بات کو اتنی آسانی سے کہہ رہے ہو اُس کے لیے یہ دلیل یا یہ باتونی ثبوت کافی نہیں ہیں۔

جانتا ہوں سر اسی لیے میں فلسطین جانا چاہتا ہوں۔

سر یہ دیکھیں سکندر بھاؤ کی جتنی انفارمیشن ہمارے پاس موجود ہے وہ بس وہی ہے جو ہمیں دکھائی گئی ہے۔

بینکس اکاؤنٹس کی ڈیٹیل جو دیکھائی دے رہی ہے وہ سکندر بھاؤ کے نظر آنے والے انداز کے مطابق لگتی نہیں ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ پیسہ صرف پاکستان میں رہ کر غلط کاموں سے کمایا گیا ہے ؟؟؟

یہ دیکھیں سر یہ سکندر بھاؤ کی ماں کے ایکسڈنٹ کی رپورٹ ہے۔

یہ تمہیں کہاں سے ملی ؟؟؟؟؟

سر فلسطین سے بہت مشکل سے یہ پتہ چلا ہے کہ سکندر بھاؤ کوئی یتیم کھانے میں رہنے والے بچوں میں سے نہیں تھا بلکہ ایک کار ایکسڈنٹ میں اُس کی ماں کی موت ہوئی۔

سر یہ دیکھیں یہ سکندر کی بہن کی رپورٹ ہے۔

سر اس کا بھی قتل ہوا ہے۔

سر ہماری انفارمیشن کے مطابق اور بہت سے لوگوں کے مطابق یہ قتل سکندر بھاؤ نے خود کیا ہے۔

سر اب یہ دیکھیں سر یہ سکندر کا دوست تھا جس کے ساتھ سکندر کی بہن کا نکاح ہوا۔

مگر بات یہ ہے کہ اس کا بھی قتل۔ اُسے روز ہوا جب سکندر کی بہن کا قتل ہوا۔

سالار مگر تمہاری کوئی بات یا ان میں سے کوئی رپورٹ یہ ثابت نہیں کرتی کہ سکندر بھاؤ نے ہی قتل کیا ہے۔

جی سر یہ بات میں جانتا ہوں۔
مگر سر ثبوت سے پہلے یہ باتیں کہنی ضروری ہیں۔
سر میرا ابھی پہلا مقصد ان دونوں قتلوں کے درمیان کوئی تعلق ڈھونڈھنا

ہے۔
جس کے لیے مجھے فلسطین جانا ہے۔
جس کے لیے مجھے آپ۔ کی پرمیشن کی ضرورت ہے۔
سالار مجھے لگتا ہے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔
سکندر بھاؤ کوئی مافیا گروپ کا کوئی لیڈر نہیں ہے کہ جس کی دھوم بہت
سارے ملکوں میں۔ ہو گی۔
سر میرے خیال۔ سے یہی ہماری خوش فہمی۔ ہے۔
سر سکندر کے گھر پر میں نے بہت ساری چیزیں ایسی دیکھیں ہیں جو بلیک
مارکیٹ میں اربوں ڈالر کی قیمت رکھتی ہیں۔
میں کل بلیک مارکیٹ میں بکتی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔

سر خاص طور اُس کے گھر میں لگی ایک پینٹنگ جو صرف تین رنگوں میں مشتمل تھی۔

وہ عام سی پینٹنگ جرمنی کی بلیک مارکیٹ میں اربوں کھربوں ڈالر کی قیمت پر صرف آٹھ دن پہلے بیچی گئی۔

مگر بات یہ ہے کہ اتنی پیسہ آیا کہاں سے؟؟؟؟

کوئی پولیٹیکل لیڈر ہو تو کہہ سکتا ہے انسان کہ یہ عوام کا پیسہ کھایا ہے۔ یا کوئی منی لانڈرنگ کی گئی ہے۔

مگر کراچی کا ایک گنڈہ جو پورے ملک کو اپنی دہشت سے کھوکھلا کر رہا ہے۔

.اُس کے کسی کاروبار کی کوئی چھاپ نہیں

نہ ہی کوئی الیگل کاروبار پکڑا گیا۔

پھر تو بات یہی ہے کہ سکندر بھاؤ کسی انٹرنیشنل مافیا کا کوئی بڑا گینگسٹر لیڈر ہے۔

یہ پیسہ جو اُس کی کراچی کی اتنی بڑی عمارت کی زینت ہے۔ یہ پیسہ کوئی حلال طریقے سے کمانے سے رہا۔

فلسطین میں یہ چکر جو لگ رہے ہیں۔

پاکستان کی فلائٹ کو استعمال کیے بغیر وہ جو آئے دن کبھی کسی تو کبھی کسی ملک کے چکر کاٹ رہا ہے۔

سر یہ پیسہ صرف اور صرف بلیک منی کا ہی ہو سکتا ہے۔

سالار تمہاری ان سب باتوں کا آخر میں اختتام ثبوتوں پر ہی ہوتا ہے۔

تم۔ یہ بات جانتے ہو کہ عدالت ثبوتوں پر ہی تمہیں اُس کی گرفتاری کا وارنٹ دے گی۔

اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ سکندر بھاؤ اُس سے پہلے تمہاری لاش بچھا دے گا۔

سر یہ وردی ہے نہ۔

بس مجھے ایسے لوگوں سے نبٹنے کے لیے یہی چاہیے تھی۔

اور وہ مجھے مل گئی۔

مجھے کسی بات کا خوف نہیں ہے۔ جن کے ساتھ اللہ ہوتا ہے اُنہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا۔

میں بس فلسطین اس قتل اور سکندر بھاؤ سے متعلق انفارمیشن حاصل کرنے کے لیے فلسطین جانا چاہتا ہوں۔

ڈی آئی جی سالار کی بات سن کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ جانتا تھا کہ سالار کی زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے

مگر پھر سالار کے اصرار پر اُسے فلسطین جانے کی۔ پرمیشن مل گئی۔

اور پھر سالار خوشی سے سلیوٹ کرتا بولا۔

سر میں آپ کو نراش نہیں کروں گا۔

اور پھر وہ یہ کہتا وہاں سے چلا گیا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر نیلے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس سیڑھیوں سے اترتا نیچے آرہا تھا۔

جمشید جو نیچے پہلے سے کھڑا بھاؤ کا انتظار کر رہا تھا۔

سکندر جمشید کو دیکھتے ہوئے بولا۔

سکندر:::::: کیا بنا ہے اُس کا آنکھیں کھولی ہیں۔ یا نہیں ؟؟؟

جمشید::::: بھاؤ اُس کو اوبزرویشن میں رکھا ہوا ہے۔

.سکندر::::: میرا سوال یہ نہیں تھا جمشید

جمشید::::: معذرت چاہتا ہوں بھاؤ۔۔ مگر ابھی اُس نے آنکھیں نہیں کھولی

۔

سکندر:::: تو پھر تم اپنی شکل مجھے کیوں یہاں دکھانے آئے ہو۔

سکندر سرد لہجے کے ساتھ بولا۔

جمشید:::: وہ بھاؤ میں تو آپ کو ڈینیال کا بتانے آیا تھا۔

بھاؤ۔ وہ آپ سے ملنے آیا ہے۔

سکندر:::: اُسے مجھ سے کون سا کام پڑ گیا ہے ؟؟؟

جمشید:::: بھاؤ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ روزی کے مرڈر کیس کے لیے آیا

ہے۔

سکندر:::::اچھااب تم یہاں سے دفع ہو جاؤاور اُسے ہوش میں لاؤ۔

جمشید مجھے وہ صحیح سلامت چاہیے۔

اُس کی سانسیں اٹک جائیں مگر رو کے نہ۔

اگر کسی اور ڈاکٹر کولانے کی ضرورت ہے تو اُسے بھی بلاؤ۔

بس وہ اتنی آسان موت نہیں مرنا چاہیے۔

مجھے تو۔ابھی اُس کی ماں سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کرنا ہے۔

اتنی۔آسان موت تو نہیں مرنے دونوں گااُن دونوں۔کو۔

جمشید::::جی بھاؤ۔

سکندر::::::اُس گھٹیا انسان کو تو میں بعد میں دیکھوں گا۔۔

اور پھر فون کو نکلتا اشارے سے جمشید کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے فون پر کسی نمبر کو ملتے ہوئے بولا۔

جہانگیر::::::آج ہماری یاد کیسے آگئی اے یارے بے وفا۔

سکندر:::::اپنی زبان کو ابھی اپنے منہ کر اندر رکھی۔

میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے تُجھے۔

جہانگیر::::: ستم گری کیا ہوئی ہے جو تجھ پر

ایسا بھی کیا ہوا ہے جو ہم پر ہی برس پڑے ہو۔

سکندر:::: فلحل اپنی بکواس کو بند ہی رکھ۔

جہانگیر::: تم کہو تو بات ہے یار

ہم کہے تو بکواس ہے یار

ایسا نہ کرا ے جانِ یار

کچھ ادب کا لحاظ تو کرا ے یار۔

سکندر:::::اب اپنی یہ بکواس تو بند کر رہا ہے یا نہیں؟؟؟

جہانگیر:::: ہاں ہاں شادی پر تو منہ نہیں لگایا اور اب حکم دیے جا رہے ہیں۔

سکندر:::::::: بس کام سن۔

جہانگیر::::جی بولیں۔ دنیا میں ہم آپ کے ہی غلام بن کر آئے ہیں۔

سکندر::::: میں فلسطین سے جا رہا ہوں۔

تُجھے ایک کام کرنا ہے۔۔۔ایک آدمی کو تیرے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔

وہ مرنا نہیں چاہیے۔

اس بات کا خاص خیال رکھنا۔۔

جہانگیر:::::: کس کو موت دینے سے پہلے اُس کے زخموں پر مرہم لگایا جا رہا ہے۔؟؟؟

سکندر:::::: تُجھے جتنا کہا ہے تو بس وہ کر۔۔

زیادہ سوال جواب کرنے کی تُجھے ضرورت نہیں ہے۔

جہانگیر:::::: ہائے

کبھی تم بھی جو ہم سے گفتگو راز کرتے

لوگ دیکھ کر تمہاری میری نظر اتارتے

یہ کہنا بھی بس کہنا ہی رہ گیا ہے یار

اے کاش

تم اور میں بھی دو دل اک جان ہوتے

سکندر::::: اپنی یہ تھرڈ گری شاعری سے باذوق لوگوں کی شاعری کی دھجیاں اڑانے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔

جو کام تمھارا ہے تم اُس پر دیہان دو۔

جہانگیر::::: ہم تو ترس بیٹھے ہیں تمھارے منہ سے خود کی تعریف سننے کو۔

پر یارے بے وفا کبھی تعریف کے الفاظوں کے ساتھ ہم سے رابطہ نہیں کرتے۔

سکندر::::: جہانگیر میری بات کو دیہان سے سن لو

وہ مرنا نہیں چاہیے

اگر وہ مرا تو جتنی تیری لمبی زبان ہے اتنے لمبے ٹکڑے تمھارے کروں گا سمجھے۔

جہانگیر::::: ہاں ہاں معلوم ہے۔

ویسے ہے کون وہ خوش قسمت جس کو مارنے کے لیے

سکندر صالح اُسے بچانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔

سکندر::::: اور دیہان رکھنا باقی سب کاموں پر بھی۔

خاص طور پر مارکس اور کارل پر۔

جہانگیر::::: تم فکر نہ کرو اُن پر نظر ہے میری۔ ویسے سنا ہے فارس نے بڑا

لمبا کارنامہ انجام دیا ہے۔

سکندر::::::: تمہیں جو کام دیا ہے تم اُس پر دیہان دو سمجھے۔

اِدھر اُدھر کی باتوں پر نہیں۔

اور پھر یہ کہتا سکندر فون رکھ گیا۔

جہانگیر جو بند ہوتے فون کی آواز پر فون کو دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

جہانگیر::::: کبھی اے یار تم بھی ہم سے کچھ گفتگو راز کرتے

کچھ گھنٹوں تک ہم سے بھی فون پر بات کرتے

کیا ماجرہ ہوتا کیا کیفیت ہوتی

جب کبھی تم بھی ہم کو بھولے سے یاد کرتے۔

واہ واہ کیا شعر بولا ہے۔

جہانگیر اپنے ہی شعر کی تعریف کرتا مسکرانے لگا۔

سکندر دو باڈی گارڈز کے ساتھ باہری حصے کے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوا۔

جہاں پہلے سے موجود ڈینیل شراب کے گلاس کو ہاتھ میں تھامے بیٹھا پی رہا تھا۔

سکندر کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔۔۔

سکندر::::بیٹھ جاؤ۔

اور یہ کہتا سکندر صوفے کی ٹیک پر اپنا ہاتھ رکھتا بیٹھ گیا۔

اور پھر وہ بھی سکندر کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

سکندر:::::اپنے آنے کی وجہ بتاؤ؟

ڈینیل:::::مجھے مدد چاہیئے۔

سکندر:::کس طرح کی۔

ڈینیل:::::: مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے۔

اور مجھے یہ ہر قیمت پر چاہیئے۔

سکندر:::: بات کو واضح طور پر بیان کرو۔

ڈینیل:::: دو مہینے پہلے روزی یہاں آئی تھی ڈرگز کی ایک پارٹی سے ملنے

میں نے اُسے یہاں بیھجا تھا۔

اُسے ایک پارٹی سے ملاقات کر کے ہماری ڈیل کو آگے بڑھانا تھا۔

روزی یہاں ۲۰ تاریخ کو پہنچ گئی تھی۔

اور آخری بار میری اُس سے بات ۲۵ کو ہوئی رات بارہ بجے۔

ڈرگز کی خریداری ہو چکی تھی۔۔

اور اُسے اگلی فلائیٹ سے واپس آنا تھا۔

مگر اُس کے بعد میرا اُس سے کوئی کانٹیکٹ نہیں ہوا۔

تین دن بعد میرے ایک آدمی نے مجھے کال کی اور ایک آدمی کی تصویر بھیجی

۔

جس گروپ سے ہماری ڈیلینگ ہو رہی تھی۔ اُنہیں نے ہمیں ڈر گز بھاری

بھر کم تعداد میں دیے تھے۔

اور کم لاگت میں۔

جیسا کے ہمارا پلان تھا کہ اُس گروپ کے سر براہ کو پکڑنے کا۔

اس لیے روزی کے زریعے اعتماد کو بر قرار رکھنے کے لیے میں نے روزی کو

یہاں اُس ڈیکنگ کے لیے بیھجا۔

مگر میرے سارے ادمیوں کو مار دیا گیا۔

وہ بھی بہت بے دردی سے۔

وہ ڈر گز ہمارے تک آنے سے پہلے ہی غائب کر دیے گئے۔

اور وہ میرا آدمی جس نے مجھے فون پر ساری اطلاع دی

اور وہ تصویر دی اُس کا کوئی ناموں نشان نہیں معلوم۔ ہوا۔

اُس کے بعد میں نے اپنے کچھ ادمیوں کو یہاں سراغ کے لیے بھیجا مگر کوئی

ناموں نشان نہیں پتہ چلا۔

میں صرف اُس آدمی کی بات سے یہ جانتا ہوں کہ میری بہن کا مرڈر ہو چکا

ہے۔

مگر کل مجھے روزی کے نمبر سے کال آئی مگر میرے اٹھانے پر کوئی آگے سے

جواب موصول نہیں ہوا۔

یہ آدمی جس کی تصویر میرے ایک آدمی نے مجھے بھیجی یہ آدمی سب جانتا

ہے۔

مگر پچھلے دو مہینوں میں مجھے اس کا بھی کوئی سراغ نہیں ملا۔

ڈیول مجھے لگتا ہے روزی زندہ ہے۔

اور یہ آدمی مجھے اُس تک پہنچا سکتا ہے۔اس لیے صرف تُمہارے پاس مدد کو

آیا ہوں۔

سکندر:::: اور اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو؟

ڈینیل:::: مجھے اُمید ہے تم میری مدد کرو گے۔

سکندر:::: تمہیں پتہ ہے نہ مجھے جھوٹ سننا پسند نہیں۔

ڈینیل:::::میں نے سب سچ بتایا ہے۔

سکندر::::::تو تمہیں لگتا ہے کہ یہ ڈرگز ڈیلنگ کے سربراہ کو پکڑنے کی بات سچ ہے؟؟؟؟

ڈینیل:::::ہ۔۔۔ہ۔۔ہاں۔۔۔۔میں۔۔کیوں۔ جھوٹ۔۔بولوں گا.

سکندر:::::::تم جانتے ہو نہ میں نے بیلی بارکر کا کیا حال کیا تھا؟؟؟

ڈینیل:::::م۔۔۔می۔۔۔۔۔۔میں۔

سکندر::::: تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم یہاں خود اپنی مرضی سے آئے ہو؟؟

ڈینیل::::کیا۔۔۔مطلب؟؟؟

سکندر:::: جس آسٹریلین ڈرگز ڈیلنگ گروپ سے تمہاری ملاقات یہاں ہونی تھی۔۔۔وہ میرے آدمی تھے۔

ڈینیل:::::مہ۔۔میں۔۔۔سمجھا نہیں؟

سکندر:::::اب اتنی ایکٹنگ تو مجھے بھی آتی ہے جتنی تم مجھے دکھانے کی کوشش کر رہے ہو۔

تمہیں کیا لگتا کہ تمہیں دو مہینے یہاں آنے میں کیوں لگے ہیں ؟۔۔

کسی کی بہن کی موت کی خبر اگر اُسے دو مہینے پہلے ملے تو کیا وہ اتنا پاگل ہے کہ دو مہینے بعد اپنی بہن۔ کو ڈھونڈھنے کو آئے۔

ڈینیل:::: میں۔۔نے بتایا نہ۔۔۔ کہ روزی کے۔۔۔ نمبر سے فون آیا تھا۔

سکندر:::: اوہ میں تو روزی کو بھول۔ ہی گیا۔

ڈینیل:::: کیا وہ تُمہارے پاس ہے ؟؟؟؟

سکندر:::: ایسی لو کلاس کی چیزیں میں اپنے پاس نہیں رکھتا۔ سمجھے۔

اور یہ تصویر لاؤ دیکھاؤ یہ کون سی ہستی ہے۔

اور پھر سکندر نے۔ انکھوں سے ایک۔ باڈی گارڈ کو اشارہ کیا۔

سکندر:::: یہ تصویر تمہیں یہاں نہیں لائی ڈینیل تمہیں یہاں لانے والی چیز ڈرگز تھے۔ تمہارا پیسہ تھا جو تم اُن ڈرگز کی قیمت پر ادا کر چکے تھے۔

یا وہ فون تھا جس کا ذکر تم نے نہیں کیا۔

ڈینیل:::::: میں۔۔۔۔ نہیں جانتا تم۔۔۔ کوں سے فون کی۔۔ بات کر

رہے ہو۔

اور مجھے کوئی فون نہیں آیا۔

اچانک ایک باڈی گارڈ ایک لڑکی کو کھینچتا اندر کی طرف لایا۔۔۔اور بولا۔

بھاؤ۔۔

سکندر:::: لاؤلاؤ۔۔۔اس روزی میڈم کو جو اپنے مارنے کا اچھا خاصا ڈراما

کر چکی تھیں۔

ڈینیل بہن کو بے حال دیکھتا اُس کی طرف بڑھا۔

ڈینیل:::: تم ٹھیک۔ ہو؟؟؟؟

روزی::: آہ

ڈینیل::::: یہ گولی کیسے لگی تمہیں۔

سکندر:::: تمہاری بہن سڑک پر بے حال میرے آدمیوں کو ملی۔۔

دراصل ایتان اپنے کچھ ادمیوں کے ساتھ ڈرگز کی سپلائی کے سلسلے))))

کے لیے روزی سے ایک کلب میں ملا۔۔

ایتان پچھلے چار سالوں سے ڈینیل اور روزی کے لیے کام کر رھا تھا۔۔وہ

اپنے گروپ کو مزید بڑھا کر اپنے لینک فلسطین کے مختلف شہروں میں بڑھا

رہا تھا

تاکہ بعد میں آرام۔سے ڈرگز کی سپلائی سے پیسوں کی اس دھوکی دنیا میں

(((اپنا نام کما سکے۔

مگر پیسوں کے جھگڑے میں روزی اور ایتان کے درمیان کافی بحث ہو گئی۔

اور پیسے نہ ملنے کی وجہ سے ایتان نے ایک دوسرے گینسٹر گروپ سے مل کر

ڈینیل کے لوگوں پر حملہ کروایا۔

جس کی وجہ سے روزی کو سینے میں گولی لگی۔

مگر پھر سکندر کے کچھ ادمیوں کو روزی کی باڈی ایک سڑک کے کنارے پر

ملی۔

ڈینیل اور سکندر جرمنی میں ایک ساتھ فائٹنگ سپاٹ پر ٹریننگ کیا کرتے تھے۔۔۔اور سکندر کی خاصی جان پہچان بھی تھی۔

اسی لیے سکندر کے کچھ لوگ ڈینیل اور روزی کو اچھے سے جانتے تھے۔

اور پھر دو مہینے کے علاج کے بعد روزی خطرے سے باہر نکلی تھی۔

اور وہ کال سکندر نے خود اپنے ہی کسی آدمی سے کروائی تھی تاکہ ڈینیل کو اُس کے اڈے سے نکل کر یہاں فلسطین خود اُس کے قدموں پر چلا کر لا سکے۔۔)))

سکندر:::::ہاں تو اب شاید تم دونوں ہی سمجھ گئے ہو گے کہ تم دونوں یہاں تک آئے کیسے؟

ڈینیل::::تم نے دھوکہ دیا ہے ڈیول.

سکندر:::::جس زبان سے تم نے ابھی یہ لفظ نکالا ہے چاہوں تو ابھی کہ ابھی اس زبان کو کاٹ کر اپنے پیروں میں مسل کر رکھ دوں۔

مگر کیا کروں آج اس موڈ میں نہیں ہوں۔

ڈینیل::::: تم نے مجھ سے دشمنی مول لے کر اچھا نہیں کیا۔

سکندر:::::: لگتا ہے بہن کے زخموں نے تمہاری سوچ کو۔اندھا کر دیا ہے۔ اس لیے تمہیں نظر نہیں آرہا کہ تم کے سامنے کھڑے ہو کر بات کے رہے ہو۔

ڈینیل::::: میرا پیسہ مجھے واپس کروا بھی۔

سکندر::::::: تُمہاری زندگی جو تمہیں مل گئی ہے اُسے غنیمت جانو۔۔اور یہاں سے واپسی کی فلائیٹ پکڑو

ورنہ مجھے اصل میرا رنگ دکھانے میں ذرا دیر نہیں لگے گی۔

ڈینیل:::: تم نے اچھا نہیں کیا۔

سکندر:::: جن خوابوں کو تم لیے گھوم رہے ہو اُن خوابوں کی تھیلیاں بنا کر تمھارے تک پہنچ جائیں گی۔

اپنے آدمیوں کی لاشوں کو دفنا لینا۔

اور شکر کرو کہ تم دونوں یہاں سے زندہ جا رہے ہو ورنہ تم لوگوں کو دفنانے کے لیے مٹی تو کیا تم لوگوں کا خود کا جسم بھی نصیب نہیں ہونا تھا۔

لے جاؤ اب یہاں سے اپنی بہن کو

تمھارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے یہاں سے نکلنے کا۔

اگر تم ایک گھنٹے کے بعد فلسطین کی زمین پر مجھے کہیں بھی دیکھے تو وہی تمہیں زندہ گار کر تمہاری گم نام قبر بنوا دوں گا۔

اب تم دونوں یہاں سے دفع ہو سکتے ہو۔

دوسری طرف ڈینیل اپنے غصے کو دباتا اپنی بہن کو وہاں سے لے کر چلا گیا۔

جب کہ وہ وہاں اپنی بہن نہیں بلکہ اُن ڈرگز اور اپنے پیسوں کے لیے آیا تھا۔

زیمل کمرے میں موجود ملازموں کو دیکھ رہی تھی جو اُس کے پاس بیٹھی زیمل کی چیزوں کو جنھیں ابھی کل ہی لایا گیا تھا اُنہیں بیگ میں ڈال رہی تھیں۔

سب بہت الگ سا لگ رہا تھا۔
زیمل صبح سے ناشتے کے بعد کمرے میں بیٹھی تھی۔
اب وہ اُس کا گھر تھا مگر ایک ہچکچاہٹ تھی جو اُس کے قدموں کو اُس کمرے سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔
صبح سے سکندر بھی کمرے میں کسی طور خیریت معلوم نہیں کرنے آیا تھا۔
کچھ بچے کچے کام۔تھے جو سکندر کو ترکی جانے سے پہلے کرنے تھے۔وہ اب تک اپنے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔
زیمل کسی سے پوچھنے کی ہمت بھی نہیں کر پائی۔
نہ یہ جان سکی کہ """"""وہ"""""" کہاں ہیں؟
پیکنگ مکمل کرتے ہی تمام ملازمہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔
زیمل کھڑکی سے باہر دیکھتی سکندر کے کسی خیال کے ساتھ گم ہو گئی۔
کچھ باتیں تھیں جو زیمل کے دل کو چھو سی گیئں تھیں۔
کچھ الفاظ تھے جو اُسے اُس کی اہمیت کا اندازہ کروا رہے تھے۔

زیمل سکندر کے بارے میں کچھ خاص نہیں جانتی تھی مگر جو جانتی تھی وہ صرف اتنا کہ وہ بہت رحم دل ہے۔

یہ بات ایسی تھی کہ اگر کوئی چاہتا بھی تو زیمل کی اس بات پر ایمان نہیں لا سکتا تھا۔

حتیٰ کہ سکندر خود بھی نہیں۔

اس میں قصور زیمل کا نہیں تھا کہ وہ سکندر کو ایک رحم دل انسان جانتی تھیں

۔۔۔ہاں مگر سکندر اُس ایک لڑکی کے سامنے کچھ بن ایسا جاتا تھا جو شاید اوروں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سکندر کے کہے الفاظوں کی گونج زیمل کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

باہر کا موسم بھی زیمل کی طرح دھوپ چھاؤں سا تھا۔

زیمل کی دھڑکنیں کبھی تیز ہوتی تھیں تو کبھی مدھم۔

جس رشتے کی شروعات اُس نے صرف دو دن کی ملاقات میں کی تھی۔

وہ اُس کے باعث کچھ گھبراہٹ کا شکار تھی۔

اُسے سکندر کا پاس ہونا کسی محافظ کی طرح لگتا تھا۔

مگر اگلے ہی پل سکندر کی باتیں اُسے نظریں ملانے کی بھی اجازت نہیں دیتی تھیں۔

کمرے میں وہ تنہا کھڑی اپنے خیالوں کی تپش کو محسوس کرتی کھڑی تھی۔

اچانک اُسے کسی کا احساس اپنے بلکل پیچھے محسوس ہوا۔

پلٹ کر دیکھنے پر اسے اپنے بلکل پیچھے وہی شخص نظر آیا جس کے خیالوں میں گم وہ اُس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

یوں اچانک سکندر کو اپنے پیچھے خاموشی سے کھڑا دیکھ وہ ڈر گئی۔

زیمل::::آ۔۔۔۔۔آپ۔

دل پر ہاتھ رکھے وہ سکندر کو دیکھ کر بولی۔

سکندر زیمل کے اس انداز پر ہلکا سا مسکرایا۔

زیمل::::آپ کب۔۔آئے۔۔

سکندر::::ابھی بس کچھ دیر پہلے جب آپ اپنے خیالوں میں میرے بارے میں سوچ رہی تھی۔

زیمل یوں سکندر کے جواب پر چونکی اور پھر بولی۔

زیمل::::ن۔۔نہیں۔۔۔میں تو بس۔۔ایسے ہی یہاں کھڑی تھی۔

یہ کہتے ہی زیمل نے نظروں کو جھکا لیا۔

سکندر:::: ویسے آپ کا چہرہ مجھے دیکھ کر یوں لال کیوں ہو جاتا ہے؟؟؟

زیمل سکندر کے سوال پر اپنے چہرے اور ہاتھ لگاتی بولی۔

زیمل:::: نہیں۔۔۔۔تو۔

سکندر::::آپ میرے آنے پر گھبرا بھی جاتی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

زیمل::::آپ۔۔۔بس یوں اچانک پیچھے کھڑے تھے میں ڈر گئی۔

سکندر::::اب اپنی بیوی سے بات کرنے کے لیے کمرے میں آنے کی اجازت لینے سے تو رہا۔

ویسے کہتی ہیں تو اگلی بار اجازت طلب بھی کے لوں گا۔

زیمل:::: نہیں میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔

سکندر:::: تو مطلب اجازت کے بغیر آنے کی اجازت

مل رہی ہے؟

زیمل::::::: میں۔۔۔نے

سکندر وہی زیمل کی بات کو کاٹتے ہوئے بول۔

سکندر:::: ویسے اگر بیوی شوہر کے بارے میں سوچ لے تو اس میں کوئی غلط

بات نہیں ہے۔

زیمل سکندر کی بات پر خاصی گھبرا گئی تھی۔

کچھ وقت اُسے درکار تھا ان سب باتوں کے لیے۔۔جو سکندر پوری طرح سے اُسے دے رہا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ اس رشتے کے لیے رضامند نہیں تھی مگر بس کچھ وقت اُسے چاہیے تھا اس رشتے کو آگے بڑھانے کے لیے۔

زیمل:::: ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟

سکندر:::: جی کہیں۔

زیمل::::: کیا آپ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔؟

سکندر زیمل۔ کی بات پر مسکرایا اور پھر اُسے خود کے مقابل کرتے ہوئے

بولا۔

سکندر::::: آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی رہوں؟؟؟

زیمل سکندر کی بات پر نظروں کو جھکا گئی۔

سکندر::::: جن سے پیار ہو وہ دل میں رہتے ہیں۔

اور جو دل۔ میں رہتے ہیں اُن سے محبت ہو جاتی ہے۔

اور جن سے محبت ہو جائے اُن کے ساتھ آپ ایک سے ہی رہتے ہیں۔

اُس وقت تک جب تک محبت سے جوڑے ایک اور احساس کا قتل نہ ہو

جائے۔

پوچھیں گیں کہ وہ احساس کوں سا ہے؟؟؟؟

زیمل نظروں کو۔ اٹھاتی سکندر کی طرف دیکھنے لگی جیسے آنکھیں کی زبانی

سکندر کی کہی بات پوچھنے لگی ہو۔

"""" سکندر:::: """"""اعتبار

کسی رشتے کی بنیاد میں فقط محبت ہونا ہی لازم نہیں ہوتا بلکہ اعتبار کی بنیاد ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ اعتبار پر محبت کی عمارت کو کھڑا کیا جاتا ہے۔

اگر یہ اعتبار ٹوٹ جائے تو محبت کی عمارت ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

اور مجھے آپ کی ان آنکھوں میں خود کے لیے محبت تو نہیں مگر اعتبار نظر آتا ہے۔

شاید یہ اعتبار آنے والے وقت میں میری محبت کی عمارت کو بھی آپکی انکھوں میں قائم کر دے۔

میرے لفظ میرے دلی احساسات کا حال آپ سے بیان کرتے ہیں۔

سکندر صالح نے بہت سے قیمتی اور پر خلوص لوگوں کو کھو دیا ہے۔

وہ زخم اب بھی تازہ ہیں مگر آپ کو دیکھ لینے سے ہی میرے دل کو ایک سکون ملتا ہے۔

ایک۔ہاتھ میرے سینے پر محسوس ہوتا ہے جو میرے دل پر لگی ضربوں کو مزید ناقابلِ برداشت نہیں ہونے دیتا۔

زیمل میں یہ تو جانتا ہوں کہ میں اس قابل نہیں کہ آپ کو اپنی زوجیت میں رکھ سکوں۔۔ مگر یہ احساس اُس احساس سے کم ہے کہ اگر آپ یہاں سے چلی جاتی۔

میں نہیں جانتا کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتی ہیں یا اس رشتے کو آگے بڑھانے کے لیے آپ کو کتنا وقت درکار ہوگا۔

مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ آپ کا ہاتھ جو میرے ہاتھ میں تھمایا گیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ اس دنیا میں میرے لیے آئی ہیں۔

جوڑیں آسمان میں بنتے ہیں مجھ سے کسی نے کہا تھا۔

مگر میں وہ انسان۔ہوں کہ جس کے لیے اُس کی شریکِ حیات کو خوبصورت سیرت وصورت کے ساتھ جنّت سے بیھجا گیا ہے۔

جب آپ کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ آپ مجھے کیسے مل گئی۔

کیا میں آپ کے قابل ہوں۔

اُس رات جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تو میرے ہاتھ کانپے تھے۔

نظروں کو اٹھا کر بھی آپ کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔

سوچتا تھا کہ کہی آپ کے چہرے پر میری نظر آپ کے حیا پر حرف نہ لے آئے۔

آپ مجھے جو سمجھتی ہیں میں ویسا سکندر صالح نہیں ہوں۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر آپ اس نکاح کی پیشکش سے انکار کر دیتی تو میں کیا کرتا۔

جب آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو دنیا کو بھول جاتا ہوں۔

بولنا شروع کرتا ہوں تو روکنا بھول جاتا ہوں۔

مگر ان سب کے باوجود ایک بات میرے دل۔ کو سب سے زیادہ تسکین دیتی ہے۔

کہ آپ میری شریکِ حیات ہیں۔

آپ کے نام کے ساتھ لگنے والا نام کسی اور مرد کا نہیں بلکہ میرا ہے۔

یقین جانے اگر آپ صرف ان ہاتھوں کو چھونے کی اجازت دے کر بھی اپنی پوری عمر میرے ساتھ گزار دے تو بھی زبان سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔

آپ کو دیکھ لیناہی میری محبت کی تسکین ہے۔

آپ کو دیکھ لیاتو سمجھو آپ کو پالیا۔

زیمل سکندر کی باتوں پر صرف اُسے دیکھ رہی تھی۔

اور پھر بولی۔

زیمل::::::: آپ۔۔۔۔سے ایک بات کہوں؟

سکندر:::: آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

مجھ پر اس دنیا میں حق رکھنے والی واحد آپ ہیں۔

زیمل:::: آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

سکندر:: اور میں کیسی باتیں کرتا ہوں؟؟؟

زیمل:::: نہیں۔۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔

میں بس۔

سکندر::::: آپ کو دیکھ کر پہلا لفظ حیا میرے ذہن میں آتا ہے۔

دوسرا لفظ احترام۔۔

اور تیسرا لفظ محبتِ۔

آپ جانتی ہیں محبت کیا ہوتی ہے؟

زیمل:::: محبت ایک احساس ہے جو کسی کے دل میں کسی کو چاہ لینے کی آرزو کو پیدا کر دیتا ہے۔

سکندر:::: آپ یہ کہہ سکتی ہیں۔

مگر میرے لیے لفظ محبت۔۔۔زیمل۔آپ ہیں۔

یہ محبت آپ سے احترام کے جذبے کے ساتھ جڑی ہے۔

یقین جانئے سکندر صالح اتنا احترام کے جذبے سے آشنا نہیں تھا جتنا اب ہو گیا ہے۔

زیمل کے چہرے پر ایک مسکراہٹ واضح ہوئی تو بولی۔

زیمل:::::آپ اپنی شخصیت سے بہت ہی مہربان اور رحم دل لگتے ہیں۔

سکندر زیمل کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

سکندر::::آپ میری زندگی میں پہلی ایسی شخصیت ہیں جو کہ مجھے رحم دل

اور مہربان کہہ رہی ہیں۔

زیمل:::::آپ جانتے ہیں کسی عورت کو پناہ دینا کیسا ہے؟

سکندر::::کیسا ہے؟

زیمل::::ایسا کہ کسی سمندری موتی کا کسی دوسرے موتی سے مل جانا۔

موتیوں کے رنگوں میں مختلف ہونا انسان کی پیمائش کاری کا طریقہ ہے۔

مگر در حقیقت ہر موتی خود میں ایک خاص قسم کی

خصوصیات کے پیشِ نظر اپنی قیمت کا دائرہ تعین کرتا ہے۔

مگر جو بات سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہر موتی نایاب ہوتا ہے۔

اور نایاب چیزیں نایاب لوگوں کو ہی ملتی ہیں۔

سکندر::::تو آپ اپنی اس دلیل سے مجھے نایاب کہہ رہی ہیں؟؟؟

زیمل::::::: دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو بیچ سڑک سے ملی کسی لڑکی

کو نکاح کی پیشکش کرتے ہیں۔

سکندر::::: اور میرے خیال سے دنیا میں بہت کم۔ لوگ ایسے ہیں جو جواب

کونہ میں رکھتے ہوئے بھی ایک رات میں ہاں کہہ بیٹھتے ہیں.

یقیناً اس کی بھی کوئی وجہ ہو گی۔

زیمل::::::: آپ سے ایک سوال۔ پوچھوں؟

سکندر::::::: میں آپ سے ایک سوال۔ پوچھوں؟؟؟

سکندر زیمل کی بات پر اپنے سوال کی اجازت مانگ بیٹھا۔

زیمل::::::::: جی۔

سکندر:::::::: کیا آپ میری چاہت کو ہمدردی کے نظریے سے دیکھتی

ہیں۔؟؟

زیمل سکندر کے سوال پر کچھ دیر خاموش ہو گئی

اور پھر جواب دیتی بولی۔

زیمل:::::::آپ کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہے۔یہ بات میں جانتی ہوں۔

سکندر:::::تو جانتی ہیں مجھے آپ سے کس احساس کے تحت لگاو محسوس ہوتا ہے۔؟

زیمل:::نہیں

سکندر::::آپ کی آنکھیں۔

میں نے ویسے کبھی سوچا نہیں تھا کہ آنکھیں دل کا حال اتنی خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں۔

سکندر کچھ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

سکندر:::::سنا ہے کہ انکھوں میں دکھتے شخص کا چہرہ دل پر لگی مہر کی تصویر ہوتا ہے۔

دیکھیں تو سہی میری انکھوں میں آپ کو کس کا چہرہ دیکھتا ہے۔؟؟؟

زیمل سکندر کی اس بات پر کچھ مسکرائی اور پھر بولی۔

زیمل::::آنکھیں دل کے احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔

سکندر::::اچھاتو ایسا ہے تو آپ پھر میرے آنے پر ڈر کیوں جاتی ہیں۔
آپ کی آنکھوں میں تو ایک اعتبار کی بنیاد نظر آتی ہے۔
پھر میری آہٹ پر آپ خوف زدہ کیوں ہو جاتی ہیں۔
زیمل:::: نہیں ایسی بات نہیں ہے۔
سکندر:::: پھر؟
زیمل::::پینجرے میں قید پرندہ جب سالوں بعد قید سے رہائی پاتا ہے تو پھر اپنوں کی بھی آہٹ اُس کے پنکھوں کو خوف میں پھر پھرانے سے روک نہیں پاتی۔
سکندر:::: برے خوابوں کی تصویر کا رخ جب حقیقت پر مبنی ایک خوبصورت حقیقت میں بدلتا ہے تو وہاں جینے والی زندگی کے ساتھ جیا جاتا ہے خوف سے نہیں۔۔۔
زیمل:::: جانتی ہوں۔۔۔ مگر

سکندر::::: جانتا ہوں کچھ وقت لگے گا پر ایک وقت آئے گا جب آپ یہ جان لیں گی کہ سکندر صالح کے ہوتے ہوئے آپ کو خوف میں رہنے کی اجازت نہیں۔

جو پرندہ اپنی قید سے رہائی پر ڈر کا شکار ہو جائے وہ اپنی پرواز بھول جاتا ہے۔
جو ہو چکا ہو اُسے بھول کر پنکھوں کو آسمان کی کھلی فضا میں کھول کر بے باکی سے اڑنا ایک بہادر پرندے کی نشانی ہے۔
پنکھ کتر بھی لیے جائیں تو بھی اڑنے کی لگن نہیں کھونی چاہیے۔۔
کیوں کہ آسمان کا لامحدود رقبہ پرندوں کے ارنے کی چاہ کو بڑھاتا رہتا ہے۔
جب تک پرواز میں ساتھی کا ساتھ ہے آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔
وعدہ کریں کہ آپ اڑنے سے نہیں ڈریں گی۔
زیمل::::::: وعدہ کرتی ہوں۔
سکندر:::::::اب آپ جلدی سے فرش ہولیں۔

میں آپ کے لیے جوس منگو آتا ہوں۔

زیمل سر کو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہولے سے ہاں میں ہلاتی آگے کو بڑھ گئی۔

سکندر وہیں زیمل کو جاتا دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک ملازمہ جوس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔

جوس کو میز پر رکھتی وہ جانے لگی تو سکندر بہت روبود بدبے سے بولا۔

سکندر:::::::ایک ڈریس میں نے منگوایا ہے جیسے ہی آتا ہے تو اُسے کمرے میں بھیج دیجیے گا۔

ملازمہ::::جی سر۔

اور پھر وہ یہ کہتی وہاں سے چلی گئی۔

اور وہی سکندر کمرے سے باہر کھڑی سے باہر کے منظر کو دیکھنے لگا۔

خضر تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔

میں نے ڈی آئی جی سے تمھارے جانے کی بھی اجازت لے لی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ کہ ہمارے پاس صرف ایک ہفتہ ہے۔

ایک ہفتے میں ہی ہمیں جو معلوم کرنا ہے وہ کے انا ہے۔

تمہارا جو دوست ہے ہمیں اُس کی بھی بہت ضرورت پیش آنے والی ہے۔

کل ہمیں نکلنا ہے۔

رات تک سب چیزوں کی ڈیٹیل تیار کرو۔

ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا۔

تمہیں جو انفو اکھٹے کرنے کا کہا تھا اُس کا کیا بنا ہے۔

خضر::::: سر۔۔۔ سکندر کی ماں کے ایکسڈنٹ کیس کے علاوہ ہمیں کوئی بھی انفو نہیں ملی۔

نہ یہ کہ سکندر کا باپ کون ہے؟

نہ یہ کہ سکندر کی ماں کہاں کی تھی؟؟

سر ایک بات اور بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو دیکھ کر کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

سر یہ دیکھیں یہ وہ ڈر گز ہیں ان کی سب سے زائد سپلائے جرمنی اور روس کے ساتھ یورپ میں ہو رہی ہے۔

مگر حیران کن بات۔ یہ ہے کہ گوگل پر جو ریشو اس ڈر گز کی بتائی جا رہی ہے اُس کے مطابق اب اس کی کنزاپشن میں خاصی کمی آ گئی ہے۔

مگر اگر سیلنگ پوائنٹ آف ویو سے دیکھا جائے تو اس ڈر گز کی قیمت بہت زیادہ ہے اور بہت بھاری بھر کم تعداد میں اسے بیچا جا رہا ہے۔

مگر ایک بات سمجھ سے باہر ہے کہ اگر اس کو بیچنے کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تو ڈر گز جا کہا رہے ہیں۔

سالار::::: مجھے بھی ایک چیز کا پتہ چلا ہے۔

یہ دیکھو یہ چار سال پہلے کی تصویر ہے جو مجھے ایک کلب کے پیج پر اتفاقاً ملی ہے۔

یہ بندہ دیکھ رہے ہو۔

خضر::::: سر یہ تو بیلی بار کر ہے۔

سالار::: ہاں یہ تصویر اٹلی کے ایک بار کی ہے۔

جو اس کے قتل سے ایک رات پہلے کی ہے۔

خضر::: مگر سر ایسا بھی کیا ہوا جو ایک رات میں اُسے فلسطین آنا پڑا۔

سالار::: خضر سب سے بڑی بات ہی یہی ہے کہ فلسطین ہی کیوں؟؟؟؟

جہاں سکندر بھاؤ اُس کے قتل سے ایک رات پہلے گیا تھا۔

تمہیں نہیں لگتا کہ یہ باتیں اتفاق سے زیادہ سازشیں لگتی ہیں؟

خضر:::: سر مگر ثبوت؟

سالار:::: خضر ثبوتوں کے لیے ہی تو سکندر کا بایوڈیٹا نکالنا ہے۔

مجھے جو بات سب سے زیادہ کھٹک رہی ہیں وہ یہ ہے کہ سکندر بھاؤ ہے کون؟

خضر::: کیا مطلب سر؟

سالار::: خضر کچھ باتیں ہیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں۔

فلحال تم تیاری کرو۔

ہمیں صبح دس بجے نکلنا ہے۔

خضر::::جی سر۔

خضر کے جاتے ہی سالار اپنی کُرسی پر بیٹھ گیا۔

))))))))) یاد

زیمل::::::سالار تم کہاں گئے تھے؟؟

سالار::::میں یہیں تو تھا۔

زیمل::::: جھوٹ بولنا اچھی بات نہیں۔

سالار::::اچھا تم بتاؤ تم ابھی یہاں کیا کر رہی۔

زیمل::::::میں تمھیں ڈھونڈھ رہی تھی۔

سالار:::: کیوں کوئی کام ہے کیا؟

زیمل::::: سالار تمھیں پتہ بھی ہی آج کوں سا دن ہے۔

.سالار:::::آج بدھ ہے

زیمل::::: دن کا مطلب ہوتا ہے تاریخ کیا ہے؟

سالار:::: آج ستائیس ہے

زیمل::::: ہاں پھر؟؟

سالار:::: پھر کیا؟

زیمل::::: مطلب کہ تمہیں کچھ یاد نہیں ہے۔

سالار:::: کیا یاد رکھنا تھا۔۔۔ تم نے کوئی کام کہا تھا۔

زیمل::::: مطلب تمہیں واقع یاد نہیں ہے؟

سالار:::: اچھا میری ابھی بات سنو میرا دوست میرا باہر اِنتظار کر رہا ہے۔ میں آکر تُمھاری ساری کی ساری باتیں بیٹھ کر تحمل سے سنو گا۔ ابھی سب ایک پانی کی بوتل لادو اندر سے۔

زیمل::::: میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں اور تم کیا جواب دے رہے ہو۔

سالار::::: تم رہنے دو میں خود ہی لے لیتا ہوں۔

زیمل::::: اب میں تم سے بہت غصہ ہوں سالار۔۔ مجھ سے بات بھی نہ کرنا۔

وہ سات سالہ بچی اپنی بات کو کہتی اندر کو چلی گئی۔

جب کہ سالار اُس کی۔ بات پر مسکراتا بولا۔

سالار::::: بی اماں نے بتایا نہیں تمہیں کہ غصہ حرام ہوتا ہے۔

زیمل::::: اچھا تو پھر تم مُجھ سے بات نہ کرنا کیوں کہ اب میں بہت زیادہ ناراض ہوں۔

سالار:::: واپس آکر تمہیں منالوں گا۔

کیوں جانتا ہوں تم میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی۔

زیمل:::: جو ناراض ہوتے ہیں وہ رہ لیتے ہیں۔

سالار:::: اور اگر ناراضگی تین گھنٹوں سے زیادہ ہو تو پھر وہ بچے اچھے بچے نہیں ہوتے۔

زیمل::::: تین گھنٹے نہیں تین دن تھی۔

اب تم زیادہ باتیں نا کرو مُجھ سے اور جاؤ مجھے چھوڑ کر اپنے دوست کے ساتھ کھیلو۔

اور پھر یہ کہتی زیمل اوپر کو چلی گئی۔

جہاں سالار زیمل کو مسکراتا دیکھ بولا۔

بھلا میں بھی اس دن کو بھول سکتا ہوں جب تم اس دنیا میں آئی تھی۔

دیکھتے ہیں تم کتنی دیر ناراض ہونے کا بہانا مجھ سے لگاتی ہو۔۔

حال))))))

سالار:::: اے کاش تم مل جاؤ۔

بہت تنہا ہو گیا ہوں۔

ایک فون۔۔ایک میسیج کر کہ اپنا بتادو۔

بارہ سال سے تمہیں ڈھونڈھنے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں

نہیں معلوم تم کہاں ہو۔

نہیں جانتا تمہیں کہاں ڈھونڈو۔

ایک بار واپس آجاؤ پھر تمہاری حفاظت اپنی جان سے زیادہ کروں گا۔

تم تو میری جان تھی۔زیمل

سکندر زیمل کے انتظار میں کمرے میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

زیمل جو واشروم سے نکلتی ابھی وضو کر کہ آئی تھی۔

اُسے باہر نکلتے ہی ایک ڈریس بیڈ پر پڑا نظر آیا۔

زیمل خاموشی سے آگے بڑھی تو سکندر بولا۔

سکندر::::: بیٹھ جائیں اور جوس پی لیں۔

زیمل سکندر کی بات پر فوراً سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

سکندر جو بیٹھا زیمل۔ کو مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ بولا۔

سکندر:::::: آپ جوس پی لیں تو پھر آپ کو گھر دیکھتا ہوں۔

کاموں کے چکر میں آپ کو کمرے سے باہر ہی نہیں لے کر جا سکا۔

آپ گھر دیکھنا چاہے گی۔؟؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر::::: میں ویسے اکیلا ہی رہتا ہوں۔

زیمل خاموشی سے سکندر کی بات کو سن کر جوس کو پینے لگی۔

سکندر::::'آپ میرے بارے میں کچھ جاننا چاہے تو پوچھ سکتی ہیں۔

زیمل کچھ سوچنے لگی اور پھر بولی۔

زیمل:::: آپ اکیلے رہتے ہیں؟

سکندر:::::: ہاں۔۔۔ کل تک تو اکیلا ہی تھا۔اب نہیں۔

زیمل سکندر کی بات پر پھر سے خاموش ہوئی تو سکندر بولا۔

سکندر::::: ہاں میں آپ کو بتانا بھول۔ گیا۔

یہ ڈریس آپ کے لیے ہے۔

پیکنگ آپ خود کھول لیجیے گا۔

آپ کچھ دیر تک تیار ہو جائیں۔

آپ کو باہر لے کر جانا چاہتا ہوں۔

اگر آپ کو کوئی اعتراض نا ہو۔

زیمل:::: جی ٹھیک ہے۔

زیمل سکندر کی بات کو حکم مانتی کہتی اٹھ گئی۔

کہ سکندر بولا

سکندر:::: روکیں

زیمل:::: جی۔

سکندر:::: یہ آپ کا حق مہر۔

سکندر قمیض کی ایک جیب سے ایک کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالتے ہوئے بولا۔

زیمل سکندر کے بڑھے ہاتھوں کو دیکھ کر بولی۔

زیمل:::: یہ آپ اپنے پاس رکھیے۔ میں کیا کروں گی۔

سکندر:::: نہیں یہ آپ کا حق ہے۔اور یہ میرا فرض ہے کہ میں یہ ادا کروں۔

اور پھر یہ کہتا سکندر زیمل کے ہاتھوں میں اُس چیک کو تھماتا بولا۔

سکندر:::: آپ جلدی سے تیار ہو لیں۔۔۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔

اور پھر زیمل بیڈ کے پر سے اُس ڈریس کو پکڑتی وہاں سے چلی گئی۔

زیمل کپڑوں کو بدلتے جو باہر نکلی تو وہ کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

ہمیشہ کی طرح اُس کا لباس اُس کی شخصیت کی مانند تھا۔یعنی اُس کے جسم کو مکمل طور پر ڈھک دینے والا۔

البتہ رنگ وہ تھا جو زیمل نے آج تک کبھی نہیں پہنا تھا۔

کیوں شوخ رنگوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

اور زیمل کا لباس لال رنگ کا تھا۔

جو کسی خوبصورت گلاب کے پھول کی پنکھڑی سا لگ رہا تھا۔

سکندر کی پسند بہت اچھی تھی۔۔ مگر زیمل کو وہ چیزیں ہر گز پسند نہیں تھی جو دوسروں کی توجہ کا مرکز بنے۔

کیوں کہ عورت کی حیا یہی ہے کہ وہ نا محرم کے سامنے اس قدر سج دھج کر نہ نکلے کہ اُن کے دلوں میں کسی قسم کی غلط بات آئے۔

البتہ اپنے محرم رشتے یعنی شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کا حکم اللہ نے بھی دیا ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ

سورۃ النور آیت نمبر 31

اور آپ مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا" کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصہ) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں اور وہ اپنے بناؤ سنگھار کو (کسی پر) ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب، مسلمان) عورتوں یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مردوں میں سے وہ خدمت گار جو خواہش و شہوت سے خالی ہوں یا وہ بچے جو (کم سِنی کے باعث ابھی) عورتوں کی پردہ والی چیزوں

سے آگاہ نہیں ہوئے (یہ بھی مستثنیٰ ہیں) اور نہ (چلتے ہوئے) اپنے پاؤں

طرح) مارا کریں کہ (پیروں کی جھنکار سے) ان کا وہ سنگھار (زمین پر اس

معلوم ہو جائے جسے وہ (حکمِ شریعت سے) پوشیدہ کئے ہوئے ہیں، اور تم

سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل

"پیرا ہو کر) فلاح پا جاؤ

اور پھر زیمل اس بات کو یاد کرتی دو قدم آگے بڑھی۔

اس کا چہرہ بلکل صاف اور نور کے چراغ سے روشن تھا۔

۔زیمل آگے بڑھی تو سکندر اپنی نظروں کی اُس پر ساکن کر گیا۔

اُسے اپنا دل بے حد دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔زیمل اُس لال رنگ کے لباس

میں ایک لال پری معلوم ہو رہی تھی۔جو سکندر کو اُس کے نظروں کو ساکن

کرتے اُسے اُس کی طرف قدم بڑھانے پر مجبور کر گئی۔

سکندر:::: لفظوں سے بیان ہوتی اگر آپ کی خوبصورتی تو بیان کرنے میں

میں کبھی اتنی بھی دیر نا کرتا۔

اور پھر بولا۔

سکندر::::: روکیں اِدھر ہی میں آتا ہوں۔

یہ کہتا سکندر رواڈروب والی جانب گیا اور پھر اندر جا کر کچھ ڈھونڈھنے لگا۔

ایک کالی چادر جو اُسی کی تھی۔ جسے اُس نے صرف ایک مرتبہ اپنی بہن کے اسرار پر اپنے کندھوں پر اوڑھا تھا۔

اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑتا باہر کو آیا۔

اور پھر زیمل کے پیچھے سے ہی ایک جھٹکے میں اُس چادر کو ہوا میں کھولتے اُس لڑکی کے کندھوں پر دے دیا۔

جو سکندر کے دل کو بے دردی سے دھڑکنے پر مجبور کر گئی۔

زیمل یہ دیکھ سمجھ نہ سکی۔ اور کندھوں پر پڑی اُس کالی چادر کو دیکھنے لگی جو اُس کے لباس کے شوخ رنگ کو ڈھانپ گئی تھی۔

سکندر زیمل کا یہ انداز دیکھ کر اُس کی طرف دو قدم بڑھا اور اُسے کندھوں سے پکڑتا ہوا بولا۔

جس کی وجہ سے زیمل بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سکندر:::::: میں نہیں چاہتا کہ کسی کی توجہ آپ کی طرف مرکوز ہو۔

یوں ایسے آپ کو باہر بھی لے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔یہ قیمتی موتی میرے نصیب میں میری چاہ پر آیا ہے۔اسے یوں تو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں۔بننے دے سکتا۔

زیمل سکندر کی بات پر نظروں کو جھکا گئی۔

سکندر::: چلیں آئیں۔۔۔سب سے پہلے آپ کو میں نور ویلا دیکھا دوں

سکندر یہ کہتا زیمل کے ہاتھ کو بہت ہمت کر کے پکڑ چکا تھا۔

اور زیمل بے خوف اُس شخص کے ساتھ کمرے سے باہر چل پکڑی جس نے اُس لباس کو اپنی چادر سے ڈھک دیا تھا۔

ورنہ لوگ تو مرے انسان کو مکمل طور پر ڈھانپنے کے لیے بر وقت کفن کا انتظام تو کے سکتے ہیں۔

مگر عورت کی حیا کے تقدس کو پامال کرنے کے لیے بے حیاء مردوں کی صرف ایک نظر کافی ہوتی ہے۔

کیوں کہ جس دور میں دن کی شروعات ہی موسیقی سے ہو۔

وہاں ایسی ماؤں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے جو ایسے مردوں کو اپنے شکن سے پیدا کریں جو عورت کی حیا کے تقدس کو جان سکیں۔

زیمل سکندر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ کر کچھ کم گھبرائی تھی۔

اور سکندر اپن کچھ گھبراہٹ کے باعث زیمل۔ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے کمرے سے باہر نکلا۔

اور پھر اُسے گھر کو دکھانے لگا۔

سکندر:::::روکیں اِدھر ہی میں آتا ہوں۔

یہ کہتا سکندر واڈروب والی جانب گیا اور پھر اندر جا کر کچھ ڈھونڈھنے لگا۔

ایک کالی چادر جو اُسی کی تھی۔ جسے اُس نے صرف ایک مرتبہ اپنی بہن کے اسرار پر اپنے کندھوں پر اوڑھا تھا۔

اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑتا باہر کو آیا۔

اور پھر زیمل کے پیچھے سے ہی ایک جھٹکے میں اُس چادر کو ہوا میں کھولتے اُس لڑکی کے کندھوں پر دے دیا۔

جو سکندر کے دل کو بے دردی سے دھڑکنے پر مجبور کر گئی۔

زیمل یہ دیکھ سمجھ نہ سکی۔ اور کندھوں پر پڑی اُس کالی چادر کو دیکھنے لگی جو اُس کے لباس کے شوخ رنگ کو ڈھانپ گئی تھی۔

سکندر زیمل کا یہ انداز دیکھ کر اُس کی طرف دو قدم بڑھا اور اُسے کندھوں سے پکڑتا ہوا بولا۔

جس کی وجہ سے زیمل بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سکندر:::: میں نہیں چاہتا کہ کسی کی توجہ آپ کی طرف مرکوز ہو۔

یوں ایسے آپ کو باہر بھی لے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔یہ قیمتی موتی میرے نصیب میں میری چاہ پر آیا ہے۔اسے یوں تو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں۔بننے دے سکتا۔

زیمل سکندر کی بات پر نظروں کو جھکا گئی۔

سکندر::: چلیں آئیں۔۔۔سب سے پہلے آپ کو میں نور ویلا دیکھا دوں

سکندر یہ کہتا زیمل کے ہاتھ کو بہت ہمت کر کے پکڑ چکا تھا۔

اور زیمل بے خوف اُس شخص کے ساتھ کمرے سے باہر چل پکڑی جس نے اُس لباس کو اپنی چادر سے ڈھک دیا تھا۔

ورنہ لوگ تو مرے انسان کو مکمل طور پر ڈھانپنے کے لیے بر وقت کفن کا انتظام تو کے سکتے ہیں۔

مگر عورت کی حیا کے تقدس کو پامال کرنے کے لیے بے حیاء مردوں کی صرف ایک نظر کافی ہوتی ہے۔

کیوں کہ جس دور میں دن کی شروعات ہی موسیقی سے ہو۔

وہاں ایسی ماؤں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے جو ایسے مردوں کو اپنے شکن سے پیدا کریں جو عورت کی حیا کے تقدس کو جان سکیں۔

زیمل سکندر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ کر کچھ کم گھبرائی تھی۔

اور سکندر اپنی کچھ گھبراہٹ کے باعث زیمل۔ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے کمرے سے باہر نکلا۔

اور پھر اُسے گھر کو دکھانے لگا۔

اور پھر سکندر زیمل کو ایک کہ بعد ایک جگہ دکھانے لگا۔

اوپر سے لے کر گھر کا ہر کونہ وہ زیمل کو دکھانے لگا۔

وہ گھر اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت تھا کہ زیمل اب تک حیران تھی۔

چار دن صرف اُس نے اُس کمرے میں موجود دیواروں میں گزاریں تھے۔

ہر چیز ایک سے ایک بھر کر تھی۔ ہے طرف روشنی کے لیے بڑے بڑے جھومر لگے تھے۔

گھر بہت عالی شان طریقے سے سجایا گیا تھا۔

زیمل:::::آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے۔

زیمل باقاعدہ گھر کی تعریف کرتی بولی۔

""""" سکندر:::::: """""ہمارا گھر

سکندر زیمل۔کی بات کو درست کرتا بولا۔

جانتی ہیں کہ اس گھر کا نام نورویلا کیوں ہے؟؟؟

زیمل::::: نہیں۔۔

"""" سکندر:::::::اس گھر کا نام میری ماں کے نام پر ہے۔""""ماہِ نور

اُن کے چہرے پر بھی آپ کے چہرے کی طرح بے حد نور تھا۔

وہ بہت خوبصورت تھیں۔

میری کائنات تھیں۔

میری جنّت۔

زیمل::::اب کہاں ہیں وہ؟

سکندر:::::: چھوڑ گئیں مجھے۔۔۔۔اکیلے۔۔۔۔تنہا۔۔۔کر۔۔کہ۔

زیمل:::::کہاں ؟آپ نے اُنہیں ڈھونڈھا نہیں ؟

سکندر:::::جو نظروں کے سامنے ہی دم توڑ جائیں اُنہیں کہاں ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔

جانتی ہیں مجھے لگتا تھا کہ جنّت جن کو مل جائے وہ اُنہیں کے پاس رہتی ہے۔

مگر ماں کو دیکھا آخری منظر میری زندگی کو جنّت سے دوزخ کر گیا۔

زیمل سکندر کی باتوں میں چھپا ہوا درد محسوس کر رہی تھی۔ مگر وہ اُس شخص کو زبان سے دوزخ کا لفظ سن کر چونکی تھی اور پھر بولی۔

زیمل:::::زندگی کچھ پل کی ہوتی ہے۔ یہاں مل جانے والی نعمتیں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ جو لوگ ہمیں چھوڑ جاتے ہیں وہ کہاں جاتے ہیں ؟

سکندر:::: کہاں !

زیمل::: وہ اللہ کے پاس جاتے ہیں۔

اور پھر اللہ انہیں اپنے پاس رکھتے ہیں اُس وقت تک جب تک ہم بھی اللہ کے پاس نہ چلیں جائیں۔

پھر جب ہم اپنے سارے اعمالوں کا حساب دے دیں گے تو اللہ بھی ہمیں اُن کی طرح جنت میں بھیج دیں گے۔

اور پھر جنت میں ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ لوگ مل جائیں گے جن کو دنیا میں ہم یاد کر کے ہم روتے ہیں۔

سکندر زیمل کی بات پر مسکرایا اُسے ایسا لگا جیسے وہ لڑکی اُسے بچوں کی طرح بہلا رہی ہو۔

سکندر::::::اور اگر ہم اُن کی طرح جنّت میں نہ جائیں تو۔؟

تو کیا پھر ملاقات نہیں ہو گی۔؟؟؟

زیمل:::::انسان یہ تو اچھے سے جانتا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح کے اعمال کر رہا ہے۔

وہ جانتا ہے کہ کون سے اعمال اُسے کس طرف لے کر جائیں گے۔

. جنّت یا پھر دوزخ

آپ کو ایک کہانی سناتی ہوں۔۔ میری ماما مجھے بچپن میں سنایا کرتی تھی۔

بہت صدیوں پہلی بات ہے کہ ایک جنگل میں ایک قبیلہ رہا کرتا تھا۔

وہاں کا سردار بہت اچھا تھا۔اپنے قبیلے کے لوگوں پر وہ بہت مہربان تھا۔

ایک دن

اس قبیلے کے لوگوں میں سے ایک جوڑے کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔

سکندر رزیمل کی بات کو بہت توجہ سے سن رہا تھا۔

وہ بچہ اُس جوڑے کے گھر بیس سال بعد پیدا ہوا۔

ایک دن بہت تیز ترین طوفان نے اُس قبیلے کی طرف اپنا رُخ کیا۔

بارش اُس طوفان کے باعث زوروں شور سے ہونے لگی۔

اتنی کے اُنہیں لگا کہ شاید اس طوفان کے باعث وہ مر جائیں گے

مگر ہوا یہ کہ سبھی لوگ بچ گئے۔

سب نے اُس بچے کی آمد پر خیر باد کہا کہ شاید اُس بچے کی وجہ سے ہم سب بچ گئے۔

اس طوفان کی۔ وجہ سے قبیلے کے سردار نے اُس جگہ سے چلنے کا حکم دیا۔

کیوں کہ پچھلے کچھ سالوں سے اُس علاقے میں طوفان کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

مگر قبیلے والوں نے نہ جانے کا کہہ کر کہ یہ بچا ہمارے لیے بہت اچھا ثابت ہوا ہے جانے سے انکار کر دیا۔

سردار کو بہت غصہ آیا۔

مگر جب بہت سے لوگوں کی ایک رائے دیکھی تو اُس نے نہ جانے کا فیصلہ کیا۔

سب کو زندگیاں بہت اچھے سے چل رہی تھی۔

زندگی ایسے تھی جیسے وہ لوگ کسی جنّت میں ہو۔

قبیلے والوں نے یہ بات جان لی کہ وہ بچہ کے قدموں کی وجہ سے اب کی سر زمین اُن کے لیے موثر ہو گئی ہے۔

قبیلے کے لوگ اُس سردار کی بجائے اُس عورت کے پاس جانے لگے اور اپنے مسئلوں کا حل اُس سے مانگنے لگے۔

سردار نے دیکھا کہ میرے قبیلے میں میری طاقت کم ہوتی جا رہی ہے۔

تو اُس نے اپنے سب سے قریبی بندے سے مشورہ مانگا۔

سردار نے جب اُس کی ترکیب سنی تو بہت خوش ہوا۔

اگلے روز سردار نے سب قبیلے والوں کو اکھٹا کیا۔

اور اعلان کیا کہ یہ بچا ہمارے قبیلے کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

ہماری سرزمین کو اسی کے قدموں کے باعث اناج کی اتنی دولت ملی ہے جو اس کے انے سے پہلے نہ تھی۔

لوگوں نے سردار کی بات سنی تو وہ بہت خوش ہوئے۔

سردار نے کہا کہ اسی بچے کی وجہ سے یہ اناج ہمیں اس سرزمین سے حاصل ہو رہا ہے۔

تو ہمیں کسی محنت مشقت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

جب تک یہ بچا ہمارے لیے مفید ہے ہمیں تو اناج بغیر محنت کے ملتا ہی رہے گا۔

پہلے ہمیں کتنی محنت کرنی پڑتی تھی۔اور پھر جا کے کچھ اناج حاصل ہوتا تھا۔

اب تو اس بچے کی بدولت ہمیں کم محنت پر یہ اتنا اناج مل رہا ہے۔

تو ہم اگر محنت نہ بھی کریں تو یہ اناج تو پھر بھی ملتا ہے رہے گا۔

لوگوں نے خوشی سے سردار کی بات اور سرگوشیاں شروع کر دی۔

اور اپنی محنت کو ان دیکھا کر کہ صرف اُس بچے کے بابرکت قدموں کو اُس اناج کا حقدار کہلا دیا۔

اور پھر یوں ہوا کہ آہستہ آہستہ اناج میں کمی آنا شروع ہو گئی۔

لوگوں نے دیکھا کہ یہ بچا اب ہمارے لیے کم مفید ہوتا جا رہا۔

آہستہ آہستہ اناج میں اور کمی واقع ہو گئی۔

لوگوں نے اُس بچے کے بارے میں باتیں شروع کر دی۔اس بات سے انجان کہ اُنہیں نے خود محنت کرنا چھوڑ دی۔

جانتے ہیں آگے کیا ہوا۔

سکندر:::::لوگوں کو سردار کی چال کا پتہ چل گیا؟؟؟

زیمل:::: نہیں اناج ختم ہو گیا۔

زمین نے اناج دینا بند کر دیا۔

لوگ فاقوں پر آ گئے۔۔

نتیجتاًیہ ہوا کہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اُس بچے کو مار دیا جائے یا پھر اُسے قبیلے سے اُس کے ماں اور باپ کے ساتھ نکال دیا جائے۔

یہ بات جانے بنا کہ زندگی میں ہمیں جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے باعث عطا ہوتا ہے۔

زندگی اس زمین کی طرح ہے جہاں انسان جتنی محنت کرتا ہے اتنا ہی اُس کا پھل پتہ ہے۔

جب وہ لوگ اُس زمین پر محنت کرنا چھوڑ گئے تو اناج نکالنا بند ہو گیا۔

سکندر::::: پھر کیا ہوا؟

زیمل:::: پھر یہ ہوا کہ کچھ لوگ سردار سے ملنے گئے اور اپنے مسئلے کو ظاہر کیا۔

جب سردار نے لوگوں سے قتل اور قبیلہ بدر کرنے کی بات سنی تو اپنی چال کو آگے بڑھاتا بولا۔

میں جانتا تھا کہ یہ بچا آگے جا کر ہمارے لیے ٹھیک ثابت نہیں ہو گا۔

اور وہی ہوا۔

لوگوں نے سردار سے مسئلے کو حل کرنے کی تجویز مانگی تو سردار نے حکم دیا کہ

اس جوڑے اور اُس بچے کو سولی پر لٹکا کر مار دیا جائے۔

اس سے پہلے کہ زمین مکمل طور پر بنجر ہو جائے اور یہ علاقہ ہماری قبروں کا

انتظام بھی نہ کر سکے۔

یہ نہ ہو کہ جیسے زمین بنجر ہو گئی ہے ویسے ہی یہاں طوفانوں کا بسیرا ہو جائے۔

اور اسی جنگل میں مر جائیں۔

لوگوں نے سردار کی بات پر متفق رائے دی اور کہا کہ ہاں اُن کو مار دینا چاہیے

کہی اُن کی وجہ سے سارا قبیلہ نہ موت کے گھاٹ اتر جائے۔

یہ خبر اُس جوڑے تک پہنچ چکی تھی۔

بچا صرف ا سال کا ہوا تھا۔

اس بچے کے باپ نے اُس بچے کو پکڑا اور اپنی بیوی کے ساتھ وہاں سے بھاگنے

ہی لگا تھا کہ قبیلے والوں نے

وہی اُن تینوں کو مار دیا۔

اور پھر وہ قبیلہ وہاں سے اپنی جگہ کو منتقل کرتا کسی اور جگہ اور آباد ہونے کو

چل دیا۔

مگر انسان یہ نہیں جان پاتا کہ اپنے اعمال کے باعث ہی وہ اپنے انجام کو تعین کرتا ہے۔

وہ لوگ تو مر گئے مگر قبیلہ پھر کبھی آباد نہ ہو سکا۔

((((((یہ کہانی میری خود کی تحریر ہے))))))

میری ماما مجھے یہ کہانی اس لیے سناتی تھیں کہتی تھی کہ زیمل انسان کی زندگی اُس زمین کی طرح ہے اگر وہ یہ جان لے کہ خداوند نے اُسے یہ زندگی نعمت کے طور پر عطا کی ہے تو وہ ہر پل اُس زمین پر اپنی محنت کے ساتھ اپنے اعمال کا بیج بوئے۔۔

کسی نہ کہانی صورت حال کو دیکھتے ہوئے اُس قبیلے کے لوگوں کی طرح محنت چھوڑ کر اُس معصوم بچے کے ماں اور باپ پر اناج کی کمی کا الزام نا لگائے۔

جب محنت کی جاتی ہے تو انعام میں جنّت ملتی ہے۔

اور جنّت انسان اپنے نصیب میں خود اپنے بل بوتے پر کماتا ہے۔

کسی کے آنے یا جانے سے نہیں۔

دوزخ کے حقدار وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی عطا کرتا نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر پاتے۔

نا ہی اللہ کی طرف سے بھیجی گئی آزمائش میں صابر رہ پاتے ہیں۔

ایسے لوگ شیطان کے ہاتھوں بھٹک جاتے ہیں۔

بلکل اُس قبیلے کے لوگوں کی طرح جو اپنے سردار کی چال کو نہ سمجھ کر کسی معصوم کو مار بیٹھے۔

اور آخر میں اُن کا انجام اُسی طوفان کے زیر اثر ہوا جس سے بچنے کے لیے وہ جگہ کی منتقلی کو چلے تھے۔

سکندر::::: تو کیا وہ سب مر گئے؟

زیمل::::::: ہاں طوفان اُنہیں اپنی لپیٹ میں لے کر صفحہ ہستی سے ہی مٹا گیا۔

اور یہ کہانی صرف آنے والوں کے لیے سبق کا باعث بن گئی۔

کہ انسان کو جو زندگی دی گئی ہے اُس سے کو خود اپنی جنت اور دوزخ کماتا ہے۔

میرا اللہ تو صرف انصاف کرتا ہے وہ سب جو ہم زندگی میں کرتے ہیں وہ تو بس اُس کا انجام ہمیں بتاتا ہے۔

انسان کے ہاتھوں میں سب ہوتا ہے کہ خواہ وہ اپنے اعمال سے جنّت کماتا یا دوزخ

سکندر:::::::: مگر کچھ لوگوں کو وراثت میں اپنے باپ دادا سے جہنم ملتی ہے۔

خیر یہ باتیں پھر کبھی۔۔۔

ابھی ہمیں نکلنا چاہیے۔

ویسے میں چاہتا تھا کہ اس دفعہ فلسطین سے جاتے ہوئے ایک خوبصورت یاد چھوڑ کر جاؤں۔

ورنہ کچھ خاص اچھی یادیں یہاں سے وابستہ نہیں۔

اس طرف سے

اور پھر سکندر اپنی بات کہتا زیمل کو راہ دکھاتے بولا

زیمل بھی سکندر کے دکھائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے گھر کی باہری

راہداری تک پہنچی۔

اُسے گھر میں کوئی ملازمہ نہیں دکھ رہی تھی۔

نہ ہی جمشید جو سکندر کے ساتھ ہر وقت موجود ہوتا تھا۔

زیمل یہ سوچ ہی رہی تھی

کہ سکندر بولا۔

سکندر::::: صبح تک سب آجائیں گے۔۔۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

آپ آئیں۔۔۔

سکندر اتنے آرام سے بات کر رہا تھا کہ اگر وہاں جمشید ہوتا تو دیکھ کر حیرانگی

سے ہی مر جاتا کہ اُس کا بھاؤا تنی محبت سے بھی بات کر سکتا ہے۔

۔زیمل دو قدم آگے بھری تو سکندر نے دروازہ کھولا۔

اور یوں زیمل اس دفع گاڑی میں خود بیٹھ گئی۔

اور سکندر دوسری طرف سے گاڑی میں ہاتھ گیا۔۔

.زیمل::::: ہم کہاں جا رہے ہیں؟

سکندر:::::ایک خوبصورت جگہ پر۔۔۔

اور پھر یہ کہتے سکندر بھاؤ نے گاڑی کو مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھایا۔

گاڑی کچھ دیر بعد ایک ریسٹورانٹ کے سامنے رکی۔

جہاں پہلے سے ہی سکندر کے آدمی پہرہ دے رہے تھے۔

ایک آدمی گاڑی کی طرف بڑھتا سکندر کی طرف کا دروازہ کھولنے لگا۔

سکندر گاڑی سے نکلتے ہوئے زیمل کی طرف بڑھا اور دروازے کو باہر کی طرف سے کھولا۔

زیمل اپنے آپ کو اُس چادر میں ڈھانپے جب گاڑی سے نکلی تو گارڈز پیچھے ہو گئے اور نظروں کو جھکا گئے۔

جیسے کہ اُن کو حکم تھا۔

پھر سکندر زیمل کا ہاتھ تھامے اندر کی طرف بڑھا تو دروازے کے کھولتے ہی کیا علی شان نظارہ تھا۔

وہ جگہ روشنی سے چمک رہی تھی۔

ہر طرف سے روشنی اُس جگہ کی دیواروں کو چیر رہی تھی۔

وہ جگہ اتنی خوبصورت تھی کہ زیمل پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

زیمل::::: یہ جگہ کوں سی ہے؟۔

سکندر::::: نور لحیات۔

زیمل::::: سکندر کی بات پر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

سکندر یہ کہتا زیمل کے ہاتھ کو تھامے آگے کو بڑھا۔

وہ جگہ ایک دم خالی تھی جیسے وہاں کوئی موجود نا ہو۔

اور پھر لیڈیز سٹاف کی آٹھ منیجر سامنے سے آتی خوش آمدید کہتی اپنے اپنے انداز میں کچھ نہ کچھ کہنے لگی۔

اور پھر سکندر بولا۔

سکندر::::::::ریزرویشن؟؟؟؟

اُن میں سے ایک مینیجر سکندر کی بات کا جواب دیتی بولی۔

جی سر اس طرف۔

اور پھر سکندر کے ساتھ اپنے ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔۔۔

کچھ دیر بعد زیمل اور سکندر ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

مینیجر نے پھولوں کا گلدستہ ریسٹورانٹ کی طرف سے زیمل کے آگے رکھا اور پھر اپنی اسپیچ کے مطابق کچھ باتیں بولتی وہاں سے چلی گئ۔۔

زیمل کو لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کہانی کی زندگی کو جی رہی ہے۔

سکندر جو زیمل کے انداز کو دیکھ رہا تھا اُس کی توجہ کو خود کی طرف کھینچتے بولا۔

سکندر:::::میں بھی ہوں۔

زیمل سکندر کی بات اور نہ سمجھی سے اُسے دیکھنے لگی جیسے اُس کی بات کا مطلب نہ سمجھی ہو۔

اور پھر سکندر بولا۔

سکندر:::::ویسے میں نے اپنی پسند سے آرڈر میں کچھ خاص چیزیں منگوائی ہیں۔

مگر اگر پھر بھی آپ کچھ اور کھانا چاہے تو مجھے بتادے۔۔

زیمل:::::نہیں ٹھیک ہے۔

سکندر:::::ٹھیک ہے۔

صبح چھے بجے ہمیں ترکی کے لیے نکلنا ہے۔۔

آپ کو اپنی خالہ کے گھر سے کوئی چیز تو نہیں چاہیے۔؟؟

سکندر نے یوں اچانک یہ بات کی تو زیمل کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر دوبارہ سے عام ہو گیا۔

زیمل::::ن۔۔۔ن۔۔۔نہی۔۔۔نہیں۔

سکندر:::::پھر بھی کوئی ایسی چیز جس کی آپ کو ضرورت ہو۔

زیمل:::::نہیں۔۔۔مجھے۔۔۔کچھ بھی نہیں چاہیے۔

سکندر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولا۔

سکندر::::: یہ بھی نہیں چاہیے؟؟؟

سکندر ایک تصویر کو میز پر رکھتا بولا۔

زیمل تو اُس تصویر کو دیکھ کر سکندر کا چہرہ دیکھنے لگی۔

سکندر:::: پکڑ لیں۔۔۔آپ کی ہی ہے۔

زیمل اپنے ہاتھوں کو بڑھاتی اُس تصویر کو پکڑتے ہوئے بولی۔

زیمل:::: یہ کہاں سے؟؟...آپ وہاں گئے تھے؟

سکندر:::::جی۔

زیمل میں کیوں پوچھنے کی ہمت نہیں تھی اس لیے خاموش ہو گئی۔

سکندر:::: مجھے لگا آپ کو اس کی ضرورت ہو گی اس لیے میں یہ لے آیا۔

وہ تصویر زیمل کے ماں اور باپ کی ایک ہی تصویر تھی جو زیمل کے پاس موجود تھی۔

ورنہ جس سامان کو وہ اپنی خالہ کے گھر لائی تھی یا تو اُسے اُس سے چھین لیا گیا یا جلا دیا گیا۔

زیمل::::: شکریہ۔

سکندر::::: بیوی کے کچھ حقوق ہوتے ہیں جو ایک شوہر کو پورے کرنے چاہیے۔جو میں بھی کر رہا ہوں۔

سب سے پہلا کہ اپنی بیوی کے چہرے کی رونق کو بحال کرے۔

اور اس میں شکریہ والی کوئی بات نہیں۔

وہاں سے گزر رہا تھا تو چکر لگا لیا۔

زیمل:::: آپ کو وہاں کا ایڈریس کہاں سے ملا۔؟

سکندر::::: کچھ جگہوں کے ایڈریس ملا نہیں کرتے بلکہ پتہ کیے جاتے ہیں۔

اتنے میں کھانا میز پر لگانا شروع ہوا اور پھر کچھ ہی وقت میں وہ ٹیبل کھانوں کی مختلف ڈشوں سے بھر گیا۔

میز کی کوئی جگہ خالی نہ بچی۔

کھانے میں ایسی ایسی چیزیں تھیں کہ زیمل نے وہ چیزیں کبھی دیکھی بھی نہیں تھیں۔

اور پھر میز کے سجتے ہی سکندر نے ایک پلیٹ کو بہت خوبصورتی سے تیار کیا۔

اور اُسے زیمل کے آگے رکھ دیا۔

سکندر::::شروع کریں۔

اور پھر سکندر اپنی پلیٹ کو تیار کرتا زیمل کو دیکھ کر کھانا کھانے لگا جب کہ زیمل اپنی پلیٹ میں موجود اتنا زیادہ کھانا دیکھ کر اللہ کہ شکر ادا کرنے لگی۔

ورنہ کچھ دن تو ایسے بھی اُس کی زندگی میں گزرے تھے جب حلق سے ایک لقمہ اُتارنے کو اُسے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔

زیمل سکندر کی دی گئی پلیٹ سے کھانے لگی۔

اور سکندر زیمل کو دیکھ کر خود کی پلیٹ سے کھانے لگا۔

سکندر::::ایک بات پوچھ سکتا ہوں میں آپ سے؟؟

زیمل::::جی آپ کہیں۔

سکندر::::وہ جو کہانی آپ سنا رہیں تھیں۔

کیا اُن لوگوں کے اُس عمل کا سبب اُن کی بے بسی نہیں تھی؟

زیمل:::::بے بس انسان کا توکل مضبوط نہیں ہوتا۔

اگر بے بسی انتہا کو بھی پہنچ جائے تو بھی انسان کو صبر سے کام لینا چاہیے۔

((((((خیال

مقابل میں شخص سکندر کی باتوں پر قہقہ لگا کر ہنسنے لگا۔

تم نے جو کیا تمہیں اُس کا حساب دینا ہوگا اپنی بھیانک موت کے ساتھ۔

تو تم اپنے باپ سے حساب مانگو لوسیفر (lucifer)۔

سکندر::::میرا نام سکندر صالح ہے اور میرا کوئی باپ نہیں۔

جو بھی ہو تم ہو تو مجھ جیسے شیطان کے بیٹے ہی۔

یوں کہیں نہ کہ ناجائز باپ کی ناجائز اولاد ہوں۔

ازموڈیس:::چلو باپ تو ہوں ہی سہی۔۔۔

لوسیفر:::اپنی زبان کی کمینیت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تمہاری حواس کا نتیجہ ہوں میں۔

ازموڈیس::: ویسے تمہاری ماں خوبصورت بہت تھی جانتے ہو کیسے میں نے تمہاری ماں کو اپنی حواس سے کچلا۔

سکندر ایک پل میں آپے سے باہر ہو گیا اور ایک زوردار مکا اُس کے چہرے پر رسید کرتا بولا۔

لوسیفر::: گھٹیا انسان میری ماں کے بارے میں ایک لفظ اور مت نکالنا۔

ورنہ تمہاری اس زبان کو کاٹ کر فلسطین کے کتوں کو ڈال دوں گا۔

سکندر کے اس عمل پر اُس کے آدمیوں نے بندوقوں کا رخ سکندر کی طرف کیا تو وہ شخص ہاتھ کے اشارے سے منع کرتا بولا۔

ازموڈیس::: بلکل اپنی ماں کی طرف ضدی۔۔۔

میں نے کہا میری ماں کے بارے میں ایک لفظ اور مت کہنا۔ ورنہ خدا کی قسم ہے تمہاری چیخوں سے یہ شہر گونج اٹھے گا۔۔

((((حال

زیمل:::::آپ ٹھیک ہیں؟؟؟؟؟

سکندر::::ہ۔۔۔ہاں۔۔

زیمل سکندر کے چہرے کے تاثرات کو بدلتے دیکھتے بولی۔۔

زیمل::::آپ ٹھیک تو ہے نہ۔۔۔آپ

سکندر:::: ٹھیک ہوں میں۔آپ کھانا کھائیں

کچھ دیر خاموشی کے ساتھ زیمل کھانا کھانے لگی۔

سکندر::: کچھ اور چاہیے آپ کو زیمل؟؟؟

زیمل::::: نہیں۔

اور پھر سکندر اپنی جگہ سے اٹھتا زیمل کی طرف بڑھا۔

اور ہاتھ کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔۔

سکندر:: آئیں آپ کو کچھ دیکھنا ہے۔

زیمل سکندر کے ہاتھ کو تھامتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

اور پھر سکندر اُس جگہ سے نکلتا لفٹ میں داخل ہو گیا۔

زیمل کو اُس جگہ پر سٹاف کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا۔

وہ حیران تھی کہ اس قدر خوبصورت جگہ ویران کیوں ہے۔

سکندر:::: آپ کچھ سوچ رہی ہیں؟؟؟؟

زیمل:::: جی بس ایسے ہی۔

سکندر::: پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟؟

زیمل::: بس سوچ رہی تھی کہ اتنی خوبصورت جگہ ویران کیوں ہے۔

سکندر:::: کس نے کہا کہ یہ ویران ہے۔

زیمل:::: میرا مطلب یہ نہیں تھا بس کوئی موجود نہیں اس لیے۔

سکندر:::: اپنی زندگی کے سب سے قیمتی ہیرے کو یوں لوگوں کی نظروں

لا کر حقیر نہیں کرنا چاہتا۔

یہ جگہ میری ہے۔اور اپنی بیوی کو کسی ایسی جگہ لے جانے کی ہمت نہیں

جہاں اُس کے چہرے کا نور دوسروں کی توجہ کا مرکز بن جائے۔

اور پھر لفٹ کھول گئی۔

وہ اُس بلڈنگ کے سب سے اوپر والے حصے میں پہنچ چکے تھے۔

اندھیرا آسمان میں اپنا بسیرا کر چکا تھا۔

اتنی اونچائی سے شہر کا خوبصورت نظارہ دیکھ کر زیمل کا چہرہ کھل سا گیا تھا۔

دور تک شہر روشنی سے جگ مگا رہا تھا۔

زیمل کے چہرے کی رونق اُس کی کھلتی مسکراہٹ میں بدلی۔

دو قدم آگے بڑھتی وہ شہر کے نظارے کو دیکھنے لگی۔

اس وقت اُس شہر کو روشنی کا شہر کہنا کوئی غلط بات نہیں تھی۔

زیمل::::ماشااللہ یہ کتنا خوبصورت ہے۔

سکندر::::آپ سے زیادہ نہیں۔

اور پھر ایک دم سے ہر طرف سے روشن فانوس اُٹھنے لگے۔

اور زیمل وہ منظر حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

دور دور تک صرف اُن روشن فانوس کا طوفان آسمان کی طرف اُٹھنے لگا۔

اتنے لاتعداد فانوس چراغ کی روشنی سے آسمان کی طرف اٹھ گئے۔

زیمل اُس منظر کو آنکھوں کے سامنے دیکھ خاموش کھڑی تھی۔

جب کہ سکندر زیمل کہ اس انداز کو دیکھ رہا تھا۔

اور پھر اُس منظر نے خوبصورتی کا وہ روپ دھاڑا کہ زیمل کی آنکھوں سے خوشی سے آنسو نکل گئے۔

عشاہ کی آذان نے اُس منظر کو وہ رنگ دے دیا کہ زیمل روتے چہرے کے ساتھ مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

سکندر زیمل کے ساتھ کھڑا ہوتا بولا۔

سکندر:::::آپ رو رہی ہیں؟؟؟

زیمل روتے چہرے پر مسکراہٹ لیے نہ میں سر ہلانے لگی۔

اور پھر نظروں کے سامنے وہ لاتعداد فانوس شہر کے ہر گوشے میں اڑنے لگے۔

اور آسمان کو اپنی آمد کے ساتھ روشن کر گئے۔

مگر سکندر کے لیے اُس آسمان کی طرف اٹھتے فانوس صرف تاروں کی حیثیت رکھتے تھے۔

کیوں کہ اُس کی دنیا کا چاند اُس کے پاس کھڑا تھا۔

پہلی بار اس قدر مسکراہٹ کا بسیرا اچھائے۔

سکندر نے زیمل کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

اور پھر وہ منظر آذان کے کلمات کی ادائیگی پر تکمیل کو پہنچا۔

کافی دیر زیمل اُس کھلی ہوا کے کو محسوس کرتی رہی۔

بارہ سال اُس نے اُس آسمان کو صرف اُس کھڑکی کی بدولت دیکھا تھا۔

مگر آج وہ اُس ہوا کے ساتھ اُس منظر کو اپنے دل میں بسا چکی تھی۔

زیمل:::: کچھ دیر دور کسی مسجد کے گنبد کو دیکھتی رہی۔

اور پھر بولی۔

زیمل:::::وہ کون سی مسجد ہے..؟؟؟؟

سکندر:::: یہ شاید مسجد العمري الكبير ہے۔

زیمل::::اچھا۔۔۔۔

زیمل بہت حیرانگی سے جواب دیتی بولی۔

زیمل:::: کیاآپ کبھی یہاں گئے ہیں؟؟

سکندر::::: ہاں ایک دفع اپنی ماں کے ساتھ گیا تھا۔

زیمل::::اور مسجد الاقصیٰ؟؟؟؟؟

سکندر::::: نہیں۔

زیمل سکندر کے جواب پر خاموش ہوئی تو سکندر بولا۔

سکندر:::: ویسے مسجد الاقصیٰ یہاں سے ساڑھے پانچ گھنٹے کی مسافت پر

ہے۔

مسجدِ اقصیٰ یوروشیلم کے پرانے شہر ماونٹ ٹمپل پر واقع ہے۔یا یہ کہا جائے)

(کہ یہ قدس کے شہر میں واقع ہے جو فلسطینی خطے میں ہے

زیمل:::::میری ماما یہاں فلسطین کی تھیں۔

میری ماما کی پہلی ملاقات میرے بابا سے اسی شہر میں ہوئی اور دوسری قدس کے شہر میں۔ جہاں میرے بابا نے اُنہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔

سکندر:::: میں یہیں کا ہوں مگر میری ماں ماہِ نور وہ پاکستان سے تھیں۔

مگر میری نسبت اس ملک سے میری پیدائش کے باعث زیادہ ہے۔

زیمل:::::: تو پھر آپ نے اب تک مسجدِ اقصیٰ نہیں دیکھی

ایسا کیوں؟

سکندر:::: وہ ایک مسجد ہے بس۔

بھلا اُسے دیکھنے یا نہ دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

زیمل:::::: وہ مسجد مسلمانوں کا قبلہ اول اور خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام مانا جاتا ہے۔

مسجد اقصی حقیقت میں ہم مسلمانوں کی میراث ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کوئی عام مسجد نہیں ہے۔

سکندر:::: ایسا کیا ہے اُس میں؟

زیمل::::آپ جانتے ہیں کہ یہودیوں کے لیے وہ مسجد کس قدر اہم ہے۔

سکندر::::آپ کے مطابق وہ مسجد مسلمانوں کی میراث ہے تو پھر وہ مسجد یہودیوں کے لیے اتنی اہم کیوں ہے۔

جہاں تک مجھے پتہ ہے تو یہودیوں کا اسلام سے بہت بڑا اختلاف ہے۔

زیمل:::: مگر میری ماما بتاتی تھیں کہ یہودی مذہب کے پیروکاروں کے موقف کے مطابق اِس جگہ پر پہلے سُلیمانی ہیکل تھی۔

سکندر:::: سلیمانی ہیکل کیا ہے؟؟؟؟

زیمل::::دراصل ہیکل سلیمانی"حضرت سلیمانؑ کے ساتھ منسوب ہے ،حضرت سلیمان اللہ کے نبیوں اور رسولوں میں سے ایک تھے۔آپ کو اللہ نے ایسی نبوّت و حکومت عطا کی،جہاں ہوائیں ان کے لیے مسخّر تھیں۔

،پرندے،آپ علیہ السلام کے حکم کے پابند تھے آپ کو ان کی بولیاں اللہ نے سکھائی تھیں،اسی طرح شیاطین اور جنّات بھی حضرت سلیمان کے لیے مسخّر کیے گئے تھے

،جوان کے لیے مختلف خدمات سرانجام دیتے۔
تابوتِ سکینہ ''اُسی ہیکل میں تھا جس ہیکل کو یہودی دوبارہ تعمیر کرنا چاھتے ''
ھیں۔
سکندر:::: تو اس تابوت میں اخر ایسا کیا ہے جو یہودی اس قدر اُس ہیکل کو
.تعمیر کرنا چاھتے ھیں
زیمل:::: دراصل یہ تابوت حضرت آدمؑ کا بابرکت صندوق تھا۔ جو آپؑ
کے بعد نسل در نسل چلتا ہوا، حضرت یعقوبؑ تک پہنچا اور بنی اسرائیل کے
انبیاء میں منتقل ہوتا رہا، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور دیگر انبیاء کے تبرکات
اس میں محفوظ تھے، جن میں بطور خاص حضرت موسیٰؑ کا عصا، تورات کی وہ
تختیاں جو کوہِ سینا پر حضرت موسیٰ پہ نازل ہوئیں، وہ برتن یا دستر خوان جو
آسمانوں سے من و سلویٰ کے ساتھ اُترا تھا۔
جب بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا سلسلہ دراز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ
نعمت چھین لی،

قرآن پاک میں سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

Surah e Bakra ayat248

:: ترجمہ

اس کے ساتھ ان کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس" کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے سکونِ قلب کا سامان ہے جس میں آلِ موسیٰؑ اور آلِ ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرّکات ہیں اور جس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں۔ اگر تم "مومن ہو تو یہ تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔

سکندر:::: تو کیا یہودیوں کو وہ تابوت مل گیا؟؟؟؟

زیمل:::: جی حضرت طالوت علیہ السلام کے دور میں یہ تابوت سکینہ یہودیوں کو دوبارہ مل گیا۔

اس کے بعد جب حضرت دائود ؑ کا دور آیا تو آپ نے

تابوتِ سکینہ" کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط اور عظیم عمارت کی تعمیر کا"
فیصلہ کیا، مگر اس عمارت کی مکمل تعمیر اُن کے بیٹے حضرت سلیمان کے دور
میں مکمل ہوئی، جسے "ہیکل سلیمانی" کا نام دیا گیا۔

میرے بابا بتاتے تھے کہ بیت المقدس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے
جنّات کروائی۔

جنّات کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام
کے لیے جنّات کو اسیر کیا تھا۔ اسی لیے وہ حضرت سلیمانؑ کے خوف سے کام
کرتے تھے،

مگر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا جنّات کو علم ہو جائے تو
انہوں نے فوراً کام، چھوڑ دیا،

میرے بابا بتاتے تھی کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت
قریب آیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام موت کی تیاری کر کے اپنے محراب
میں داخل ہوئے، جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی،

جہاں سے باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں، اور پھر آپ اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لیے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے، تا کہ روح پرواز کرنے کے بعد، بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ کھڑا رہے

۔

اور پھر حضرت سلیمانؑ کی روح وقتِ مقرر پر قبض کر لی گئ، مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ کھڑے رہے، لیکن باہر سے حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے نظر آتے تھے کہ وہ عبادت میں مشغول ہیں،

جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آکر دیکھ سکتے۔ حضرت سلیمانؑ کو زندہ سمجھ کر وہ کام میں مشغول رہے، یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا، اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا۔

پھر تو اللہ تعالیٰ نے گھُن کا کیڑا،

(جسے فارسی میں دیوک اور اردو میں "دیمک" کہا جاتا ہے،)

جس کو قرآن کریم نے "دابۃ الأرض" کا نام دیا ہے۔

عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا۔ دیمک نے عصا کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کم زور کر دیا، اور پھر عصا کا سہارا ختم ہو گیا اور حضرت سلیمانؑ کا وجود فرش زمین پر تشریف فرما ہو گیا، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

حضرت سلیمانؑ نے اس مسجدِ بیت المقدس کی تکمیل نمایاں و عظیم الشان تعمیرات کے ساتھ اللہ کے حکم سے جنّات سے مکمل کروائی اس لیے اسے ہیکلِ سلیمانی کہا جاتا ہے۔

سکندر:::: تو پھر مسجدِ اقصیٰ کی ہی جگہ پر کیوں یہودی چاہتے ہیں کہ وہ وہی ہیکل تعمیر کریں؟؟؟

زیمل:::: دراصل ہیکلِ سلیمانی سے مراد وہی مسجدِ بیت المقدس ہے جسے آج ہم مسجدِ اقصیٰ کے نام سے جانتے ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے لیے بھی بہت مقدس جگہ مانی جاتی ہے۔

کیوں کہ مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول تھا۔یعنی مسلمان مسجدِ اقصیٰ کی طرف رُخ کر کہ نماز ادا کرتے تھے۔

اس کہ علاوہ مسجدِ اقصیٰ وہ جگہ ہے جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر اللہ سے ملاقات کو ہے تھے۔

سکندر::::: معراج؟؟؟؟؟

سکندر نے اسے معراج کا لفظ سنا جیسے وہ اس بات سے بلکل نا باشنا تھا۔

زیمل:::: کیا آپ معراج کا واقع نہیں جانتے؟؟؟؟

سکندر زیمل کی بات کا جواب نہ دے سکا۔

وہ دیتا بھی کیا. سات سال کی عمر میں اُس کی ماں کی گود اُس سے چھین لی گئ۔

اس کہ بعد ہیں لوگوں کے ساتھ اُس نے اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کیا وہ اُسے بہت دور گناہوں میں لے گئ۔

کچھ شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لیے شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے دین کے متعلق علم نہیں رکھتا۔

زیمل:::::: معراج وہ موقع ہے جہاں ہم جیسے گناہگاروں کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا۔

اور مسجد الاقصیٰ اس لیے کوئی عام مسجد نہیں کہ اسی مسجد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر گئے تھے۔

اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل پچاس ہزار فرشتوں کی برات اور براق لے کر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ

"اے اللہ کے رسول! آپ کا رب آپ سے ملاقات چاہتا ہے۔"

سکندر:::::: براق کیا ہے؟؟؟

زیمل:::::: براق وہ سواری ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو کر معراج پر گئے تھے۔

سکندر:::: پھر آگے کیا ہوا؟

زیمل:::: پھر عرش سفر کی تیاریاں شروع ہونے لگیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی سواری براق کو حاضر کیا گیا۔

مگر میرے نبی نے کچھ توقف حضرت جبرائیل سے فرمایا۔

: جبرئیل امین نے اس پس وپیش کی وجہ دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھ پر تو اللہ رب العزت کی اس قدر نوازشات ہیں، مگر روز قیامت میری امت کا کیا ہو گا؟

میری امت پل صراط سے کیسے گذرے گی؟

اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئ

اے محبوب! آپ امت کی فکر نہ کیجیے، ہم آپ کی امت کو پل صراط سے:

اس طرح گزار دیں گے کہ اسے خبر بھی نہیں ہو گی۔

اس واضح بشارت کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار ہو گئے۔جبرئیل امین نے رکاب تھامی، میکائیل نے لگام پکڑی، اسرافیل نے

زین سنبھالی جس کے ساتھ ہی پچاس ہزار فرشتوں کے سلام کی صدا سے آسمان گونج اٹھے۔۔

پھر اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے مسجد اقصیٰ کی سیر کروائی جس کا ذکر اللہ خود قرآن میں کرتے ہیں کہ

Surah Al Isra Ayat 1

ترجمہ:

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ میں ایک مقام وہ ہے جہاں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیائے کرام کی نماز کی امامت فرمائی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:)))))
"میں نے اپنے آپ کو حِجر (حطیم) میں دیکھا، قریش مجھ سے میرے رات کے سفر کے بارے میں سوال کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا جو میں نے غور سے نہ دیکھی تھیں۔ میں اس قدر پریشانی میں مبتلا ہوا کہ کبھی اتنا پریشان نہ ہوا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر اللہ تعالیٰ نے اس (بیت المقدس) اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھتے، میں انہیں بتا دیتا۔

اور میں نے خود کو انبیاءؑ کی ایک جماعت میں دیکھا تو وہاں موسیٰؑ تھے، کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ایک ہوں۔ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کو دیکھا، وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ عروہ بن مسعود ثقفیؓ ہیں۔

اور (وہاں) ابراہیمؑ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ تمہارے صاحب ہیں، آپ نے اپنی ذات مراد لی۔

پھر نماز کا وقت ہو گیا، تو میں نے ان سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا،

تو ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد! یہ مالک ہیں، جہنم کے داروغے، انہیں سلام کہیے: میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے پہل کر کے مجھے سلام کیا۔"

صحیح مسلم: کتاب: ایمان کا بیان تمہید کتاب حدیث نمبر ۱۸۲))))

))))))))))

زیمل::::: اور پھر معراج کے سفر کا آغاز ہوا۔

جہاں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام،

دوسرے آسمان پر حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت یحیی علیہ السلام،

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت

ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

معراج کا یہ سارا واقع ایک۔رات میں وقوع پزیر ہوا تھا۔

سکندر::::: تو کیا یہ ممکن ہے کہ اتنا لمبا سفر صرف ایک رات میں مکمل۔ہو جائے۔

زیمل:::: آپ جانتے ہیں کہ رات کے صرف ایک حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس جانا،انبیاء کرام کی امامت میں وہاں نماز پڑھنا، پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا،انبیاء کرام سے ملاقات اور پھر اللہ جل شانہ کی دربار میں حاضری، جنت ودوزخ کو دیکھنا،مکہ مکرمہ تک واپس آنا اور واپسی پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہونا جو ملک شام سے واپس آرہا تھا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام واقعے کا ذکر صبح کو

بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو سچ فرمایا ہے۔

اس پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ کیا ابو بکر تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو؟

تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمانوں سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔

اسی وجہ سے ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔

اس کے بعد جب قریش مکہ کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے احوال دریافت کیئے گئے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیت المقدس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روشن فرمادیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں تشریف فرما

تھے۔ قریش مکہ سوال کرتے جارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے جارہے تھے۔

سکندر::::: آپ کو اس واقع کا علم کیسے ہوا؟

زیمل::::: میرے بابا بچپن سے ہی مجھے ان باتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

وہ چاہتے تھے کہ میں قرآن کو حفظ کروں۔

وہ میری دین کی طرف رغبت کرنے کے لئے مجھے وہ باتیں بتاتے تھے کہ جس سے میرے اندر میرے دین کی محبت کا چراغ جل جاتا تھا۔

میری ماما بیشک یہودی خاندان سے تھی مگر میرے بابا کہتے تھے کہ میری ماں کے چہرے کے احوال نور کے ساتھ تبدیل ہو گئے جب انہوں نے اسلام کو قبول کیا۔

میری ماما کی تربیت میرے بابا نے کی۔

اور میری ماما جو کچھ میرے بابا سے سنتی وہ مُجھ تک ضرور پہنچتی۔

میں نے اپنی ماما کو صبح میں ہنستے اور راتوں کو روتے دیکھا ہے۔

وہ کہتی تھی کہ وہ حق کی راہ کو پچیس سال کی گمراہی کے بعد حاصل کر سکیں۔
وہ چاہتی تھی کہ میں اُن کی طرح ان سب سے نہ آشنا نہ رہوں۔
اس لیے وہ اور بابا دونوں مجھے بہت چھوٹی عمر سے ہی ان باتوں کی تعلیم دیتے تھے۔

زیمل:::::اور پھر معراج کے سفر کا آغاز ہوا۔
جہاں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت یحیی علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

معراج کا یہ سارا واقع ایک۔رات میں وقوع پزیر ہوا تھا۔

سکندر:::::تو کیا یہ ممکن ہے کہ اتنا لمبا سفر صرف ایک رات میں مکمل۔ہو جائے۔

زیمل::::آپ جانتے ہیں کہ رات کے صرف ایک حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس جانا،انبیاء کرام کی امامت میں وہاں نماز پڑھنا،پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا،انبیاء کرام سے ملاقات اور پھر اللہ جل شانہ کی دربار میں حاضری، جنت ودوزخ کو دیکھنا،مکہ مکرمہ تک واپس آنااور واپسی پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہونا جو ملک شام سے واپس آرہا تھا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام واقعے کا ذکر صبح کو بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرانہوں نے یہ بات کہی ہے تو سچ فرمایا ہے۔

اس پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ کیا ابو بکر تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو؟

توانہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمانوں سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔

اسی وجہ سے ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔

اس کے بعد جب قریش مکہ کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے احوال دریافت کئے گئے۔

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیت المقدس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روشن فرمادیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں تشریف فرما تھے۔ قریش مکہ سوال کرتے جارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے جارہے تھے۔

سکندر::::: آپ کو اس واقع کا علم کیسے ہوا؟

زیمل::::: میرے بابا بچپن سے ہی مجھے ان باتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

وہ چاہتے تھے کہ میں قرآن کو حفظ کروں۔

وہ میری دین کی طرف رغبت کرنے کے لئے مجھے وہ باتیں بتاتے تھے کہ جس سے میرے اندر میرے دین کی محبت کا چراغ جل جاتا تھا۔

میری ماما بیشک یہودی خاندان سے تھی مگر میرے بابا کہتے تھے کہ میری ماں کے چہرے کے احوال نور کے ساتھ تبدیل ہوگئے جب انہوں نے اسلام کو قبول کیا۔

میری ماما کی تربیت میرے بابا نے کی۔

اور میری ماما جو کچھ میرے بابا سے سنتی وہ مُجھ تک ضرور پہنچتی۔

میں نے اپنی ماما کو صبح میں ہنستے اور راتوں کو روتے دیکھا ہے۔

وہ کہتی تھی کہ وہ حق کی راہ کو پچیس سال کی گمراہی کے بعد حاصل کر سکیں۔

وہ چاہتی تھی کہ میں اُن کی طرح ان سب سے نہ آشنا نہ رہوں۔

اس لیے وہ اور بابا دونوں مجھے بہت چھوٹی عمر سے ہی ان باتوں کی تعلیم دیتے تھے۔

۔۔۔

سکندر:::::: آپ اپنی خالہ کے پاس کتنا عرصہ رہیں ہیں؟

زیمل:::: تقریباً بارہ سال

سکندر:::: کیا آپ ان بارہ سالوں میں یہ باتیں آپ کے ذہن میں دھندلی نہیں ہوئیں؟؟؟

زیمل::::: نہیں۔ کبھی نہیں۔

جانتے ہیں کہ انسان کا کل سرمایہ کیا ہوتا ہے۔

سکندر::::اُس کی دولت؟

زیمل:::: دنیاوی زباں میں دولت کل سرمایہ مانی جاتی ہے۔

مگر درحقیقت ایک مسلمان کا کل سرمایہ اُس کے رب کی طرف سے عطا کردی وہ تمام نعمتیں ہیں جو اُس کا رب اُس کی طرف عطا فرماتا ہے۔

اور اس میں سے ایک نعمت دین کی تعلیمات ہیں جو انسان قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ کے اوراق سے حاصل کرتا ہے۔۔

سکندر::::: آپ کی باتوں سے مجھے دکھ محسوس ہوا ہے کہ میں کبھی وہ مسجد نہیں دیکھ سکا جو آپ کے لیے اتنی مقدس ہے۔

زیمل::::: ہر مسلمان کے لیے مسجدِ اقصیٰ، حرمِ کعبہ اور مسجدِ نبویؐ کے بعد تیسری سب سے مقدس بارگاہ ہے۔

یعنی ہم سب کے لیے۔

سکندر:::: تو کیا پھر آپ وہ مسجد ابھی دیکھنا چاہے گی؟؟؟؟

سکندر بہت لگ انداز میں بات کا رُخ بدلتا بولا۔

زیمل جو سکندر کے اس انداز اور متوجہ ہوتے ہوئے بہت حیرانگی سے

::::: بولی

زیمل:::: ابھی؟؟؟؟

سکندر::::: آپ کا مطلب پھر ہاں ہی ہے۔

سکندر جیسے زیمل کے سوال میں جواب کو تلاش کرتا بولا۔

سکندر:::: روکیں

پھر سکندر فون کو نکالتا بولا۔

سکندر:::: جمشید کہاں ہو تم ؟؟؟

جمشید::::: جی بھاؤ۔۔۔میں بیسمنٹ میں ہی ہوں۔

آپ کو کچھ بتانا تھا۔دراصل۔۔

سکندر::::: یہ باتیں بعد میں کرنا ابھی یہاں میرے پاس ایک ولیم ہیگ کو بیھجو۔

مارکس کو کہو کہ ہلی کاپٹر کا انتظام کر کہ یہاں بیھجے۔

جمشید:::: مگر بھاؤ آپ کہاں جا رہے ہیں۔

سکندر:::: صبح سے پہلے آجاؤں گا۔تم صبح نکلنے کی ساری تیاری رکھنا سمجھے۔

اور اس۔خاص سامان کا بھی انتظام کر لینا۔

آگے ضرورت پڑنی ہے۔

جمشید::::جی ٹھیک۔۔۔ہے بھاؤ۔

مگر آپ اکیلے جائیں گے ؟؟

سکندر:::: فون رکھتا ہوں۔۔۔مارکس سے کہو کہ بھاؤ نے کہا ہے صرف بیس منٹ ہیں۔

لوکیشن تمہیں شیئر کرتا ہوں۔۔ بیس منٹ تک میرا یہ کام۔ہو جائے۔

اور پھر سکندر یہ کہتا فون بند کر گیا۔

زیمل سکندر کی بات پر اتنا حیران تھی کہ کچھ نہ کہہ کر بھی وہ بہت کچھ کہہ چکی تھی۔

سکندر زیمل کو دیکھ کر مسکرایا اور اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سکندر:::: آپ کے ساتھ زندگی کے سفر کو طے کرنے کی گرفتاری تو دے ہی چکا ہوں۔

البتہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی مسافت کو طے کرنے والا یہ سفر میری زندگی کا سب سے خوبصورت سفر ہونے والا ہے۔

ویسے ایک پوچھو آپ سے؟

زیمل:::: جی

سکندر:::: کیا آپ پہلے کبھی اُس مسجد کو دیکھنے گئی ہیں؟

زیمل:::: نہیں. اب تک دیکھ نہیں سکی ہوں۔

سکندر:::: تو مطلب آپ بھی میری طرح پہلی بار وہاں جائیں گی۔

زیمل:::: ہاں جی۔

سکندر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد زیمل سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر:::: ویسے آپ اتنا بولتی نہیں ہیں۔۔۔ مگر جب اس طرح کی کوئی بات شروع ہوتی ہے تو مجھے اُس وقت پتہ چلتا ہے کہ میری بیوی کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔

چلیں آپ کی وجہ سے میں بھی اُس مسجد کو دیکھ لوں گا جس کا آپ نے اتنی محبت سے ذکر کیا ہے۔

اور پھر کھولے آسمان کے تلے وہ دونوں کھڑے روشن شہر کو جگمگاتے دیکھ کر ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے۔

اس جگہ کی سب سے اوپری منزل بہت کشادہ تھی۔

ایک طرف ہیلی کاپٹر کے اترنے کی جگہ تھی۔

تو۔دوسری طرف سکندر زیمل کے ساتھ شہر کی پُررونق روشنیوں کے چراغوں کو دیکھ رہا تھا۔

تقریباً پچیس منٹ کے بعد دور کہی سے ہیلی کاپٹر کی آواز زیمل کے کانوں سے ٹکرائی۔

زیمل دیکھنے کو پیچھے کی طرف پلٹی تو دور کہی سے آتی آواز اب کچھ قریب آتی معلوم ہونے لگی۔

اور پھر آنکھوں نے اڑتے ہوئے اُس کالے رنگ کے ہیلی کاپٹر کو قریب آتا دیکھا۔

سکندر نے ہاتھ کے اشارے سے نیچے لینڈ ہونے کا حکم دیا۔

اور پھر کچھ ہی وقت میں وہ لینڈ ہو گیا۔

سکندر آگے کی طرف بھرتا ولیم کی طرف گیا اور بولا

سکندر:::: بیس منٹ کی بجائے تم اٹھائیس منٹ پر یہاں آ رہے ہو۔

کیا کام کرنے کہ طریقہ بھول گئے ہو یا مجھے یاد کروانے کی ضرورت ہے۔

ولیم::::: معزرت خواہ ہوں

وہ جواب دیتا بولا۔

اور پھر سکندر واپس زیمل کی طرف بڑھتا اپنے ہاتھ کو آگے بڑھاتا بولا۔

سکندر::::: چلنے کو تیار ہیں آپ؟؟؟

زیمل اپنے کندھوں پر سکندر کی دی ہوئی چادر کو ٹھیک کرتی سکندر کا ہاتھ

تھام کر ایک خوبصورت سفر پر چل دی۔

زندگی کی خوبصورتی اُن خوبصورت جگہوں سے زیادہ ہوتی ہے جو انسان کو

اپنے خوبصورت رب کے قریب کر دیتی ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کیلئے تیسری اہم بارگاہ ہے۔اور دعا ہے کہ میرا رب ہر

مسلمان کو حرمِ کعبہ اور مدینہ شریف کے ساتھ مسجدِ اقصیٰ کی بھی بھی

زیارت نصیب فرمائے۔

کمرے میں ایک دم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

کمرے میں موجود ایک لیمپ اُس کمرے کے اندھیرے کو کچھ ختم کرتا صرف ایک شخص کو ایک جھولتے صوفے پر دیکھا رہا تھا۔ جو ہاتھ میں چاقو پکڑے اُسے اپنی انگلیوں پر گھوما رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی کمرے میں آرام سے داخل ہوا اور بولا۔

باس۔ ہمارے جاسوس نے ابھی خبر بیھجی ہے۔

وہ آدمی صوفے پر جھولتے کچھ نہ بولا۔ اور دوسرا آدمی اپنی بات کو آگے بڑھاتا بولا

لوسیفر شہر سے نکل۔

اور وہ بھی بنا اپنے باڈی گارڈز کے۔

یہ سنتے ہی وجھولتا صوفہ رُک گیا۔ اور وہ کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

اور دوسرا آدمی اُس خاموشی کو توڑتا بولا۔

باس کیا حکم ہے میرے لیے۔

کہاں جارہاہی لوٗسیفر؟؟

باس یروشلم جارہاہے۔

ہمارے ادمیوں کو اکھٹا کرو۔ فوراًاور یوریشلم روانہ کرو۔

اس دفعہ وہ بچنا نہیں چاہیے۔اور باقی انتظامات دیکھ لینا۔

ناکامی نہیں چاہیے مجھے۔ مجھے لوسیفر کی موت چاہیے۔

وہ بھی دہکتی آگ سے زیادہ بھیانک۔

اگر کام مکمل نہ ہوا تو کوئی وہاں سے زندہ واپس نہیں آنا چاہئے۔

سب کو موت کی وادی میں اتار کر اُن کی بَلی دے دینا۔

اور اگر کام مکمل ہو گیا تو انعام میں اُن کی انگلیاں کاٹ دینا۔

اور پھر لوسیفر کی لاش کے ٹکڑے کر کے میں خود تحفے میں اپنے دشمنوں کو بھیج کر اپنا راج قائم کروں گا۔

ایساراج جو لوسیفر کی موت کے ساتھ میرا خوف

فلسطین کے شہروں کے ساتھ باقی سلطنتوں کے لوگوں کی نسوں میں ایسا بھر

دے گا کہ دنیا میرے نام سے بھی چیخ اٹھے گی۔

اور یہ دنیا یوکارس کی دنیا کہلائے گی جہاں میں لوگوں کا خدا مانا جاؤ گا۔ جیسے

کبھی میرا احرام خور چچا اپنے خوف سے ہر کسی کے دل میں اپنی دہشت کو

اُجاگر کر چکا تھا۔

جاؤ اب اور اُس لوسیفر کو دھوکے کی ایسی موت دو کہ دھوکے کی اس دنیا میں

اُس کا ناموں نشان مٹ جائے۔

اور پھر وہی وہ آدمی اُس کی بات کو حکم سمجھتا وہاں سے چلا گیا۔

اور کمرہ ایک شیطانی ہنسی کا گھوارہ بنتے ہوئے گونج اُٹھا۔

اور پھر وہ شخص دوبارہ سے صوفے پر جھولتا بولا۔

لوسیفر تمہاری موت تمہارے بہت قریب ہے۔ اور جب تک تمھیں

بھیانک موت کے گھاٹ نہیں اتار دیتا تب تک سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔

یوکارس کو تمہاری چیخوں کی طلب ہے۔
اور طلب کو اُسی عمل سے مٹایا جاتا ہے جس عمل کی آپ کو شدت سے آرزو ہو۔
جب تک تمھارے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ نہ دوں تب تک اپنا خوف قائم کر کہ تمہاری اس جہنم میں راج نہیں کر سکتا۔
اور پھر وہ شخص صوفے پر جھولتا اپنی فتح کو محسوس کرنے لگا۔

ہیلی کاپٹر اپنی اُڑان کو سکندر بھاؤ کے حکم پر یوروشیلم کی طرف موڑ چکا تھا۔
ہیلی کاپٹر نے اپنی اُڑان کے آغاز میں ہی زیمل کو خوف زدہ کر دیا تھا۔
مگر اس قدر خوف کے باعث بھی زیمل اپنے خوف کو سکندر سے کہہ نہ سکی۔
وہی سکندر زیمل کے خوف کو محسوس کرتا زیمل کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتا بولا۔
یہ اڑان سفر کے آغاز کی نشانی ہے۔ جو اپنی منزل پر جا کر ہی اُترے گی۔

ساتھی ساتھ ہے تو خوف کیسا ہے۔اڑنے کا مزہ لیں۔میں آپ کے ساتھ ہوں آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میرے ہاتھوں نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ان میں بہت طاقت ہے۔

جب تک آپ کے ہاتھوں کو میرے ہاتھوں نے تھاما ہے آپ کو خوف زدہ ہو کر اڑنے کی ضرورت نہیں۔

ایک باک باز پرندے کی طرح اُس سفر کا مزا لیں۔

اور پھر زیمل خوف میں سکندر کے ہاتھوں کو زور سے تھامتی باہر کا منظر دیکھنے لگی۔

اور پھر غزہ سے یروشیلم کی مسافت کا کافی سفر اُس ہیلی کاپٹر نے طے کر لیا تھا۔

اور اب زیمل اوپر سے باہر کا منظر بنا کسی خوف سے دیکھنے لگی۔جہاں ہر طرف رات کے اندھیرے میں جگمگاتی روشنیاں نیچے کے منظر کو چار چاند لگا رہی تھی۔

دنیا اتنی چھوٹی دکھائی دے رہی تھی جیسے انسان اُس ہیلی کاپٹر میں بیٹھے زمین کے کچھ حصے کو اپنی موٹھی میں لے لے۔

زیمل کو اب تک وہ منظر وہ سفر اور وہ شخص کسی خواب کی تصویر لگ رہا جو کچھ ہی دیر میں ٹوٹی کرچیوں کی صورت اختیار کرتے زیمل کو واپس اُس گھر میں قید جر لے گا جہاں بارہ سال اُس نے قید میں گزارے تھے۔

اور پھر اُس سفر نے آخر اپنی منزل کو پاتے ہوئے زیمل کو وہ نظارہ دکھایا جس سے اُس کے دل کی دھڑکنوں میں لاتعداد اضافہ ہو گیا۔

ہر طرف سنہری پتھروں سے بنے مکانات اُس منظر کو چار چاند لگا ہے۔

جب کہ ابھی اُن کی چمک میں کمی واقع تھی۔اس شہر کو سونے کا شہر کہا جاتا ہے کیوں کہ جب طلوع ہوتے سورج کی کرنیں اس شہر کے مکانات پر پڑتی ہے تو وہاں موجود مکانات جو سنہری پتھروں سے تعمیر کروائے گئے ہیں وہ سورج کی کرنوں سے جگمگا اُٹھتے ہیں۔

زیمل اُس شہر میں داخل ہونے اور اُس منظر کو دیکھ کر اس قدر محبت اور عقیدت و احترام کے جذبے سے سرشار تھی کہ اُس کا دل اُس مقدس شہر کو دیکھ کر مسکرا اٹھا تھا۔

سکندر اس قدر بدلتے اثرات کو زیمل کی چہرے پر دیکھ حیران تھا کیوں کہ وہ بھی زیمل کی طرح پہلی بار اُس جگہ پر آیا تھا مگر اُس کے جذبات اور احساسات کہی سے بھی زیمل سے مماثلت نہیں رکھتے تھے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ زیمل کی اس قدر محبت سے جھلکتے چہرے کی کیا خاص وجہ ہے۔

جن باتوں کو وہ اب تک زیمل سے سن چکا تھا وہ اُس کے لیے حیران کن تو تھیں مگر وہ اس قدر محبت کو زیمل میں اجاگر ہوتا دیکھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

شہر اس قدر خوبصورت لگ رہا تھا کہ زمیں جیسے چمکتے آسمان کی بلندیوں کو واضح کر رہی تھی۔

اور پھر وہ منظر اُس وقت مزید دلکش ہوا جب شہر کا چکر کاٹتے ہوئے دور کہی

مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں

قبۃ الصخرۃ"""""""" دیکھا جو سنہرے گنبد پر مشتمل تھا۔ """"""""

کچھ قریب جا کر مسجدِ اقصیٰ کا گنبد دیکھا جو کالے رنگ پر مشتمل تھا۔

اور پھر کچھ دیر اُس منظر کو زیمل آنکھوں میں سجائے مسکرانے لگی۔

زندگی میں ایسا سفر کرنا ہر مسلمان کی خواہش ہے اور زیمل اس خواہش کو اس قدر دلکش منظر کے ساتھ پورا ہوتے دیکھ رہی تھی۔

وہ مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں کافی کچھ جانتی تھی۔ مگر وہ اس منظر کو صرف اپنے بابا کی زبانی سنی تھی۔

جوں جوں وہ منظر آنکھوں کے باعث اُس کے دل کو روشن کرتا گیا ویسے ویسے اُس کے بابا کی آواز اُس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

ہر وہ بات جو اُس کے بابا نے اُس شہر کی خوبصورتی میں بیان کی تھے وہ حقیقت تھی۔

جن باتوں کے باعث وہ اُس منظر کو اپنے خیالوں میں سجا چکی تھی اور جن تصویروں کو اُس نے کبھی بچپن میں دیکھا تھا۔ ڈر حقیقت وہ حقیقی منظر اُن سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔

کچھ دیر میں ہیلی کاپٹر کو سکندر کے حکم پر ایک جگہ اتار لیا گیا۔

اور اب زیمل اُس سفر کی منزل کو اندر سے دیکھنے کے لیے اس قدر بے قرار تھی کہ جس کے آثار اُس کے پر رونق چہرے پر واضح طور پر دِکھ رہے تھے۔

زیمل اپنے قدموں کو آگے بڑھاتی سکندر کے ساتھ چل رہی تھی۔

وہ مسجدِ اقصیٰ سے کچھ فاصلے ہی دور تھے۔ جو قریباً بیس منٹ تک اُنہیں نے طے کر لینا تھا۔

ہر طرف رات کر اُس وقت بھی چہل پہل تھی۔ ہے طرف رونق کا سماں تھا۔

سکندر زیمل کے ساتھ یوروشیلم کی سڑکوں پر پیدل چل رہا تھا۔اُس کی نظریں بس زیمل کے کھلتے چہرے پر ٹکی تھیں۔

زیمل کے چہرے پر وہ کسی طور مسکراہٹ کو کم ہوتے نہیں دیکھ رہا تھا۔

جس چہرے کو ہنستا مسکراتا دیکھنے کی آرزو رکھتا اپنی تمام تر کوششوں کے باعث وصرف ہلکی سی مسکراہٹ کو دیکھ پاتا تھا۔وہ چہرہ اُس شہر میں آمد کے بعد کسی طور اپنی مسکراہٹ کو کم نہیں کر پا رہا تھا۔

سڑک کو پار کرنے کے لیے

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک گاڑی سکندر نے زیمل کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے اپنے پیچھے کیا تو اچانک تین گاڑیاں سکندر کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

ابھی کہ سکندر کچھ سمجھ پاتا اچانک اُس گاڑی سے جمشید نکلا۔

سکندر:::: تم یہاں کیا کر رہے ہو۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔وہ۔۔۔میں۔۔۔آپ کے لیے آیا ہوں۔

سکندر:::: تمہیں کس نے بتایا؟؟؟

جمشید:::: ولیم نے۔

سکندر:::: یہاں آنے کی وجہ؟؟؟؟

جمشید:::: بھاؤمال والے حادثے کے بعد میں کیسے آپ کو اکیلے چھوڑ سکتا ہوں؟

سکندر زیمل کی وجہ سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: تمہاری تو بعد میں خبر لیتا ہوں۔

اور پھر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے زیمل سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: آپ بیٹھیں۔۔میں کچھ بات کرلوں۔

اور پھر سکندر بھاؤ جمشید کی طرف بڑھا۔۔

سکندر:::: تمہیں میں نے اُس گھٹیا انسان پر نظر رکھنے کا کہا تھا۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔وہ۔۔۔۔ڈاکٹر۔۔

سکندر:::: اچھا بس۔۔۔۔ابھی گاڑی میں بیٹھو اور مجھے مزید غصہ دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جمشید:::: معزرت چاہتا ہوں بھاؤ۔

اور پھر یہ کہتا جمشید گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اور سکندر پیچھے کی سیٹ پر زیمل کے ساتھ بیٹھتا بولا۔

سکندر:::: آپ ٹھیک ہیں؟؟؟

زیمل:::: جی۔۔

جب کہ جمشید بھاؤ کی آواز میں اس قدر مٹھاس کو سنتے اپنی آنکھوں کو حیرانگی سے اٹھا بیٹھا۔

کچھ دیر میں ہی گاڑی منزل تک پہنچ گئی۔

جمشید گاڑی سے نکلتا سکندر کی طرف کا دروازہ کھول گیا۔

اور سکندر گاڑی کا دروازہ کھولتے باہر نکلا اور دوسری طرف سے زیمل کا دروازہ کھول کر اُس کے نکلنے کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

جب کہ جمشید کی نظروں نے اس منظر کو دیکھ کر بھاؤ کے اُس منظر کو یاد کیا جب کسی کو مارنے کے لیے بھی بھاؤ بندوق کو خود اٹھایا نہیں کرتے تھے۔

سکندر:::::تم باہر ہی روکو

جمشید::جی بھاؤ۔

اور پھر زیمل اور سکندر پیدل چلتے اپنی منزل کی طرف بڑھ گے۔

سامنے سے دکھاتا وسنہری گنبد مسجدِ اقصیٰ کے حرم کا ایک نظارہ تھا۔

رات کے اس وقت بھی اُس جگہ اور لوگوں کی خاصی رونق تھی۔

زیمل چلتے چلتے آس پاس کی جگہوں۔کو دیکھنے لگی۔

وہ اُس جگہ کو بھلے پہلی بار دیکھ رہی تھی مگر اُس جگہ کے بارے میں اُسے سکندر سے زیادہ علم تھا۔

سکندر زیمل کا ہاتھ تھامے مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں داخل ہوا تو کچھ ڈور فاصلے پر پہلی نظر سنہری گنبد پر پڑی۔

زیمل کے مسکراتے چہرے کے ساتھ آنکھوں کی نمی کچھ بڑھی تو سکندر بولا۔

سکندر:::::آپ کی کیفیت میں سمجھ نہیں پارہا ہوں۔۔

آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ہے پر آنکھوں میں انسو۔
اگر آپ ٹھیک نہیں ہے تو ہم یہاں سے چلتے ہیں۔
سکندر گویا زیمل کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھتے نتیجہ آخذ کرتا بولا

زیمل:::: نہیں۔

میں ٹھیک ہوں۔آپ جانتے ہیں۔جب یوں اچانک زندگی اُن جگہوں کا دیدار کروادے جو آپ کے بہت دل کے قریب ہو تو انسان پر یہی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

دل کی دھڑکنوں میں اس قدر اضافہ ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی کیفیت خود بھی نہیں سمجھ پاتا۔

سکندر::: میں نے اپنی زندگی میں ایسی کیفیت خود پر کبھی طاری ہوتی نہیں دیکھی۔

زیمل:::::: محبت جب شدت اختیار کرتی ہے تو اُس وقت انسان پر یہ کیفیت طاری ہونا لازم ہو جاتی ہے۔

یہ جگہ میرے دل کے بہت قریب ہے جب سوچتی ہوں کہ میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے تو ایک عجیب سی خود میں کیفیت بدلتی محسوس ہوتی ہے۔

وہ سامنے آپ دیکھ رہے ہیں وہ قبۃ الصخرۃ ہے۔جو خلیفہ عبدالمالک میں دور میں تعمیر کی گئی۔

سکندر::::: مسجدِ اقصیٰ کہاں ہے؟؟؟

زیمل::: وہ کالے گنبد کو آپ دیکھ رہے ہیں وہ در حقیقت مسجدِ اقصیٰ ہے مسلمانوں کا قبلہ اول۔

سکندر مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کو دیکھ کر بہت حیران ہوا کیوں کہ قبۃ الصخرۃ کے مقابل مسجدِ اقصیٰ کی حالت کچھ خراب تھی۔

سکندر:::: تو یہ وہ جگہ ہے جہاں یہودیوں کے مطابق ہیکل موجود تھا۔

زیمل::: جی۔۔

اور پھر سکندر اور زیمل مسجدِ اقصیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں جگہ جگہ درخت موجود تھے۔

وہ جگہ رات کے اندھیرے میں بھی جگمگا رہی تھی۔اور لوگوں کی بھی خاصی موجودگی وہاں موجود تھی۔

سکندر:::: یہ جگہ تو کافی رقبے میں پھیلی ہے۔مجھے لگا تھا کہ یہ مسجد صرف ایک داخلی دروازے پر مشتمل ہو گی۔

مگر اوپر سے منظر دیکھنے پر چاروں اطراف سے اس میں داخلے کی اجازت ہے۔

زیمل:::: یہ مسجد تین اور مسجدوں سے گھیری ہوئی ہے۔

سکندر:::: ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ اس جگہ سے کافی وابستہ ہیں۔

زیمل:::: نہیں بس یادوں کے ساتھ اس جگہ کے واقعات میرے ذہن میں ذہن نشین ہیں۔

سکندر:::: یہ کیا ہے۔؟؟؟

اچانک سکندر چلتے ہوئے ایک جگہ رُک گیا۔

ابھی وہ قبۃ الصخرۃ کے پاس ہی پہنچے تھے جہاں آگے اُنہیں کچھ دور مسجدِ اقصیٰ نظر آرہی تھی۔

مگر قبۃ الصخرۃ کے کچھ پاس ایک مینار نے اُس کی توجہ کھینچ لی۔ وہ واحد ایسی جگہ تھی جہاں ایک شخص ہی نماز ادا کر سکتا تھا۔

سکندر::::: وہ مسجدِ اقصیٰ آگے ہے تو یہ یہاں جگہ کیوں بنائے گئی ہے۔

سکندر::::: آپ جانتی ہیں اس کے بارے میں کچھ ؟؟؟

سکندر تجسس کے ساتھ سوال کرنے لگا تو زیمل جواب دیتی بولی

زیمل::::: وہ اوپر تختی دیکھ رہے ہیں

یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کی امامت کروائی تھی۔

سکندر اُس جگہ کی کافی حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

سکندر::::: مجھے لگا تھا کہ کوئی ایسی جگہ ہو گی جہاں کھولا میدان ہو گا اور صفین بنی ہو گی۔

زیمل سکندر کی بات پر مسکرائی اور بولی۔

زیمل:::::اُس وقت شاید یہ جگہ کھولے میدان کی طرح ہو۔

مگر ابھی یہ مینار اور اس میں موجود یہ جگہ اس بات کی علامت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں کھڑے ہو کر امامت کروائی تھی۔

سکندر::::: یہ جگہ باقی مسجدوں کی تعمیرات سے کافی مختلف ہے۔

اور پھر یہ کہتا وہ زیمل کے ساتھ آگے کو چلنے لگا۔

کچھ آگے چلتے ہوئے وہ دونوں مسجدِ اقصیٰ کے پاس پہنچ گئے۔

سکندر اُس مسجد کو دیکھنے لگا جس تعمیر کافی پرانی معلوم ہو رہی تھی۔

سکندر::::: یہ مسجد تو بہت قدیم لگ رہی ہے۔ جیسے عربوں کے زمانے کی ہو۔

زیمل:::: مسجدِ اقصیٰ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔

اور اس شہر کی تاریخ اُس سے بھی پرانی۔

سکندر:::: کیا مطلب،؟

زیمل::::: یہ شہر کوئی عام شہر نہیں ہے۔یہ جگہ جتنی ہم۔ مسلمانوں کے لیے اہمیت کی حامل ہے۔

اُسے طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بھی۔

سکندر::::: عیسائیوں کے لیے کیوں؟؟؟

زیمل::::: یہ جگہ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش بھی تصوّر کے جاتی ہے۔ میرے بابا بتاتے تھے کہ یہاں بہت سارے نبیوں کی قبریں مبارکہ موجود ہے۔

آپ جانتے ہیں۔اس جگہ کو القدس بھی کہا جاتا ہے۔

اور یہ جگہ ہم مسلمانوں کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر کا تحفہ ہے۔

اور القدس ہم مسلمانوں کی میراث ہے۔القدس ہمارا دل ہے۔اور ہمارے دلوں کا قدس کے ساتھ دھڑکنا ہماری عزت وناموس کی علامت ہے۔

اور یہ کہتے زیمل کی آنکھوں سے انسوں نمودار ہو گئے۔

زیمل::::اللہ اپنے نبی کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کر دے اس تحفے کی حفاظت کرے۔

اور سکندر مقابل میں کھڑی اُس لڑکی کو دیکھنے لگا جو اپنا چہرہ مسجدِ اقصیٰ کی طرف دیکھ انسوں بہا رہی تھی۔

اور پھر وہ کچھ دیر وہاں پاس ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔

جمشید باہر کھڑا اُس جگہ پر بھاؤ کی موجودگی کا سوچ رہا تھا۔

جمشید::::بھاؤ تو کبھی مسجد میں نہیں گئے پھر یہاں تک کیسے آ گئے؟

جمشید خود سے سوال کرتا بولا۔

اُسے بھاؤ میں بہت کچھ بدلتا نظر آ رہا تھا۔

جمشید کے ساتھ باقی آدمی بھی کچھ فاصلے پر کھڑے سکندر کے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

جمشید کی آنکھوں میں نیند واضح نظر آ رہی تھی۔ مگر اُس کی سوچوں کا پہرہ اُس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

اچانک جمشید کچھ فاصلے پر کھڑے ایک آدمی کی حرکت پراسرار لگی تو وہ اُسے دیکھنے لگا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جمشید پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

جمشید اُس آدمی کی نظروں کو نظر انداز کرتا اپنے دیہان میں کھڑا ہو گیا۔

اچانک دور کھڑے اُس آدمی کا فون بجنے لگا تو وہ فون اور مصروف ہو گیا۔

اور جس کی وجہ سے جمشید کی نظروں نے بھی اُس سے اپنا رخ پھیر لیا۔

زیمل عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے قبۃ الصخرۃ میں جا چکی تھی۔

قبۃ الصخرۃ کی جگہ عورتیں کے نماز ادا کرنے کی ہے۔

اور سکندر زیمل کو اُس جگہ داخل کرتا مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں چکر کاٹنے لگا۔

سکندر اُس جگہ کو دیکھنے لگا۔ مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں چکر کاٹتے کاٹتے وہ کچھ آگے نکل گیا۔

وہ چلتے چلتے نجانے کن خیالوں کی گرفت میں تھا جہاں اُس کے قدم اُسے مسجدِ براق کی طرف لے گئے۔

وہاں دو آدمی کھڑے اُس مسجد کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور دونوں بات کرنے کی زبان عربی تھی۔

سکندر اُن کی باتوں کو کچھ فاصلے پر کھڑا سننے لگا۔

کیوں کہ سکندر عربی زبان جانتا تھا۔

آدمی::::"""""هذا المكان هو المكان الذي أوقف فيه محمد بن عبد الله عربته"""""

یہ جگہ وہ جگہ ہے جہاں محمد ابنِ عبداللہ نے اپنی سواریِٔ بُراق کو کھڑا کیا)))
تھا((

""""وعلى هذا الجانب يوجد المسجد السابق"""""

اور اس طرف آگے مسجدِ قبلی ہے

دوسرا آدمی:::مَاشَاءَ ٱللّٰهُ،مَاشَاءَ ٱللّٰهُ

پہلا آدمی::كانت لدي رغبة كبيرة في القدوم إلى هذا المكان. في العام الماضي فقط ذهبت لأداء فريضة الحج

میری بڑی خواہش تھی کہ میں اس جگہ آؤ۔ابھی پچھلے سال میں حج پر گیا))
تھا)))

اور سکندر اُن کی باتوں کا کچھ حصہ سن کر واپس مسجدِ اقصیٰ کی طرف بڑھ گیا۔
اُس دل کو اُس جگہ پر خاصا سکون محسوس ہو رہا تھا۔
آس پاس لوگوں کو دیکھتے دیکھتے سکندر واپس اُس جگہ پر آگیا جہاں اُس نے زیمل کو چھوڑا تھا۔
زیمل اب تک قبة الصخرة سے باہر نہیں آئی تھی۔ سکندر وہی کھڑا اُس کا انتظار کرنے لگا۔
وہ مسلسل اُس سنہری گنبد کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے دماغ میں،،اُس کے دل میں کیا چل رہا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔

اور پھر اُس کے کانوں میں اُس کی ماں کی آواز گونجی

ماہِ نور:::::: کبھی ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ رب کے روبرو تمہاری ماں شرمندہ ہو۔

اپنے دل کو اس قدر کشادہ رکھنا کہ تم اپنے رب کی قربت کو پالو۔

اچانک سکندر کے کانوں میں چیخوں کی آوازیں گونجی۔ جو اُس کے ماضی کو اُس پر حاوی کر گئی۔

اس سے پہلے کہ سکندر پر وہ ماضی کا منظر حاوی ہوتا اچانک سامنے کے منظر نے اُس ماضی کے منظر کو اُس کے ذہن کی سے زمیں سے نکل کر کسی دوسرے منظر کا میں اُسے قید کر دیا۔

سامنے سے نکلتی زیمل اُس کو چمکتے موتی کی طرح لگ رہی تھی جسے سمندر کے پانی سے نکل کے سورج کی کرنوں میں دیکھنے کے لیے رکھا ہو۔

نہ جانے کیسے اس کے چہرے پر اس قدر نور تھا جو رات کے اندھیرے میں بھی سکندر کے دل میں روشنی کر گیا تھا۔

وہ سکندر کو ایک نظر دیکھ آگے کو بڑھنے لگی اور پھر وہ چلتی ہوئی سکندر کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

زیمل:::: آپ ٹھیک ہیں؟؟؟؟

سکندر زیمل کی آواز اور ہوش کی دنیا میں آیا۔

سکندر:::: ہاں۔۔۔۔جی۔۔۔میں۔۔۔۔ٹھیک ہوں

اور پھر یہ کہتے سکندر نے زیمل کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

.اور پھر مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں وہ بیٹھے سنہری گنبد کو دیکھنے لگے

شاید سکندر کے لیے آج کا دن اُس کی زندگی کے چند ایک خوبصورت دنوں میں سے ایک تھا ورنہ جس شطرنج کا کھیل وہ کھیل رہا تھا وہاں خود کو مات دینے والا بھی وہ خود ہی تھا اور جیتنے والا بھی وہ خود۔

ایک طرف اُس کا ماضی تھا تو دوسری طرف اُس کا حال۔

پیادوں کے اس کھیل میں سکندر کن گھوڑوں کی چل سے کس بادشاہ کو مات دینے والا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔

کیوں کہ شطرنج کے اس کھیل کے آخر میں فیصلہ صرف شہ اور مات پر ہونا تھا۔

اور رانی تو وہ پہلے سے ہی جیت چُکا تھا البتہ شطرنج کا یہ خونی کھیل ابھی باقی تھا۔

باس لوسیفر کے آدمی یورو شیلم پہنچ چکے ہیں۔۔۔

وہ اکیلا نہیں ہے۔ کیا ہم حملے کریں یا نہیں۔

یوکارس:: پیچھا کرو اور جہاں موقع ملے اُسے اُس کے آدمیوں کے ساتھ بھیانک موت کے گھاٹ اتار دینا۔

ٹھیک ہے باس۔

اور پھر یہ کہتے وہ فون بند کر گیا۔

جمشید ابھی تک موجودہ حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ابھی کہ وہ مزید اور کچھ سوچتا سامنے سے اُس نے سکندر اور زیمل کو باہر آتا دیکھا۔

اور گاڑی کے بونٹ سے اٹھتا آگے کو بڑھا۔

جمشید:::: بھاؤ...

سکندر جمشید کی بات کو نظر انداز کرتا زیمل کو اندر بیٹھانے لگا۔

زیمل کو اندر بیٹھاتے ہی سکندر زیمل سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر:::::آپ کو جمشید گھر لے جاتا ہے مجھے کچھ کام ہے میں بھی کچھ دیر تک نکل جاؤں گا۔

۔زیمل سر کو ہاں میں ہلاتی سکندر کی بات مان گئی جب کہ اُسے سکندر کے بات کرنے کے انداز میں تبدیلی دکھائی دی۔

اور سکندر دروازے کو بند کرتا جمشید کی طرف بڑھا۔

جمشید:::: بھاؤ آپ کیوں نہیں جا رہے۔۔

سکندر:::::: میری بیوی کی حفاظت تمہارے حوالے ہے اُسے کچھ ہونا نہیں

چاہیے۔

سمجھ رہے ہو۔

جمشید::::: مگر بھاؤ ہوا کیا ہے؟

سکندر':::جو کہا ہے وہ کرو زیمل کو کچھ ہوا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

گاڑی تمہاری رکنی نہیں چاہیے۔

باقی یہاں کا کام میں خود دیکھ لوں گا۔

اب جاؤ یہاں سے جلدی۔

جمشید::::: مگر بھاؤ آپ کو کیسے۔

سکندر:::::: جمشید تمہیں میری بات سمجھ نہیں آرہی

جاؤ تم۔

سکندر ہلکی آواز سے جمشید پر غرایا اور اگلے ہی پل میں جمشید گاڑی میں بیٹھ

گیا۔

باس لوسیفر کسی لڑکی کے ساتھ نکلا ہے۔اور اُس لڑکی کو اُس نے اپنے ایک آدمی کے ساتھ بھیج دیا ہے۔

یوکارس::::اس لڑکی کا پیچھا کرو اور اُسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔

.مگر باس لوسیفر۔؟؟

یوکارس::::وہ مل جائے گی تو لوسیفر بھی ہاتھ آ ہی جائے گا۔

ٹھیک ہے باس۔۔

\-

سکندر وہی دوسری گاڑی میں بیٹھتا جمشید کے پیچھے ہی اپنی گاڑی کو بڑھانے لگا

۔

اور وہی سکندر سے آگے ایک گاڑی اور موجود تھی جو جمشید کے پیچھے چلنے لگی۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ جو سکندر کا وجود صفحہ ہستی سے مٹانے آئے تھے وہ بھی سکندر کا پیچھا کرنے لگے۔

ابھی کے وہ دیکھ پاتے کے کون سی گاڑی میں زیمل ہے اور کوں سے گاڑی میں سکندر۔اُس سے پہلے ہی بیچ والی گاڑی کی ڈیکی سے ایک آدمی نے گاڑی کی نمبر پلیٹ پر چپکا اسٹیکر اتار دیا۔

اور دیکھنے والوں کی نظروں میں اب دو گاڑیاں ایک نمبر کی دیکھنے لگی۔

گاڑیوں کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ سڑکوں میں موجود سناٹا اُن گاڑیوں کی رفتار سے گونج اٹھا۔

اور پھر یوہی اس قدر تیز رفتار کے ساتھ دو گاڑیوں نے

آپنے راستے الگ کر لیے۔

ایک دائیں طرف مڑ گئی تو دوسری بائیں جب طاری گاڑی

نے مہارت کے ساتھ بیچ سڑک میں گاڑی کو گھوماتے ہوئے بیچو بیچ راستہ روکنے کے لیے چھوڑ دیا۔

اور وہ گاڑیاں جو سکندر کا پیچھا کرتی یہاں تک پہنچی وہ فوراً سے بریک لگاتی خود کو حادثے سے بچا گئی۔

اور پھر اس گاڑی میں سے اس قدر غصے کے ساتھ سکندر نکلا۔

وہ اس قدر غصے میں دیکھتا معلوم ہوا کہ جیسے آتش فشاں سے نکلتا لاوا ہو جو پل میں سب کو راکھ کر دینے کی خود میں چنگاری رکھتا اپنی گاڑی سے نکلا تھا۔

سکندر سڑک کے بیچوں بیچ اپنی گاڑی سے راستہ روکتا کھڑا ہوا تو

پیچھے سے آتی گاڑیوں میں یوکارس کے آدمی وہی سکندر کے اس انداز سے خوف زدہ ہو گئے۔

وہ تو سمجھ رہے تھے کہ بنا کسی سراغ کے وہ سکندر کا پیچھا کر رہے ہیں۔

مگر سکندر کی اگلی چال سے اُن کی ہوائیاں اڑ گئی۔

سکندر اپنے روب دار انداز میں کھڑا سامنے سے آتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہی اُن دو گاڑیوں میں سے ایک گاڑی جو پچھلی گاڑی سے آگے تھی۔

اس نے بہت مہارت کے ساتھ اپنی گاڑی کا رخ بدلتے ہوئے خود سے پچھلی گاڑی کا راستہ روک دیا۔

اور پچھلی گاڑی اُس گاڑی کے اس اچانک موڑ بدلنے پر ٹکراؤ کا شکار ہو گئی۔

ابھی کہ سب کچھ سنبھالتا وہی گولیوں کی برسات شروع ہو گئی۔

پچھلی گاڑی میں موجود آٹھ لوگ آگلی گاڑی میں سے آتی گولیوں کی برسات پر پریشان ہو گئے

وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یہ سب ہوا کیا ہے۔

وہی وہ گاڑی کے ٹکرا جانے کے بعد سنبھالتے ہوئے گاڑی سے اپنے ہتھیاروں سے باہر کو نکلے۔

سکندر::::: سالے آج اپنی موت کے لیے خود یہاں تک آ گئے۔

ایک آدمی سکندر کی بات پر غصے سے سکندر کی بڑھا۔

وہی سکندر کے کچھ قریب جاتے ہی گولی کی آواز اُس سڑک پر گونجی۔

اور وہ وہی بے جان گر گیا۔

ایک آدمی جو ابھی دوسری گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

گولی کی آواز سے پچھلے کو موڑا تو اچانک اُس گاڑی سے نکلتے ایک آدمی نے ایک ٹانگ مارتے ہوئے اُسے خود سے دور پھینکا۔

وہاں اس قدر ہل چل کے باعث یہ سمجھنا مشکل۔ہو گیا تھا کہ کوں کس کی طرف ہے۔

اوئے تو نے اپنی آدمی کو گولی کیوں ماری۔اندھا ہے تو

ایک آدمی دوسرے کی طرف چیلا کر بولا۔

وہی اُس کے یہ کہتے ایک گولی اُس کے دماغ کے آر پار ہو گئی۔اور وہ کھلی انکھوں سے وہی گر گیا۔

سکندر وہی سامنے کو منظر کو دیکھتا گاڑی کے بونٹ اور بیٹھ گیا۔اور بولا۔

سکندر:::::اُو پس یہ تو دھمکی دیے بغیر ہی چل بسا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں یو کارس کے اپنے ادمیوں نے خود کے لیے خود جنگ کا میدان بنا دیا۔۔

اُن میں سے ایک آدمی جس نے ابھی گولی اُس آدمی کے دماغ پر چلائی تھی سکندر کو دیکھتے ہوئے نظروں سے سلام کرنے لگا۔

مارو کتوں کو دھوکے باز نکلے یہ لوسیفر کے ساتھی ہیں۔

اُن میں سے ایک آدمی دوسروں کو حکم دیتا بولا۔

اور پھر سکندر نے گاڑی کے بونٹ پر بیٹھے دو کے مقابل میں چھے ادمیوں کی لڑائی کا مزا لیا۔

اور جس بے دردی کے ساتھ اُن کو موت کے گھاٹ اتارا گیا سکندر اُس انداز پر تالیاں بجانے لگا۔

سکندر::::: دنیا مجھے اچھا بننے نہیں دے گی اور تم لوگوں کی موت کو ٹلنے نہیں دے گی۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے صرف یو کارس کا ایک آدمی زندہ بچا۔

جسے دو آدمی گھسیٹتے ہوئے سکندر کی طرف لے کر آئے۔

سکندر اُس آدمی کی دیکھنے لگا جو خوں میں لت پت ہوا مرنے کی کگار پر تھا اور

پھر بولا۔

سکندر:::: تم حرام خوروں نے لوگوں نے اسے اتنا کم کیوں مارا؟؟؟؟

سالے کی ابھی تک سانسیں کیوں چل رہی ہیں۔

سکندر اُس کا چہرہ اپنی ہاتھوں میں دبوچتا بولا۔

سکندر:::: دیکھ میری طرف تیری ایک غلطی تُجھے کس مقام پر لے آئی۔

اچانک فون بجنے لگا۔

وہی سکندر کے ایک اشارے پر سکندر کے ایک آدمی نے اُس کی جیب سے

فون نکلا اور سکندر کو تھما دیا۔

سکندر:::: دشمن کی چال پر پہرہ لگانے والا یوکارس اپنی چال میں خود پھنس

گیا۔

لو بات کرو۔

سکندر وہی اُس آدمی کے منہ پر فون مارتا بولا۔

ایک آدمی نے اُس فون جو اٹھاتے ہوئے فون کو اٹھایا اور اسپیکر پر کرتے اُس خون میں لت پت آدمی کے آگے کر دیا

ب۔۔۔ا۔۔۔س۔۔۔ب۔۔۔ا۔۔س۔۔مو۔۔۔موج

مجھے۔۔۔ب۔۔۔ب۔۔۔بچ۔۔۔ا۔۔۔لیں۔۔

لڑکی ملی کہ نہیں؟؟؟؟؟ وہ چیلا کر بولا

لو۔

ابھی کہ وہ آدمی اپنی بات مکمل کرتا۔

سکندر نے بندوق کو لوڈ کرتے چھے کی چھے گولیاں اُس کے چہرے پر بھر دی اور وہ آدمی وہی بے جان پھٹے چہرے کے ساتھ خون کی بے لگام روانی کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔

اور ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

بھابھی آپ کو کچھ چاہیے ؟؟

جمشید زیمل کی خاموشی میں موجود بے چینی کو محسوس کرتا بول۔

زیمل::::: نہیں۔۔۔ہم کب تک پہنچ جائیں گے ؟

جمشید:::: بھابھی چار گھنٹوں تک۔

زیمل جمشید کی بات اور خاموش ہوئی تو بولی۔

زیمل:::: وہ نہیں آئے۔

جمشید::::: آپ پریشان نا ہو بھاؤ ہنری گھر پہنچنے تک آجائیں گے۔

زیمل::::: مگر مجھے

ابھی کہ زیمل اپنی بات مکمل کرتی ساتھ ہی فون بجنے لگا۔

جمشید فون کو دیکھتے بولا

جمشید::: 'بھابھی ایک منٹ۔

جمشید::: جی بھاؤ۔

سکندر::::: سب ٹھیک ہے ؟؟؟؟

جمشید::: جی بھاؤ سب ٹھیک ہے۔

مگر بھابھی پریشان ہے کافی۔

سکندر جمشید کی بات پر مسکرایا اور پھر بولا

سکندر:::: بات کرواؤ میری۔

جمشید::: جی بھاؤ میں کرواتا ہو۔

یہ لیں بھابھی بھاؤ کا فون ہے۔ اور پھر زیمل فون کو پکڑتے دیکھنے لگی۔

اور اگر کان سے لگا کر خاموش ہو گئی۔

سکندر::::: آپ پریشان ہیں؟

زیمل:::: نہیں.... بس فکر ہو رہی تھی۔

سکندر:::: اسے پریشان ہونا ہی کہتے ہیں ویسے میں بس ایک کام نبٹا کے نکلنے

ہی والا ہوں۔

آپ فکر نہ کریں۔ جمشید میرا بہت بھروسے والا بندہ ہے۔

آپ کو خیریت سے گھر پہنچا دے گا۔

میں صبح ہونے تک گھر آجاؤ گا۔

زیمل::::::اپنا خیال رکھیے گا۔

سکندر زیمل کے منہ سے نکلے یہ الفاظ سن کے مسکرایااور پھر بولا۔

سکندر::::: نہیں اگر اپنا خیال خود رکھو گا تو آپ کی توجہ کھو دوں گا۔

آپ پریشان نا ہو میں بھی بس نکلنے لگا ہوں۔

زیمل:::: ٹھیک ہے۔

سکندر:::: جب تک آپ کے پاس نہیں ہو آپ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

زیمل سکندر کی بات اور صرف ہ کر سکی۔

سکندر:::: جمشید کو فون دیجیے گا۔

زیمل وہی فون کو جمشید کو پکڑاتے ہوئے بولی۔

زیمل:::: یہ لیں

جمشید فون کو پکڑتے بولا

جمشید؛:::جی بھاؤ۔

سکندر:::::میں کچھ دیر میں نکلنے لگا ہوں تم ویلہ پہنچ کر مجھے اطلاع دے

دینا۔

اور اپنی کان اور اپنی آنکھوں جو کھولا رکھنا سمجھے۔

جمشید:::جی بھاؤ میں سمجھ گیا ہوں۔

آپ ٹھیک ہیں؟

سکندر:::::ہاں میں ٹھیک ہوں تم پوری احتیاط کے ساتھ میری بیوی کی با

حفاظت پہنچنا ورنہ تمہیں میرا پتہ ہے

سمجھ گئے ہوں نہ۔

جمشید:::جی ٹھیک ہے بھاؤ۔

اور پھر یہ کہتے سکندر نے فون کاٹ دیا۔

سکندر بونٹ پر بیٹھا بولا۔

سکندر:::::یو کارس کی لوکیشن کا پتہ کروا ابھی اسی وقت۔

وہی ایک گاڑی سکندر کو اپنے پیچھے سے آتی محسوس ہوئی۔

سکندر گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا بولا۔

سکندر::::اسے کس نے بتایا ہے ؟؟؟

سر میں نے۔

اور اگر ایک آواز سکندر کے کانوں سے ٹکرائی

اب ایسی بھی کوئی بے رُخی اچھی بات نہیں ہے۔ تمہارا بچپن کا دوست ہوں اتنا تو حق بنتا ہے کہ تمہاری خیر خبر رخ سکو۔

سکندر:::: جہانگیر اپنا منہ بند کر لے ورنہ یہی اسی سڑک کے کنارے پر توڑ کر پھینک دوں گا۔

جہانگیر::: خیر تم دونوں جاؤ اور جا کر اس جگہ کی صاف صفائی کرو۔ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگاؤ۔

جہانگیر اُن دونوں سے مخاطب ہوتا بولا

اور پھر وہ اُس کی بات کو حکم سمجھتے وہاں سے چلے گئے۔

جھانگیر:::::کبھی تو پیار سے بول لیا کر۔ یا صرف بھابھی سے ہی بولتا ہے۔

سکندر نے جھانگیر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا

جہانگیر::::کیا ہوا ہے؟؟؟کچھ بولے گا نہیں۔۔تو تو ایسے پریشان ہو رہا ہے جیسے یہ حملے تجھ اور پہلی بار ہوا ہے۔۔

کچھ بول تو سہی ہوا کیا ہے؟؟؟

سکندر:::::سوچ رہا ہوں کیا شادی کر کہ میں نے اُس لڑکی کو کسی مشکل میں ڈال دیا ہے؟

جہانگیر::::تو ایسے کیوں بات کر رہا ہے۔۔۔کیا کچھ ہوا ہے؟

سکندر::::یہ میرے پیچھے نہیں میری بیوی کو پکڑنے آئے تھے۔

جہانگیر:::::دیکھ سکندر تو پریشان کیوں ہوتا ہے کچھ ہوا تو نہیں نہ

سکندر::::خیر تیرے یہ آدمی کسی کام تو آئے میرے۔

جہانگیر:::::یوکارس کچھ نہیں کر سکتا۔فلحال تو اُسے چھوڑ دے اور باقی کاموں کی طرف توجہ دے۔

سکندر:::: نہیں ڈسنے والے سانپ کو چھوڑ دیا تو اگلے بار اُس کا زہر برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔

بات میری ہوتی تو کو دیتا مگر بات میری بیوی کی ہے۔

اُسے تو اب میں بتاؤں گا۔

جہانگیر::::::: دیکھ میری بات سن تو یہاں کی فکر نہ کر میں یہاں سب دیکھ لوں گا۔

سکندر:::: نہیں۔اُس کی ہمّت بھی کیسے ہوئی اُس کا تو میں اب وہ حال کروں گا کہ وہ یاد رکھے گا۔

جہانگیر:::: دیکھ میری بات سن ابھی تُجھے بھابھی کے پاس ہونا چاہیئے وہ پریشان ہو گی۔

تو یو کارس کو چھوڑ میں صبح اُس کا انتظام۔ کرتا ہوں۔

تجھے میرے پر یقین ہے نہ۔

سکندر:::: نہیں.

میں نے کہا ہے نہ کہ میں اُسے خود مارو گا تو بس۔

تو مجھے اس کی موجودہ لوکیشن بتا۔

میں جس قدر اپنا عصاد با کر بیٹھا ہوں مجھے خُدا کی قسم ہے اُس انسان کا میں وہ حال کروں گا کہ وہ کیا کوئی بھی میری بیوی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں کرے گا۔

سکندر صالح ماہِ نور کا بیٹا ہے وہ اپنی بیوی کی حفاظت کے لیے اُس ایک آدمی کو کیا اس پوری دنیا کو آگ لگا سکتا ہے۔

جہانگیر::: سکندر نو سال پہلے کی تاریخ کو دوبارہ نئے اوراق کے ساتھ اپنی زندگی سے جوڑنے کی کوشش نہ کر۔

تو جانتا ہے کہ بھابھی ابھی یہ سب نہیں جانتی ہے۔ تو ابھی یہاں سے گھر جا میں یہ کام دیکھ لیتا ہوں۔

سکندر زیمل کا سوچ کر خاموش ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زیمل اُس کی بھیانک حقیقت کے ماضی کو جان کر اُسے تنہا چھوڑ جائے۔

سکندر:::::: ٹھیک ہے۔

جہانگیر کی بات پر آج پہلی بار سکندر نے ٹھیک ہے کہا تھااور جمشید سکندر کے ٹھیک ہے کو سنتے ہوئے اپنے انداز کو بدلتا ہوا بولا

جہانگیر:::::: اووووووووٹھیک ہے کہا. وہ بھی سکندر بھاؤ نے؟

وہ بھی مجھ جیسے کو؟

لگتا ہے بھابھی کے آنے کا اثر تُجھ پر ہو گیا ہے۔

جہانگیر سکندر کو دیکھ کے بولا۔

تو سکندر زیمل کے نام پر بلکل ہلکا سا مسکرا دیا۔

جہانگیر:: ویسے آج کچھ سکندر بھاؤ بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔

.اندازِ گفتگو بھی مختلف ہے اور چہرے کی رونقیں بھی خاصی پر لطف ہیں

خیریت ہے؟؟؟

سکندر:::: اپنی یہ بکواس بند کر اور چلتا بن۔

جہانگیر:::::وہ تیرا چمچہ جمشید تیری بیوی سے زیادہ تیرے لیے پریشان ہے۔

تو ایک کام کیوں نہیں کرتا اُسے گود لے لے۔ تیری اتنی فکر کرتا ہے مگر تو پھر بھی اُس سے خوش نہیں ہوتا۔

سکندر:::: یہ وفاداری ہے۔

.جہانگیر:::: ہمیں تو ایسی وفاداری نہ مل سکی

چل اب اٹھ جا اس سے پہلے کہ وہ تیرا جمشید فون کے کہ مجھ سے پوچھے کہ اُس کے بھاؤ کا حال کیسا ہے۔

ویسے جیسا بھی ہے حیرانگی کے قابل ہے۔

مختلف انداز مختلف گفتگو راز

سکندر:::::اپنا منہ بند کر لے کہ اس سے پہلے کہ نے واقع توڑ دوں۔

جھانگیر:::::ہر بار توڑنے کا ہی بولتا ہے کبھی جوڑنے کا بھی بول لیا کر۔

سکندر::::جو جوڑنا تھا وز ور لیا البتہ تیرا منہ میرے سے ضرور ٹوٹ جانا

ہے۔

اور پھر یہ کہتے سکندر اور جمسٹی دونوں اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے اور غزہ کی

طرف روا ہو گئے۔

یوکارس اپنے کمرے میں بیٹھا اب تک آنے والی خبر کے انتظار میں تھا۔

باہر سے ایک آدمی اندر آتا بولا۔

باس باہر وہ۔۔

ابھی کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا۔

پیچھے سے آتی ایک لڑکی کو اندر داخل ہوتا دیکھ یوکارس اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا

اور پھر بولا۔

یوکارس:::ستللہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

ستللہ:::تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے تمہیں پتہ نہیں

یوکارس::::: تم ابھی واپس جاؤاور ڈیزی کہاں ہے ؟

ستللہ:::: تم یہ اب چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔

یوکارس::: ستللہ ہم اس پر پہلے بھی بات کر چُکے ہیں۔

ستللہ:::: تم سمجھتے کیوں نہیں ہو لوسیفر تمہیں مار دے گا۔ میرا اور ڈیزی کا تمھارے سوا ہے کون۔

یوکارس::: ستللہ مائے بے بی۔ کام ڈاؤن سب ٹھیک ہے۔
تم بیٹھو۔

ستللہ:::: مجھے نہیں بیٹھنا۔ تمہیں تو بس لوسیفر کی جگہ پر قبضہ کرنا ہے اُس کے لیے بیشک تمہاری بیوی اور بیٹی مر جائیں تمہیں کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔

ہم۔ پچھلے دو سال سے الگ رہ رہے ہیں مگر تمہیں ان باتوں کی تو کوئی پرواہ ہی نہیں۔

میں کہاں ہو میری بیٹی کہاں ہے؟ ازاٹ لوک لایک آ فیملی؟؟؟

ڈو یو نو واٹ آ ہیٹ یو۔

اور یہ کہتی ستللہ وہاں سے روتی چلی گئی۔

ابھی کہ ستللہ باہر نکلی ہی تھی اچانک اُس کی چیخ نے یوکارس کے کان کھڑے کر دیے۔

یوکارس ستللہ کی چیخ کو سنتا فوراً سے باہر کو نکلا۔

یوکارس::: ستللہ ستللہ۔۔۔ کیا۔

ابھی کہ وہ آگے کچھ کہتا کمرے سے باہر نکلتے ہی اُس کی زبان پر سامنے کا منظر دیکھ کر تالے لگ گئے۔

سکندر بہت آرام سے یوکارس کی پانچ سالہ بیٹی کو اپنی گود میں بیٹھائے بیٹھا تھا۔اور اُس کے بلکل پاس جہانگیر ایک الگ ہی خوش مزاج کے ساتھ کھڑا تھا۔

یوکارس:::: لو۔۔۔لوسیفر۔۔۔ تم۔۔۔ تم یہاں؟؟؟

سکندر جو بیٹھا ڈیزی کو دیکھ رہا تھا یوکارس کے سوال کو نظر انداز کر گیا۔

جب کہ ستللہ اپنی بچی کو لوسیفر کے پاس بیٹھا دیکھ چہرے پر ہاتھ رکھے انسو بہانے لگی۔

یوکارس::::::لوسیفر اپنے۔۔۔۔آنے کا۔۔۔۔بتا۔۔۔ہ

۔۔۔۔ہی۔۔۔دیتے؟

یوکارس بہت ہمت کرتا بولا۔

اچانک بچی کے آگے پڑے ایک کھلونے کو اٹھا کر سکندر نے بہت زور سے نیچے مارا۔ جس سے بچی ڈر کر رونے لگی۔

اور بہت حد تک ستللہ یوکارس کی بھی سانسیں رُک گئی۔

اور پھر بچی کو روتا دیکھ سکندر اپنے پاس پڑی بندوق کو پکڑنے لگا تو ستللہ کی چیخ نکل گئی۔

ستللہ:::لوسیفر نہیں۔۔۔۔پلیز نہیں۔۔۔میری بیٹی کا کی قصور نہیں ہے۔

بندوق کو لوسیفر کے ہاتھوں میں دیکھ ستللہ پھوٹ کر رو کر بولی۔

ششششششششششش

سکندر؛:::

ششششششششششش

.آواز نہیں

سکندر چہرے کے تاثرات کو سخت کرتا بولا۔

اور پھر سکندر بندوق کو لوڈ کر لگا۔

جس نے سامنے موجود کھڑے یوکارس اور ستللہ کی جان نکل دی۔

ستللہ::::پلیز لوسیفر۔۔۔۔وہ۔۔۔ صرف ایک معصوم بچی ہے۔

اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

پلیز میری ب

سکندر ستللہ کی بات کو نظر انداز کرتا۔

بندوق کا رخ ڈیزی کی طرف کرتا بولا۔

سکندر::::لو اس سے کھیلو

سکندر اُس بچی کے ہاتھوں میں بندوق کو تھامتے بولا۔

جب کہ وہ بچی کو بندوق کو دیکھ خاموش ہو گئی

اور خوشی سے اُس کے ساتھ کھیلنے لگی۔

سکندر::::نہ نہ نہ اس سے ایسے نہیں کھیلا جاتا۔

کھیلنا چاہو گی۔

بچی سکندر کو دیکھ کر مسکرانے لگی اور پھر سکندر کی بات پر سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر بندوق کو پکڑتے اُس بچی کو سمجھانے لگا۔

اور ٹریگر پر انگلی رکھتے، نشانہ یوکارس پر باندھتے

اُس بچی کو دبانے کا بولا۔

سکندر::::شوٹ۔

بچی نے بھی ہنستے ہوئے اُس ٹریگر کو دبایا تو گولی یوکارس کے کندھے سے آر پار ہو گئی۔

البتہ اس منظر نے ستللہ گھٹنوں کے بل بیٹھا کر معافی مانگنے پر مجبور کر دیا۔

اور جہانگیر یہ منظر بہت آرام سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

ستللہ::::لوسیفر پلیز میری بیٹھی بے قصور ہے۔اُس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پلیز معاف کر دو۔

میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمھارے آگے۔۔ صرف ایک موقع دے دو۔

لوسیفر::::جس لڑائی میں معصوموں کو مقابل میں کھڑا دشمن خود کھینچے وہاں بے قصور کا قصور نہ بھی ہو تو بھی قیمت۔چکانی پڑتی ہے۔

اور اس کھیل کے اصول یوکارس بہت اچھے سے جانتا ہے۔

جو کیا ہے وہ۔ بھگتنا تو پڑے گا۔خون کے بدلے خون اور لڑکی کے بدلے لڑکی۔

یوکارس::::لوسیفر۔۔م۔۔۔میری بیوی اور بیٹی بے گناہ ہے اُنہیں اس میں نہ گھسیٹو۔

سکندر اس آخری بات پر اٹھا اور ایک زوردار موکا اُس کے چہرے پر مارتا بولا۔

سکندر::::کیا کہا ہے؟

ایک کے بعد ایک۔ کر مو کے سکندر اُس کے چہرے پر رسید کرنے لگا۔

سکندر::::: تیری ہمت بھی کیسے ہوئے اپنی ادمیوں کو میری بیوی کو پکڑ کر لانے کہ حکم دینے کی۔

اس بات نے ستللہ کے ہوش بند کر دیے۔اور یہ منظر دیکھ ڈیزی بھی رونے لگی۔

وہی ستللہ اپنی اُس منظر کو اپنی بیٹی کی آنکھوں سے چھپاتے روتے ہوئے اپنی بیٹی کی طرف بڑھی۔اور ہے خود کے سینے سے لگا کر رونے لگی۔

سکندر::: میری بات کو کان کھول کر سن لے یو کارس

تیری ایک اور غلطی تیری پوری فیملی کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرے گی۔

اگر اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کو زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتا ہے تو ایسی کوئی غلطی نا کری کہ میں یہ بھول جاؤ کہ کوں بے قصور ہے اور کوں قصور وار۔

یو کارس ساقدر موکوں کے وار کو کھاتے زمین پر گرا ہوا تھا۔

اور سکندر یہ کہتا ایک آخری ٹانگ اُس پیٹ پر مارتا انگلی کے اشارے سے خبر دار کرتا اپنی بندوق کی طرف بڑھا تو ستللہ فوراً سے سکندر کے پاؤں پکڑتے بولی۔

ستللہ:::: لوسیفر نہیں۔۔۔ پلیز۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایک موقع دے دو۔۔۔

مجھ پر اور بیٹی پر کچھ رحم کھالو۔۔

پلیز

وہی سکندر یکار س کو آخری بار انگلی سے خبر دار کرتے بولا۔

سکندر::: اپنی بیوی کے صدقے تمہاری اس حرکت کی معاف کرتا ہوں۔

ورنہ آج تمہیں کیا تمہاری اس بیوی کو بھی تمھارے کیے کی سزا کا انجام دیکھنا پڑتا۔

اور پھر سکندر نے اُسے کالر سے پکڑتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ایک اور غلطی کی تو تمہارا نام ونشان حسب نسب سب اس دنیا سے مٹادوں گا۔۔

اور پھر یہ کہتے سکندر وہاں سے چلا گیا۔

اور اس کے جاتے ہی ستللہ یوکارس پر چیخنے لگی۔

جہانگیر::::: میں نے کہا بھی تھا کہ میں دیکھ لوں گا۔ مگر ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ سکندر بھاؤ میری بات سن لے۔

سکندر بنا کسی تاثر دیئے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

جہانگیر::::: ہاں ہاں بھائی آپ کا تو سویگ ہی الگ ہے۔

سکندر:::: میں گھر جا رہا ہو۔اور تو اپنی یہ بکواس کو بندر کھا کر۔

جہانگیر::::: کبھی تو میرے سے پیار سے بات کر لیا کر۔

تیرا دوست ہوں تیری سوتن نہیں۔

سکندر:::: صبح میں جا رہا ہوں تو تو یہاں کے سارے معاملات پر نظر رکھنا۔

اور میں تجھ پر نظر رکھو گا مجھے کوئی کوتاہی نہیں چاہیے۔

جہانگیر:::: اچھا بھائی سمجھ گیا ہوں۔ ویسے اُس کام کا کیا بنا ہے جو تو مجھے کہہ رہا تھا۔

سکندر::::: جب تک میں واپس نہیں آ جاتا تو اُس گھٹیا انسان کا علاج کروائے گا۔

دوسری بات میں پھر سے کہہ رہا ہوں وہ مرنا نہیں چاہیے۔

تیسری بات یہ کہ اگر تو نے اس کام میں کوئی لاپرواہی کی تو حساب دینے کے لیے تیار رہنا۔

جہانگیر:::: اچھا اب ڈرا تو نہ۔

سمجھ گیا ہوں وہ مرنا نہیں چاہیے مگر جیسے تو سمجھا رہا ہے لگتا ہے اُسے زندہ رکھنے سے پہلے میں ضرور مر جاؤ گا۔

اور پھر اچانک جہانگیر کا فون بجنے لگا۔ جہانگیر فون جو دیکھتے ہی بول۔

جہانگیر:::: او بھائی تو ایک بار اس سے بات کر لے۔

اتنا تو بھابھی نہیں پریشان ہو گی جتنا کہ یہ تیرا جمشید پریشان رہتا ہے۔

سکندر:::: تو بس اپنے کام پر دیہان دے۔

صبح اُسے تیرے تک پہنچا دیا جائے گا۔اب میں چلتا ہوں گھر پر کوئی میرا اِنتظار کر رہا ہو گا اور پھر یہ کہتا سکندر اپنی گاڑی کو جہانگیر کے پاس سے نکالتا نکل گیا۔

اور جہانگیر سکندر کے اس انداز پر ایک بری سی شکل بنا کر بولا

جہانگیر:::::: ہر وقت ہیرو گری مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

معلوم ہے سکندر دی بلیک ڈیول اب ایک عدد بیوی بھی رکھتا ہے۔۔

اور ہم بیچارے آپ کے حکم کی تکمیل کے چکر میں شادی کرنا ہی بھول گئے۔

میری والی نجانے کہاں میرے انتظار میں بیٹھی کمزور ہو رہی ہو گی۔

اور یہاں اُس کو بیوی مل گئی جو شادی نہ کرنے کی باتیں کرتا تھا۔اور میں بیچارہ جو بچپن سے مانگ رہا ہوں۔پتہ نہ میری والی کو دنیا میں بھی بھیجا ہے کہ نہیں۔

کہی میں شادی کیے بغیر مر گیا؟!

نہیں نہیں اچھا اچھا سوچو اچھا اچھا ہو گا۔

اور پھر یہ کہتا جہانگیر اپنی گاڑی میں بیٹھتا کسی سوگ وار انداز میں بولا

جہانگیر::::::مل جائے گی۔مل جائے گی۔

اور پھر اچانک سے کسی احساس کے آگھیرنے اور بولا۔

نجانے کب ملے گی۔

زیمل جو کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

نیند نے اُس کی آنکھوں کو آگھیرا تھا مگر فجر کی نماز کو ادا کرنے کے لیے وہ آسمان کو دیکھنے لگی۔

اس احساس کو محسوس کرنے کے لیے اُس نے اپنی آنکھوں کو بند کیا۔

تو ایک چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔اُس چہرے کو دیکھتے اُس کے لبوں اور مُسکراہٹ آئی تو ڈر کر اُس نے اچانک اپنی آنکھوں کو کھول لیا۔

آس پاس وہ دیکھنے لگی۔اور پھر اپنی حرکت پر مسکرادی۔

ایک اہ بھرتے ہوئے اُس نے سامنے آسمان کو دیکھا تو بولی۔

بیشک تو انسان کو بہترین سے نوازتا ہے۔

اور انسان بیشک بہت بے صبرا ہے۔

اور پھر فضا میں اذان کی آواز گونجنے لگی۔اور پھر کچھ الفاظ اُس کے کانوں میں گونجے

زیمل انسان کی رہائی اُس کے نفس سے اُس وقت ممکن ہوتی ہے جب انسان اللہ کی رضا میں راضی ہو کر اُس کا شکر ادا کرتا ہے۔

اگر انسان کا قلب رب کی رضا پر راضی ہو جائے تو وہ جان لے کہ خدا اُسے کس بہترین مستقبل سے نوازنے لگا ہے۔

مگر انسان بہت بے صبرا ہو جاتا ہے۔ جس چیز میں وہ اپنی بھلائی تلاش کرنے نکلتا ہے ڈر حقیقت وہ اُس کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔اور آخر میں انسان کو شرمندگی اور خسارے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو پاتا۔

وہ سامنے درخت دیکھ رہی ہو۔اگریوں چلتے ہوئے اس کے پاس سے گزر جاؤ گی اور غور و فکر نہیں کرو گی تو نہیں سمجھ پاؤ گی کہ خدا کی تخلیقات میں انسان کے لیے کیا کچھ رکھا ہے۔

اور اگر یہی ٹھہر کر کچھ پل اس درخت پر غور و فکر کرو گی تو معلوم ہو گا کہ یہ درخت زندہ تخلیق ہے۔

جو ہر پل رب کا ذکر ادا کرتے ہیں۔

انسان بظاہر دھوکے کی زندگی میں رہ کر یہ بھول۔جاتا ہے کہ وہ ایک خاکی وجود ہے جس نے زمین کی خاک میں ہی مدفن ہونا ہے۔

زیمل میری جان میری بیٹی زندگی کو صبر کی نگاہ سے دیکھو گی تو زندگی جنّت نظر آئے گی۔

اور اگر زندگی کو نفس کی ہوس پرستی کے ساتھ گزرنا چاہو گی تو سب کچھ کھو کر بھی سب کچھ کھو دو گی۔

کیوں کہ انسان اچھائی اور برائی میں جب برائی کو چنتا ہے تو وہ ناشکرا ہو جاتا ہے۔

اور بے صبرا، ہوس پرست، حرص و ہوس کے ساتھ اُس کا نفس دنیا کے رنگین اور فحاش راستوں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

تو ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرنا خواہ کتنی ہی مشکل میں کیوں نہ ہو۔

زمانے سے رغبت مت رکھنا۔ رب کی ہو جانا اُس کے نبی صل اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کی انتہا کر دینا اور قرآن کو سینے سے لگا کر لبوں سے چوم لینا۔

کیوں کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز انہیں میں ہے۔

اور پھر زیمل کے لبوں سے اُس کے رب کے لیے کچھ الفاظ ادا ہوئے۔

اے اللہ تو ابراہیم کا خدا ہے۔

تو اسحاق اور اسماعیل کا خدا ہے۔۔

تو نے ہی یعقوب کو یوسف جیسا بیٹا عطا کیا۔

تو نے ہی موسیٰ کو فرعون کے دربار میں پالا۔

تو نے ہی یونس کو مچھلی کے پیٹ میں آیت کریمہ عطا کیا۔

تو نے ہی ایوب کو بیماری سے شفاء دی۔

تو نے ہی مریم کو بیٹا عطا کیا۔

تو نے ہی عیسیٰ کو بن باپ کے پیدا کیا۔

تو ہی مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے۔

تو ہی رب الکریم اور رب العالمین ہے۔

تو نے ہی میرے نبی سے محبت کا حکم دیا۔

تو نے ہی میرے نبی کو ملاقاتِ دید میں عرش پر بلایا۔

تو ہی ہر مصیبت زدہ کو مصیبت سے نکالنے والا ہے۔

تو ہی کائنات کو کن کہہ کر تخلیق کرنے والا ہے۔

زیمل تیرے سوا کچھ نہیں۔ خاک نشین بھی نہیں۔ وجودِ خلق بھی نہیں۔

زیمل تیری شکر گزار ہے۔ تیری نعمتوں کی بارش کو خود اور محسوس کرتی ہے۔

آنکھوں سے یہ بہتے انسوں بھی تیری عطا ہے۔

تو نے میرے نبی کی محبت کو میرے دل میں ڈالا ہے۔

تو نے ہی مجھے محبّت والوں میں شامل کیا ہے۔

کٹ جائے میرا سر بھی تو بھی تیری نعمتوں کا شکر ادا نہ کر سکو۔

دل کو رکھ کر تیری محبت میں وہ الفاظ تک نہ بیان کے سکو۔

مجھ جیسی کو تو نے یہ انعام دیا۔

میرے سینے سے قرآن کو لگا کر میرے دل کو قرار دیا۔

زیمل تیرا شکر کیسے ادا کرے زیمل تو خاک نشین ہے۔

تو تو خالق کل ہے تو ہی میرا رب الکریم ہے۔

اور پھر کتنی ہی دیر وہ سامنے آسمان کو دیکھتی رہی۔

اور پھر وہ نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرنے چلی گئ۔

زندگی کا ہر پل خوبصورت اور پر سکون ہوتا ہے اگر قلب میں راحت کا سبب اللہ کے ذِکر کی بدولت ہو۔

جو صرف نماز اور قرآنِ پاک کے زریعے ممکن ہے

سکندر گھر کی راہدری سے ہوتا ہوا اندر کی طرف داخل ہوا اور پھر اوپر کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے کے قریب جاتے ہی اُس کے قدموں نے ادب کا دامن تھاما اور پھر وہ دروازے کو کھولتا اندر داخل ہو گیا۔

سامنے کے منظر کو دیکھ اُس کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا تو وہ دروازے پر کھڑا اُس منظر کو دیکھنے لگا۔

سامنے بیڈ پر لیٹی زیمل اپنے سر کو سفید بڑی چادر سے ڈھانپے سینے سے قرآن کو لگائے سو چکی تھی۔

اس کے چہرے کو دیکھ سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تو وہ دھیرے سے زیمل کی طرف بڑھا۔

دبے قدموں کی چھاپ کو بھی چھوڑے بغیر وہ زیمل کے قریب آکر کھڑا ہوا تو اُسے مسکراتا دیکھنے لگا جو شاید قرآن کی تلاوت کے بعد قرآن کو سینے سے لگائے سو چکی تھی۔

وہ سکندر کو اس قدر خوبصورت اور معصوم لگ رہی تھی جیسے وہ آسمانوں سے اُس کے لیے اتر کر آئی ہو۔

سکندر زیمل کے چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد اُس کتاب کو دیکھنے لگا جسے زیمل سینے سے لگائے نیند کی وادیوں میں اُتر چکی تھی۔

اور پھر کچھ سوچتے وہ زیمل کے اوپر چادر دیتا اُس کے پاس پڑی ایک کُرسی کو اُٹھا کر بیڈ کے پاس رکھتا بیٹھ گیا۔

اور پھر اُس چہرے کو دیکھنے لگا جس سے اُس کے دل کو راحت پہنچتی تھی۔

زیمل خوابوں کی دنیا میں ڈوب چکی تھی۔ کسی کا احساس اُسے خود کے قریب محسوس ہوا تو بولی۔

زیمل::: بابا کیا آپ ہیں؟؟؟؟

فاتح::::جی میری جان۔

زیمل باپ کی آواز پر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

زیمل:::: بابا آپ کہاں ہے؟

اور پھر سامنے اُسے کچھ دور ایک سایہ دار درخت کے نیچے کھڑے دیکھ وہ مسکراتی بولی۔

زیمل:::::مجھے معلوم تھا کہ آپ ماما ساتھ ہی ہو گے۔

اور پھر اُن کی طرف بڑھی۔

تالیہ::::: کیسی ہے ہماری بیٹی؟؟؟

زیمل::::ماما میں بلکل ٹھیک ہوں۔

فاتح::::میری گڑیا خوش ہے؟؟؟

زیمل:::::جی بابا۔

ماما بابا آپ کو معلوم ہے کہ میں القدس گئی تھی۔

میں نے مسجدِ اقصیٰ دیکھی۔

بابا آپ جانتے ہیں کہ وہ جگہ کس قدر خوبصورت ہے۔

اور میں نے آسمان سے اُس شہر کا نظارہ بھی کیا۔

فاتح::::::آو ہمارے ساتھ

یہ کہتے فاتح تالیہ کے ساتھ چلنے لگا تو سامنے کا منظر دیکھ زیمل کی آنکھیں کھول گئی۔

ایک درخت جو اپنی جوانی کے مراحل میں لگ رہا تھا وہ بہت کمزور اور بے جان معلوم ہو رہا تھا۔

اور اس کے مقابل میں ایک درخت جو گرمی کی تپش کے باعث بھی گھنا اور خوشبودار تھا وہ بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔

زیمل::::: بابا اس درخت کو کیا ہوا ہے؟

فاتح:::: اسے پانی نہیں دیا گیا اس لیے یہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔

زیمل:::: بابا اسے پانی کیوں نہیں دیا گیا؟

فاتح:::: کیوں کہ اسے پانی دینے والا کوئی نہیں۔

زیمل:::: بابا کیا میں اسے پانی دے سکتی ہوں؟

فاتح:::: وہ دوسرا درخت دیکھ رہی ہو۔

زیمل::: جی بابا۔

فاتح::: وہ درخت جانتی ہو کیوں ہرا بھرا ہے ؟؟؟

زیمل کچھ سوچنے لگی تو بولی۔

زیمل:::: کیوں کہ اُسے پانی دیا جاتا ہے ؟

فاتح:::: ہاں اُسے اللہ کے کلام کا ورد سنایا جاتا ہے۔

زیمل::: تو کیا بابا یہ درخت اللہ کہ کلام نہیں پڑھتا؟؟

فاتح:::: نہیں۔

اس خوبصورت درخت کو دیکھ رہی ہو۔

اس پر کس قدر خوبصورت پھول ہیں۔

جانتی ہو ودرخت کس کا ہے؟؟؟

زیمل::: بابا وہ درخت کس کا ہے؟؟

فاتح:::: وہ درخت تمہارا میری جان۔

زیمل:::: بابا تو وہ دوسرا کس کا ہے؟؟؟

فاتح:::: تمھارے کسی اپنے کا۔

زیمل:::: بابا کیا ہم اُس کی مدد نہیں کر سکتے؟؟؟

فاتح:::: زیمل کسی کی روح کو تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے میری جان۔

راہ راست بتایا جا سکتا ہے۔

چلنے کی تلقین کی جاسکتی ہے۔

مگر راہوں پر چلنے کی تلقین کو کسی پر مسلط نہیں کیا جا سکتا۔

زیمل:::: تو بابا کیا یہ درخت مر جائے گا؟؟؟؟

فاتح:::: زیمل جانتی ہو انسان کے پاس سب سے بڑی نعمت کیا ہے۔

زیمل:::: اللہ۔

فاتح:::: ہاں بلکل جانتی ہو یقین کی طاقت سے دعاؤں کی طاقت سے اللہ

تقدیر کو بدل دیتا ہے۔

تم اس درخت کے پاس ہو مجھے یقین ہے کہ تمھارے ایمان کی خوبصورتی اس مرجھائے درخت کو ایک خوبصورت اور دلکش درخت میں بدل دے گی۔

اور پھر زیمل اُس درخت کو دیکھنے لگی اور اُسے درخت کو دیکھتے وہ سوال کر بیٹھی۔

زیمل:::: بابا مگر یہ کون ہے؟

اور زیمل کے سوال پر ہی اُس کا خواب ٹوٹ گیا۔

اور اس کی آنکھیں ہولے سے کھول گئی۔

نظروں کے سامنے ہی سکندر بیڈ کی بائیں جانب کرسی سے ٹیک لگائے سو چُکا تھا۔

اور زیمل اُس چہرے کو کچھ دیر نا سمجھی میں دیکھنے لگی۔

اور پھر خواب کے اثر کے ٹوٹتے سکندر کی حقیقی موجودگی پر اٹھ گئی۔

اور زیمل کی ہلکی سی آہٹ پر سکندر کی آنکھوں کا بھی پردہ چاک ہو گیا۔

زیمل:::: آپ کب آئے؟؟

سکندر جو ابھی تک نیند میں تھا آنکھوں کو مسلتے بولا۔

سکندر::::: شاید کچھ دیر پہلے۔

زیمل:::::: آپ یہاں کیوں سو رہے ہیں۔

سکندر:::: بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔

آپ کو کوئی مشکل۔تو نہیں ہوئی۔۔۔آپ کو کچھ چاہیے۔

زیمل::::: نہیں میں بلکل ٹھیک ہوں بس سفر سے تھکن محسوس ہو رہی

ہے۔

اور پھر زیمل بستر سے اُترنے لگی تو سکندر بولا۔

سکندر::::: آپ کہاں جا رہی ہیں۔

زیمل:::: ناشتا

سکندر::::: نہیں آپ بیٹھ جائیں میں ملازمہ سے کہتا ہوں

زیمل::::: کوئی بات نہیں۔

یہ میرا فرض ہے۔

سکندر::::::: آپ پھر بھی رہنے دے گھر میں اتنے ملازم ہیں وہ کر لے گے۔آپ خود کو تکلیف نہ دے۔مجھے اچھا نہیں لگا گا۔

زیمل::::: گھر کے کام عورت خود کرے تو برکت پڑتی ہے۔

اور اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے مجھے یہ سب کرنا اچھا لگتا ہے۔۔

اور بیوی کو تو شوہر کا ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔

سکندر::::::: آپ میری وجہ سے یہ زحمت اُٹھائے گی۔

میں با ایسی وجہ سے آپ سے کے رہا ہوں۔

زیمل::::: مجھے اچھا لگے گا۔اگر آپ مجھے ناشتا بنانے کی اجازت دے دیں۔

سکندر زیمل کے چہرے کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر بولا۔

سکندر::::: آپ کی خوشی کے لیے میں سب کرنے کو تیار ہوں۔

چلیں میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔

زیمل سکندر کو پاس سے گزرتا دیکھ اُس کو روکنے لگی مگر سکندر زیمل کو موقع دیے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔۔۔

اور پھر زیمل بھی سکندر کے پیچھے چلتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

خضر اور سالار فلسطین پہنچ چُکے تھے۔ سامان کو پکڑے وہ ایئرپورٹ سے باہر نکلے تو ایک ٹیکسی والے میں سامان کو گاڑی میں سالار کے اشارے پر رکھنا شروع کر دیا۔

اور پھر وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھنے لگے۔

گاڑی میں بیٹھتے خضر نے منزل کی لوکیشن بتائی اور پھر و گاڑی چلنے لگی۔

سالار::::: تم فلسطینی زباں جانتے ہو۔

خضر:::::: جی سر۔

سالار::::: چلو یہ تو بہت اچھا ہوا ہے۔

خضر::::: سر پہلے کچھ فرش ہو لیں پھر کام کا آغاز کرتے ہیں۔

سالار:::: ہاں تم اپنے اُس دوست کو بھی بلالو تاکہ ہم بیٹھ کر اپنے کچھ سوالوں کہ جواب حاصل کے سکیں۔

خضر::::: الرئیٹ سر۔

اور پھر خضر ٹیکسی کو کسی سیم کی دکان پر روکنے کا کہہ کر بیٹھ گیا۔

زیمل::::::آپ باہر بیٹھ جائیں۔یہاں آپ تھک جائیں گے۔

سکندر::::: آپ کو دیکھ کر میں کبھی نہیں تھک سکتا

ویسے آپ کیا بنانے لگی ہیں۔

زیمل:::::آپ کو ناشتے میں کیا کھانا پسند ہے؟

سکندر::::: ویسے تو یہاں کاروایتی ناشتاتازہ بریڈ،زیتون کے تیل سے ڈھکی ہوئی ہمس، کریمی لبنہ اور انڈے ہے۔

کیا آپ یہ سب بنانا جانتی ہیں؟

زیمل سکندر کی چھوٹی سی لمبی سی ناشتے کی لسٹ کو دیکھ کر مسکرائی اور پھر بولی۔

زیمل:::::آپ بیٹھ جائیں میں لاتی ہوں

سکندر زیمل کو دیکھنے لگا تو بولا۔

سکندر:::::میں کچھ مدد کر سکتا ہوں آپ کی۔

زیمل::::تو کیا آپ بھی کھانا بنانا جانتے ہیں۔

سکندر:::: سکندر صالح دنیا کا ہر کام کرنا جانتا ہے۔

نہیں منظور تو آزما کے دیکھ لیں۔

زیمل سکندر کی بات پر مسکرائی تو بولی۔

زیمل:::::آپ کافی خوشگوار شخصیت کے مالک ہیں۔

ورنہ آپ کی بضاہر شخصیت سے آپ ایک روب ودبدبے کے مالک لگتے ہیں۔

سکندر زیمل کی بات پر قہقہ لگا کر ہنس دیا۔

سکندر کو یوں مسکراتا دیکھ زیمل کو لگا کہ اُس نے شاید کچھ غلط بات کر دی

ہے۔

اور پھر بولی۔

زیمل::::: کیا میں نے کوئی ناگوار بات کہہ دی ہے؟

سکندر:::: نہیں نہیں دراصل میں آپ ہی ہے جس نے مجھے پہلی بار یہ کہا

ہے۔

سن کر اچھا تو لگا پر اپنی ہنسی کو روک نہ سکا۔

میرے بارے میں آپ جن باتوں کو بیان کرتی ہے اگر جمشید سن لے تو آپ کو اُس کی شکل سے اندازہ ہو جائے گا کہ میں ایسی شخصیت کا مالک نہیں ہوں۔

اور زیمل کام کرتے ہوئے سکندر کی بات کا جواب دیتی بولی۔

زیمل::::: جمشید بھائی سے کیا آپ کا کوئی خونی رشتہ ہے؟؟

سکندر::::: خونی تو نہیں ہے۔

مگر وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ یہ بات میں نے کبھی اُس سے کہی نہیں۔

جمشید میرے ساتھ پچھلے ستائیس سالوں سے ہے۔

اس لیے وہ میرا سب سے بھروسے مند اور سب سے قریبی آدمی ہے۔

زیمل جو ہمس کو برتن میں نکالے تڑکے کو تیار کرنے لگی تو بولی

زیمل:::::آپ کو یہ بات اُن سے کہنی چاہیے۔

سکندر::::: کیوں؟

زیمل:::::کہتے ہیں محبت بانٹنے سے بڑھتی ہے۔جب آپ اپنوں سے پیار کا اظہار کرتے ہوئے تو رشتوں میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

سکندر::::: تو پھر کیا میں آپ سے وہ سب کہہ سکتا ہوں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔

سکندر زیمل کی بات کا رخ اُسی کی طرف موڑتے ہوئے بولا۔

تو زیمل جو ہاتھوں سے ڈالتے تڑکے کو ڈال رہی تھی۔

سکندر کی بات سے ایک دم ڈر گئی۔

اس سے پہلے کے اُس کے ہاتھوں سے وہ برتن گر جاتا۔

دوسرے ہی پل اُسے اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ کی پکڑ میں محسوس ہوا۔

سکندر:::::کام کو توجہ سے کرنا چاہیے۔

باتوں میں لڑ کھڑا جانا میری بیوی کی بہادری کو زیب نہیں دیتا۔

اور پھر سکندر یہ بات کہتا برتن کو ایک طرف رکھتا زیمل کو دیکھ کر بولا۔

سکندر:::::اب آپ بیٹھ جائیں باقی کام میں کرتا ہوں۔

اور پھر زیمل کو کا ہاتھ پکڑے وہ اُسے کچن میں موجود ایک لکڑی کی خوبصورت کُرسی کو پنکھے کے بلکل نیچے رکھتا بولا۔

سکندر::::اب آپ یہاں بیٹھ جائیں۔اور دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے کے کوشش کرلیں۔

تب تک باقی کا ناشتا میں تیار کرتا ہوں۔

اور پھر سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنا رُخ بدلتا آگے کو بڑھ گیا۔

اور زیمل جو سکندر کی باتوں کو سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔۔ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے لگی۔

اور وہ نظروں کو جھکائے بیٹھ گئی۔ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھی زیمل کے چہرے اور رونما ہوئی تو مسکراہٹ کو جھٹک کر وہ سیدھا بیٹھ گئی۔

نظروں کا رخ سکندر کی طرف گیا تو وہ نیلی شلوار قمیض میں کھڑا اپنے کف کو اوپر کی طرف کر رہا تھا۔

اور زیمل کے یوں دیکھنے پر اُس کی بھی توجہ زیمل کی طرف مقبوض ہوئی تو مسکرانے لگا۔

سکندر::::اتنی برا بھی کھانا نہیں بنتا۔

زیمل::::آخری بار کب بنایا تھا۔

سکندر::::::کوئی بیس سال پہلے۔۔۔

زیمل::::::اور کیا بنایا تھا؟؟؟

سکندر::::::شاید انڈا۔

زیمل::::آپ اسے کھانا بنانا کہتے ہیں؟

سکندر::::::جو چیز کھائی جاتی ہے وہ کھانے میں شمار ہوتی ہے۔

زیمل سکندر کی بات اور ہنسنے لگی تو بولی۔۔۔

.زیمل:::: مگر انڈا؟؟؟

سکندر::::: اب آپ ہنس رہی ہیں اب تو بات سکندر صالح کی عزت پر آگئی ہے اب تو کچھ اچھا بنانا ہی پڑے گا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سکندر نے زندگی میں پہلی بار کھانا بنانا شروع کیا۔

وہ صرف بچپن میں اپنی ماں کو بناتے ہوئی کافی دفع دیکھ چُکا تھا۔

۔ذہن میں جو کچھ نقش تھا اُسے سوچتے اُس نے اپنے کام کا آغاز کیا۔

اور زیمل اُسے وہاں بیٹھا دیکھ مسکرانے لگی۔۔

کیوں کہ سکندر بہت سے چیزوں کی مقدار کو کم یا زیادتی میں شمار کرنے سی پہلے زیمل سے پوچھنے لگتا تھا۔

اور زیمل اُس کی غلطیوں کو پکڑتے اُس کے پاس کھڑی ہو کر بتانے لگی۔

اس قدر خوشگوار ماحول میں دونوں کے چہروں کی مسکراہٹ کم ہونے کو نہ تھی۔

سکندر بند چولہے کو جلانے کی کوشش کرنے لگا تو زیمل مسکرا دی۔

اور پھر سکندر نے انڈوں کو فرائے کرنا شروع کیا جس میں اُسے زیمل کو صرف دیکھنے کے سوا اُسے ضرورت نا پڑی۔

اور پھر کچھ ہی پل میں سکندر اور زیمل کے ہنستے اور مسکراتے چہروں نے ہنسی مذاق میں اپنے آج کے ناشتے کو تیار کر لیا۔

زندگی گھر کے خوشگوار ماحول سے بھی جوڑی ہوتی ہے۔

چہل پہل انسان میں ایک نئ زندگی کو جینے کا جذبہ پھونک دیتا ہے۔

جہاں سکندر زیمل کے آنے سے پہلے صرف زندگی کو آتشِ دوزخ کی نظر کر کے اپنی ہنسی کو دفن کے چکا تھا

وہی زیمل اپنی خالہ کے ظلم اور ایتان کی گندی نظر کے گھیرے میں پھنسی ہوئی تھی۔

اور خُدا نے دونوں کے چہروں کی کھلکھلاہٹ پر خوشیوں کا بسیرا کر دیا تھا۔

اور اب آگے کیا ہونے والا تھا سبھی اس بات سے بے خبر تھے

مگر خدا پر کامل یقین رکھنے والی زیمل خدا کے ہر فیصلے پر اُس کی شکر گزار تھی۔
اور وہ جانتی تھی کہ خدا سب کے حق میں بہترین کرنے والا ہے۔

یو کارس جو چیخ رہا تھا۔اُس کا غصا اس قدر شدید تھا کہ وہ ہر چیز کو اٹھا کر زمین پر پھینک رہا تھا
یو کارس::::لوسیفر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔
تم سے تمہارا سب کچھ چھین لوں گا۔
تمھاری دولت۔۔رتبہ۔۔۔غرور سب کچھ۔ حتی کہ وہ لڑکی بھی۔
تمھاری بیوی کو بھی تم سے چھین لوں گا۔
یہ کھیل اگر میں نے شروع کیا ہے تو میں ہی تمہاری موت کے ساتھ ختم کروں گا۔
تم سے تمہاری ہر قریبی چیز کو چھین کر زمین میں غرق کر دوں گا۔

میرا نام یوکارس ہے میں تمہاری پیٹھ پر ایسا چھڑا گھونپوں گا کہ تم دوبارہ کیا کبھی زندگی میں پھر سے کھڑا ہونے کا نہیں سوچو گے۔

اور پھر وہ اپنے غصے کی آگ میں چیخنے لگا۔

کیوں کہ ستللہ اب اُس سے علیحدگی چاہتی تھی جو اُس کا حتمی فیصلہ تھا۔

اچانک فون بجنے لگا۔

لوسیفر مرا یا نہیں؟؟؟

یوکارس::: نہیں پر میں اُسے ماروں گا۔آپ مجھے ایک آخری موقع دے دیں۔۔

یوکارس:::اب کی بار میرے پاس ایک اور بہت بارہ پلان ہے۔وُاس سے بچ نہیں پائے گا۔

تم کسی کام کے نہیں ہو۔

یوکارس:::: میں اُس کے پاکستان جانے سے پہلے ہی اُسے ماردوں گا۔اُسے بھی اور اُس کی بیوی کو بھی۔

تو کیا واقعی یہ بات سچ ہے؟؟؟؟لوسیفر نے شادی کر لی؟

یوکارس::::جی۔۔۔میں اُن دونوں کو مار دوں گا بس مجھے ایک۔ موقع اور دیں۔

لوسیفر اب چکنا ہو گیا ہے۔ تم اگلے فون کا انتظار کرو

اور کوئی بیوقوفی نہ کرنا

اور پھر وہ شخص یہ کہتا فون بند کر گیا۔

اور یوکارس غصے سے پاس پڑے ایک شیشے کے گلاس کو پٹختا بلند آواز میں

بہت نفرت سے بولا

لوسیفرررررررررررررر

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جمشید اندر داخل ہوا تو کچن سے آتی آوازوں نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر دیا۔

دیکھنے کے لیے وہ کچن کی طرف بڑھا تو خیرت سے اُس کی آنکھیں کھول گئی۔

سکندر کو کچن میں کھڑا کام کرتے دیکھ اُسے وہ منظر آنکھوں کا دھوکا لگا تو وہ اپنی آنکھوں کو مسلنے لگا۔

اور خیریت میں مزید اضافہ اُس وقت ہوا جب اُس نے سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ کا بسیرا دیکھا۔

وہ آج نو سال پر سکندر کے چہرے پر اس قدر محبت سے بھری مُسکراہٹ کو دیکھ رہا تھا۔

اور یہ دیکھ جمشید کے چہرے پر حیرانگی کے بعد ایک مسکراہٹ واضح ہو گئی۔

وہ سکندر کے لیے اپنی جان کو قربان کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔

اس خونی کھیل میں وہ ہر پل سکندر کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ اُس کی تمام تر فکر واحد اُس شخص کے لیے تھی

جو اُس کے لیے اُس کا سب تھا۔

اور جمشید کو وہ منظر دیکھ نو سال پہلے کا وقت یاد آگیا جب اُس نے بھاؤ کو بے حد تکلیف میں تڑپتے دیکھا تھا۔

اس کی مسکراہٹ اُس دن کے بعد صرف اُس کی بہن تک محدود ہو گئی۔

اور پھر ایک دن وہ محدود مسکراہٹ بھی سکندر کی بہن کے ساتھ مٹی کی خاک میں دفن ہو گئی۔

سکندر کے مسکراتے چہرہ کی نظر پیچھے کھڑے جمشید پر پڑی تو بولا۔

سکندر::::: جمشید کوئی کام ہے؟؟؟

جمشید سکندر کی آواز اور ہوش کی دنیا میں آیا تو بولا۔

جمشید:::: جی بھاؤ وہ آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔

سکندر زیمل کی طرف مخاطب ھوا تو مسکرا کر بولا

سکندر:::: میں آتا ہوں۔

اور زیمل سر کو ہاں میں ہلاتی سکندر کو جاتا دیکھنے لگی۔

سکندر وہاں سے جمشید کو نیچے لاؤنج کی دوسری طرف ایک کمرے میں لے گیا جہاں ایک طرف شراب کی بوتلوں کا ڈھیر لگا تھا تو دوسری طرف گنز کی بہت خوبصورتی سے دیوار پر لگایا گیا تھا۔

پیچھے کی طرف کچھ کتابیں تھیں تو کچھ خانوں میں شیشے کی تراشی کچھ چیزیں تھیں۔

سکندر اُس سے آگے کی طرف پر بنی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

سکندر:::: ہاں جمشید۔۔

جمشید::: بھاؤ آپ کے نکلنے کے سارے انتظامات ہو گئے ہیں۔اور خاص سامان بھی رکھ لیا گیا ہے۔

سکندر:::: میرے آنے کی اطلاع اُن کو دے دی ہے ؟؟؟

جمشید::: جی بھاؤ میں نے آپ کے پر سو اُس سے ملاقات کی خبر دے دی ہے۔

مگر بھاؤ ہنری خبر کے مطابق عبدالقدیر گیلانی کل۔سے ملنے والا ہے۔

وہ جانتا ہے کہ آپ کے آنے کی خاص وجہ کہی نہ کہی اس میٹنگ کو روکنے میں ہے۔

اسی لیے یہ میٹنگ جو کل آپ کی ملاقات سے پہلے رکھ کی گئی ہے۔

سکندر::::: تو پھر کیا ہوا ہے جمشید۔

کتا موت کے پاس جائے یا موت کتے کے پاس۔ اخر میں تو موت کتے کو ہی انی

ہے۔

تم پریشان نا ہو۔

تم بس انتظامات پورے رکھو۔

. جمشید::::: بھاؤ ایک اور بات کرنی تھی

سکندر::: ہ۔۔۔

جمشید::::: بھاؤ وہ اُس لڑکے کی ماں پولیس میں کمپلین کرنے گئی تھی آپ

کے خلاف۔

ویسے تو کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر۔۔

سکندر::::: ٹھیک ہے میں دیکھ کر جاؤں گا۔ تم اُسے جہانگیر کے پاس بیجھ دو

ڈاکٹرز کے ساتھ۔

جہانگیر یہ کام اب دیکھ لے گا۔ سیکیورٹی کے لیے باڈی گارڈز لے لو آگے ضرورت پڑنے والی ہے۔

جمشید::::جی بھاؤ۔ ٹھیک ہے۔

بھاؤ وہ ایک اور بات کرنی تھی۔

سکندر::: تم ایک ہی دفع کیوں نہیں ساری باتیں بتادیتے۔

سکندر اُکتاہے لہجے سے بولا۔

جمشید:::: معذرت چاہتاہوں بھاؤ۔

بھاؤ وہ جمال نے خبر دی ہے کہ وہ ڈی آئی جی سالار وہ یہاں آرہاہے خود۔

سکندر:::؛آنے دو اُسے اور اُسے اپنا کام کرنے دو۔اور تم باقی چیزوں پر نظر رکھنا۔

باقی یہاں کے سارے کام جہانگیر دیکھ لے گا۔

جمشید::: مگر بھاؤ وہ آپ کو پکڑنے کر لیے ثبوت اکھٹے کر رہا ہے۔

سکندر::::اُسے بعد میں دیکھ لیں گے۔فلحال تم یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔

جمشید::::بھاؤ باقی سب کو میں نے کل کی فلائٹ سے وہاں بھیج دیا ہے۔
آپ کے رکنے کا انتظام بھی ایک ہوٹل میں ہو گیا ہے۔
باقی آپ کا جیٹ بھی تیار ہے۔آپ بس حکم کریں۔

سکندر::::ٹھیک ہے میں بس ناشتا کر لو تو دو گھنٹے تک نکلتے ہیں۔

جمشید؛::::ناشتا؟؟؟؟

جمشید کو لفظ ناشتے پر اس قدر خیرت ہوئی کیوں کہ اُس نے کبھی سکندر کو صبح ناشتا کرتے نہیں دیکھا تھا۔

سکندر صبح کا آغاز ہی شراب نوشی سے کرتا تھا۔اس لیے سکندر کے منہ سے لفظ ناشتا سن کے جمشید کو کافی حیرانگی ہوئی تھی۔

سکندر::::اب زیادہ دماغ کھانے کی ضرورت نہیں ہے جا کے انتظامات کرو۔

جاؤاب

جمشید::::جی بھاؤ۔

اور پھر جمشید یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

اور سکندر کچھ دیر وہاں بیٹھے شراب کی بوتلوں کو دیکھنے لگا جو اُس دیوار کی زینت بنی ہوئی تھیں۔

زیمل لاؤنج کے سامنے بنے ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا لگا چکی تھی۔

کیوں کہ اُس کی خالہ کے گھر میں بھی وہ یہی کیا کرتی تھی اور پھر کھانے کو لگتی یہاں وہاں دیکھنے لگی۔

ملازمہ بھی زیمل کے ساتھ ناشتے کو لگاتی بولی۔

میم کچھ اور چاہیئے؟؟؟

زیمل::::جی میں نے اندر کاؤنٹر پر جوس رکھا تھا کیا آپ وہ لیں آئیں گی؟

جی میم اور وہ یہ کہتی وہاں سے چلی گئی۔

اور زیمل نے دوسری طرف سکندر کو کمرے سے نکلتے دیکھا تو سیدھی کھڑی ہو گئی۔

سکندر:::::: آپ بیٹھ جائیں اور شروع کریں۔

زیمل::::: آپ بھی آجائیں ناشتا تیار ہے۔

سکندر زیمل کی بات کو سنتا کُرسی پر بیٹھا تو زیمل بھی اپنی جگہ اور بیٹھ گئی۔

سکندر:::: سب دیکھنے میں اچھا لگ رہا ہے۔مجھے یقین ہے کہ یہ ذائقے میں بھی بہت اچھا ہو گا۔

زیمل::::: رزق اللہ کی نعمت ہے۔جو عطا ہوتا ہے اُس مہ شکر ادا کرتے ہیں۔

اور پھر زیمل بِسمِ اللہ پڑھتی ایک پلیٹ میں سکندر کے لیے ناشتا نکالنے لگی۔

سر سکندر زیمل کو دیکھتے بولا۔

سکندر:::: آپ اتنی پیاری باتیں کیسے کر لیتی ہیں۔

زیمل:::: دل سے

اور پھر زیمل سکندر کے آگے پلیٹ رکھتی بولی۔

زیمل::::شروع کریں آپ۔

سکندر زیمل کو دیکھنے لگا اور پھر ایک پلیٹ کو پکڑتے بولا۔

سکندر::::اکیلے کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔

آج کسی کو اپنے ساتھ بیٹھے کھاتے ہوئے دیکھنے کی چاہ ہو رہی ہے۔

اور پھر سکندر زیمل کی بھری ہوئی پلیٹ کو اُس کے آگے رکھتے ہوئے بولا۔

سکندر::::تو اس لیے آج آپ شروع کریں۔

اور پھر زیمل خود کے آگے پڑی پلیٹ کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرتے کھانے لگی

تو سکندر بھی کھانے لگا۔

سکندر::::کیسا لگا؟؟؟؟

سکندر کھانے کو چکھنے کے بعد یہ تو سمجھ گیا تھا کہ

وہ کچھ اچھا بنا ہے اس لیے زیمل سے پوچھنے لگا۔

زیمل جو کھانے کو کھا رہی تھی سکندر کے سوال پر مسکرا کے بولی۔

زیمل::::: امید سے زیادہ اچھا

سکندر::::: دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں ہے جو سکندر صالح نہ کر سکتا ہو۔

اور پھر دونوں خاموشی سے ناشتا کرنے لگے۔

سالار جو کرائے کے ایک کمرے میں بیٹھا خاصا سفر سے تھک چُکا تھا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

اور لیٹے لیٹے اُس کی آنکھ لگ گئی۔ اور وہ سے گیا۔

ابھی کہ کمرے میں خضر داخل ہوا تو کچھ سامان ہاتھ میں پکڑے کیبنٹ میں رکھنے لگا۔

کھانے کے لیے کچھ چیزوں کو لاتا وہ ٹیبل میں رکھ گیا۔

اور پھر ایک بیگ کو پکڑتے وہ اُس میں سے کچھ فائلز کو نکالنے لگا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ٹیبل پر ساری فائلز کا گند پھیلا دیا۔

اور پھر وہاں بیٹھا اُن فائلز کو ترتیب دینے لگا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو خضر دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا۔

دروازہ کھولتے ہی خضر بولا۔

خضر::: کیسا ہے تو فرقان؟

فرقان:::: میں بلکل ٹھیک۔ معزرت خواہ ہوں کہ تُجھے ایئرپورٹ نہیں لینے آسکا۔

خضر:::: تو یہ باتیں چھوڑ تو اندر آ۔

کب سے میں تیرا ہی انتظار کر رہا ہوں اور یہ کیا ہے۔

فرقان::::امی نے تیرے لیے بھجوائے ہیں۔

خضر:::: چل تو بیٹھ کیا پیے گا۔

فرقان::: تیرے ہاتھ کی چائے۔ تیرے بعد تو کبھی چائے پی ہی نہیں۔

خضر:::: چل تو بیٹھ میں ابھی بنا کر لاتا ہوں

اندر سالار کی باہر ہل چل سے آنکھ کھول گئی۔ تو اُسے اپنا سر بھاری ہوتا محسوس ہوا اور پھر وبستر سے اٹھتا

باہر کی طرف آگیا

جہاں صوفے پر ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ بولا۔

سالار::::: آپ کون ؟؟؟

فرقان فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھتا ہاتھ کو آگے کرتا بولا۔

میں فرقان خضر کا فلسطین والا دوست۔

سالار ہاتھ کو ملاتا بہت خوش اخلاقی کے ساتھ بولا

سالار:::: سوری میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔
آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔

اور پھر وہاں بیٹھے اُن کی ضروری باتیں شروع ہوگئی۔

سالار:::: ہم یہاں سکندر بھاؤ کے بارے میں جاننے آئے ہیں۔
جتنی انفارمیشن تم نے پہلے پہنچائی تھی وہ بہت کم تھی۔

فرقان:::::: میں یہ جانتا ہوں کہ آپ یہاں سکندر بھاؤ کے لیے آئے

ہیں۔

مگر یہاں سکندر بھاؤ کا ایک ہی بہت بڑا دھندھا چل رہا

ہے جس کو مارکس نامی ایک آدمی چلا رہا ہے۔

ہمارے پاس سکندر بھاؤ کے بارے میں زیادہ خبر نہیں ہے۔

کیوں کہ یہاں کو لوگ اُسے جانتے ہیں وہ اُس کے بارے میں بات نہیں

کرتے۔

سالار:::: ایسا کیوں؟؟؟

فرقان::::: معلوم نہیں۔

سالار:::: کیا ہم ان لوگوں سے مل کے اُن سے بات کر سکتے ہیں؟

فرقان::::: جی ضرور مگر کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سالار:::: مجھے سکندر بھاؤ کوئی عام آدمی نہیں لگتا۔

وہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا لگتا ہے۔

اور میں چاھتا ہوں کہ تم ہماری یہاں ہر طرح سے مدد کرو۔

فرقان:::: میں پوری کوشش کروں گا۔

اور پھر بیٹھے بیٹھے اُن کی باتیں شروع ہونے لگی۔

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

سکندر::: زیمل؟؟؟

زیمل::: جی۔۔

سکندر:::: مجھے بس ایک کام ہے میں وہ کر کی آتا ہوں

آپ تیار ہوں لیں۔

اور جو سامان آپ کی ضرورت کا ہے وہ ملازمہ کو بتادیں۔ وسامان رکھوادیں گی۔

زیمل:::: جی ٹھیک ہے۔ ویسے آپ کہاں جارہے ہیں؟؟؟

سکندر:::: آپ کی آنٹ کی طرف۔

زیمل سکندر کے سوال پر حیرانگی سے دیکھنے لگی تو پریشانی کے ساتھ بولی۔

زیمل:::: آپ وہاں کیوں جارہے ہیں۔ کیا کچھ ہوا ہے؟

سکندر:::: نہیں میں مذاق کر رہا تھا۔ایک کام کی پیمنٹ کرنی ہے بس اُس کام کو دیکھنے جا رہا ہوں۔

کچھ دیر تک آ جاؤ گا۔

زیمل سکندر کو دیکھنے لگی تو بولی۔

زیمل:::: آپ سچ کہہ رہے ہیں؟؟؟

سکندر:::: ہاں جی سچ کہہ رہا ہوں بس کچھ دیر تک آ جاتا ہوں۔

زیمل:::: ٹھیک ہے۔

سکندر::::اور کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو آپ ملازمہ سے کہہ دیجئے گا جمشید گھر پر ہی ہے۔

زیمل:::: جی ٹھیک ہے۔ جلدی آیئے گا۔

اور پھر سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ زیمل کو دیکھتا وہاں سے چلا گیا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

میرا بچہ کہاں ہے؟

ایوا جو رو رو کر اپنا برا حال کر چُکی تھی۔ مسلسل اپنے بیٹے کے بارے میں سوچ کر بولتی جا رہی تھی۔

لیہ جو ماں کی حالت دیکھ رو رہی تھی ماں کو چپ کرواتی بولی۔

ماما وہ ٹھیک ہو گا۔

وہ منحوس میرا بیٹا کھا گئی۔

وہ میرے بیٹے کو لے گیا۔ وہ میرے بیٹے کو مار دے گا لیہ۔

میرا اکلوتا بیٹا میرے بڑھاپے کہ سہارا۔ میرا بچہ میرا ایتان۔

میں کہاں جاؤ۔ کہاں ڈھونڈوا اپنے بیٹے کو۔

وہ میرے بیٹے کو لے گیا۔

اس لڑکی کی منحوست میرے گھر کو کھا گئی۔

ہائے خُداوند۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ میرا بچہ۔۔۔ میرا بیٹا۔

میرا ایتان۔

میں تو برباد ہو گئی ہوں

دو دن گزر گئے ہیں کوئی اتا پتا ہی نہیں ہے میرے بچے کا۔

پولیس کمپلین نہیں لکھ رہی۔ میں کہاں ڈھونڈو تمھارے

بھائی کو۔

میری ٹانگوں میں اتنی تکلیف ہے۔ میں کیا کروں؟

اچانک ایک آواز۔ ایوا کے کانوں میں داخل ہوئی

ابھی تو میں نے کچھ کیا بھی نہیں اور تم اس قدر تڑپ رہی ہے۔

ایوا سکندر کی آواز پر موڑی تو اُس پر خوف طاری ہو گیا۔

لیہ::::: آپ کون ہیں اور اندر کیسے آئے ہیں؟؟

ایوا فوراً سے لیہ کو جھپٹ کر بولی

ایوا:::: چ۔۔۔ چپ کرو۔۔۔ لیہ۔۔

سکندر آگے کو چلتا ہوا آیا اور ایوا کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا

سنا ہے تم میرے خلاف کمپلین کرنے گئی تھی۔

ایوا:::: مے۔۔۔ میرا بیٹا۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ واپس۔۔۔۔ دے دو

سکندر:::::::میں خود تمہیں یہ بات واضح کرنے آیا ہوں۔

میرے خلاف چلنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔

اپنی بیٹی کا دیہان رکھو۔

ورنہ جس طرح کے گھٹیا شخص کی تم ماں ہو کہی تمہارا کیا تمھاری بیٹی کے

سامنے نہ آجائے۔

لیہ::::آپ ہوتے کون ہیں میری ماما سے ایسے بات کرنے والے

سکندر::::اے لڑکی اپنی زبان کو اپنے منہ کے اندر رکھنا مجھے زبان درازی

نہیں پسند۔یہ نہ ہو تمہاری ماں کا ٹھیک کرنے کے چکر میں تم دنیا سے چل بسو

۔

ایوا::::ن۔۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔پلیز

خداوند کے لیے۔

سکندر::::اِدھر دیکھ میری طرف تیری یہ دھوکے سے بھری یہ لاچاری

دیکھ کر سکندر صالح کا دل پگھل جائے گا۔

یاوہ تیرے بیٹے کی جس بھیانک موت کی قسم کھائی ہے وہ توڑ دے گا۔

تو تجھ بڑھیا کی بسیہ سوچ ہے۔

ایوا::::: ہمیں معاف کر دو۔۔۔بیٹا۔۔۔۔ میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔

ایوا جو مسلسل رو رہی تھی۔ بالآخر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی

سکندر::::: اگر تو چاہتی ہے کہ تیری بیٹی زندہ رہے تو یہ بات ذہن نشین کر لے کہ تیرا کوئی بیٹا نہیں۔

جس بیٹے کو چھوڑ دینے کے تو واسطے دے رہی ہے۔

اس نے ایک باحیا اور باپردہ لڑکی کی عزت کو نوچنے کی کوشش کی ہے۔

اس کا انجام صرف دردناک موت ہے۔

مجھے اُس وقت کا انتظار ہے جب تیری انکھوں کے سامنے تیرا بیٹا زندگی کے ہونے سے تڑپے گا، موت کی بھیگ مانگے گا اور تو اُس کی اُس بے بسی پر مجھ سے اُسے موت دینے کی التجاء کرے گی۔

۔یاد رکھ سکندر صالح اپنے کہے سے نہیں پھرنے والا۔۔

تو صرف یہاں اپنی بیٹی کے لیے موجود ہے۔
ورنہ جتنا ظلم تو نے اُس لڑکی پر کیا ہے۔ تجھے تو زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔
ایوا جو بیٹھی سکندر کی باتوں سے کانپ کر رو رہی تھی سکندر سے سوال کرتی بولی۔

ایوا::::::ت۔۔۔تو۔۔ت۔۔۔تم یہ
۔۔۔۔سب۔۔۔۔۔اُس۔۔۔منحوس۔۔۔لڑکی۔۔۔۔کی۔۔وجہ
۔۔۔۔سے۔۔۔کر۔۔۔رہے ہو؟

سکندر نے اگلے ہی پل پاس پڑے چھوٹے سے شیشے کی میز کو اٹھا کر ایوا کی دوسری طرف پھینکا۔

سکندر::::::اب اگر تو نے میری بیوی کے بارے میں ایک لفظ بھی اور کہا تو تیرے بیٹے کے ساتھ تیری بھی لاش آج کے آج یہاں بچھا دوں گا سمجھی۔
میرے ہاتھ کو تجھ پر اٹھنے پر مجبور نہ کر۔۔۔کچھ ادب مجھ میں عورتوں کے لیے باقی ہے۔

ورنہ تُجھ جیسی گھٹیا عورت جس نے میری بیوی کو بارہ سال قید میں رکھا۔ سکندر صالح کو ایسی عورتوں کو ٹھکانے لگانا اچھے سے آتا ہے۔

یاد رکھ تیری ایک اور غلطی تیری بیٹی کی جان بھی لے سکتی ہے۔

چلتا ہوں۔

اور سکندر یہ کہتا ایوا کو خوف میں لت پت انسووں سے بھرے چہرے کے ساتھ چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

____

زیمل جو بلکل تیار بیٹھی ایک تصویر کو پکڑے دیکھ رہی تھی۔

اچانک اُسے خود کے ارد گرد کسی کا وجود محسوس ہوا۔۔۔

نظروں کو اٹھا کر دیکھنے پر وہ اُس کے ماں اور باپ تھے۔

۔زیمل اُنہیں دیکھتے ہی مسکرانے لگی۔۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو اُس کا دیہان ماں اور باپ سے ہٹتے دروازے کی طرف گیا۔

اور دوبارہ نظروں کو اپنے ارد گرد گھومتے اُسے اپنے ماں اور باپ نہ دیکھے۔
واپس دروازے پر نظر گئی تو سکندر کمرے میں داخل ہو گیا۔
سکندر:::: اکیلے بیٹھ کر کیا سوچ رہی ہیں۔
زیمل اپنی جگہ سے اٹھ گئی تو سکندر اُس کی طرف بڑھا اور اُسے بیٹھاتے

ہوئے بولا

سکندر:::: پریشان ہیں؟؟؟
زیمل::: نہیں پریشان نہیں ہوں۔۔۔بس تصویر دیکھ رہی تھی۔
دیکھ رہی تھی کہ زندگی کے سب سے قیمتی لوگ جن کے وجود سے آپ
جوڑے ہوتے ہو وہ کیسے یادوں کے ساتھ تصویروں تک محدود ہو جاتے ہیں
سکندر::: یادیں درد دیتی ہیں. میں سمجھتا ہوں
تکلیف دل میں محسوس ہوتی ہے۔
جو کھو جاتے ہیں اُنہیں پانے کی چاہ دل میں پلتی ہے۔
زیمل:::: درد دیتی یادیں انسان کی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہیں۔

جانتے ہیں کیوں۔

سکندر زیمل کی بات پر نہ میں سر ہلانے لگا۔

زیمل::: یادیں انسان کے اُس درد کو چھوتی ہیں جسے اور کوئی نہیں چھو سکتا۔

انسان چاہے تو ان یادوں کے بل بوتے پر خود کو سونے سے زیادہ قیمتی بنا سکتا ہے۔

اور اگر چاہے تو ایک کنکر سے زیادہ حقیر بھی۔

جب درد شدّت اختیار کرتا ہے تو انسان کی روح میں اتر جاتا ہے۔

آپ جانتے ہیں لوہا اُس وقت مضبوط شکل دھارتا ہے

جب لوہار اُس پر پوری طاقت سے وار کرتا ہے۔

وہ ایک بار وار نہیں کرتا بلکہ بار بار کرتا ہے۔

انسان کی یادیں اُس کا پیچھا تو نہیں چھوڑتی وہ بار بار اُس زخم پر وار کرتی ہیں جو انسان کو مضبوط بننے کی طاقت مہیا کرتا ہے۔

میری یادیں تکلیف دہ نہیں ہے۔ مگر گزرا وقت کچھ پل کے لیے امتحان کی گھڑی میں رُک گیا تھا۔

صبر انسان کو صابر کہلواتا ہے۔ جس درد کی شدت کو روح میں اُترنے تک برداشت کیا جائے وہ درد انسان کی اک دن سب سے بڑی طاقت بن جاتا ہے۔

سکندر::::: پر ہر کوئی ایک سا نہیں ہوتا۔ نہ ہی درد کی شدّت ایک سی ہوتی ہے نہ ہی یادوں کا احساس۔

زیمل::::: ہاں یہ بات بالکل درست ہے مگر درد جتنا زیادہ شدت اختیار کرتا ہے انسان اتنا مضبوط بنتا ہے۔

بشرط یہ کہ وہ بھٹک نہ جائے۔

سکندر:::: بھٹکا ہوا انسان اور کتنا کو بھٹکے گا۔

انسان ہمیشہ سے ہی تو بھٹکا ہوا ہے۔

کبھی گناہوں کے ساتھ تو کبھی برائیوں کے ساتھ۔

زیمل::::::ایمان کمزور ہو تو انسان کا بھٹک جانا کوئی خاص بات نہیں ہے۔

جو لوگ اللہ کا ورد نہ کرتے ہو، اللہ کی مخلوق سے محبت نہ کرتے ہو۔اللہ

انہیں راہ راست سے بھٹکا دیتا ہے۔

پھر گمراہی اُن کا نصیب بن جاتا ہے۔اور نصیب کو بدلنے کی طاقت انسان کے

ہاتھوں میں اللہ نے خود رکھی ہے۔

سکندر:::: کن ہاتھوں میں جو دوسروں کے خون سے لت پت ہیں یا وہ ہاتھ

جو بھلائی کا مطلب نہیں جانتے۔؟

زیمل::::: وہ ہاتھ جن میں پانچ انگلیاں اور چودہ جوڑ ہیں۔

کل کائنات کا راز انسان کے ہاتھوں میں پوشیدہ ہے۔

اور ہاتھوں میں اللہ سے مانگنے کی طاقت ہے۔اور اللہ اٹھے ہاتھوں کو کبھی خالی

نہیں جانے دیتا۔

سکندر:::: تو پھر آپ اپنی اُٹھے ہاتھوں سے کیا مانگتی ہیں؟

زندگی؟

بخشش؟

موت؟

قبر کا سکون؟

یا

پھر جنت؟

زیمل::::: میں ان میں سے کچھ نہیں مانگتی۔نہ ہی زندگی نہ ہی موت نہ ہی قبر کا سکون نہ ہی بخشش کے بعد جنت۔

سکندر:::: تو پھر کیا؟؟؟؟

زیمل:::: آپ جانتے ہیں کہ اللہ سے مانگنا عبادت میں آتا ہے۔اور دعا عبادت کا مغز ہوتی ہے۔

میرے بابا ایک بہت اچھی بات مجھے کہا کرتے تھے کہ زیمل زندگی خاک سے زیادہ کچھ نہیں۔

مانگنے کے لئے خاکی دنیا کی ریت نہ مانگنا جو تمھارے مرتے ہی تمھارے ساتھ مٹ جائے گی۔ بلکہ اپنے رب کی شان کے مطابق اُس کی محبت مانگنا جو تمھارے ساتھ محشر کے میدان تک جائے گی۔

جنت تو مل جائے گی ہر مسلمان کو سزا کے بعد۔ مگر رب کی محبت کا مل جانا کل جہانوں میں سب سے زیادہ قیمتی ہو گا ہر اُس شخص کے لیے جو اس دنیا کی رنگینیوں میں رہتے ہوئے بھی صرف دعاؤں میں رب کی محبت مانگتا ہو گا۔

جن کے دلوں میں اپنے رب کی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا چراغ جل جائے۔ اُن کی تمنا جنّت اور دوزخ کے پیمانوں پر نہیں ہوا کرتی۔ نہ ہی اُنہیں جنت کی چاہ رہا کرتی ہے۔

جو عشق کو جان لیتے ہیں وہ عشق کے ہو جایا کرتے ہیں۔ آرزوئیں اختتام کو پہنچ جاتی ہیں۔ نفس مٹ جاتا ہے۔

اور دل رب کی اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے چمک اٹھتے ہیں۔

سکندر کو اپنا جسم زیمل کی بات اور سرد ہوتا محسوس ہوا۔اُس کے جسم کے سارے بال مانو کھڑے ہو گئے ہو۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

تو ایک۔ ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی۔تو زیمل اور سکندر دونوں اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس کے اندر داخل ہوتے ہی سکندر بول۔

سکندر:::: کہے؟؟

سر وہ نیچے گاڑی تیار ہے۔۔

سکندر::::: ٹھیک ہے آپ جائیں ہم آتے ہیں۔

اور پھر وہ ملازمہ جی ٹھیک ہے کہہ کر وہاں سے چلی گئ۔

سکندر نے ایک۔ لمبی سانس لی اور پھر زیمل کی طرف متوجہ ہوا اور پھر بولا

سکندر::::آپ کے ساتھ باتوں کا سفر زندگی کے سفر کے ساتھ جاری رہے گا۔

میں کپڑے بدل لوں آپ بھی تیار ہو جائیں پھر نکلتے ہیں۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی تو سکندر وہاں سے اٹھ گیا۔

یوکارس کی ایک اور غلطی اُسے لوسیفر کے ہاتھوں مروا سکتی تھی۔میں نے کہا بھی تھا کہ کچھ ایسا نہ کرنا۔

فون کے دوسری طرف ایک آدمی جواب دیتا بولا۔

یوکارس بیوقوف ہے۔اُس کی ایک غلطی نے لوسیفر کو چکنا کر دیا ہے۔

پتہ چلا ہے کہ لوسیفر نے شادی کرلی۔

تو کیا میری بات پر کوئی بے اعتباری تھی؟؟؟؟

نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔اب کیا خبر ہے؟؟؟

لوسیفر ترکی جا رہا ہے۔

کب؟؟؟

کچھ دیر میں نکلنے لگا ہے؟؟؟

اور تم اب مجھے بتا رہے ہو۔

لوسیفر کی جاسوسی کرنا کوئی عام بات نہیں ہے۔

تو تم ہماری مدد کیوں کے رہے ہو۔

لوسیفر سے کچھ حساب چکتا کرنا ہے۔ فلحال وہ وہاں ترکی میں کسی ہوٹل میں رھے گا۔ مگر وہاں حملہ کرنے کا سوچنا بھی مت۔

سکندر پوری سیکیورٹی کے ساتھ یہاں سے نکل رہا ہے۔

اور وہاں پہلے سے اُس کے خاص ادمیوں کو بیھج دیا گیا ہے۔

.مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ لوسیفر کا اپنا اتنا خاص آدمی ہماری مدد کر رہا ہے

تمہیں مجھ پر اگر ابھی بھی کوئی شک ہے تو مجھے اُسے دور کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم جو جاننا چاہو

میں تمہیں سب بتاؤں گا۔

بدلے میں تمہیں کیا چاہئے ؟؟؟؟

صرف ایسی جگہ جہاں سے لوسیفر کی موت کا بھیانک نظارہ کر سکوں

مجھے لگا تھا کہ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو گے مگر یوروشلم میں اُس کا اُس کی بیوی کے ساتھ ہونا تمہاری وفاداری کی علامت ثابت ہوا ہے۔

لوسّیفر کل تک ترکی پہنچ جائے گا وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ۔

ٹھیک ہے۔ تم اُس کے اگلے قدم کی مجھے خبر کرتے رہنا۔ ہمیں بس ایک موقعے کی تلاش ہے۔

ایک موقعہ لوسیفر کی جان نکلنے کے لیے کافی ہے۔

اور مجھے لگتا ہے کہ تمہاری بدولت ہمیں وہ موقع مل چکا ہے۔

فون رکھتا ہوں لوسیفر باہر آ چکا ہے۔

اور پھر وہ یہ کہتا فون بند کر گیا

سکندر::::: جمشید کس سے بات کر رہے ہو؟؟؟

جمشید:::: بھاؤ جمال کا فون تھا۔

سکندر::::اس وقت؟؟۔

جمشید:::جی بھاؤوہ۔۔۔وہ

سکندر:::: خیر فون کو رکھو اور سامان کو گاڑی میں رکھواو۔

جمشید:::جی بھاؤ میں رکھواتا ہوں

سکندر زیمل کا ہاتھ پکڑے اُسے گاڑی میں بیٹھانے لگا۔اور پھر خود

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا بولا۔

سکندر:::: جب فلسطین میں اس دفعہ آنے پر میں نے پہلی بار ڈرائیونگ کی

توآپ مجھے ملی تھیں۔

اور پھر گاڑی میں بیٹھے سکندر نے جمشید کو اشارہ کیا

جو پچھلی گاڑی میں سامان رکھوا رہا تھا۔

جمشید سکندر کے ایک اشارے پر بولا۔

جمشید::::جی بھاؤ۔

سکندر:::: میں نکلنے لگا ہو تم پیچھے پیچھے پہنچ جانا۔۔

جمشید::::جی ٹھیک ہے بھاؤ۔

اور پھر یہ کہتے سکندر نے اپنی گاڑی کو جمشید کے پاس سے گزارا اور وہاں سے باہر کے گیٹ کی طرف چل پڑا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ دیر بعد جمشید بھی گاڑی میں بیٹھتا کچھ گارڈز کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

زیمل گاڑی میں بیٹھے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

آسمان معمول کے مطابق لگ رہا تھا۔ مگر زیمل پھر بھی آسمان کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

ہوا اُس کے چہرے کو چھو کر اُس میں خوشی کا احساس پیدا کر رہی تھی۔

سکندر::::::آپ کو آسمان دیکھنا پسند ہے؟؟؟؟

زیمل::::آسمان دیکھنا کسے پسند نہیں ہو گا

صاف آسمان، گھٹا سے بھرا آسمان، برستا آسمان، رات میں سیاہ آسمان، تاروں سے بھرا آسمان دلکش ہوتا ہے۔

اور دنیا کے نظارے تو خدا کی قدرت کا عکس ہوتے ہیں۔

سکندر:::::::: زیمل؟

زیمل سکندر کے منہ سے اپنے نام سُننے اور متوجہ ہوئی تو بولی۔

زیمل::: جی؟؟

سکندر::::: کچھ نہیں

زیمل سکندر کے جواب پر پھر بولی۔

زیمل:::: آپ کچھ سوچ رہے ہیں؟

سکندر:::::: ایک بات پوچھو آپ سے؟

زیمل:::: جی پوچھیں؟

سکندر:::: آپ میرے ساتھ خوش ہیں؟؟؟

زیمل سکندر کے سوال پر اسے نا سمجھی میں دیکھنے لگی۔ تو سکندر بولا

سکندر:: نہیں جواب دینے کوئی ضروری نہیں ہے میں بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔

زیمل:::::کیا آپ میرے ساتھ خوش ہیں؟

زیمل سکندر کے سوال کا رخ اُس کی طرف موڑ کر اُسے حیران کر گئی تھی۔

اور پھر سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ بولا

سکندر:::::زندگی سے جو نہیں مانگا تھا.جو کبھی ملنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔

جس کو پانے کی خواہش نہیں کی تھی وہ دل کا سکون تھا۔

جب سے آپ کو دیکھا ہے دل بے سکونی سے آزاد محسوس ہوتا ہے۔

خود کے چہرے پر مسکراہٹ کو واضح ہوتے محسوس کیا ہے۔

پہلی بار اپنے زخموں کو شفاء ملتی محسوس ہوئی ہے۔

کسی کو دیکھ کر خود میں احساسات میں تبدیلی ہوتی محسوس ہوئی ہے۔

یہ باتیں خوشی سے بہت زیادہ ہیں۔میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میری

زندگی کسی درد کے منظر سے بدل کر

ایک خوبصورت حقیقت میں تبدیل ہو جائے گی۔

زیمل سکندر کی بات اور مسکرائی تو بولی۔

زیمل:::::اگر آپ میرے ہونے سے خوش ہیں تو کیا میں آپ کے ساتھ خوش نہیں۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

میں خوش ہوں۔اور آپ کی شکرگزار بھی۔شاید اُس دن اگر آپ مجھے نہ بچاتے تو آج میں کہی اور ہوتی۔

سکندر:::::آپ تب بھی میرے پاس ہی ہوتی۔

اور پھر سکندر زیمل کے ہاتھ کو پکڑے گاڑی کو چلانے لگا۔

زندگی انسان کے امتحان کا نام ہے۔اور مشکل کے ساتھ آسانی اللہ نے اپنے بندوں کے لیے رکھی ہے۔

زندگی کا ہر احساس اگر شکر گزاری کے ساتھ گزرا جائے تو انسان یہ سمجھ جائے گا کہ بالآخر کسی مشکل میں اللہ کی کیا حکمت پوشیدہ ہے۔

اور پھر گاڑی بالآخر اپنی منزل کو پہنچ گئی۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے سکندر زیمل کے ساتھ اپنے جیٹ پر بیٹھ گیا۔

اور کچھ ہی دیر میں جمشید بھی وہاں پہنچ گیا۔

اور سارے انتظامات مکمل ہوتے ہی سکندر کا پرائیویٹ جیٹ اپنی اوڑان کے ساتھ اُڑ گیا۔

سالار:::: خضر ہمارے پاس صرف ایک ہفتہ ہے۔اگر ایک ہفتے میں ہم کچھ نہ پتہ لگا سکے تو ہمیں واپس جانا ہو گا۔

ہمارے پاس اتنا وقت نہیں صحیح جگہ کا انتخاب کرتے ہوئے ہمیں صحیح انفارمیشن حاصل کرنی ہے۔

خضر:::: سر دیکھے ہم یہ تو جان گئے ہیں کہ سکندر بھاؤ کسی عمل نامی ادارے میں رہا ہے۔

سالار:::: ہمیں یہ پتہ لگانا ہے کہ سکندر بھاؤ کون ہے؟

اس کے لیے ہمیں اُس کے ماں اور باپ کا پتہ لگانا ہو گا۔

تم ایک کام کرو فرقان سے کہو کہ ہمیں اُس ہسپتال کا پتہ لگوادے جہاں سکندر کی ماں کو ایکسڈنٹ کے بعد لایا گیا تھا۔

وہی سے ہمیں پتہ چلے گا کہ وہ آدمی جو سکندر کو اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ کون تھا۔

کوئی تو ہو گا جو ہمیں سکندر کے حلاف ثبوت دے سکے۔

خضر::::: اوکے سر۔

اور پھر یہ کہتا خضر وہاں سے چلا گیا اور سالار وہاں بیٹھا کچھ سوچنے لگا۔

وہ ہر قیمت پر سکندر کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ سکندر کوئی عام گنڈہ نہیں ہے اُس تعلق صرف پاکستان کے مافیا گروپس اور کرپٹ لیڈرز کے ساتھ ہی نہیں بلکہ کچھ ہے جو سکندر بھاؤ سب سے چھپا کر اپنی اصل پہچان کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

جہاز ترکی کے شہر استنبول کے اوپر سے اڑ رہا تھا۔

سکندر پہلے سے وہاں تک آنے کی اڑان کا معاہدہ کر چکا۔

جس کے بدلے میں وہ وہاں کی گورنمنٹ کو وہ دینے والا تھا جس کے لیے وہ وہاں آیا تھا۔

معاہدے کے مطابق استنبول کے ایئرپورٹ پر جیٹ کو اتارا گیا۔

جہاں پہلے سے ہی سکندر کے آدمی اُس کے آنے سے پہلے ہی تمام انتظامات کہ ساتھ وہاں موجود تھے۔

جس کے بعد وہاں کچھ گاڑیاں موجود تھیں۔

سکندر ایک نظر بھی اُن انتظامات کو دیے بنا ایک اشارے میں سب کے سروں کو نیچے جھکانے کا کہہ گیا۔اور پھر

سکندر زیمل کو گاڑی میں بیٹھاتا جمشید سے بولا۔

سکندر::::: گاڑیوں میں بیٹھو۔

جمشید دوسرے ہی پل گاڑی میں بیٹھا اور پھر گاڑیاں ایک قطار میں چلنے لگی۔

سکندر کی گاڑی دوسری نمبر پر تھی جسے جمشید چلا رہا تھا۔
اور پھر ایک بند جگہ کا راستہ کھول گیا جو وہاں سے گاڑیوں کی راہ کو شہر تک لے گیا۔
اور دیکھتے ہی دیکھتے سکندر سے پیچھے تین گاڑیوں نے سکندر کی گاڑی کی حفاظت کے لیے اپنی جگہ لے لی۔
سب سے آخر کی دو گاڑیوں میں سے ایک گاڑی دائیں کو موڑتی سکندر کی گاڑی کے دائیں جانب آگئی اور دوسری گاڑی بائیں۔
اور پھر جمشید آپنے سے آگے والی گاڑی کے پیچھے چلتا اپنی گاڑی کو بڑھانے لگا۔
جب کہ زیمل ترکی کے شہر استنبول کا نظارہ کرنے لگی۔
کوئی شک نہیں تھا کہ زیمل کو وہ شہر بہت خوبصورت لگا تھا۔
بل آخر گاڑی ایک عالیشان عمارت کے آگے آرکی۔
اور پھر سکندر گاڑی سے نکلتا زیمل کی طرف کا دروازہ کھولتا بولا۔

سکندر:::: آجائیں۔

زیمل اُس خوبصورت عمارت کو دیکھنے لگی۔

جہاں ہر جگہ اُس ہوٹل کا نام درج تھا۔اور پھر اُس نام کو پڑھتے ہوئے بولی۔

زیمل::: ایلیٹ ورلڈ گرینڈ ہوٹل۔

سکندر:::: اندر چلیں۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی تو سکندر اُس کے آگے کو پھیلانے لگا۔

اور زیمل اُس ہاتھ کو تھامے اندر داخل ہو گئی۔

جہاں جمشید آگے کو بڑھتا ایک لڑکی سے چابیاں پکڑتا آگے کو چلا گیا۔

اور سکندر زیمل کے ساتھ جمشید کے پیچھے چلتا اُس کمرے تک جا پہنچا۔

اور سات لڑکیاں ہوٹل سٹاف کی زیمل اور سکندر کے پیچھے چلی آنے لگی۔

کمرے تک پہنچتے ہی زیمل اور سکندر کمرے میں داخل ہوئے تو جمشید بولا۔

جمشید:::: بھاؤ یہ لیڈی سٹاف ہے یہاں کا۔

سکندر:::: ٹھیک۔ہے۔

اور تم لوگوں کا انتظام۔ ہو گیا ہے ؟؟؟؟

جمشید::::جی بھاؤ آپ سے نیچے والے پورشن پر دو کمروں میں ہو گیا ہے۔

جہاں تقریباً فلسطین سے آئے بیس افراد رہنے والے تھے اور جمشید بھی۔

سکندر:::::تم نیچے میرا انتظار کرو اور سامان تیار ہے نہ ؟؟؟

. جمشید::::بس دس منٹ چاہیئے بھاؤ

سکندر::::پانچ منٹ ہیں تمھارے پاس میں تب تک آ رہا ہوں۔

جمشید::::جی ٹھیک ہے۔

کمرے کا دروازہ بند کرتا سکندر اندر کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی زیمل کو دیکھنے لگا جو اُس دیوار کے کچھ حصے پر بنی صرف شیشے کی کھڑکی تھی۔ جہاں سے شہر کا منظر انتہا کر خوبصورت اور دل کش لگ رہا تھا۔

. سکندر:::: کیسا لگا؟؟؟

زیمل:::::بہت خوبصورت۔

سکندر::::::وہ تو ہے۔

آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔ سفر سے تھک گئی ہو گی۔

زیمل:::: نہیں نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

سکندر:::: چلیں آپ نماز پڑھ لیں۔ میں تب تک آتا ہوں۔

اور یہ رکھ لیں پاس۔

سکندر ایک نیا فون زیمل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

سکندر:: اور کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو مجھے فون کر لیجیے گا۔

میں گھنٹے تک واپس آ جاؤں گا۔

زیمل:::: مگر آپ کہاں جا رہے ہیں؟؟؟؟

سکندر:::: آپ پریشان نا ہو۔ بس کام ختم کر لوں تو پھر ہم پاکستان چلیں گے۔

میں سٹاف سے آپ کے پاس ان لڑکیوں کو بھیج دیتا ہوں۔

اور آپ کے کھانے کا بھی کہہ دیتا ہوں۔

زیمل:::: نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ جائیں۔ میں ٹھیک ہوں۔

سکندر زیمل کی چہرے پر ہاتھ رکھتا ایک مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

جب کہ زیمل اُس کمرے کو دیکھنے لگی۔ اور پھر کچھ دیر بعد وضو کرتی نماز ادا کرنے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

____

لوسیفر کچھ دیر میں وہاں پہنچ جائے گا۔ اور ترکی آ چکا ہے۔ اور ہوٹل میں بھی پہنچ چُکا ہے۔ اس کے ساتھ اُس کے کافی آدمی ہیں۔

لوسیفر کو کیا چاہیے؟ آخر ترکی لینے کیا گیا ہے۔ صرف ایک میٹنگ کور کوانے اُس مقصد نہیں ہو سکتا۔ یہ بات مجھے کھٹک رہی ہے۔

معلوم نہیں۔ لوسیفر یہاں کیوں آیا ہے۔ البتہ ابھی وہ وہی جا رہا ہے۔ کیا ہمیں اُنہیں اطلاع دے دینی چاہیئے؟؟؟

نہیں اطلاع دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لوسیفر ترکی میں ہے۔

تم میٹنگ کو ہونے دو دیکھتے ھیں وہ کیا کرتا ہے۔

ٹھیک ہے.

اور یہ کہتے وہ فون بند کر گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر:::: جمشید؟؟؟

جمشید:::: جی بھاؤ؟؟

سکندر:::: کیا پھر سے جمال کا فون ہے۔

جمشید:::: نہیں بھاؤ وہ۔۔

سکندر:::: وہ کیا؟؟

جمشید:::: بھاؤ وہ میں کہہ رہا تھا کہ۔

اچانک فون بجنے لگا تو سکندر جمشید کو ٹوکتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ایک منٹ۔

اور فون کو نکالتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ہاں بولو؟

ٹھیک ہے۔ گوڈ۔ ہاں۔ صحیح۔ اور اس کے علاوہ کچھ۔

ٹھیک ہے۔

اور پھر یہ کہتا سکندر فون بند کر گیا۔

سکندر:::: جمشید گاڑی نکالو

جمشید:::: جی بھاؤ۔

اور پھر سکندر وہاں گاڑی میں بیٹھتے اپنے ساتھ دو اور گاڑیوں میں اپنے باڈی گارڈز کو لیتا جمشید کے ساتھ نکل گیا۔

الکے ایمن اور گوز برق یگیز کے ساتھ کچھ اور بھی مافیا گروپس کے ڈر گز ڈیلر وہاں بیٹھے تھے۔

مگر در حقیقت یہ میٹنگ صرف اور صرف الکے ایمن اور گوز برق یگیز کے درمیان ہونے والی تھی۔

آس پاس کچھ گارڈز بھی بندوقوں کو پکڑے کھڑے تھے۔

مگر وہاں ہر کوئی اس بات سے انجان تھا کہ لوسیفر تر کی پہنچ چکا ہے۔

اور اب لوسیفر کے اگلے قدم۔ پر بہت سو کی سانسیں رکنے والی تھیں۔

گوز برق یگیز::: تو پھر اس ڈیل پر تم متفق ہو؟

الکے ایمن:::: کچھ شرائط ہیں میری۔

گوز برق یگیز:::: شرائط رکھے بنا تم کوئی دھندھا کر لو یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔

الکے ایمن:::: میرے کام کرنے کے کچھ اصول ہیں اُنہیں لے کر نہ چلو تو گھاٹے کا سودا کر بیٹھتا ہوں۔

گوز برق یگیز:::: خاصے کمینے ہو. بھلا اس گند کے کھیل میں بھی کوئی اصول رکھتا ہے۔

وہ با قاعدہ قہقہ لگا کر ہنسنے لگا

الکے ایمن:::: کھیل میں اصول نہ ہو تو کھیل کھیلنے کا مزا نہیں آتا۔

گوز برق یگیز:::::اور میرے مطابق کھیل میں اصول نہ ہو تو ہی کھیل کھیلنے کا اصل مزا آتا ہے۔

الکے ایمن:::::: تین شرطیں ہیں میری۔

گوز برق یگیز:::::: کمینہ بعض نہیں آئے گا۔

چل بول۔

الکے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کرنے لگا تو وہ ایک فائل کو پکڑاتا تھوڑا دور جا کر کھڑا ہو گیا۔

گوز برق یگیز:::::: تو تم پہلے سے تیاری کر کہ آئے ہو۔

لاؤ دیکھیں کیا شرطیں ہیں تمہاری۔

اور پھر وہ فائل کو پکڑتے شرطوں کو پڑھنے لگا۔

جیسے جیسے شرطوں کو پڑھنے لگا ویسے ویسے اُس کے چہرے کی مسکراہٹ بڑھتی گئی۔

اور پھر پاس پڑے پین کو پکڑتے ہوئے بولا۔

اتنی چھوٹی شرطوں سے کھیل کھیلنے میں مزا نہیں آتا

میرا ہاتھ دوستی کے لیے بڑھا ہے۔

مجھے امید ہے یہ ڈیل ہم دونوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی۔

اور یہ کہتے ہی وہ سائن کرنے لگا۔

مگر جس پل اُس پین نے کاغذ کو چھوا اُسے پل سامنے سے دروازہ جھٹک کر کھول گیا اور سامنے سے آتا سکندر

جو کالی رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا جو اور اُس نے کالے ہو رنگ کا کوٹ پہن رکھتا تھا۔

دروازے کے کھولتے ہی اپنی شان دار چال کے ساتھ آنکھوں سے کالے ہی رنگ کا چشمہ اُتارتا اپنی پندرہ باڈی گارڈز کے ساتھ داخل ہوا۔

جن کے ہاتھوں میں قیمتی اور جدید اسلحہ موجود تھا۔

سکندر کو سامنے سے آتا دیکھ ہر کوئی اپنی قدموں پر کھڑے ہونے اور مجبور ہو گیا۔

اور وہی سکندر گوز برق یگیز اور الکے ایمن کے بلکل مقابل میں پڑی ایک کُرسی پر ٹھاٹ سے بیٹھ گیا جہاں اُن لوگوں کے درمیان کا فاصلہ ایک بڑی میز پر مشتمل تھا۔

سب اپنے قدموں پر کھڑے وہاں لوسیفر کی موجود پر خوف زدہ ہو چکے تھے۔

گوز برق یگیز اور الکے ایمن کے باڈی گارڈز پر پہلے ہی سکندر کے ادمیوں نے بندوقیں تان لی تھیں۔

اور پھر سکندر کی موجودگی سے وہاں سانسوں کی آواز کے سوا کچھ نہ رہا جو خوف سے اٹک اٹک کے حلق سے باہر کی طرف آ رہی تھی۔

الکے ایمن اور گوز برق یگیز کے ساتھ کچھ اور بھی مافیا گروپس کے ڈرگز ڈیلر وہاں بیٹھے تھے۔

مگر درحقیقت یہ میٹنگ صرف اور صرف الکے ایمن اور گوز برق یگیز کے درمیان ہونے والی تھی۔

آس پاس کچھ گارڈز بھی بندوقوں کو پکڑے کھڑے تھے۔

مگر وہاں ہر کوئی اس بات سے انجان تھا کہ لوسیفر تر کی پہنچ چکا ہے۔

اور اب لوسیفر کے اگلے قدم۔پر بہت سو کی سانسیں رکنے والی تھیں۔

گوز برق یگیز::: تو پھر اس ڈیل پر تم متفق ہو؟

الکے ایمن:::: کچھ شرائط ہیں میری۔

گوز برق یگیز::::: شرائط رکھے بنا تم کوئی دھندھا کر لو یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔

الکے ایمن:::: میرے کام کرنے کے کچھ اصول ہیں اُنہیں لے کر نہ چلو تو گھاٹے کا سودا کر بیٹھتا ہوں۔

گوز برق یگیز::::: خاصے کمینے ہو. بھلا اس گند کے کھیل میں بھی کوئی اصول رکھتا ہے۔

وہ باقاعدہ قہقہ لگا کر ہنسنے لگا

الکے ایمن::::: کھیل میں اصول نہ ہو تو کھیل کھیلنے کا مزا نہیں آتا۔

گوزبرق یگیز::::::اور میرے مطابق کھیل میں اصول نہ ہو تو ہی کھیل کھیلنے کا اصل مزا آتا ہے۔

الکے ایمن:::::: تین شرطیں ہیں میری۔

گوزبرق یگیز::::: کمینہ بعض نہیں آئے گا۔

چل بول۔

الکے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کرنے لگا تو وہ ایک فائل کو پکڑاتا تھوڑا دور جا کر کھڑا ہو گیا۔

گوزبرق یگیز::::: تو تم پہلے سے تیاری کر کہ آئے ہو۔

لاؤ دیکھیں کیا شرطیں ہیں تمہاری۔

اور پھر وہ فائل کو پکڑتے شرطوں کو پڑھنے لگا۔

جیسے جیسے شرطوں کو پڑھنے لگا ویسے ویسے اُس کے چہرے کی مسکراہٹ بڑھتی گئی۔

اور پھر پاس پڑے پین کو پکڑتے ہوئے بولا۔

اتنی چھوٹی شرطوں سے کھیل کھیلنے میں مزا نہیں آتا

میرا ہاتھ دوستی کے لیے بڑھا ہے۔

مجھے امید ہے یہ ڈیل ہم دونوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی۔

اور یہ کہتے ہی وہ سائن کرنے لگا۔

مگر جس پل اُس پین نے کاغذ کو چھوا اُسے پل سامنے سے دروازہ جھٹک کر کھول گیا اور سامنے سے آتا سکندر

جو کالی رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا جو اور اُس نے کالے ہو رنگ کا کوٹ پہن رکھتا تھا۔

دروازے کے کھولتے ہی اپنی شان دار چال کے ساتھ آنکھوں سے کالے ہی رنگ کا چشمہ اُتارتا اپنی پندرہ باڈی گارڈز کے ساتھ داخل ہوا۔

جن کے ہاتھوں میں قیمتی اور جدید اسلحہ موجود تھا۔

سکندر کو سامنے سے آتا دیکھ ہر کوئی اپنی قدموں پر کھڑے ہونے اور مجبور ہو گیا۔

اور وہی سکندر گوز برق یگیز اور الکے ایمن کے بلکل مقابل میں پڑی ایک کُرسی پر ٹھاٹ سے بیٹھ گیا جہاں اُن لوگوں کے درمیان کا فاصلہ ایک بڑی میز پر مشتمل تھا۔

سب اپنے قدموں پر کھڑے وہاں لوسیفر کی موجود پر خوف زدہ ہو چکے تھے۔

گوز برق یگیز اور الکے ایمن کے باڈی گارڈز پر پہلے ہی سکندر کے ادمیوں نے بندوقیں تان لی تھیں۔

اور پھر سکندر کی موجودگی سے وہاں سانسوں کی آواز کے سوا کچھ نہ رہا جو خوف سے اٹک اٹک کے حلق سے باہر کی طرف آ رہی تھی۔

سکندر وہی اُس خوف کو مزید اُن پر طاری کرتا اپنی گلاسز کو ٹیبل پر رکھتا بولا۔

لوسّیفر::::: کیا بات ہے۔

یہاں تو دوستیاں بڑھائی جا رہی ہیں اور ہمیں معلوم بھی نہیں۔

گوز برق یگیز::::: نہیں لوسیفر۔۔ ہم تو بس۔

لوسیفر::::: شش

میں نے ابھی تمہیں بولنے کا موقع نہیں دیا۔

سانس لینے کی اجازت دی ہے تو بس وہی لو۔ تمھارے حلق سے کسی لفظ کی ادائیگی نہیں ہونی چاہئے۔

السے ایمن::::لو۔۔۔سي۔۔۔فر۔۔۔می۔۔۔میں

لوسیفر کی ایک نظر نے السے ایمن کو چپ ہونے پر مجبور کر دیا۔

لوسیفر:::::اگر باقی سب کو اپنی زندگی پیاری ہے تو میرے تین گننے تک یہاں سے نکل جاؤ۔

ورنہ تم لوگوں کے جسم کی ایک بوند بھی تمھارے جسموں میں باقی نہیں رہے گی۔

لوسیفر::::ایک۔۔

اور اس کے ایک گننے سے پہلے ہی سب کے قدم باہر کی طرف بڑھے اور

دوسرے ہی پل اُس کمرے میں سوائے

الکے ایمن اور گوز برق یگیز کے سوا کوئی نہیں بچا۔

حتیٰ کہ اُن کے باڈی گارڈز بھی وہاں سے رفوچکر ہو گئے

اور پھر ایک شیطانی مُسکراہٹ کا۔بسیرا لوسیفر کے چہرے پر ہوا تو بولا۔

لوسیفر::::: بیٹھ جاؤ گھٹنوں کے بل۔

وہ جانتے تھے کہ اُن کا انجام اب کیا ہونے والا ہے۔

اور سکندر کے ایک بار ہی کہنے اور وہ بیٹھ بھی گئے۔

لوسیفر:::::: میں یہاں قتلوں غارت کے لیے نہیں آیا۔

مجھے میرے سوال کا ایک بار میں فوراً اور درست جواب چاہیئے۔

ورنہ تم لوگ میرے بارے میں یہ تو جانتے ہو کہ میں کون ہوں

گوز برق یگیز::::: دیکھو لوسیفر ہم بس ایک چھوٹا سا سودا کر رہے ہیں۔

کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

یہ عام سے ڈر گز ہیں ہم اپنا پیسہ کما لیں گے اور۔

سکندر کے ایک اشارے پر سکندر کے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ایک زور دار تھپڑ اُس کے چہرے اور مارا۔

لوسیفر::: اوہ۔۔۔۔ زیادہ زور سے تو نہیں لگی۔

اور لوسیفر اُس کے گال کے لال پڑنے کو دیکھ کر بولا۔

لوسیفر:::: لگتا زیادہ زور کی لگ گئی ہے۔

اچانک سکندر کی میز پر نظر پڑی تو وہاں ایک فائل کو دیکھ سکندر بولا۔

لوسیفر:::: جمشید وہ فائل تو یہاں لاؤ۔

اور پھر دوسرے ہی پل سکندر کے ہاتھوں میں جمشید وہ فائل تھما گیا۔

اور پھر سکندر کے فائل کھولتے ہی اُن شرائط پر نظر پڑی جس کا ذکر بھی کچھ دیر پہلے کر رہا تھا۔

لوسیفر:::: یہ فائل کس کی طرف سے ہے۔

گوز برق یگیر:::: یہ شرائط الکے کی طرف سے ہیں۔

سکندر نے ایک نظر الکے ایمن کو دیکھا جس کے لوسیفر کو دیکھ کر پسینے چھوٹ رہے تھے۔

اور پھر سکندر نے ایک کے بعد ایک شرائط کو پڑھنا شروع کیا۔

لوسیفر::::: پہلی شرط: تیس لاکھ بچوں کی اسمگلنگ افریقہ سے انڈونیشیا۔

سکندر نے پڑھتے ہی الکے کی طرف دیکھا تو بولا۔

لوسیفر::::: بچوں کی اسمگلنگ۔ کافی سوچ کر شرائط تیار کی گئی ہیں۔

الکے ایمن::::: لوسیفر۔۔۔۔ میری۔۔۔ بات۔۔۔ سنو۔۔۔

لوسیفر::::: اپنی زبان کو اپنے منہ میں رکھنا فل وقت۔

اور اس وقت تک رکھنا جب تک میں یہ شرائط پڑھ نہ لوں ورنہ میرے پڑھنے سے پہلے یقیناً تم اپنے انجام تک پہنچ جاؤ گے۔

اور پھر الکے لوسیفر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خود اور خوف طاری ہوتے ہی خاموش ہو گیا۔

لوسیفر::::: ہاں تو میں کہاں تھا۔

جمشید:::: بھاؤ شرط نمبر دو پر۔

لوسیفر:::: ویسے شرطیں پڑھنے کی ضرورت تو ہے نہیں۔

آخر میں ان دونوں کو مار کر ہی جانا ہے۔ سالوں کی اتنی ہمت ہو گئی ہے کہ

اسمگلنگ کے دھندھو میں بچوں کو لیا جا رہا ہے۔

گوز برق یگیر:::: لوسیفر.... تم ایسا نہیں کر سکتے۔

لوسّیفر:::: تو تمہیں لگتا ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا؟؟؟

گوز برق یگیر:::: دیکھو لوسیفر پچھلے نو سالوں سے ہم اپنے سارے کالے

دھندوں کو بند کر کے بیٹھے ہیں

تم ایسے نہیں کے سکتے۔ یہ دنیا تمہاری نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں تمہارا غلام

ہوں۔

تمھارے ساتھ میری ملاقات پرسو کی تھی اور تم یوں آ کر میرے سارے

دھندھے کو چوپٹ نہیں کے سکتے۔

میرے بھی کچھ اصول ہیں۔ تم خوف کی بنا پر ہمیں اپنا غلام نہیں بنا سکتے۔

تمھارے اصول ہمارے دھندوں کو روز بر روز گھاٹے پر لے کر جا رہے ہیں۔

میں بھی اپنے علاقے کا ڈون ہوں گوز برق یگیز ہوں میں۔

تم مجھے یوں قدموں۔ میں بیٹھا کر مجھ سے میری زندگی نہیں چھین سکتے۔

میں تم سے پہلے اس کام میں ہوں۔ سب تم سے ڈرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ہمیں ہماری مرضی کرنے سے روکو

سکندر خاموشی سے اپنی آنکھوں کو بند کر گیا۔

اور گوز برق یگیز نجانے اپنی موت کو مزید سخت بنانے میں اپنی زبان کے ہاتھوں بہت بڑا اور اہم کردار ادا کر چکا تھا۔

جمشید اُس وقت سے سکندر کو دیکھ رہا تھا۔ سکندر کی یہ خاموشی کسی دردناک تباہی کی علامت معلوم ہو رہی تھی۔

اور پھر گوز برق یگیز کے منہ سے وہ الفاظ نکلے جس نے سکندر کی بند آنکھوں کو کھولنے پر مجبور کر دیا۔

گوز برق یگیز:::::اگر تمہارا باپ ایسا تھا تو اس میں ہم میں سے کسی کا قصور نہیں۔

تمھاری ماں اگر تمھارے باپ کے ہاتھوں ماری گئی تو وجہ تمہارا باپ تھا۔

ہم میں سے کوئی نہیں۔

اور اگلے ہی پل سکندر کی آنکھیں کھول گئی۔

اس کے چہرے کے تاثرات ایک پل میں خاموشی سے ایک خون خار درندے میں بدل گئے۔اس کے چہرے پر اس قدر خون سوار ہوا دیکھ رہا تھا کہ سکندر ایک ہی پل میں جھٹک کے کُرسی کو خود سے دور کرتا کھڑا ہو گیا۔

جمشید یہ منظر دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اب سب کچھ بہت بھیانک ہونے والا ہے۔

سکندر جو چیلا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

سکندر::::وہ کمینا میرا باپ نہیں ہے۔

اور پھر سکندر نے چیلا کر گوز برق یگیز کو دیکھ

اور پھر میز اور زور سے اپنا ہاتھ مارتا وہ فائل پر سے پین اٹھا گیا اور فائل کو دوسری طرف پھینکتے اُس کی طرف بڑھا تو اگلے ایمن دوسرے ہی پل سکندر کو دیکھ گوز برق یگیز سے دور دیوار سے جا لگا۔

جب کہ گوز برق یگیز اب اپنے الفاظ کو سمجھا تھا

مگر اب سکندر اس قدر غصے میں آ چکا تھا کہ اُسے روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔

گوز برق یگیز::::: لوسی۔

سکندر:::: کیا کہا ہے تو نے۔۔۔ میرا باپ۔

گوز برق یگیز::::: لوسی۔۔۔ میں۔ وہ

ابھی کہ۔ وہ سکندر کو روکنے کے لیے کچھ کہہ پاتا سکندر دوسرے ہی پل میں اُسے اپنے ہاتھوں میں لیتا دبوچ چکا تھا۔

اس کی گردن سکندر کے ہاتھوں میں تھی۔ اور سکندر نے ایک ہی پل میں اُسے دیوار کے ساتھ زور سے مارا۔۔

سکندر:::: اٹھ۔۔۔ اٹھ میں نے کہا۔

گوزبرق کا سر اتنی زور سے دیوار سے لگا کہ اُسے اپنے سر سے خون نکلتا محسوس ہوا۔

اس نے سکندر کو روکنے کی کوشش کی تو سکندر نے اپنی ٹانگ سے اُس کے منہ پر اس قدر زور سے وار کیا کہ اُس کے منہ سے خون نکلنے لگا اور وہ سکندر سے دور جا کر گرا۔

اس کے منہ اور ناک سے خون نکل رہا تھا۔اور شاید سکندر کے وار سے اُس کے دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔

جب کہ سکندر کی آنکھوں اور سر پر اُسے مارنے کا خون سوار ہو چکا تھا۔

گوزبرق::::ل۔۔۔و۔۔۔سی۔۔۔فر۔

سکندر اُس کے الفاظ پر متوجہ ہوا تو اُس نے پاس پڑی کُرسی کو اٹھا کر اُس کے سر پر پوری طاقت سے مارا۔۔اتنی طاقت سے کہ وہ وہی زمین پر مدہوش گر گیا۔

سکندر اُسے اُس کے کپڑوں سے گھسیٹتے ہوئے لایا تو اُسے میز کے ایک کونے سے زور سے مارنے لگا۔

سکندر کا غصہ اس قدر انتہا اور تھا کہ وہ اُسے مارنے کے لیے اپنا ہاتھ نہیں روک رہا تھا۔

اور پھر اُسے جھٹک کر دوسری طرف پھینکتے وہ چیخنے لگا تو اُس پین کو اپنے ہاتھ کے پنجے پر پکڑتے وہ اُس کی طرف بڑھا۔

جمشید فوراً سے سکندر کو روکنے کے لیے اُس کی طرف بڑھا۔

جمشید::::بھاؤ بس۔۔۔

ابھی جمشید اپنی پوری بات کہہ پتہ۔ سکندر جمشید کو خود سے دور پھینکتا بولا۔

سکندر::::کوئی اس کتے کو بچانے کے لیے اندر نہ آئے۔

جو آیا وُہ میرے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے گا۔

اور پھر دوسری ہی پل سکندر نے پوری طاقت اور غصے سے اپنے اندر ابلتی اور جلتی آگ کے زیر اثر اُس پین کو اُس کی گردن پر مارنا شروع کر دیا۔

اس قدر تباہی مچانے کے باوجود اُس کا غصہ کسی طور کم نا ہوا تھا۔

اور پھر دوسرے ہی وار پر گوزبرق کی بچی کچی مدھم سانسیں تھم گئی اور وہ وہی بے جان ہو گیا۔

جب کہ غصے کی شدت کے باعث سکندر کا ہاتھ نہیں روکا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مر چُکا ہے۔

نہ ہی اب سکندر کے کسی آدمی میں سے اُسے روکنے کی ہمت تھی کہ حتیٰ کہ جمشید میں بھی نہیں۔

اور بھی کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا جو سکندر کو باقاعدہ ایک وحشی انسان کی شکل دے چکا تھا۔

وہ انسان جسے سکندر نو سال سے اپنے وجود میں سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر سکندر اب بے قابو ہو چکا تھا۔

سکندر کے ایک جگہ پر بار بار وار کرنے سے ایک سوراخ اُس کی گردن پر واضح ہو گیا۔

جبکہ سکندر کے ہاتھ اُس کے خون سے لت پت ہو گئے۔
جو ایک بے جان وجود پر اپنے وار سے اُس کی موت کی ایک بھیانک تاریخ رقم کر گیا تھا۔

سکندر اس قدر غصے میں تھا کہ اُسے روکنا نہ ممکن لگ رہا تھا۔

اور بل آخر ستر وار کرنے کے بعد سکندر کا ہاتھ رکا مگر سکندر کا رخ اب اگلے ایمن کی طرف موڑ چکا تھا جو سکندر کی نظروں کو خود کی طرف بڑھتے دیکھ رونے لگا اُس کا وجود وہ بھیانک اور دردناک منظر دیکھ کر کانپ رہا تھا۔
انکھوں سے انسوں خوف سے نکلنے لگے۔ وکچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا تو اس کی زبان اُس کا ساتھ نہ دے سکی۔

اُسے اپنی نظروں کے سامنے لوسیفر کا خون سے بھرا چہرہ نظر آیا جس پر اس قدر بھیانک موت دینے کے بعد بھی اُس کے چہرے پر کوئی بے رحمی میں کمی واقع ہوتی نظر نہ آئی
اس نے بولنے کی کوشش کی تھی تو اُس کے حلق سے آواز ہی نہ نکلی۔

جب کہ سکندر کے چہرے پر کافی خون کی چھینٹے تھیں جو جمشید کو بہت حد تک نو سال پہلے کا منظر دیکھا گئیں تھیں۔

اےلکے::::لو

ابھی کہ وہ کچھ اور بولنے کی کوشش کرتا دوسرے ہی پل سکندر نے اٹھتے ہی جمشید کے ہاتھوں سے بندوق پکڑتے اُس کے سر پر نشانہ تانا اور اُس کے ماتھے کے بیچوں بیچ اُس گن کی تمام گولیاں بھر دیں۔۔

اور اس کی دبی آواز نکلنے سے پہلے ہی مکمل طور پر دب گئی۔

وہاں موجود سکندر کے اپنے آدمی سکندر کا یہ روپ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے۔اُن کی آنکھیں پھٹ سے گئی تھی۔البتہ جمشید کے پاؤں اپنی جگہ ساکن ہو گئے۔

اور پھر سکندر اُس بندوق کو زور سے دیوار پر مارتا بولا۔

سکندر::::میں لوسیفر نہیں ہوں۔

اور پھر وہ چیخنے لگا۔

سکندر غصے سے چکر کاٹنے لگا۔اُس کا غصہ کسی طور کم ہونے کو نہ تھا۔

اور پھراُس کی نظر اپنے ہاتھوں پر پڑی جو خون سے لت پت تھے۔

خون سے لت پت ہاتھوں کو دیکھتے وہ آہستہ سے بولا

سکندر::::انہیں ابھی اسی وقت یہاں سے لے جاؤ ابھی کہ ابھی۔

اور پھر اگلے ہی پل سکندر کے کچھ آدمی وہاں اُن دونوں کی لاشوں کو وہاں سے لے گئے۔

اور سکندر اپنے ہاتھوں میں موجود خون کو اپنے کپڑوں سے صاف کرتے نجانے کس کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔

کسی کا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوا تو وہ پر سکون ہو گیا۔

اس کے رویے میں واضح فرق دیکھتا جمشید کچھ بھی نہ بول سکا

اور پھر سکندر عام سے انداز پر واپس کُرسی پر بیٹھتا اپنی انکھوں کو موند گیا۔

کمرے کی حالت وہاں ہونے والے منظر کا رخ دیکھا رہی تھی اور پھر جمشید کی نظر اُس فائل اور پڑی جو اُس سے کچھ فاصلے پر پڑی دو اور شرطوں کو دیکھا گئی جس کی اب تک سکندر نے نہیں پڑھا تھا۔

آر گن کی اسمگلنگ میں اٹلی اور اسپین کے مافیا گروپ کی مدد۔

جوان لڑکیوں کی اسمگلنگ کے۔ساتھ ڈر گز کی سپلائے فلسطین میں موجود بچوں تک۔

سالار تیز قدموں میں اوپر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک دروازے کو کھولتا وہ اندر داخل ہوا تو سامنے ہی ایک بوڑھا آدمی وہاں کچھ کاغذوں کو دیکھ رہا تھا۔

شاید وہ کچھ تلاش کر رہا تھا۔سالار کے ساتھ خضر بھی اُس کمرے میں داخل ہوا تو وہ آدمی اُن دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ آدمی سالار کو دیکھتے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور سوال کرتا بولا

تم لوگ فرقان کی دوست ہو؟؟؟؟

خضر:::::جی ہم فرقان کے دوست ہیں۔

آجاؤ بچوں یہاں آجاؤ میں کب سے تمہاری ہی راہ دیکھ رہا تھا۔

سالار اور خضر دونوں آگے بڑھتے سامنے موجود کرسیوں میں ویت گئے۔

وہ اُس آدمی کے آفس نماں کمرے میں بیٹھے اِرد گرِد کی دیواروں کو دیکھنے لگے۔

دیواروں میں بہت ساری تصویریں اور فلسطینی زبان کچھ نہ کچھ ان تصویروں کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ کچھ خاص انفارمیشن جو شاید اُس موجودہ کمرے میں موجود تصویروں کی خاص کہانی بتا رہی تھیں۔

کیا پیو گے؟؟؟ تم دونوں؟

نہیں نہیں سر اس کی ضرورت نہیں ہے اچانک خضر اُس آدمی کی بات کا جواب دیتا بولا۔

اور پھر وہ آدمی ایک آہ لیتا بولا۔

تو پھر یہ کس مقصد سے آئے ہو؟

سالار::: ہمیں یہاں کسی آدمی کے بارے انفارمیشن حاصل کرنے آئے ہیں. کیا آپ کو فرقان نے نہیں بتایا؟؟؟

فرقان جو بتا چُکا وہ گزر چُکا ہے بیٹا۔اب وہ بیان کرو جو تم چاہتے ھو. یہ تلاش اُس کی نہیں ہے جو وہ مجھ سے مانگے۔ تم خود چل کر آج یہاں آئے ہو تو پھر اپنا مدعا بیاں کرو۔

سالار::: ہمیں ایک آدمی کے بارے میں سب جاننا ہے۔سب مطلب سب۔

سب تو وہ بھی نہیں جانتا جس کے بارے میں تم جاننے آئے ہو۔جو رنگ کو پل میں بدل لے وہ کیا جانے اپنی اگلے چال کو۔

سالار کو اُس آدمی کی باتیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔اور پھر وہ خضر سے مخاطب ہوا تو بولا۔

سالار:::: یہ آدمی ہماری کچھ مدد کر پائے گا بھی کہ نہیں؟؟فرقان نے ہمیں کس کے پاس بھیج دیا ہے۔۔

اور پھر وہ آدمی سالار کی بات کا جواب دیتے بولا۔

میں اردو زبان بھی جانتا ہوں۔اور مدد کرنا بھی۔مگر جس آدمی کے لیے تم یہاں آئے ہو وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔اپنی بھی اور اپنوں کی بھی۔

کیوں صحیح کہا نہ سالار بیٹا۔تم تو یہ جانتے ہی ہوں گے۔

خضر:::: سر آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ہم پاکستان سے آئے ہیں صرف اس لیے کہ سکندر بھاؤ کا ماضی جان سکیں۔

تو پھر پہلے یہ بتاؤ کہ تم اُس کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟

سالار:::: یہی کہ جو وہ دکھتا ہے وہ وہ نہیں ہے۔

تو پھر یہ جان کر بھی تم اُس کے بارے میں وہ جاننا چاہتے ہو جو تمہیں نہیں جاننا چاہیے۔

سالار::::جی ہاں میں سب جاننا چاہتا ہوں۔

سوچ لو زندگی کا معاملہ ہے تمہاری بھی اور تمھارے اپنوں کی بھی۔

سالار::::زندگی خدا کے ہاتھوں میں ہے۔موت اگر آنی ہوئی تو نہ جان کر بھی آجائے گی۔اور نہ آنی ہوئی تو جان کر بھی نہیں آئے گی۔

مجھے موت کا خوف نہیں ہے۔مجھے لوگوں کی زندگی کی پرواہ ہے۔

میں اُن کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ اپنوں سے الگ ہونے کا درد کیسا ہوتا ہے۔

اس لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ سکندر بھاؤ حقیقتاً ہے کون؟

اس بوڑھے آدمی نے ایک لمبی سانس لی تو بولا۔

جس آدمی کا تم نام لے کر یہاں مُجھ سے ملنے آئے ہو۔

اس آدمی کو مافیا کی دنیا لوسیفر کے نام سے جانتی ہے۔

سالار بہت حیرانگی سے بولا۔

سالار::::لوسیفر؟

ہاں بیٹا لوسیفر۔عیسائیت کے مذہب میں لوسیفر شیطان کا ساتھی مانا جاتا ہے۔اور شیطان کا ساتھی خود ایک شیطان ہوا کرتا ہے۔

سالار:::::::اور کیا جانتے ہیں آپ؟؟؟

لوسیفر نے بہت چھوٹی عمر میں وہ سب کیا جو ایک بچے کے ہاتھوں انجام دینا حیران کن تھا۔لوسیفر کی ماں ایک مسلمان عورت تھی۔ایسی عورت جس کی موت نے لوسیفر کو ایک درندے میں بدل دیا۔

سالار:::::"""""ماہِ نور"""""""اُس کی ماں کا نام ماہِ نور تھا۔

ہاں صحیح کہا تم نے۔لوسیفر سات سال کا تھا جب اُس کی ماں کی ایک ایکسیڈنٹ میں موت واقع ہوئی تھی۔

تب اُس کے ہاتھوں میں ایک بچی تھی۔جسے وہ اپنی جان کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

اور پھر آہستہ آہستہ سب بدل گیا۔

سالار::::کی مطلب؟؟؟؟

لوسیفر باقی بچوں سے ایک دم مُختلف تھا۔ایسا بچہ جو اپنی دماغی صلاحیت سے لوگوں کی عقل کو حیران کن کر دینے والا تھا۔

جس وقت اُس کی ماں کا ایکسڈنٹ ہوا اُس کی ماں کو ہمارے ہی ہاسپٹل میں لایا گیا تھا۔اُس کی ماں کافی زخمی تھی۔

اور وہ ایک بینچ پر بیٹھا ایک چھوٹی سی بچی کو گود میں لیے رو رہا تھا۔

اس وقت وہ سب کی نظروں کا مرکز تھا۔اُس کی باتیں کسی سات سالہ بچے کی باتیں معلوم نہیں ہوتی تھی۔

میرا جونئیر کولیگ ڈاکٹر سٹیفن ہار پر اُس کیس کو دیکھ رہا تھا۔

سالار:::: پھر؟؟؟

پھر معلوم ہوا کہ اُس کی ماں مر گئی.اور پورے ہسپتال میں وہ اپنی بہن کو لیتا رونے لگا۔

اس کی آنکھوں میں ایک آگ تھی جیسے وہ جانتا ہو کہ اُس کی ماں کا قتل ہوا

ہے۔ایکسڈنٹ نہیں۔

ایک رات وہ اُسی ہاسپٹل میں رہا۔ سوچوں میں گم۔ خاموش اور تنہا۔ بنا کسی کا

دلاسہ لیے۔

اور پھر اسی رات اُس سات سالہ بچے نے جس پر ہر کسی کو رحم آرہا تھا اُس

سات سالہ بچے نے ایک قتل کر دیا۔

سالار::::کسی کا..؟اُس نے کس کا قتل کیا۔؟؟؟

میرے کولیگ اسٹیفن ہارپر کا۔

سالار:::: کیوں؟

یہ میں نہیں جانتا۔

سالار:::: تو پھر کیا وہ جیل میں چلا گیا؟؟؟

نہیں۔کچھ بھی ایسا نہیں ہوا۔نہ کوئی کیس ہوا۔نہ ہی کچھ اور۔۔

سالار:::: کیوں؟؟؟

ہاسپٹل ایسا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ نہ اُس کی ماں مری نہ ہی وہ ڈاکٹر۔

سالار::::: کیا کوئی ثبوت نہیں تھا یا کوئی گواہ نہیں تھا؟؟

ثبوت بھی تھا اور چشمدید گواہ بھی۔

سالار::: وہ گواہ کون تھا؟

میں """"" تھا۔ """"""

خضر::: آپ؟؟؟

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ لوسیفر کوئی عام بچا نہیں ہے۔

سالار::: ایسا کیوں؟؟؟ کیا آپ کو کوئی دھمکی ملی؟؟؟ یا کچھ اور؟

اس کے ساتھ اُس رات ایک آدمی تھا۔ جو شاید اسی کچھ بتا کر اُسے قتل کرنے پر مجبور کر گیا تھا۔

سالار::: کون۔ تھا وہ؟؟؟

بروس جون وینی۔

سالار::: وہ سیریل کلر جس کا قتل ہوا تھا۔

تم اُس کے بارے میں جانتے ہو؟

سالار::: ہاں اُس کا قتل اور پاکستان میں ایک چھوٹے ڈرگ مافیا کا قتل ایک ہی طریقے سے کیا گیا۔

اور پھر خضر بیگ میں سے ایک فائل کو نکلتے بولا۔

خضر::: یہ دیکھیں

سالار:::: آپ اسی کی بات کر رہے ہیں؟؟؟

ہاں یہی اُس رات لوسیفر کے ساتھ تھا۔

سالار:::: پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟

میں پکڑا گیا. لوسّیفر نے مجھے دیکھ لیا۔اُس سات سالہ بچے نے میری آہٹ پر مجھے پکڑوا دیا۔ شاید میں اُس رات مر جاتا۔ مگر اُس بچے کا انداز میں آج بھی نہیں بھول سکتا۔

وہ ایک بچہ ہر گز معلوم نہیں ہوا تھا۔اُس نے اُس بروس جون وینی۔اُس سیریل کلر کو مجھے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

.اور اس نے مجھے چھوڑ دیا

سالار:::: اُس نے آپ کو چھوڑ دیا؟؟؟؟ مطلب آپ نے قتل ہوتے دیکھا۔ میں سمجھ نہیں۔۔ پا رہا۔۔ مطلب۔۔ خیر۔ پھر پھر کیا ہوا؟

پھر وہ چلا گیا۔

صبح تک اُس کی ماں کی لاش۔ سٹیفن ہارپر کی لاش سب غائب تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا۔

اور سب ایسے تھا جیسے کچھ نہیں ہوا۔

سالار اُس کی باتوں کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

سالار:::: کیا آپ لوسیفر کے باپ کے بارے میں جانتے ہیں؟؟؟

سالار کو اُس آدمی کے چہرے کے تاثرات کچھ بدلے نظر آئے اُسے لگا جیسے وہ کچھ خوف میں مبتلا ہوا ہے۔ کہ پھر اُس کے کانوں سے کے عوض ٹکرائی۔

نہیں میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

سالار:::: کچھ تو نام؟؟؟ اتا پتا؟؟ کچھ بھی؟

نہیں میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

سالار::: کچھ تو ہو گا؟؟؟

تم کتاب کے اُس پنے کو کھولنے کی چاہ کرر ہے ہو جو سب تہس نحس کر دے گی۔

سالار:::: تو مطلب آپ کچھ جانتے ہیں۔

میں بس تمھاری یہی مدد کر سکتا تھا اس زیادہ کچھ نہیں۔

جو تم جاننا چاہتے ہو وہ کروڑوں کی زندگیوں کا سوال ہے اور تم ہر گز یہ چاہت لے کر نہیں آئے ہو یہاں کہ تُمھاری چاہ کروڑوں کی زندگیوں کو موت کی شکل دے دے

سالار:::: ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا

ہونے ہو کو ہو چکا ہے یہ سالوں پہلے کی بات ہے۔ زندگی کوئی کھیل نہیں جسے میں تمہاری تسلی پر ارادوں۔

تم اس ملک میں اور اس شہرِ میں جس مقصد کے ساتھ آئے ہو اور جو کچھ جاننے وہ تمہیں نہیں جاننا چاہیے۔

مجھے یقین ہے تمہارے یہاں ہونے کی خبر اب تک اُسے ہو گئی ہو گی۔

سالار:::: تو آپ کو لگتا ہے کہ میں اُس شخص سے ڈر کر اپنے فرض سے پیچھے ہٹ جاؤں گا

نہیں۔

تمھاری آنکھیں تمہارا جوش دیکھا رہی ہیں۔ مگر جب اپنوں کا ساتھ چھین جانے کہ خوف دل میں ہو تو ڈر میں جی لینا ہی سب لگتا ہے۔

آخر سالار وہاں سے اٹھ گیا۔اور بولا

سالار::: میں سمجھتا ہوں۔اپنوں کا کھو جانا کیسا ہوتا ہے۔شاید میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے اس لیے میں نڈر بنتا ہوں۔

جس مقصد کو تم اپنے نڈر ہونے کی وجہ سے یہاں تک لائے ہو۔و مقصد پورا ہونا بہت مشکل ہے۔

.سالار:::: مگر ناممکن نہیں

وہ بوڑھا آدمی سالار کی بات پر مسکرایا تو بولا۔

ایک آدمی کا پتہ دیتا ہوں۔ شاید وہ تمہاری کچھ مدد کر سکے۔اور پھر وہ ایک کاغذ پر ایک پتہ لکھنے لگا اور پھر سالار کو پکڑاتے ہوئے بولا۔

یہ لو بیٹا۔اُمید ہے کچھ مدد ہو سکے گی تمہاری۔

سالار:::: آپکی مدد کا بہت شکریہ۔

اور پھر سالار یہ کہتا خضر کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

زیمل نماز ادا کر رہی تھی۔

ایک دم پر سکون ماحول تھا۔زیمل خاموشی کے ساتھ اپنی نماز کو مکمل ادا کرتی سلام پھیر گئی۔

اور پھر تسبیحِ نماز پڑھنے لگی۔۔ایک عجیب سی گھبراہٹ اُس کے پورے وجود میں اُسے محسوس ہو رہی تھی۔

تمام احساسات کو وہ خود سے دور کرتی دعا میں ہاتھ اٹھا گئی۔اور پھر دعا مکمل کرتی چہرے پر ہاتھ پھیر گئی۔

دوبارہ سے کچھ بے سکونی اُسے محسوس ہوئی تو اپنے سر کو سجدے میں دیتی وہ وہی اُس کلین پر لیٹ گئی۔

اور پھر وہ لیٹی لیٹی کچھ راز گفتگو کرنے لگی۔وہ ہر بات دل کی زبانی اپنے رب سے کرنے لگی۔

اور اپنے حق میں بہترین کی دعا کرتی بولی

جو عطا تو مجھے کرتا ہے زیمل اُس پر شکر گزار ہے۔۔

تیری حکمت کے رازوں میں میری ہمیشہ بہتری رہی ہے۔

میں جانتی ہوں کہ تیری ذات بے حد خوبصورت اور مہربان ہے۔تیری محبت کے عوض زیمل کی جان بہت حقیر ہے۔میں تُجھ سے بہت محبت کرتی ہوں۔تُجھ سے ملنے کی چاہ دل میں رکھے تیری قدرت میں تُجھے تلاش کرتی ہوں۔

تیرے کلام کو پڑھتی ہوں تو دل ٹھہر سا جاتا ہے۔ پھر بہہ سا جاتا ہے۔ دل کہتا ہے زیمل اللہ تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے تُجھ سے۔ پھر دل نکھر سا جاتا ہے

جب تُجھ سے اپنی کیفیت کا ذکر کرتی ہوں تو دل تمام بے اختیار رو پڑتا ہے۔

تو تو میرا رب ہے میں کچھ نہ بھی کہو تو تو میرے دل کے ہر گوشے سے واقع ہے۔

تو جہانوں میں نہیں بستا مگر دلوں میں بس جاتا ہے۔

اے اللہ میرے اس چھوٹے سے دل میں بھی بس جا۔

میرے دل میں اپنی محبت کے چراغ کی ایک تجلی جلا دے۔

میں تُجھ سے تیری شان کے مطابق مانگتی ہوں۔ کون ہے جو مجھے تیرے سوا عطا کر سکے۔۔۔ میرا تو سب کچھ تو ہی ہے۔

اور پھر زیمل کتنی ہی دیر اپنے دل کی بے سکونی کے باعث اپنے رب سب دل کی زبانی دل کی باتیں کرنے لگی۔۔

اور پھر اُس پر نیند حاوی ہو گئی۔۔اور وہی زمین کی آغوش میں لیٹی سو گئی

اور پھر وہ سوتے ہی خوابوں کی دنیا میں جا گری۔۔۔

)))))) خواب

زیمل ایک روشنی سے بھرے کمرے میں کھڑی سامنے کے منظر کو دیکھ رہی
تھی۔

وہ اُس روشنی سے بھرے کمرے میں اکیلی کھڑی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

زیمل:::: بابا۔۔۔ماما.. کوئی ہے ؟؟

زیمل اُس کمرے میں کسی اور کی موجودگی کا پتہ کرنے کر لیے آواز دینے
لگی۔

مگر اُس کی آواز چاروں سمت سے ٹکراتی واپس اُس کی طرف آنے لگی۔

زیمل کو لگا کہ وہ اُس کمرے میں اکیلی ہے۔اچانک اُس کی توجہ سامنے کی
سمت میں چار دروازوں کی طرف ہوئی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دروازے اُسے کس طرف کی راہ دکھائے گے۔

اچانک اُسے ایک دروازے کی سمت سے اپنے نام کے پکارے جانے کی آواز سنائی دی۔

اُسے لگا جیسے وہ اُس آواز کو جانتی ہے۔ مگر وہ سمجھ نہ سکی کہ وہ آواز کس کی ہے۔

ایک بار پھر ہولے سے اُس کے کانوں میں اپنا نام ٹکرایا تو وہ اُس دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازے کے پاس پہنچتے ہی دروازہ خود باخود کھول گیا۔

دروازہ کھولا تو زیمل کو دروازے کی دوسری طرف سکندر دیکھا جو مسکراتے ہوئے اُسے دیکھ رہا تھا۔

سکندر اپنے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف باندھے کھڑا تھا۔

اور زیمل کو صرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

زیمل نے مسکراتے ہوئے سکندر کو دیکھا تو بولی۔

زیمل::::آپ مجھے پکار رہے تھے؟؟؟؟

سکندر زیمل کی بات پر ہاں میں سر ہلا گیا۔

زیمل:::: کیوں؟

سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ زیمل کو جواب دیتا بولا

سکندر:::: تکلیف میں تھا اس لیے۔

زیمل:::: کیسی تکلیف

سکندر:::: میرے ہاتھ

سکندر کی مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی اور وہ وہی زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

زیمل کی توجہ سکندر کے ہاتھوں کی طرف گئی تو اُس نے سکندر کے ہاتھوں میں لاتعداد ضربیں دیکھیں جس کے باعث سکندر کے ہاتھوں سے خون ٹپک ٹپک کر زمین پر گر رہا تھا۔

زیمل فوراً سے آگے بڑھتی دروازے کے اُس پار جانے لگی جہاں سکندر زیمل کو اپنے خون سے بھرے ہاتھ دیکھا رہا تھا

مگراس سے پہلے کہ زیمل اُس دروازے کے اندر داخل ہو پاتی دروازہ بند ہو گیا

اور زیمل کی آنکھیں خواب کے زیر اثر کھول گئی۔

وہ وہی اُس کلین پر لیٹے لیٹے سو چکی تھی۔ ہوش میں آتے ہی جب اُسی خواب کا وہ حصہ یاد آیا تو وقت کو دیکھنے لگی جہاں اُسے سوئے ہوئے دو گھنٹے گزر چُکے تھے۔۔

خواب کو سوچنے لگی تو اُسے یاد آیا کہ گھنٹے تک سکندر نے واپس آجانا تھا۔اس خیال کے باعث اُس کی بے قراری اور بڑھ گئی تو فوراً سے وہ اٹھتی فون کو ڈھونڈھنے لگی۔

اس کا خواب اُسے بے حد پریشان کے چکا تھا۔جب کہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دوسری طرف سکندر اُنہیں ہاتھوں کو لیے بیٹھا کسی اور ہی کیفیت میں گم ہے۔

جمشید سکندر کو اب تک بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

سکندر بند انکھوں میں کسی یاد کا عکس دیکھ رہا تھا۔

یاد)))))

سکندر کے ہاتھ خون میں سے بھرے ہوئے تھے۔

سامنے ایک آدمی گرا پڑا تھا جو اپنی زندگی کی آخری سانس کو لے رہا تھا۔

سکندر کے چہرے پر انتقام کا ایسا بھیانک پہرہ تھا کہ وہ اُس شخص اور اپنے درمیان آنے والے ہر آدمی کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔

آس پاس لاشوں کے ایسے ڈھیر لگے تھے کہ جیسے لاشوں کا دریا بہہ رہا ہو۔

سکندر:::::تم نے مجھے وہ بنا دیا جو میں نہیں تھا۔

تم نے میری کائنات کو مجھ سے چھین لیا۔

تم نے مجھے لوسیفر بنا دیا۔خود جیسا ایک شیطان۔

وہ مرتا ھوا آدمی سکندر کو دور گرے صرف دیکھ رہا تھا۔

اور پھر سکندر اُس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

سکندر::::میرے یہ ہاتھ دیکھ رہے ھو۔تم جیسے شیطان کے خون سے بھر گئے ہیں۔

یہ دیکھو۔۔۔یہ۔۔۔یہ۔۔۔میرے ہاتھ۔کس قدر تمھارے ناجائز خون کے چھینٹے میرے وجود پر کالک کی طرح پڑے ہیں۔

میرا دل کالا ہو گیا ہے۔کیوں کہ میری نسوں میں بہتا تمہارا خون مجھے میرے ناجائز ہونے کہا یقین دلاتا ہے۔

تم نے میری ماں کو مار کر مجھے بے رحم درندے میں بدل دیا ہے۔

جو آگ تم نے میرے وجود کے ہر حصے میں لگائی ہے یہ آگ تمھارے اور تمھارے اس شہر کو نظر آتش کرنے کے بعد مجھ میں بجھے گی

دیکھو میری سوچ۔۔۔تم جیسی ہے۔۔کتنی بھیانک۔

میری ماں یہ نہیں چاہتی تھی مجھ سے جو تم نے اور اس دنیا نے مجھے بنا دیا۔

وہ نہیں رہی تو تم بھی نہیں رہو گے۔نہ تم رہو گے نہ ہی

.تمہارا یہ شہر۔

وہ شخص زمین پر پڑا صرف سکندر کو دیکھ رہا تھا۔ جو اُس کے قریب بیٹھا اُسے کیا کچھ کہہ گیا تھا۔

سکندر::::: جمشید

سکندر ایک پل میں چیلا کر بولا۔

سکندر::::::: مار دو سب کو۔ کوئی بھی اس شہر میں بچنا نہیں چاہیے۔

جمشید سکندر کی بات پر اُسے نہ سمجھی میں دیکھنے لگا۔

جمشید::::: مگر۔

سکندر کی ایک نظر جمشید کو خاموش کروا گئی۔ اس نے جمشید کے مگر اور اُسے ایسے دیکھا جیسے اُس کے اگلے لفظ پر وہ اُس کا سر دھڑ سے الگ کر دے گا۔

(((((حال

جمشید:::: بھاؤ۔

سکندر کی وہی آنکھیں کھول گئی۔

جمشید:::: بھاؤ آپ کا فون۔

سکندر وہی نظروں کا رخ جمشید کی طرف کرتا فون کو پکڑ گیا۔اور پھر فون پر ایک نظر ڈالتے اُس کا وجود پر سکون ہو گیا۔

اور پھر ایک لمبی سانس کو اندر کھینچتے ہوئے بولا۔

سکندر:::::میرے کپڑوں کا انتظام کرو۔واپس ہوٹل جانا ہے۔

جمشید::::جی بھاؤاور پھر جمشید وہاں سے چار ادمیوں کو لیے وہاں سے چلا گیا۔

جب کہ سکندر فون کو اٹھا گیا۔

زیمل::::آپ۔۔۔آپ۔۔۔ٹھیک ہیں نہ؟

سکندر زیمل کے اس قدر گھبرائے لہجے سے پریشان ہو کے اپنی جگہ سے اٹھ گیااور بولا۔

سکندر:::::کیا ہوا ہے؟؟؟آپ اتنی گھبرائی کیوں ہیں؟؟؟

آپ رو رہی ہیں۔؟؟؟کچھ ہوا ہے؟؟؟بولیں زیمل؟؟؟آپ ٹھیک ہیں۔

سکندر اچانک سکندر کے گھبرائے لہجے کی نمی کو محسوس کرتا ہے دھڑک بے قرار دل کے ساتھ بول اُٹھا تھا۔

زیمل:::: آپ کسی تکلیف میں ہیں؟؟؟ بتائیں۔

سکندر:::: نہیں میں اب تک تو کسی تکلیف میں نہیں تھا۔

کیا ہوا ہے آپ بتا کیوں نہیں رہی؟؟؟ مجھے بتائیں آپ رو کیوں رہی ہیں۔۔۔ کسی نے کچھ کیا ہے تو مجھے بتائیں ایک ایک سے حساب مانگو گا۔۔ بتائیں مجھے؟؟؟

زیمل:::: آپ درد میں ہیں۔ میں نے دیکھا۔

سکندر زیمل کی بات پر خاصا چونکا۔۔۔ وہ واقع اُس وقت ایک درد اپنے سینے میں محسوس کر رہا تھا پھر سچ پر جھوٹ کا پہرہ بٹھا کر بولا۔

سکندر:::: آپ سے کس نے کہا ہے یہ؟؟؟ نام بتائیں آپ مجھے اُس کا

زیمل:::: کسی نے نہیں کہا۔

زیمل روتے ہوئے بولی تھی۔ سکندر کو لگا جیسے وہ انسوں اُس کے دل پر گرتے ایک جلن کا احساس چھوڑ رہے ہیں۔اُس سے زیمل کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

مگر پھر بھی اپنی وے قراری کو خود پر حاوی ہونے دینے بنا بولا

سکندر:::: پھر یوں اچانک آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟؟؟

اچانک زیمل کی آنکھوں کے سامنے قدموں میں گرا سکندر واضح ہوا تو کچھ انسوں اُس کی آنکھوں سے برسنے لگے تو بولی۔

زیمل:::: آپ ٹھیک ہیں نہ؟؟؟

سکندر زیمل کے اس قدر مختلف انداز پر ہارا ہوا دل پھر سے ہار بیٹھا اور پھر بولا

سکندر:::: میں ٹھیک ہوں۔ بلکل ٹھیک ہوں۔ کچھ بھی نہیں ہوا مجھے۔ کسی درد اور تکلیف میں نہیں ہوں میں

بس یہاں سے نکلنے ہی والا ہوں۔

زیمل::::: میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔

سکندر:::: میں آ رہا ہوں۔ بس میں آ رہا ہوں۔ کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہے

۔

سکندر:::: میں صرف پانچ منٹ میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔

اور پھر یہ کہتا وہ فون رکھ گیا۔

اور زیمل اپنے سر کو پکڑی اپنے خواب کو جھٹلانے لگی۔

دوسری طرف سکندر وہاں سے نکل گیا۔ بنا جمشید کا انتظار کیے۔

اور سکندر کے نکلتے ہی سکندر کے باقی آدمی سکندر کے ساتھ باہر نکل گئے۔

سکندر کے باہر نکلتے ہی سامنے سے آتے جمشید پر اُس کی نظر پڑی۔

جمشید فوراً سے کچھ کہننے کو

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔

سکندر:::: جمشید گاڑی نکالو واپس نکلنا ہے۔ جلدی کرو۔

جمشید؛::: بھاؤ آپ کے کپڑے۔

سکدر کواچانک اپنے ہاتھوں اور کپڑوں پر لگے خون کی چھینٹوں کا احساس ہوا تو فوراً سے بولا۔

سکندر:::: ہاں ایسے نہیں جا سکتا۔ کپڑے کہاں ہیں۔؟؟؟

جمشید::: کچھ دیر میں پہنچ جائیں گے۔

سکندر:::: کیا مطلب ہے تمہیں میں نے کپڑوں کا بولا تھا۔۔ تم یہاں کھڑے مجھے اِنتظار کرنے کا کے رہے ہو۔ مجھے فوراً واپس جانا ہے۔ ابھی ایسی وقت۔

سکندر ایک دم سے بگڑے لہجے میں بولا

جمشید:::: بھاؤ میں تو۔۔۔

سکندر:::: جمشید تمہیں میں نے بولا بھی تھا مگر۔ پھر بھی۔ تم سے کام نہیں ہوتا تو بتاؤ۔

اچانک سکندر کی نظر پیچھے سے آتے دو ادمیوں پر پڑی جو سکندر کے سوٹ کو پکڑے اُسی کی طرف آ رہی تھے۔۔

سکندر فوراً سے جمشید کو ہٹاتے ہوئے بولا۔

سکندر:::::: جا کر گاڑی نکالو۔۔فوراً۔۔۔وقت نہیں ہے میرے پاس۔

اور پھر کپڑوں کو پکڑتے وہاں سے فوراً بدلنے کی غرض سے چلا گیا اور جمشید وہاں جلدی سے گاڑیوں کو تیار کرنے کا حکم دیتا کچھ ادمیوں کے ساتھ سکندر کی سیکیورٹی کے لیے وہاں کھڑا ہو گیا۔

دوسری طرف سکندر اپنے ہاتھوں کو بہتے پانی کے نیچے رکھتا صاف کرنے لگا۔

چہرے کی چھینٹوں اور خون سے بھرے ہاتھوں کو صاف کرنے لگا۔

چہرے پر چھینکتے پانی کے ساتھ ساتھ اُسے زیمل کی فکر مند آواز اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی تو فوراً سے وہ خود کے وجود سے لپٹی خون کی چھینٹوں کا نام و نشان مٹانے لگا۔

اور پھر کچھ دیر میں ہی سکندر اپنے کپڑوں کو بدلتا وہاں سے نکل گیا۔جہاں باہر پہلے اُس کے آدمی کھڑے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔

اور پھر سکندر تیز قدموں سے بنا کسی کو کچھ کہتے وہاں سے نکل گیا۔اُس کے دل اور دماغ میں اُس وقت صرف ایک شخص تھی وہ تھی زیمل اور اُسے کسی طرح بھی اُس تک پہنچنا تھا۔۔۔

زیمل جو فون کو بند ہوتا دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اب تک سکندر کے خون میں لت پت ہاتھ تھے۔

اس کی آنکھوں میں وہ منظر واضح تھا۔جو بار بار سکندر کی آنکھوں میں بے حد درد اور چہرے کی مسکراہٹ کو روشن کر رہا تھا۔

خون کی بوندیں سکندر کے ہاتھوں سے ٹپک ٹپک کر زمین بوس ہو رہی تھیں۔

مگر ایک مسکراہٹ جو اُس کے چہرے پر تھی وہ زیمل کی سمجھ سے باہر تھی۔

انکھوں میں درد اور چہرے پر مسکراہٹ ہاتھوں میں خون اور زبان پر زیمل کا نام۔زیمل اُس خواب کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

مگر ایک بات وہ جانتی تھی کہ اُس کا دل وہ خون میں لت پت ہاتھ دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔اور اُسے سکندر کی کہی نا کہی فکر بھی لاحق ہو رہی تھی۔ جسے سکندر پہلے سے بہت اچھے سے جانتا تھا۔

انکھوں کو بند کرتی زیمل بیڈ پر بیٹھی اور اپنی دل سے بولی۔

زیمل::::سب ٹھیک ہے. خاموش ہو جاؤ۔

اُس کا دل اُس کی بے چینی کو اُس خواب کے زیر اثر اس قدر بڑھا گیا تھا کہ وہ اس قدر بے قرار دل کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔اور نا ہی اپنے بہتے انسووں کو۔

با بار وہ منظر اُس کی آنکھوں میں جھلک رہ تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی۔ خوبصورت اور دل کش اور شفاف انکھوں سے اُس بے قراری کے باعث انسوں بھی نکلنے لگے تھے۔

زیمل کا دل کسی طور اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

اور آنکھیں بار بار اُس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ جو اُس کو مزید بے قراری میں مبتلا کر رہی تھی۔

پھر یوہی بیٹھے رہنے کے بعد زیمل کو دروازے کی طرف کوئی آہٹ محسوس ہوئی تو اُس کی نظر دروازے کی طرف گئی۔

اس سے پہلے کے وہ روتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتی بلکل اُس کے خواب کی طرح دروازے کے دوسری طرف سے زیمل نام کی آواز اُسے سنائی دی۔

وہ آواز سکندر کی تھی جو دروازے کو اب کھٹکھا رہا تھا۔

زیمل کو لگا جیسے اُس کا خواب اُس کی حقیقی زندگی میں دوبارہ سے دہرایا جا رہا ہے۔

تیز قدموں سے وہ دروازے کی طرف بڑھی اور دوسری بار زیمل نام پکارے جانے پر وہ دروازہ کھول گئی۔

سکندر دروازے کے کھولتے ہی زیمل کی پریشان آنکھوں میں موجود انسوں کو دیکھ کر اُس کی طرف بڑھا اور اُسے سینے سے لگا گیا۔

سکندر::::: کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ ہوا ہے؟؟

وہ اس طرح زیمل کی آنکھوں۔ میں موجود انسوں کو دیکھ اندر داخل ہوا اُسے خود سے لگائے صرف ایک بات ہی پوچھ رہا تھا۔۔اور پھر اُسے خود سے الگ کرتا بولا۔

سکندر:::: بتائیں کیا ہوا ہے؟؟؟؟؟

زیمل وہی سکندر کے چہرے کی بجائے اُس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

جو خواب میں موجود خون میں لت پت ہونے کی صورت سے مختلف تھے۔

بلکل صاف۔۔۔۔

سکندر زیمل کی اس قدر بے چین کیفیت کو سمجھ نہیں پایا تھا۔

سکندر زیمل کی مسلسل نظر کو اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک اُس نے اپنے ہاتھوں کو زیمل کے آگے پھیلایا۔ بلکل اسی طرح جیسے زیمل نے خواب میں سکندر کو دیکھا تھا۔

زیمل فوراً سے اُن ہاتھوں کو آگے پیچھے سے دیکھنے لگی جیسے وہ اس بات کا خود کو یقین دلا رہی ہو کہ سب ٹھیک ہے۔

سکندر وہی زیمل کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: سب ٹھیک ہے. کچھ نہیں ہوا۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے بتائیں کیا ہوا ہے ؟؟؟ کیا کوئی آیا تھا؟؟؟ کسی نے کچھ کہ ہے ؟؟؟؟ میری طرف دیکھیں مجھے بتائیں کے کیا ہوا ہے ؟؟؟؟

زیمل:::: م... میں نے خو۔۔۔اب د۔۔۔یکھا۔

سکندر زیمل کی بات پر مسکرایا اور بولا

سکندر:::: تو اس میں رونے والی کیا بات ہے میری طرف دیکھیں ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔

زیمل خاموشی سے بیٹھی رونے لگی تو سکندر اُس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتا بولا

سکندر::::آپ سے گیئں تھیں؟؟؟؟؟

زیمل نے روتی آنکھوں سے سر کو ہاں میں ہلایا تو سکندر اُس کی آنکھوں سے بہتے انسوں کو صاف کرتا بولا۔

سکندر::::سب ٹھیک ہے۔کچھ بھی نہیں ہوا۔

آپ یہاں آئیں یہاں بیٹھے اور مجھے بتائیں آپ نے کیا خواب دیکھا۔

سکندر زیمل کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُسے صوفے پر بیٹھا گیا۔

اور خود اُس کے قدموں میں بیٹھتا اُس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑتا بولا۔

سکندر::::اب بتائیں کیا ہوا ہے۔؟اور مجھے بتائیں کہ میری بیوی نے کیا دیکھا ہے جو اتنی ڈر گیئں ہیں؟؟؟

بتائیں مجھے؟

زیمل سکندر کی بات پر نا میں سر ہلانے لگی۔ تو سکندر گھٹنوں کے بل بیٹھتا اُس کے ہاتھوں کو تھامے ہوئے بولا۔

سکندر::::::بتائیں مجھے آپ نے کیا دیکھا؟ بتائیں؟؟؟

زیمل؛::::م۔۔۔یں نے آپ کو ت۔۔۔کلیف مہ۔۔ں۔دیکھا۔

سکندر زیمل کی بات پر حیرانگی سے بولا

سکندر:::: کیا دیکھا آپ نے؟

وہی زیمل سکندر کی بات کا جواب دیتی بولی

زیمل::::خ۔۔ون۔۔۔

سکندر زیمل کی بات پر اچھا خاصہ چونکا تھا۔۔اُس کے ذہن میں زیمل کی بات پر کچھ منظر روشن ہوئے تو ایک پل میں وہ اُسے جھٹکتے ہوئے بہت سوچ کر بولا

سکندر:::: کہاں دیکھا؟؟؟

زیمل::::م آپ کے۔۔۔آپ کے ہاتھوں میں۔

آپ کے ہاتھ خون سے بھرے تھے۔بہت ساخون آپ کے ان ہاتھوں سے بہہ رہاتھا۔

سکندر زیمل کی بات پراس قدر حیران تھاکہ اُسے سمجھ نہیں آیاکہ زیمل کا خواب اس قدر حقیقت پر مبنی کس طرح ہے؟؟

وہ وہی زیمل کی بات پر چونکاتواپنے ہاتھوں کودیکھنے لگاجو کچھ دیر پہلے خون سے لت پت تھے۔مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خون سکندر صالح کا نہیں بلکہ کسی اور کا تھا۔جس سے زیمل انجان تھی۔

ایک پل میں ہی وہ اُن خیالات کو جھٹکتے ہوئے ایک سانس کو اندر کھینچنے لگا۔۔۔اور پھر وہ زیمل کے ہاتھوں کو بہت پیار سے تھامتے ہوئے اُس کی فکر کو کم کرتا بولا

سکندر:::: میری طرف دیکھیں.اِدھر میری طرف۔۔۔کچھ بھی نہیں ہوا۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔وہ بس ایک۔خواب تھا۔

زیمل کی آنکھوں سے نکلتے انسوں سکندر کے ہاتھوں پر گرے تو سکندر زیمل کے انسوں کو ایک ہاتھ سے صاف کرتا بولا

سکندر:::::یقین جانئے سب ٹھیک ہے۔آپ روئے نہیں۔

آپ کی آنکھوں سے بہتے یہ انسوں مجھے اچھے نہیں لگتے۔مگر جب ان آنکھوں میں خود کے لیے فکر کا یہ احساس دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے ان انکھوں سے بہتے انسووں کو اپنے دل میں چھپالوں۔

کمرے میں سکندر کی بات پر خاموشی چھاگئی تھی۔جس کو سکندر خود توڑتے ہوئے بولا

سکندر::::اب کیا اپنے انسوں کی قیمت پر میری جان لیں گی۔سب ٹھیک ہے کچھ بھی نہیں ہوا۔سکندر صالح اتنا کمزور نہیں ہے۔جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔

وہ صرف ایک خواب تھا۔اور خواب سچ تھوڑی ہوتے ہیں۔

زیمل سکندر کی بات پر اُسے دیکھنے لگی جس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کا بسیرا تھا جسے وہ سمجھ نہ سکی۔

اور اُسے دیکھنے لگی۔ جس پر سکندر جواب دیتا بولا

سکندر::: ٹھیک ہوں میں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ آپ کے علاوہ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے جو سکندر صالح کو کچھ کہہ سکے۔

سب ٹھیک ہے بس یہ رونا بند کر دے لگ رہا جیسے یہ انسو میرے دل کے دروازے پر جذب ہو رہے ہیں۔ روئے مت۔

اور پھر وہ یہ کہتا زیمل کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

زیمل:::: میں۔۔ آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ مگر میں نے۔۔۔

سکندر:::: جانتا ہوں آپ ڈر گیئں تھیں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ میرے لیے ڈر گیئں تھیں۔

خواب میں موجود اپنی تکلیف کا تو میں نہیں جانتا مگر آپ یہ انسو۔

میری طرف دیکھیں میں ٹھیک ہوں۔مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔اُسے خواب سمجھ کے بھول جائیں۔

زیمل سکندر کے ہاتھوں کو دیکھنے لگی تو دوبارہ سے خواب میں موجود سکندر کی کیفیت کو سوچ کر رو پڑی۔

سکندر وہی زیمل کو دیکھ کر مسکرا گیا۔شاید اُسے زیمل کے لیے خود کی فکر کا انداز اچھا لگا تھا۔

کافی سالوں بعد اُسے کسی اپنے کی چاہت کا احساس ملا تھا۔جب کہ دوسری طرف زیمل بھی بارہ سال بعد کسی قریبی رشتے سے منسلک ہوئی تھی۔اُس کا اس دنیا میں واحد رشتا سکندر ہی تھا۔جو اُس کی کل فکر اور پریشانی کا مالک تھا۔ اور پھر وہ زیمل کو چپ کرواتا خود سے لگا گیا۔اور اُسے چپ کروانے لگا۔

سکندر::: سب ٹھیک ہے۔۔آپ کو رو کیوں رہی ہیں۔۔میں یہی ہوں اور بلکل ٹھیک ہوں۔

اور زیمل کو وہ خود سے لگائے چپ کروانے لگا جو سکندر کی حقیقت کو جانے بنا صرف ایک خواب کے باعث رو رہی تھی۔

سکندر جانتا تھا اُسے اپنی حقیقت کو زیمل سے بہت دور رکھنا ہے۔

ابھی تو وہ سکندر کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔اور نہ سکندر چاہتا تھا کہ وہ جانے۔

کہ شاید کہ زیمل جان جاتی تو سکندر کو چھوڑ دیتی۔جو سکندر کو ہر گز گوار نہیں تھا۔

مگر ابھی سکندر جس احساس میں مبتلا تھا وہ ایک الگ ہی احساس تھا۔

وہ زیمل کو چپ کرواتا خود سے مخاطب ہو کر بولا۔

سکندر:::::آپ کو کسی قیمت اور نہیں کھو سکتا ہوں زیمل اگر اپنی حقیقت کو چھپانے کے لیے مجھے خون کی ندیاں بھی بہانی پڑی تو اُس بھی گریز نہیں کرو گا۔

سب کچھ کھو چُکا ہُوں آپ کو نہیں کھو سکتا۔اگر آپ کو کھو دیا تو اب کی بار سب کچھ جلا دوں گا۔سب کچھ۔

بس آپ کو کھونے کی مجھ میں اب ہمت باقی نہیں ہے۔

بلکل بھی نہیں۔اپنی کائنات کو کھو چکا ہوں اپنی جان بھی گنوہ چکا ہوں۔اب اگر اپنی زندگی سے بھی دور ہوا تو یقیناً اب مر جاؤں گا۔پہلے ہی درد نہ قابلِ برداشت تھا۔

آپ کو دیکھنے کے بعد سے کچھ سنبھالا ہوں۔آپ کو کسی قیمت پر نہیں کھو سکتا ہوں۔

سکندر صالح یہ درد برداشت کرنے کی سکت خود میں نہیں رکھتا۔نہ ہی رکھنا چاہتا ہے۔

اور پھر زیمل کو خود سے لگائے دیکھ مسکرانے لگا۔

زندگی میں کچھ رشتے زندگی سے زیادہ ضروری اور سانسوں سے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔

جہاں سکندر خود زیمل کو خود سے لگائے اُس کے کھو جانے کا ڈر خود میں رکھتا تھا وہی زیمل کا اس دنیا میں اکلوتا رشتا سکندر تھا۔ وہ سب کی طرح اُسے کھونے کا خوف اپنی آنکھوں میں لیے بیٹھی اُس کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

. گوز برق یگیز کے ساتھ الکے ایمن بھی مارا گیا ہے

ایک شخص فون کو کان سے لگائے ایک خاص خبر پہنچاتے ہوئے بولا۔

. وہ دونوں مارے گئے ہیں

بران:::: کیا مطلب دونوں مارے گئے ہیں؟

وہی مطلب ہے جو تمہیں سمجھ آ رہا ہے

بران:::: لوسیفر نے واقع اُن دونوں کو مار دیا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

صرف مارا نہیں بلکہ بہت ہی بھیانک طریقے سے مارا ہے۔

بران:::: لوسیفر کرنا کیا چاہ رہا ہے؟؟

معلوم نہیں ہے مگر جس طرح سے اُس نے اُن دونوں کو مارا ہے مجھے اُس کے ارادے بہت خطرناک معلوم ہو رہے ہیں۔ ہمیں جلد ہی کچھ کرنا ہو گا۔

بّران اُس کی بات پر کچھ سوچنے لگا تو بولا۔

بران:::: نہیں یہ وقت ٹھیک نہیں۔ ہے۔ لوسیفر شاید یہی چاہتا ہے۔ ہمیں صحیح وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔

مگر؟

بران::::اُس لڑکی کو استعمال کر کہ ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔

کیسے؟؟؟؟

بران::::ابھی نہیں۔ جب وقت آئے گا تمہیں بتادوں گا۔

تم صرف اُس لڑکی پر نظر رکھو وہ ہماری ضرورت ہے اور لوسیفر کی اکلوتی کمزوری۔ میری بات سمجھ رہے ہو۔

ہاں سمجھ گیا ہوں۔

بران:::: خبر دیتے رہنا۔

اور پھر وہ یہ کہتا فون بند کر گیا۔

____

سامنے دیکھیں۔۔۔سالار چیلا کر بولا۔

اور پھر دوسرے ہی پل اس کی آنکھیں اُس خوفناک یاد کے اثر سے آزاد ہوتی کھول گیئں۔

سانس پھول چکا تھا۔چہرے سے پسینے کی بوندیں واضح نظر آرہی تھیں۔

پھولی سانسوں نے اُسے کی دل کی دھڑکون کو تیز کر دیا۔

کچھ دیر یوہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ بستر سے اٹھ گیا۔

رات کے تین بج رہے تھے۔پاس پر لیمپ کو روشن کرتے وہ کمرے میں موجود ایک چھوٹی سی بالکونی میں کھڑا لمبی سانسوں کو بڑھنے لگا۔

(((((یاد

زیمل::::کب واپس آرہے ہوں تم؟

سالار::::آج سے چار دن بعد فلائٹ ہے۔یعنی جمعے کو پاکستان پہنچ جاؤ گا۔

زیمل:::::::اور میری لسٹ نے مطابق ساری چیزیں لیں؟؟

سالار:::ہاں لیں لی ہیں. بس خود کو بیچ دینا باقی رہ گیا ہے باقی تم نے مجھے کنگال کرنے میں کوئی قصر نہیں چھوڑی۔

زیمل::::بہت بری بات ہے سالار۔پہلی دفعہ کچھ مانگا ہے میں نے تم سے۔

سالار::::ہر بار یہی کہہ کر تم اپنے کام نکلواتی ہو۔

زیمل::::تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ میں تمہیں خرچ کرنا سیکھا رہی ہوں۔

سالار:::کفایت شعاری بھی کسی چیز کا نام ہوتا ہے۔

زیمل::::ہاں تو کوئی بات نہیں ہے اب کی بار لے آؤ اگلی بار تم کے لینا۔

سالار:::بہت شکریہ آپ کا۔چیزوں کو بس یاد کرنا مجھے نہ۔

زیمل::::نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ہم سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔

سالار::::اچھا ٹھیک ہے۔

زیمل::::میں تمہیں بتانا بھول۔ہی گیئ۔

سالار:::: کیا؟

زیمل:::::آنٹ ایوا آرہی ہیں۔میں تو اتنی خوش ہوں کہ اُن سے پہلی بار ملوں گی۔

سالار:::: وہ کیوں آرہی ہیں؟

زیمل:::: پتہ نہیں ماما بابا سے بات کررہی تھی تو میں نے سن لیا۔

. سالار::::ایک منٹ

ہاں میں بس آرہا ہوں۔

سالار دوسری طرف کسی کی بات کا جواب دیتا بولا۔

سالار::::زیمل میں تمہیں تھوڑی دیر بعد کال کرتا ہوں۔

زیمل:::: ٹھیک ہے۔میں انتظار کروں گی۔جلدی کرلینا۔

سالار:::: ہاں ہاں۔۔۔۔ٹھیک ہے۔۔میں بعد میں کرتا ہوں۔

اللہ حافظ۔

زیمل::: اپنا خیال رکھنا۔۔ٹھیک۔۔ہے۔

اللہ حافظ ۔۔

))))حال

سالار:::: ایسا اللہ حافظ تو نہیں سوچا تھا میں نے۔

سالار یہ کہتا رونے لگا۔

سالار:::: کہاں ڈھونڈو تمہیں زیمل؟

تم تو میری ایک آواز پر میرے پاس آجاتی تھی۔اب کیوں نہیں تم مجھے ڈھونڈھ پارہی۔میں بہت تھک گیا ہوں۔

کوئی بھی نہیں ہے میرا تمہارے سوا۔۔

کہاں ڈھونڈو تمہیں یار؟؟

سالار اُس بالکونی میں کھڑا اپنے چہرے کو صاف کرتا آسمان کو دیکھنے لگا۔جو تاروں سے بھرا پڑا تھا۔

ہاتھ کو آسمان کی طرف اُٹھاتے وہ انگلی کے اشارے سے تاروں کو گننے لگا۔

((((یاد

سالار::::زیمل یہ کیا کر رہی ہو تم؟؟؟

زیمل::::تاروں کو گن رہیں ہوں۔

سالار:::::زیمل لا محدود چیزوں کو گنا نہیں جا سکتا۔

زیمل::::پر مجھے تاروں کو گننا اچھا لگتا ہے۔

سالار:::: چلو نیچے چلیں آ جاؤ جلدی

زیمل:::: سالار وہ دیکھو وہ تارا کتنا خوبصورت ہے۔ سالار تارے چمکتے کیوں ہیں؟؟؟

سالار::: کیوں کہ اللہ نے اُنہیں بنایا ہی ایسا ہے اس لیے۔

زیمل:::: مجھے آسمان دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔

سالار:::: کیوں؟؟

زیمل::::آسمان کو کھولا دیکھتی ہوں تو لگتا ہے میرا دل کھول گیا ہو۔

سالار:::: مطلب۔

زیمل::: تمہیں پتہ ہے آسمان بلکل ہمارے دلوں کی طرح ہے۔

کبھی روشن تو کبھی تاریک۔

کبھی ستاروں کی طرح دل کی ویرانی کو کم کرتا ہے۔

تو کبھی سورج کی روشنی کی طرح جگمگا اٹھتا ہے۔

مگر ہر روپ میں دل جسم کے مختلف اعضاء سے الگ لگتا ہے۔

سالار کو اُس نو سالہ لڑکی کی بات بہت گہری لگی تھی۔

سالار::: ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔

زیمل::: تمہیں پتہ ہے کہ دل کی ویرانی کتنی خطرناک صورت ہوتی ہے

دل کے امراض میں سے۔

سالار::: مطلب؟

زیمل::: جب دل ویران ہو جاتا ہے تو سیاہ پڑ جاتا ہے۔

بلکل کالے سیاہ آسمان کی طرح جہاں روشنی کا کوئی نام و نشان نہیں رہتا۔

ان تاروں کی طرح ایک بھی نہیں۔

سالار::: تم اتنی گہرائی باتیں کیسے کے لیتی ہو؟؟

زیمل:::: اس میں کوئی گہرائی بات نہیں۔ آس پاس موجود ہر چیز آپ کو زندگی کے بہت سے رنگ اور بے رنگ باتوں کا علم دیتی ہیں۔

شرط یہ ہے کہ ہمیں غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔

سالار:::: اور تم اتنا غور و فکر کیسے کرتی ہو۔

زیمل:::: آسمان کو دیکھو تمہیں وہ چاند کس بات کی علامت لگتا ہے۔

سالار::: رات میں روشنی کی؟

زیمل:::: مجھے وہ چاند کالے دل میں آنے والی روشنی کی علامت لگتا ہے ایسی روشنی جو سورج کی طرح دل کو جگمگا دے گی۔ بلکل نور کی طرح۔

ایسی روشنی جسے دیکھنا ممکن نہیں ہو گا۔ جو جلتے ہی روح میں موجود ہر بے سکونی کا صفایا کرتی دل میں نور کا چراغ روشن کر دے گی۔

سالار:::: یہ باتیں کہاں سے سیکھتی ہو؟؟؟

زیمل::::اپنے وجود کی گہرائی سے۔ تمہیں گی معلوم ہے نہ کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے۔
یعنی تمام مخلوقات میں افضل۔

سالار:::ہاں میں یہ بات جانتا ہوں۔
زیمل::::تو اشرف المخلوقات اگر انسان کو اللہ نے کہا ہے تو مطلب تمام مخلوقات سے زیادہ علم انسان کے اپنے اندر موجود ہے۔یعنی وہ تمام مخلوقات سے زیادہ علم رکھتا ہے۔
سالار زیمل کی بات کو کافی حیرانگی سے سن رہا تھا۔
زیمل اُسے حیران کر گئیں تھی۔
زیمل:::تو انسان کائنات کے علم کا ایک بڑااور قیمتی خزانہ خود میں رکھتا ہے ۔۔۔یعنی اگر وہ چاہے تو ہر بات کا جواب دے سکتا ہے۔
اور پھر سالار زیمل کی بات پر دوبارہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انگلی کو تاروں کی سمت کرتا بولا

سالار::::تمہاری باتیں بہت حیراں کن ہوتی جاتا رہی ہیں زیمل۔بہت متاثر کرنے والی۔

))))حال

سالار اپنی آنکھوں کو کھولتا آسمان کو دیکھنے لگا۔

سکندر زیمل کے سر کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔

اور زیمل کے انسو بھی اب اُس کے چہرے سے صاف ہو گئے تھے۔

::زیمل سکندر سے الگ ہوتی اپنے چہرے کو صاف کرنے لگی تو بولی

زیمل:::آپ واقعی ٹھیک ہے نہ ؟؟؟

سکندر زیمل کی بات پر مسکرایا اور پھر زیمل کے ہاتھ کو پکڑتے خود کے سینے پر رکھتا بولا۔

سکندر::::میری دھڑکنیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ میں ٹھیک ہوں۔

اور میرے چہرے کی مسکراہٹ اس بات کی دلیل ہے کہ میں بہت خوش ہوں۔

اور پھر سکندر کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے دوبارہ صاف کرتا بولا

سکندر::::: خواب حقیقت کا روپ نہیں ہوتے۔اسی لیے انہیں خواب کہا جاتا ہے۔

زیمل سکندر کی بات کا جواب دیتی بولی۔

زیمل:::: خوابوں کو کبھی حقیقت یا خوابوں کے پیمانوں میں نہیں تولتے۔ کچھ خواب خواب تو ہوتے ہیں مگر در حقیقت اُن کی حقیقت ہم سے منسلک ہوتی ہے۔

اور میں نے آپ کو دیکھا۔

سکندر:::::: یہ احساس بہت الگ ہے۔بہت مختلف بیان کرنے کو لفظ نہیں ہے میرے پاس۔آپ کی یہ فکر یہ پریشانی مجھ سے منسلک ہو گئی ہے۔مجھے یقین نہیں آتا کہ میں ان کا حقدار ہو گیا ہوں۔

زیمل سکندر کی بات پر خاموش ہو گئی اور نظروں کو جھکا گئی۔

سکندر::::: زیمل؟؟؟

زیمل نے اپنے نام پر سکندر کی طرف نظروں کو اٹھا کر دیکھا تو سکندر بولا

سکندر::::::: مجھے کبھی چھوڑ کر مت جایئے گا۔ یہ رشتا بے شک کچھ دن پہلے وجود میں آیا ہے۔ پھر بھی میرے یہ الفاظ اس سے کہی زیادہ قیمتی ہیں۔
مجھے کبھی چھوڑ کر جانے کی سزا مت دیجیے گا۔

زیمل سکندر کے چہرے کو بہت عجیب سے انداز میں دیکھنے لگی اُسے سکندر کی بات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اچانک سکندر زیمل کے چہرے کی نہ سمجھی کو دیکھ کر بولا

سکندر:::: خیر

اب آپ سب بھول جائیں اور یہ یاد رکھیں کہ سکندر صالح کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ کبھی نہیں۔

زیمل اُس کی آنکھوں میں موجود اپنا عکس دیکھ نظروں کو جھکا گئی اور ہولے سے بولی۔

زیمل:::: اللہ زیمل شکر گزار ہے تیری۔

اور پھر دروازے پر دستک ہوئی تو سکندر آپکی جگہ سے اٹھتا دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کو کھولتا بولا۔

سکندر:::: کام ہو گیا ہے؟؟؟؟

جمشید::::: جی بھاؤ کام ہو گیا ہے۔ یہ آپ کا فون۔

سکندر:::: ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔

جمشید سکندر کی بات کو سنتا وہاں سے چلا گیا۔

سکندر دروازے کو بند کرتا موڑا تو فون بجنے لگا۔ فون پر نظر پڑی تو فون کو اٹھانے سے پہلے زیمل کی طرف دیکھ کر بولا۔

.سکندر:::: آپ فرش ہو کر تیار ہو جائیں۔ باہر جانا ہے

زیمل سکندر کی بات پر سر کو ہاں میں ہلاتی وہاں سے واشروم کی طرف چلی گئی۔

سکندر وہی فون کو اٹھاتا بولا۔

سکندر::::: فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔میں نے کہا تھا نہ کہ جب اگلے دھماکے کا وقت نزدیک آئے گا تو تم سے رابطہ کر لوں گا۔

ٹھیک ہے۔۔میں انتظار کروں گا۔

اور پھر سکندر مقابل کی بات سنتا فون بند کر گیا

اور پھر واپس صوفے پر بیٹھتا آنکھوں کو بند کر گیا۔وہ زیمل کے بتائے گا خواب سے کچھ پریشان تھا۔جو وہ جانتا تھا کہ وہ خواب حقیقت پر مبنی ہے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی پریشانی کو خود میں چھپتا زیمل کے چہرے کی پریشانی کو ختم کر گیا۔

کچھ دیر بعد زیمل واشروم سے نکلی۔تو اُس کے چہرہ سے پانی کی بوندیں ٹپک رہیں تھیں۔

چہرے کو صاف کرتی اپنے دوپٹے کو ٹھیک کرنے لگی۔ تو اُس کی نظر سکندر کی بند آنکھوں کی طرف گیئں۔

زیمل کی نظریں نجانے کیسے اُس کے چہرے پر ٹھہر گیئں تھیں۔ اور وہ وہی کھڑی سکندر کی بند آنکھوں کو دیکھنے لگی۔ وہی زیمل کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی تو وہ اپنی نظروں کی جھکا گئی۔

سکندر:::: ایسے دیکھتی رہیں گی تو خود کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

اور پھر سکندر آنکھوں کو کھولتا زیمل کی طرف دیکھنے لگا۔

زیمل وہی کھڑی سکندر کی بات پر لال ہو چکی تھی۔

سکندر اپنی جگہ سے اُٹھتا زیمل کی طرف بڑھا اور بولا۔

سکندر:::: پریشان بھی ہوتی ہیں اور میرے کچھ کہنے پر ڈر بھی جاتی ہیں

زیمل سکندر کی بات کا جواب دیتی بولی

زیمل:::: ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا

سکندر:::: جانتا ہوں آپ بہت بہادر ہیں۔اور مجھے اچھا لگتا ہے کہ جب آپ کہتی ہیں کہ آپ کو مجھ سے ڈر نہیں لگتا۔

یقین کریں ڈر لگنا بھی نہیں چاہیے۔آپ کا اور میرا رشتا کسی طرح بھی ڈر سے وابستہ نہیں ہے۔

اس رشتے کی بنیاد میں نے بہت محبت سے رکھی تھی آپ کو نکاح کی پیشکش کر کہ۔اور آپ کی رضامندی سے اس رشتے کی عمارت کو میں نے تعمیر کیا ہے۔

بس اب اجازت کی طلب ہے۔

ڈر تو ختم ہو گیا ہے اُمید ہے کہ یہ دوریاں بھی ختم ہو ہی جائیں گی۔

زیمل کی دھڑکنیں سکندر کی بات پر خاصی تیز ہوئیں تھی۔مگر پھر اپنی نظروں کو سکندر سے ہٹاتی بولی۔

زیمل:::: میں۔

سکندر زیمل کے انداز پر مسکرایا تو زیمل کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر بولا۔

سکندر:::: آج کے لیے اتنا بہت ہے۔

اور پھر زیمل کے آگے اپنا ہاتھ کرتا بولا۔

سکندر:::::: چلیں؟؟؟؟

زیمل وہی اپنی بند موٹھیوں کو کھولتی کچھ سوچنے لگی تو دوسرے ہی پل سکندر بہت آرام سے زیمل کا ہاتھ پکڑتے اُس سے بولا۔

سکندر::::؛آپ کی طرف سے خود کی اس قدر فکر دیکھنے کے بعد میں اس بات کا یقینی حق رکھتا ہوں۔

اور پھر مُسکراتا زیمل کے ہاتھ کو تھامے چلنے لگا۔

اور زیمل سکندر کے پیچھے چلنے لگی۔

اچانک زیمل کی نظر خود کے پیروں کی طرف گئی تو بولی۔

زیمل:::: سنیے؟

سکندر زیمل کی آواز پر اُس کی طرف موڑا تو اُسے دیکھنے لگا۔

وہی زیمل سکندر کی نظروں کا جواب دیتی بولی۔

زیمل:::: میرا جوتا

سکندر زیمل کے پیروں کی طرف متوجہ ہوا تو فوراً سے اُس کمرے کے دروازے کے پاس پڑے زیمل کے جوتے کو پکڑتا اُس کے قدموں میں بیٹھتا اُس جوتے کو۔اس کے پیروں میں رکھ گیا۔

سکندر::::: پہن لیں۔

اور پھر زمین سے اٹھتا دوبارہ سے اُس کے ہاتھ کو تھامتا بولا۔

سکندر::::: اب چلیں نیلے آسمان کے ساتھ کھلی فضا میں اڑنے کا مزا لینے۔

جس پر زیمل مسکرا کر سر کو ہاں میں ہلا گئی۔

اور پھر سکندر زیمل کو لیتا وہاں سے چلا گیا۔

الیکس لوتھر::: ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔ورنہ لوسیفر آہستہ آہستہ ہم سب کو ایسے ہی مار دے گا۔

اس کی جگہ اور کسی اور کو بیٹھنا ہو گا۔نہیں تو ہم سب بھی گوزبرق اور الکے کی طرح مارے جائیں گے۔

بیرڈویزلی:::: ہم سب کواس مقصد کے لیے اکھٹا ہونا ہوگا۔

یعنی ہم سب کو۔

الیکس لوتھر::::: ہمیں لوسّیفر کو مارنا ہوگا نہیں تواپنے باپ """""

ایزموڈئیس """"" کی طرح وہ ہم سب کی بھی اُس جگہ پر زندہ دفنادے گا جیسے

اُس نے نوسال پہلے اُس جگہ کو جلاکر راکھ کردیا تھا۔

بیرڈویزلی اُس جگہ کا سوچ کر بولا۔

بیرڈویزلی:::: ایریاایٹ ون دی ہیلن وے آف ایزموڈئیس

الیکس لوتھر:::::اُس جگہ کو لوسیفر کی جہنم کہنازیادہ بہتر ہے۔

بیرڈویزلی:::: جوبھی ہے۔اگرلوسیفر کو جلد ہی نہ ختم کیا گیاتووہ آہستہ آہستہ

ہم سب کو بھی اپنی جہنم کے آخری درجے میں دفناکر صفحہ ہستی سے مٹادے

گا۔

الیکس لوتھر::::: ہمیں اکھٹا ہونا ہوگا۔

بیرڈ ویزلی::::اگر نو سال پہلے ہم سب نے یہ ہمّت دکھائی ہوتی تو آج ہم سب اُس فتنے کو جھیل نہ رہے ہوتے۔

الیکس لوتھر:::::جس طرح اُس نے ایز موڈ ئیس کے ساتھ اُس پورے شہر کو جو دنیا کی نظروں سے غائب تھا جلا کر راکھ کر دیا۔ تمھیں لگتا ہے کہ وہ اُس وقت کسی بھی اٹھی ہوئی آواز کو برداشت کرتا۔

بیرڈ ویزلی:::::ہمیں اکھٹا ہونا ہو گا ہر صورت۔اپنے تمام ذاتی اختلافات کو ابھی ایک طرف رکھ کر ہم سب کو ایک ہونا ہو گا۔

الیکس لوتھر:::::ہمیں ایک میٹنگ رکھنی ہو گی۔سب کو اکھٹا کرو۔۔ہر کسی۔لوسیفر کو اب اس کے باپ کی جگہ سے ہٹانا ہو گا۔ہے صورت اور ہر قیمت پر۔

بیرڈ ویزلی::::مارک کیلر نجانے کیس انتظار میں ہے۔اب تک تو اُسے بھی گوز برق یگیز کی موت کی خبر پہنچ چکی ہو گی۔تو پھر وہ کس انتظار میں بیٹھا ہے۔کیا باقیوں کی موت کا وہ انتظار کر رہا ہے۔۔۔؟

الیکس لوتھر:::::: ہم سب کو ایک جگہ اور اکھٹے ہونا ہوگا۔ ہر اُس کو جو لوسیفر کا دشمن ہے۔

جو لوسیفر کا دشمن ہوگا وہ ہمارا سب سے بڑا خیر خواہ ھوگا۔

بیر ڈویزلی نے اچانک اسی کال پر سپین کے مافیا ڈون مائیکل کو ملایا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک میٹنگ کا انویٹیشن سب سے خاص ملکوں کے مافیا ڈون اور کاپوز کو بھیج دیا گیا۔ جو سبھی لوسیفر کی غلامی سے تنگ آ چکے تھے۔

یہ سبھی آپس میں ایک لنک کی طرح کام کرتے تھے۔ کچھ ملکوں میں ایک کنٹریکٹ کے مطابق دوسرے ملکوں تک اسمگلنگ کی جاتی تھی۔ جیسے فرانس کے ڈون """""" جیری ہیلیپس """"""" نے حالیہ میں اٹلی کے مافیا بیسٹ کے ساتھ اپنے تعلقات کی بہتری کے لیے اسمگلنگ کے چار ہزار ٹینکوں کو فرانس سے روس تک پہنچایا۔

اور جارڈن کے مافیا گروپ نے یورپ کے ڈرگزمافیا کے ساتھ مل کر افریقہ، آسٹریلیا، نیپال کے ساتھ ساتھ انڈیا میں ڈرگز کی بھاری مقدر کو بیچ کر خاصا پیسہ کمایا۔

مگر کچھ ملکوں کے مافیا گروپس کی پاس میں دشمنی کے باعث سبھی اپنے کاموں کو الگ الگ سرانجام دیتے تھے۔

تمام ڈرگزمافیا کے ساتھ اسمگلنگ مافیا کے مانے جانے والے کاپو، ڈون، ڈیمن اور ڈیول کے ساتھ ساتھ خطرناک کلرز جو خاص مافیا گروپو کے لیے کام کیا کرتے تھے یہ سبھی سکندر کے باپ یعنی ایزموڈئیس کے اشارے پر چلتے تھے۔ یعنی عام زبان میں ان کا بادشاہ ایزموڈئیس تھا۔

کیوں کہ وہ اُسے شیطانوں کا شیطان مانا کرتے تھے۔

اور اب وہ کسی طور بھی اپنی جانوں کے عوض لوسیفر کو اپنا بادشاہ ماننے کی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اسی لیے اب ہر کوئی اپنے بل سے نکل کر اُس میٹنگ میں آنے کی رضامندی دے چکا تھا۔

آنے والا وقت لوسیفر کے لیے بہت مشکل ہونے والا تھا جس سے اب تک وہ انجان تھا۔

سالار جو اُس پتے پر پہنچ چکا تھا جو اُس بوڑھے آدمی نے اُسے دیا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اُس گندے سے علاقے میں کیا کرنے آیا ہے۔ نہ یہ کہ جن سوالوں کے جواب وہ ڈاکٹر نہیں دے سکا تھا کیا وہ جواب اُسے یہاں مل جائیں گے۔

سالار وہاں اکیلا آیا تھا۔ جب کہ اُس نے خضر کو عمل نامی ادارے میں سکندر کے باپ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

سالار راستے کے بیچوں بیچ کھڑا آس پاس لوگوں کی مفلسی اور غریبی کو دیکھنے لگا۔

اچانک ایک آدمی اُس کے ساتھ ٹکراتا ہوا چلا گیا۔ سالار اُس کے ٹکڑا کر جانے کے بعد اُسے موڑ کے دیکھنے لگا تو اُس کے ہاتھوں میں اُسے اپنا بٹوا نظر آیا۔

ابھی کہ وہ اُسے رکنے کا کہتا۔ اس سے پہلے ہی وہ آدمی سالار کو دیکھ کر بھاگ گیا۔

سالار اُس کے پیچھے اُسے روکنے کے لیے بھاگنے لگا۔

راستے میں موجود بچوں وہ آدمی بچوں کو گرانے لگا۔

سالار اُن رکاوٹوں سے بچتا اُس کے پیچھے اُسے روکنے کے لیے بھاگنے لگا۔

رُک.... رُک..... بھی۔

اور پھر۔ وہ آدمی اچانک گلیوں کی بھول بھلیاں میں داخل ہوتا سالار کو چکما دے گیا۔۔

سالار پھولی سانس سے اُدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تو دور ایک آدمی اُسے دیکھ کر بولا۔

جو جاننے یہاں ائے ہو وہ جان کر یہاں سے چلتے بنو۔

جو چھین لیا گیا ہے اُسے ڈھونڈھنے کی کوشش بھی مت کرنا۔

اور پھر وہ یہ کہتا ایک پرانے سے بوسیدہ گھر میں داخل ہو گیا۔

سالار اس آدمی کی بات کو سنتا اُس گھر کی طرف بڑھا۔

سانس اُس کی پھولی ہوئی تھی۔ پھر اُس آدمی کو اندر جاتا دیکھ بولا۔

سالار::::: ابے یار کہاں پھنس گیا ہوں۔ اب بٹوا ڈھونڈو یا اس پتے کو۔

کچھ دیر بعد سالار صرف ایک منزل اُس بوسیدہ عمارت کی طرف بڑھا تو اُسے دیوار پر کچھ لکھا ہوا نظر آیا۔ تو ہاتھ میں موجود اُس کاغذ کو دیکھنے لگا جو اُس کی موٹھیوں میں بند سی ہو گئیں تھیں۔

دیوار پر لکھے پتے کو وہ کاغذ سے ملانے ہی لگا تھا کہ وہ آدمی اچانک دروازے کو کھولتا اُس کے سامنے آ گیا۔

سالار اُس کے اچانک نمودار ہونے پر ڈر ہی گیا تھا۔ اور سینے پر ہاتھ رکھتا اپنی سانسوں۔ کو بحال کرنے لگا۔

وہ آدمی سالار کو بنا کوئی تاثر دیے بولا۔

اندر آجاؤ۔۔۔

سالار اُس کی بات پر یہاں وہاں دیکھنے لگا۔اور پھر اُس آدمی کے اندر چلے جانے کے بعد خود میں ہمت اکھٹی کرتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔
اندر کچھ قدم پر بلکل اندھیرا تھا مگر اگلا دروازہ کھولتے ہی وہ اندر داخل ہوا تو سامنے ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی جس کے پیچھے وہی نوجوان لڑکا تھا جس نے سالار کا بٹوا چرایا تھا۔

سالار اُسے دیکھ اُس کی طرف بڑھا تو وہ عورت بولی۔

کس لیے آئے ہو؟؟؟؟

.سالار::::اُس لڑکے کے پاس میری ایک چیز ہے

تو تم صرف وہی لینے ائے ہو؟

سالار:::یقین آپ کے کہنے پر وہ بٹوا چرایا گیا تھا۔

تاکہ میں یہاں تک۔۔۔آپ تک پہنچ سکوں۔

وہ عورت سالار کی بات پر عجیب سا تاثر دے کر بولی۔

عقل مندی کا مظاہرہ کرنا عقل مندوں کی نشانی نہیں ہوا کرتا بچے۔

جو تم لوسیفر کو سمجھتے ہو لوسیفر اُس حقیقت سے زیادہ خطرناک اور مشکل ہے

سالار::::: تو آپ جانتی ہیں کہ لوسیفر کون ہے؟

تو جو میں جانتی ہوں تم وہ جاننے ائے ہو؟

سالار:::: میں صرف اُس مجرم کی اصل حقیقت جاننے آیا ہوں۔

تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے؟ اور یہ بھی کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔

سالار::: جو میں جانتا ہوں وہ بہت کم ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ ہے کیا

چیز؟

بچے لوسیفر کوئی چیز نہیں۔ ایک دہکتا ہوا آگ کا سمندر ہے۔

ایسا سمندر جو بھڑکنے پر ہر قصوروار اور بے قصور میں فرق کیے بغیر سب کو

اپنی لپیٹ میں لے لے گا جیسا کہ

اس کا باپ تھا۔

سالار:::::تو آپ جانتی ہیں کہ لوسیفر کا باپ کون تھا۔

ہاں میں جانتی ہوں کہ لوسیفر کا باپ کون تھا۔

سالار:::آپ کیسے جانتی ہیں۔

کیوں کہ میں بہت سی چیزوں کی خود شاہد رہیں ہوں۔

سالار:::آپ؟؟

تم جس کے بارے میں جاننے کے لیے بہت طویل سفر طے کر کہ یہاں تک ائے ہو۔اُس کے بارے میں تمھیں وہی بتا سکتا ہے جسے بتانے کی اجازت ہے۔

سالار:::اس کا کیا مطلب ہے؟

جان جاؤ گے بچے۔

ابھی تو بہت کچھ اور جاننا باقی ہے۔

سالار:::تو بتائیں پھر مجھے وہ جو میں جاننے یہاں آیا ہوں۔

بتائیں لوسیفر کا باپ کون تھا۔

اس کا نام ہم نہیں لیتے۔ وہ دنیا کا ایسا سیاہ باب تھا جس کا نام ہم میں سے کوئی نہیں لیتا۔

سالار:::: ہم ؟؟؟؟اور کون کون ہے ؟؟؟

وہ سب جو اس حقیقت کو اپنے سینوں میں دفن کر چکے ہیں۔

لوسیفر اُس شیطان کی اولاد ہے جسے اُس کے پیروکار شیطانوں کا شہزادہ منا کرتے تھے۔

مگر وہ خود کو اُن سب کا خدا کہتا تھا۔ دنیا اُسے جس نام سے جانتی تھی وہ ایز۔۔۔مو۔۔ڈیئس تھا۔

مگر وہ خود کو اس نام سے نہیں بلاتا تھا۔

خیر یہ باتیں اس قدر ضروری نہیں تم جو جاننے ائے ہو اُس کے لیے یہی بہت ہے۔

ہم اُسے اُس نام سے نہیں پکارتے۔ زندگی کا وہ سیاہ باب آنکھوں کے سامنے چلتا نظر آتا ہے

لوسیفر کی ماں نے اُسے ہر طرح سے اُس بھیانک اور تلخ دنیا سے بچانے کی کوشش کی۔ مگر اُس کی موت نے سب کچھ بدل کرر کھ دیا۔

سالار::: ہاں میں جانتا ہوں کہ اُس کی ماں کا قتل اُس کے بچپن میں ہوا تھا۔ کار حادثے میں۔

اور یہ بھی کہ اُس نے ایک ڈاکٹر کا قتل کیا۔ جو کہ ایک جرم ہے۔

وہ عورت سالار کی بات پر ہنسنے لگی۔

بچے پھر تو تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

جن باتوں کو جاننے کہ تم دعویٰ کرر ہے ہو وہ باہری دنیا کے لیے بنائیں گیئ کہانیاں ہیں۔

بہت سی حقیقتیں اُس ایک شخص کی زندگی سے جوڑی ہیں۔ جن سے اب تک تم واقف نہیں ہو۔

سالار::: آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟ کون سی حقیقت۔

جس وقت سات سالہ لوسیفر کو یہ بتایا گیا کہ اُس کی ماں ایکسڈنٹ کی وجہ سے اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ درحقیقت اُس وقت اُس کی ماں کی سانسیں چل رہی تھیں۔ یعنی وہ زندہ تھی۔

سالار اُس عورت کی بات پر خاصا حیران ہوا اور بولا۔

سالار::: مگر میرے تمام رابطوں کے مطابق اُس کی ماں کی موت اُسے حادثے کی وجہ سے ہو گئی تھی۔ جسے سکندر قتل سمجھ رہا تھا۔

تو پھر آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ عورت یعنی لوسیفر کی ماں زندہ تھی۔؟؟؟؟

اس لیے کہ اُسے اُسی جگہ پر لایا گیا جہاں میں تھی۔

سالار کے چہرے کے تاثرات پریشانی میں بدل گئے اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا

سالار::: سالار اگر اُس کی ماں زندہ تھی تو پھر اُس سے جھوٹ کیوں کہا گیا؟

بچے ابھی تم بہت سی حقیقتوں سے واقف نہیں ہو۔

سالار::: تو آپ بتائیں مجھے؟ میں جاننا چاہتا ہوں۔

لوسیفر کی ماں کو میری طرح بہت سی اور عورتوں کی اسمگلنگ کر کے بہت سے ملکوں سے وہاں لایا گیا جہاں کسی کا بھی آنا جانا ممکن نہیں تھا۔ بہت بھیانک منظر تھا۔

لوگوں کی بلی دے کر شیاطین کو پکارا جاتا تھا۔ وُہ جگہ شیطانوں کی بستی تھی۔

اور جس وقت لوسیفر کو بتایا گیا کہ اُس کی ماں مر چکی ہے اُسے واپس اُسے جگہ پر لایا گیا جہاں سے وہ اپنے بچوں کی خاطر بہت مشکل سے بھاگ گئی تھی۔

سالار::::اخر کیوں؟؟؟؟

جب دنیا میں انسان خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اوروں پر عذاب بن کر نازل ہو جاتا ہے۔

ایسا عذاب جو ناقابلِ برداشت کی حد تک تکلیف دے تھا۔

لوسیفر کا باپ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ وہ ایک ایسا شیطان تھا جو اپنے علاقے میں لوگوں کو بندھی بنا کر اُنہیں اذیت دے کر خود کو سکون پہنچاتا تھا۔

سالار:::: تو لوسیفر کی ماں وہ ماہِ نور

ہاں ماہِ نور اُس کا کیا ہوا؟؟؟

کیا لوسیفر جان نہیں سکا کہ اُس کی ماں زندہ ہے؟؟

جب تک وہ جان سکا بہت دیر ہو چکی تھی وہ اُس دنیا کے شیطانوں کی بستی میں رہنے والوں میں سے ہو گیا جو حرام دھندوں کا کاروبار کرتے تھے۔

سالار::::::اور کیا جانتی ہیں آپ؟؟؟؟

بس یہی کہ نو سال پہلے اُس جنگ کو جیتنے والا اور کوئی نہیں بلکہ لوسیفر تھا۔

سالار:::: مطلب کہ۔

ہاں میرا وہی مطلب ہے جو تم سمجھ رہے ہو بچے۔

وہ جیت گیا تھا۔اس نے اپنے باپ کو ایسی دردناک موت دی تھی جس سے وہ علاقہ اُس کی چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔

سالار اپنے چہرے اور ہاتھ پھیرتا اُس عورت کی باتوں کو سمجھنے لگا جو کافی حیران کن اور سالار کی اُمید سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں۔

سالار:::: نو سال پہلے فلسطین کے ایک شہر میں آگ لگی تھی۔

. کیا اُس کا تعلق کہی نہ کہی لوسیفر کے باپ یا اُس سے تھا؟؟

تم جتنا جانو گے تمہیں اتنا جاننے کی چاہ ہو گی۔

نو سال پہلے کیا ہوا تھا تمہارا یہیں جاننا بہتر ہے کہ اُس کو جیتنے والا لوسیفر تھا۔

اس سے زیادہ خود کو اس میں نہ دھکیلو ورنہ اس میں پھنس جاؤ گے۔

سالار:::: ایک مجھے سمجھ نہیں آتا جو مجھے کچھ بتاتا ہے وہ مجھے دور رہنے کا کیوں کہتا ہے۔

کیوں کہ بچے۔۔ بہتری اسی میں ہے۔

سالار:::: چلیں یہ بتائیں کہ اگر سکندر کی ماں کی موت اُس وقت نہیں ہوئی تھی تو پھر کب ہوئی۔؟؟؟

بہتر ہے ان سوالوں کا جواب تمھیں وہ دے جو وہاں موجود تھا۔

سالار:::: تو مطلب آپ نہیں جانتی ہیں؟؟

جو کچھ میں بتانا چاہتی تھی وہ میں بتا چکی ہوں تمہیں۔اب آگے کا راستہ تُمھیں کوئی بتائے گا۔

سالار::: کون؟؟

وہ تم تک خود پہنچ جائے گا۔اب تم یہاں سے جاؤ۔

سالار::: کون پہنچ جائے گا؟؟؟آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟؟

بس خیال رکھنا کہ یہ جنگ اچھائی اور برائی کی نہیں ہے بلکہ بڑی برائی اور چھوٹی برائی کی جنگ ہے۔

اگر یہ سمجھ لوگے تو فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اور پھر وہ عورت یہ کہتی وہاں سے اٹھی اور اندر کی طرف چلی گئی۔

سالار:::روکیں.... میری بات سنیں۔۔۔

میں کچھ سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔

میری بات سنیں۔۔۔

جب کہ سالار اُسے روکنے کے لیے آگے بڑھا تو وہ آدمی اُس کا راستہ روکتے اُسے نظروں سے باہر کا اشارہ کرنے لگا۔

اور پھر سالار اُس آدمی کو دیکھتا کچھ سوچنے لگا۔

اور پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

سکندر گاڑی کا دروازہ کھولتا زیمل کو سر کے اشارے سے اندر بیٹھنے کا کہنے لگا تو زیمل گاڑی کی اگلی سیٹ پر سکندر کے اشارے کو سمجھتی بیٹھ گئی۔

اور گاڑی دروازہ بند کرتا دوسری طرف سے گاڑی میں بیٹھنے لگا۔

اس سے پہلے وہ بیٹھتا سکندر نے جمشید کو پکارتے ہوئے آپنے پاس بلایا جمشید دور سے بھاگتے ہوئے سکندر کی طرف آیا تو بولا۔

جمشید::::: کیا حکم ہے بھاؤ؟؟؟

سکندر:::: میں کچھ دیر باہر جا رہا ہوں۔ تک تیار ہو؟

جمشید::::: جی میں تیار ہوں۔

سکندر:::: وہاں ادمیوں کو لے کر پُہنچ جاؤ۔

کام ہو جائے تو مجھے اطلاع دے دینا۔

اور جو کچھ اُس کے اڈے میں ملے سب ضبط کر لینا۔

جمشید کے چہرے پر سکندر کی باتور مُسکراہٹ واضح ہوئی تھی۔

سکندر::::: میں نکلتا ہو۔آگے کا کام مجھے معلوم۔ہے

تم سنبھال کو گے۔

جمشید::::: ج۔۔۔جی۔۔۔۔۔بھاؤ۔۔۔آپ فکر ہی نہ کریں۔

سکندر آنکھوں کے اشارے سے ہاں کا اشارہ

کرتے وہاں سے سیدھا

گاڑی میں بیٹھ گیا۔

اور جمشید بہت آرام سے وہاں سکندر کو جاتے

ہوئے دیکھتے رہا۔

جیسے ہی گاڑی نکلی۔جمشید فل موڈ میں آتا بولا۔

جمشید::::: چل جمشید اب مزا آنے والا ہے۔

اور پھر پیچھے کھڑے لڑکوں کو دیکھ کر بولا۔

چلو تیار ہو جاؤ ایک چھوٹے سے مشن پر جانا ہے۔

اور پھر ہاتھوں سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتا کچھ

سوچنے لگا۔ تو بولا۔

جمشید:::: ہتھیار رکھنے کی ضرورت نہیں۔

آج بھاؤ نے موقع دیا ہے تو ہاتھوں سے کھیلتے ہیں۔

چلو لڑکوں جلدی کرو۔ فٹافٹ۔

کافی دیر بعد جمشید اکیلا یعنی سکندر کے بغیر

کسی جگہ پر لڑنے جا رہا تھا۔

ورنہ سکندر ہی ہر اُس کھیل کہ بازی گر ہوتا تھا

جہاں سکندر صالح کے پیروں کی چھاپ پڑ جاتا کرتی تھی۔

جمشید کافی خوش تھا۔

آخری دفعہ اُسے اُس ڈاکٹر کو تھپڑ مارنے کا موقع ملا تھا

جسے وہ مارنا نہیں چاہتا تھا۔

اب جمشید سب لڑکوں کو تیار کرتا مکمل بھاؤ کے انداز میں بولا۔

جمشید:::::اپنے کام کو صحیح سے انجام دینا تم

سب کا فرض ہے۔

اگر کام کرنے میں ذرا بھی غلطی ہوئی تو

تم سب سے میں حساب مانگو گا۔

اور پھر سب ایک دم سیدھا کھڑے جمشید کی بات

پر اُسے دیکھنے لگے۔

کیوں کہ اُس کا انداز اور اُس کے الفاظ سکندر سے

خو بخو مماثلت رکھتے تھے۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جمشید وہاں سے نکل گیا۔۔

زیمل گاڑی میں بیٹھی خاموش شیشے سے باہر

کا منظر دیکھ رہی تھی۔
کیا ہی خوبصورت استنبول کی سڑکیں تھیں۔
سڑک سے دوسری طرف لوگ کی آمدورفت تھی۔
باہری منظر کو دیکھتے زیمل کی توجہ ایک بچی پر پڑی
جو اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑے کسی ریسٹورانٹ
کی طرف بڑھ رہی تھی۔
اس کی عمر لگبھگ پانچ سال تھی۔
اس کے چہرے کی مسکراہٹ پر زیمل کے ہونٹوں نے
ماشاءاللہ کا لفظ ادا کیا۔
تو اُسے اپنے بچپن کے دن یاد آ گئے۔
سکندر جو گاڑی چلا رہا تھا۔
اس کی توجہ زیمل کے چہرے پر بار بار اٹک رہی تھی۔
اُسے زیمل کسی اور ہی دنیا کے خیالوں میں گم ہوتی

نظر آئی تو سکندر اُس کا دیہان اپنی طرف کھینچتا بولا۔

سکندر:::: پوچھیں گی نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔

زیمل یوں سکندر کے اُس سے مخاطب ہونے پر سکندر کی طرف متوجہ ہوئی تو بولی۔

زیمل:::: ہم کہاں جا رہے ہیں؟

سکندر زیمل کی بات پر مسکرایا تو بولا۔

سکندر:::: آپ کہاں جانا چاہتی ہیں؟؟؟؟

زیمل سکندر کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ کچھ سوچنے لگی تو بولی۔

زیمل:::: آپ یہاں کی جگھوں کے بارے میں جانتے ہیں؟؟؟

سکندر:::: ہاں کچھ کے بارے میں جانتا ہوں۔

زیمل:::: تو آپ کی پسندیدہ جگہ کون سی ہے؟؟؟؟

زیمل سکندر سے گویا اُس کی پسندیدہ جگہ کے

بارے میں پوچھنے لگی۔

کیوں کہ وہ ترکی کے شہر استنبول کے بارے میں

نہیں جانتی تھی۔

سکندر زیمل کی بات پر کچھ سوچنے لگا اور پھر بولا۔

سکندر::::: دنیا میں کوئی جگہ میری ماں کے جانے

کے بعد اور آپ کے آنے سے پہلے پسندیدہ نہیں تھی۔

جب میری ماں زندہ تھیں تو اُن کی گود میرے لیے

میرا پورا جہاں تھی۔

اور اب زندگی کے اتنے سالوں کے بعد میرے لیے

ہر وہ جگہ پسندیدہ ہے جہاں آپ میرے ساتھ ہیں۔

زیمل سکندر کی بات پر خاموش ہوئی تو پھر کچھ

سوچتے ہوئے بولی۔

زیمل::::آپ کی ماں کیا اس دنیا میں نہیں ہیں؟؟؟

سکندر::::: نہیں۔

پر بہت سی ایسی باتیں ہیں جو میں چاہتا ہوں

کہ یہاں سے واپسی پر پاکستان میں آپ سے بیان کروں۔

میری زندگی کی بہت سی تلخ حقیقتوں میں سے ایک۔

مگر خیر ابھی اُس میں وقت باقی ہے۔

زیمل سکندر کی بات کا مطلب سوچنے لگی تو بولی

زیمل::::جی ٹھیک ہے۔

سکندر:::::ویسے آپ کی پسندیدہ جگہ کون سی ہے؟؟؟

زیمل کسی الگ ہی احساس کو دل میں لی

سکندر کے سوال پر مسکرائی اور پھر اپنے

خوبصورت جواب کو اپنی زبان پر سجائے بولی۔

زیمل:::::کائنات کی ہر جگہ خوبصورت ہے۔

پسند اور نہ پسند کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔

دنیا کی ہر جگہ کو تخلیق کرنے والا میرا رب ہے۔

جس نے اپنے نور سے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا نور بنایا اور پھر اُس نور سے لے کر کچھ روشنی سے

کلِ بزم و مکاں کو سجایا۔

مگر میرے دل کے قریب جو جگہ ہے

وہ گنبدِ خضریٰ ہے۔ جب آنکھوں کو بند کرتی ہوں

تو وہ سبز گنبد میری آنکھوں کی دید کو کے سامنے آجاتا ہے۔

سکندر:::: یہ کون سی جگہ ہے؟؟؟

سکندر زیمل کی بات پر سوال کرتا بولا۔

زیمل سکندر کے سوال پر اُس کی طرف متوجہ ہوئی

جیسے اُسے سکندر کی طرف سے ایسے سوال

کی اُمید نہیں تھی۔ اور پھر جواب دیتی بولی۔

زیمل::::گنبدِ خضریٰ مدینے میں موجود مسجدِ نبوی کا سبز گنبد ہے۔

سکندر زیمل کی بات پر سرہاں میں ہلانے لگا تو بولا۔

سکندر::::اچھا آپ مسجدِ نبوی کی بات کر رہی تھیں۔

زیمل سکندر کے جواب پر اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ تو بولی۔

زیمل::::مسجدِ نبوی وہ جگہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا جسدِ وجود مدفن ہے۔

جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمایا تھا

وہ جگہ اماں عائشہ کا حجرہ تھا۔

اور اسی حجرے میں میرے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو مدفن کیا گیا۔

سکندر::::یعنی اُسی جگہ پر وہ سبز گنبد تعمیر کیا گیا۔

سکندر زیمل کی بات پر خود کو جواب دیتا بولا۔

زیمل:::::::جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدفن کیا گیا

اسی کے پاس حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق

رضی تعالیٰ عنہا کی بھی آخری آرام گاہ ہے۔

سکندر:::::آپ کبھی وہاں گئیں ہیں؟

زیمل::::جی۔

سکندر:::: کب؟؟

زیمل::::: میری پیدائش وہیں کی ہے۔میں وہی پیدا ہوئی ہوں۔

میری پیدائش سے پہلے میرے بابا میری ماما کی خواہش پر وہاں گئے تھے۔

اور پھر وہاں عمرہ ادا کرنے کے بعد میری پیدائش مدینے میں ہوئی۔

سکندر:::::وہ جگہ آپ کے دل میں خاصی اہمیت رکھتی ہے؟؟؟؟

زیمل::::: مدینہ منورہ وہ جگہ ہے جن کی گلیوں سے

میرے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرا کرتے تھے۔

جن کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی محبت ہو وہ دل کبھی مکہ اور مدینہ کی محبت سے خالی نہیں ہوتے۔

جب میں چھوٹی تھی دل بہت مچلتا تھا۔
جب بابا اللہ کے ذکر کے بعد نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کیا کرتے تھے۔
تو میں سوچتی تھی کہ میں اُس دور میں پیدا کیوں نہیں ہوئی۔
جب بابا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسکراہٹ
کا انداز بیان کرتے تھے تو دل میں ایک
بے چینی اور بے قراری اٹھتی تھی کہ اس دنیا میں آنے کے
باوجود میں اتنی خوش قسمت نہیں کہ چھپکے سے وہ چہرہ دیکھ سکوں۔
بابا کہتے تھے کہ زیمل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سے
محبت کرو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیت
سے بھی محبت کرو۔
سکندر زیمل کی بات سُن رہا تھا۔
زیمل کی باتیں اُس کے دل کو متاثر کر رہی تھیں۔اور پھر بولا۔

سکندر::::: آپ کو اللہ بہت پسند کرتا ہے زیمل۔

زیمل سکندر کی بات پر اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو بولی۔

زیمل::::: اللہ اپنے ہر بندے سے محبت کرتا ہے۔

خواہ وہ خطا کار ہو یا گناہ گار۔

سکندر کو زیمل کی باتوں پر اپنے گناہ یاد ائے

تو دل چاہا کے پوچھ لے کہ کیا میں بھی اس قابل ہوں

کہ رب مجھ سے بھی محبت کرے۔ مگر پھر بھی کچھ نہ بولا۔

زیمل::::: کسی نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ

زیمل گناہوں کی تعداد اگر پہاڑ کی اونچائی

اور سمندر کی گہرائی اور آسمان کے لا محدود رقبے

سے زیادہ ہو جائے حتٰی کہ کائنات کی وُسعت سے

بھی کہی گنا زیادہ ہو جائیں تب بھی ایک بات ہمیشہ

یاد رکھنا کہ اللہ

الرحمان، الرحیم، الکریم اور الجلیل ہونے کے ساتھ ساتھ الغفار بھی ہے۔

یعنی اگر بندہ اپنے گناہوں پر توبہ کر کے اللہ کی بارگاہ میں رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے تو اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کرنے پر قادر ہے۔

سکندر::::: آپ کی باتوں سے مجھے اپنی قسمت پر رشک آتا ہے۔

آپ کی باتیں میرے دل کو متاثر کرتی ہیں۔

خیر دیکھیں بات کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں تک پہنچ گئی۔

اچھا ابھی آپ یہ بتائیں کہ آپ کو ساحل سمندر پسند ہے؟؟؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی جب کہ وہ کبھی سمندر کے ساحل پر نہیں گئی تھی۔

دراصل سکندر کے لیے ساحل سمندر اُن جگہوں میں سے ایک تھی جو اُس کے دل قریب لوگوں کے

دل کے بہت قریب تھی۔

آج وہ ماضی کی ایک خوبصورت یاد کے پیشے نظر آیا تھا۔

سکندر::::::: یہ ایسی جگہ ہے جہاں آپ کو سکون محسوس ہو گا۔

اور پھر گاڑی کو ایک جگہ روکتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: لیں باتوں کے سفر کے ساتھ ہم پہنچ بھی گئے۔

زیمل گاڑی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

سوري غروب ہونے کو تھا۔ آسمان بہت دش معلوم ہو رہا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ دور سمندر کی لہروں کی آواز اُس کر کانوں میں گونج رہی تھی۔

اور پھر سکندر زیمل کے چہرے کو طرف دیکھ کر بولا

سکندر:::::: چلیں؟؟؟؟

زیمل:::: استنبول کے ساحل سمندر کا نظارہ کرتی اللہ کی قدرت کی خوبصورتی کو دیکھ رہی تھی۔

اور پھر سکندر گاڑی سے نکلتا زیمل کی طرف کا دروازہ کھولتا

اپنے ہاتھ کو بڑھاتے بولا۔

سکندر:::::اس دل کش منظر کو سمندر کی لہروں میں

کھڑے ہو کر دیکھیں گی تو زیادہ اچھا لگے گا۔

اور پھر زیمل کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے وہ زیمل کو گاڑی

سے نکالنے لگا۔

اور پھر گاڑی کا دروازہ بند کرتا وہ

بنا زیمل کا ہاتھ چھوڑے چلنے لگا۔

تو زیمل غروب ہوتے سورج کی کرنوں کو دیکھ کر بولی۔

زیمل::::میں نے کہا تھا نا کہ دنیا کی ہر چیز خوبصورت ہے۔

۔اور سکندر زیمل کے چہرے کی طرف متوجہ ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔

اور پھر بولا۔

سکندر:::::ہاں اور دل کش بھی۔

سکندر گویا زیمل کے الفاظ کو اُس کی طرف موڑتا

زیمل کے چہرے کے نور کی تعریف کر چکا تھا۔

اور زیمل سامنے منظر کو آنکھوں میں سمائے

سمندر کی لہروں کی چھم چھم کو دیکھنے لگی۔ جو ساحل ائے ٹکرا

کر واپس سیر کو نکل پڑی تھیں

جمشید گاڑی سے نکلتا الکے ایمن کے اڈے میں داخل ہو چُکا تھا۔

وہاں پہلے سے ہی اُس کے قتل کی خبر پہنچ چکی تھی۔

اور اب اُن لوگوں کا اپنے نئے کاپو کو ماننے کا وقت تھا۔

مگر سکندر جانتا تھا کہ اُن میں سے کچھ لوگ ہو گے

جو مخالفت کے لیے سکندر پر وار کریں گے

یہی وجہ تھی کہ سکندر اتنے چھوٹے سے کام کے لیے

خود نہیں جانا چاہتا تھا۔ اور اب یہاں سے کام جمشید کے حوالے تھا۔

جمشید::::: تم سب تیار رہنا کسی کو بھی نہیں چھوڑنا ہے۔

میرے تین گننے پر چاروں سے طرف سے داخل ہو جانا۔

پندرہ منٹ تک یہاں کا صفایا کرنا ہے۔ سمجھ رہے ہو۔

روحآن جمشید کی بات کا جواب دیتا بولا۔

بھائی صرف دس منٹ چاہیے۔دس منٹ میں سب صاف

ہو جائے گا۔

جمشید اُس کی بات کا ایسا جواب دے گیا کہ

وہ جمشید کی بات پر یہاں وہاں دیکھنے لگا۔

جمشید:::: دس منٹ ہی دیے ہیں باقی کے

پانچ منٹ اندر کے مال کی صفائی کے ہیں۔

چلو اب میرے اشارے پر تیار رہنا سب۔

میرے تین گننے پر اندر ٹوٹ پڑنا سمجھے۔

ایک دو تین۔

اور پھر جمشید کے تین کے اشارے پر سبھی اندر داخل ہو گئے۔

جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو ہر طرف سے گولیاں چلنے لگی۔

یوں اندر داخلی پر ہر بری مچ گئی۔

اور پھر ایک کے بعد ایک گولیاں چلنے کے بعد منظر بدلنے لگا۔

۔مگر انداز یہ تھا کہ جگہ کے کچھ صاف ہونے

کے بعد جب سب کی نظر جمشید پر پڑی تو وہ

گن کے استعمال کرنے کی بجائے اپنے ہاتھوں

اور ٹانگوں کا استعمال کر رہا تھا۔

جمشید::::سامنے سے واکر کی نظر کو خود پر محسوس کرتا بولا۔

مجھے بعد میں دیکھنا۔ابھی دس منٹ کو۔یاد رکھو۔

اور پھر جمشید دیکھتے ہی دیکھتے نیچے والے پائپ کی

مدد سے اوپر کی طرف گریل کو پکڑتا اپنے

جسم کو اوپر کی طرف پھینکتے گرل کی دوسری طرف کھڑا ہو گیا

ٹیں آدمی وہاں سے بھاگتے ہوئے

اُس کی طرف ائے تو جمشید بھاگتے ہوئے اُن

کی طرف گیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھتا

دو چاقوں کو نکالتا اُن کی طرف ایسے بڑھا کہ

کچھ قریب جاتے ہی اُس نے اُن کی ٹانگوں پر وار کر دیا۔

ابھی کہ تیسرا آدمی جمشید کے سر پر

وار کرتا اُس سے پہلے ہی ایک گولی اُس کے آر پار ہو گئی۔

جمشید کا دیہان بائیں جانب گیا تو وہاں فرقان کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اور پھر جمشید بھاگتے ہوئے آگے کی طرف بڑھا اور

ایک سامنے سے آتے آدمی کو ایک

جھٹکے سے پکڑتا نیچے پھینک گیا اور پھر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔

اور پھر روحان سے مخاطب ہوتا بولا

جمشید:::: روحان میرے پیچھے دو ادمیوں کو بھیجو اور اُنہیں

کہو کہ دائیں جانب کو دیکھیں اور بائیں طرف سے

میری طرف میرے ساتھ آئیں۔

دوسری طرف فرقان ایک طرف چھپا گولیوں کے نشانے باندھ رہا تھا۔

فرقان: اچھا بھائی بس دو منٹ دیں۔

ابھی جمشید نے یہ بات ہی بولی تھی کہ سامنے سے آتے

سات آدمی گولیاں چلاتے اُس کی طرف بڑھے۔

جمشید:::: یہ پلان کینسل روحان دو نہیں اب چار ادمیوں

کو میری طرف بھیجو جلدی۔

اور پھر جمشید اُن گولیوں سے بچتا سامنے ایک

کمرے میں چلا گیا۔ ابھی کہ وہ اندر داخل ہی ہوا تھا کہ

اُس کی نظر کمرے میں موجود چھوٹے چھوٹے بمب پر پڑی

تو جمشید مسکرانے لگا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

جمشید:::: پلان دوبارہ سے کینسل روحان ان کے لیے تو میں ہی کافی ہوں

اور پھر فوراً سے چند بمب کو۔اٹھاتے ہوئے بولا تم سب تو گئے۔

اور پھر بمب کو کھولتے ہوئے بولا

جہنم میں جانے کے لیے تیار رہو۔اور پھر بمب کو اُن کی طرف پھینکتا بولا

جمشید::::: سالوں تم لوگوں کے لیے یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔

وہی کمرے سے سامنے یعنی اس طرف کی گرل کی دوسری جانب کی

گرل پر اُس کی نظر چار ادمیوں پر پڑی جن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

جمشید اُنہیں آنکھ کے اشارے سے کہتے ہوئے بولا

جمشید:::: بھاؤ کو نہیں بتانا کہ یوں دھوم دھڑ کے کے

ساتھ ہم ان کا جنازہ نکال کر آئے ہیں۔

اور پھر ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکلتا اوپر کی

طرف بڑھا گیا اور ایک گن کو زمین سے اٹھاتے بولا

جمشید:::: تم لوگوں کے پاس صرف پینتالیس سیکنڈ ہے۔

اور پھر یہ کہتا اوپر کی طرف بڑھ گیا۔جب کہ

نیچے سب کو مارتے ہوئے اب باقی سب

دوسری منزل پر پہنچ چکے تھے۔

ابھی جمشید اوپر ہی پہنچا تھا اُس کے چہرے

کے پاس سے ایک گولی گزرتی دیوار

کے چیتھڑے آرا گئی۔۔۔

یوں اچانک گولی کے اتنے پاس

گزرنے پر جمشید ایک قدم پیچھے ہوا تو بولا

جمشید::::: اندھا شوٹر۔۔۔۔ابھی مجھے گولی لگ جاتی تو پھر۔

بلاوجہ ایک قیمتی جان ضائع ہو جانی تھی۔

اور پھر ایک بمب کو منہ سے کھولتے اُن کی

طرف پھینکا اور پھر دوسری سمت کی طرف بھاگنے لگا۔

ابھی کہ جمشید پیچھے موڑ کر اُن کے چیتھڑے

ارتے دیکھتا اچانک اُس کی نظر ایک لڑکا پر پڑی

جو جمشید کو دیکھ کر ایک مسکراہٹ دیے بھاگنے لگا۔

جمشید اُس کی طرف بھاگنے لگا کہ سامنے

موجود ایک گلی نماں جگہ سے نکلتے اُس کے

آدمی اُس پر گولیاں چلانے لگے۔

جمشید:::::ارے یار۔

اور پھر کان میں موجود مائک کو دباتے ہوئے بولا۔

جمشید::::روحان مدد کے لیے تین چار لڑکوں کو اوپر

کی طرف بھیجو جلدی۔

اور پھر جمشید ایک جگہ پر اپنی جگہ لیتے

گن کی گولیاں دیکھنے لگا۔ جس میں صرف چار

گولیاں باقی تھی اچانک پاس موجود دو

بمب یاد آئے تو اپنی گردن اور گن کا رخ پلٹتے ہوئے بولا

جمشید::::: چل جمشید شروع ہو جا۔

اور پھر اُس نے تین گولیوں سے نشانہ

باندھا تو وہی جمشید کے اپنے آدمی بھی اوپر پہنچ گئے۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے لاشوں کی لاشیں گرنے لگی۔

اچانک جمشید کا خیال

اُس لڑکے کی طرف گیا تو وہ اوپر کی طرف بھاگنے لگا۔

جمشید کو لگا جیسے وہ لڑکا چاہتا تھا کہ میں اُس کا پیچھا کروں۔

مگر پھر اپنے خیالوں کو جھٹکتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھا۔

جمشید::::: سوچا تھا مزے سے اس لڑائی کا مزا لوں

گا مگر یہاں تو بھاگا بھاگا کر سانس پھولا دیا ہے۔

اور پھر فوراً سے اٹھتا اُس کی طرف بڑھا اور بولا۔

جمشید::::: میں اوپر کی طرف جا رہا ہوں وہاں پیچھے

کی طرف بھی دیکھ لینا کوئی بچنا نہیں چاہیے۔

اور پھر جمشید یہ کہتا سیڑھیوں سے اوپر کی طرف

بڑھنے لگا تو اُس کے کانوں میں ایک لڑکی کی آواز گونجی۔

جمشید یہاں وہاں دیکھنے لگا۔ مگر ابھی کہ وہ آگے

بڑھتا اُس سے پہلے کسی نے ایک زوردار وار اُس پر کیا۔

جمشید پیچھے کو موڑا تو وہ لڑکا ایک مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

جو تم چاہتے ہو وہ میں ہونے نہیں دوں گا۔

جمشید نے گن کو دوسری طرف پھینکا اور

اُس کے چہرے پر زوردار مکا مارا۔

جمشید:::: تجھے لگتا ہے کہ تو مجھے روک سکتا ہے۔

اور پھر اُسے زمین سے اٹھاتے ہوئے ایک زوردار

تھپڑ اُس کو مارتے ہوئے بولا

جمشید:::: یہ مجھے اتنا بھگانے کے لیے۔

اور پھر اُسے خود سے دور پھینکتے ہوئے بولا۔

جمشید::: سالے اتنا بھاگا بھاگا کر بھی تو پکڑا ہی گیا۔

اور پھر ایک زوردار ٹانگ اُس کے پیٹ پر مارتے ہوئے بولا۔

جمشید:::: یہ مجھ پر دھوکے سے وار کرنے کے لئے۔

ابھی جمشید اُسے پکڑ کر دو تین اور لگانے ہی لگا تھا

مگر اُس سے پہلے ہی اُس کے کانوں میں دوبارہ سے کسی

لڑکی کی آواز گونجی۔

جمشید کا دیہان دوسری جانب ایک کمرے کی طرف گیا تو بولا۔

جمشید:::: وہاں کون ہے ؟؟

وہ ہنسنے لگا تو بولا۔

وہاں نہ جانا سمجھ رہے ہو نہ کہ میں کیا کرنے کہ تُمھیں کہہ رہا ہوں۔

جمشید::: تمہیں تو میں آکر دیکھتا ہوں۔

اور پھر یہ کہتا فوراً سے اُس کمرے کی طرف بڑھا۔

ابھی کہ اُس نے دروازہ کھولا ہی تھا اچانک اُس کی نظر سامنے

موجود ایک لڑکی کی طرف گئی

جس کے ہاتھ ہتھگڑیوں سے باندھے تھے۔

اور اُس کے چہرے پر تازہ گھاؤ تھے۔

بال بکھرے ہوئے اور اُس کے چہرے پر انسوں کے

ساتھ ناک سے خون نکل رہا تھا۔

وہ لڑکی جمشید کو دیکھ رونے لگی تو بولی۔

..پلیز میری مدد کریں

جمشید آگے کو بڑھتا اُس کی ہتھگڑیوں کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر ہتھگڑیوں کو نہ کھولنے پر وہ اُس کے چہرے کی طرف متوجہ ہوا۔

اور بولا۔

جمشید::::فکر نہ کرو لڑکی میں ابھی کھولتا ہوں ان کو۔

اور پھر یہ کہتا جمشید باہر کی طرف بھاگا تو وہاں

اُس آدمی کو گرا پڑا دیکھا اور پھر اُس کے پاس سے

گن اٹھاتا بولا۔

تُجھے تو آکر دیکھتا ہوں اور پھر واپس اُس کمرے کی طرف آیا۔

کمرے میں دوبارہ داخل ہونے پر جمشید کی نظر اُس لڑکی پر گئی تو وہ لڑکی اپنے ناک سے خون کو صاف کرتی دروازے پر متوجہ ہو گئی

ابھی کہ اُس نے جمشید کے ہاتھوں میں گن کو دیکھا ہی تھا تو وہ گن دیکھ کر چیلا کر رونے لگی۔

بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔۔۔۔ بچاؤ مجھے۔ پلیز مجھے مت مارو۔

جمشید اُس لڑکی کے چیخنے پر اپنے ہاتھوں میں موجود گن کو دیکھنے لگا تو ایک آہ بڑھتا بولا

جمشید::::: چیخنا بند کرو لڑکی۔ میں تمھاری مدد کرنے آیا ہوں اور تم چیلا کر میرے کان کھا رہی ہو۔ دیکھو اس گن سے تمہاری ہتھگڑیوں کھولو گا تو ہی تم آزاد ہو گی۔

اور پھر وہ لڑکی جمشید کی بات پر چیلانا بند ہو گئی۔

جمشید اُس کے ہاتھوں کو زمین پر رکھتا

گن کے نشانے پر ہتھگڑیوں کو رکھتا ٹریگر

کو دبا گیا اور اُس کے ہاتھوں کو اُن کی قید سے آزاد

کرا گیا۔

وہ لڑکی اپنے ہاتھوں کو ہتھگڑیوں کی قید

سے آزاد دیکھنے لگی ابھی کہ وہ جمشید کا شکریہ ادا کرتی۔

پیچھے سے اُس لڑکے نے جمشید کی گردن

کو ایک لوہے کے ڈنڈے سے دبوچ لیا۔

گن جمشید کے ہاتھوں سے چھوٹی تو وُہ لڑکی ڈر سے پیچھے ہو گئ۔

جمشید اپنی پوری طاقت سے اُس ڈنڈے کی قید سے

اپنی گردن کو آزاد کرنے لگا۔ مگر وہی وہ لڑکا جمشید کو اپنی

گرفت میں لے کر زمین پر لیٹا گیا۔

.... کہا تھا نا یہاں مت آنا

جمشید زمین پر گرا لال پر چکا تھا۔

اُس کا ہاتھ گن تک پہنچ نہیں پا رہا تھا۔

جمشید کے اُس لڑکی کو اشارہ کرنے کے باوجود وہ

لڑکی خوف سے اپنے قدموں کو جمشید کو مدد کے لیے بڑھا

نہیں پائی

جمشید نے ایک ساتھ چار کوہنی اُس لڑکے کے پیٹ پر ماری

تو وہ اپنی گردن کو اُس کی قید سے آزاد کروا گیا۔

اور پھر اُسے اُس کے سر سے پکڑتا دیوار سے

مارتا خود سے دور پھینک گیا۔

جمشید::::: سالے جان لینے والا تھا تو ابھی میری۔

اور پھر جمشید کھڑا ہو کر اپنے سانس کو بحال کرنے لگا۔

ابھی کہ وہ لڑکا اٹھ کر جمشید کی طرف بڑھتا۔

جمشید فوراً سے زمین سے گن کو اٹھاتا اُس پر نشانہ باندھ کر بولا۔

جمشید:::::: پیچھے سے وار کرنے والے مجھے ہر گز پسند نہیں۔

جا جا کر مر سالے

اور پھر ایک ٹھا کی آواز کمرے میں گونجی اور پھر اور لڑکا

وہی ڈھیر ہو گیا۔

کچھ دیر بعد کمرے سے باہر جمشید کے اپنے لڑکے بھی پہنچ گئے۔

اور وہ لڑکی زمین سے اٹھ گئی۔

روحان:::: بھائی کام ہو گیا ہے۔ مگر

جمشید اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

جمشید:::::: تم میں سے دو کو میں نے اوپر کی طرف آنے کا کہا تھا

کہاں مر گئے تھے۔

بھائی بیسمنٹ کا راستہ نیچے ملا ہے۔

جمشید:::: بیسمنٹ ؟؟؟

ہاں بھائی نیچے کافی کچھ ہے جو آپ کو دیکھنا چاہیے۔

اور پھر جمشید کمرے سے باہر کو نکلا گیا۔جب کہ

جمشید کے آدمی اندر موجود ایک لڑکی کو کھڑا دیکھنے لگے۔

روحان::::بھائی یہ لڑکی ؟؟؟

جمشید::::ہاں یہ لڑکی۔

ایک کام۔کرو کہ اسے گاڑی میں بیٹھاو۔

روحان:::اچھا بھائی۔

اور پھر روحان اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کرتا جمشید کے پیچھے چلا گیا۔

جمشید فون کو نکالتا بولا۔

جمشید::::بیسمنٹ میں ملا کیا ہے ؟؟؟

روحان::::بھائی کافی حیران کن ہے۔

جمشید::::ملا کیا ہے وہ بتاؤ ؟؟

روحان:::بھائی وہی ڈرگ۔

جمشید فرقان کی بات اور چونکا تو بولا۔

جمشید:::یہ کیسے ممکن ہے؟

روحان:::بھائی نہیں معلوم۔ مگر اُسی ڈرگ کو شاید

دوبارہ سے تیار کیا گیا ہے۔

جمشید ایک لمبی آہ بڑھتا بولا۔

جمشید::::مگر اُس ڈرگ کو تو ختم کر دیا گیا تھا۔

وڈرگ کیسے۔یہ کیسے ممکن ہے۔

روحان:::بھائی میرے خیال سے یہ ڈرگ

وہ والے ڈرگ سے زیادہ خاطرناک ہے۔

جمشید:::::یہ اچھی خبر نہیں ہے۔

روحان::::اور لگتا ہے کہ یہ کچھ دیر پہلے ہی یہاں آئے ہیں۔

جمشید::::تو مطلب کہ کوئی اور ہے۔

مگر اُس ڈرگ کے سمپل کے بغیر اُس ڈرگ کو بنانا ناممکن ہے۔

فرقان::::بھائی یہی بات مجھے سمجھ نہیں آرہی۔

جمشید::::اچھا اُس ک ایک سمپل پاس رکھو باقی سب کو آگ لگادو۔

روحان:::::جی ٹھیک بھائی۔

بھائی کچھ مال بھی ملا ہے۔

جمشید::::: سارے مال کو وہاں سے نکل کر گاڑیوں میں رکھو

روحان::::: ٹھیک ہے بھائی میں ابھی سب کرواتا ہوں

اور پھر یہ کہتا روحان وہاں سے چلا گیا۔

جمشید وہی فون پر ایک نمبر ملاتا کان سے لگا گیا۔

دوسری طرف بیل جانے لگی۔

اور کچھ دیر بعد فون اٹھالیا گیا۔

جمشید:::: سلام بھاؤ۔

سکندر:::: ہاں جمشید ؟کام۔ہو گیا؟؟؟

جمشید::::جی بھاؤ کام ہو گیا ہے۔مال ہی سمیٹنے لگے ہیں۔

بھائی..و۔۔۔۔وہ ایک بات کرنی تھی آپ سے۔

سکندر::::: تم جب وہاں سے نکلو گے تو ہوٹل پہنچ کر مجھے فون کرنا۔

جمشید:::: ج۔۔۔۔جی۔۔۔بھائی۔

اور پھر وہ یہ کہتا فون رکھ گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دوسری طرف سکندر فون رکھتا زیمل سے بولا۔

سکندر::::: لگتا ہے آپ کو ساحلِ سمندر پر چلنا اچھا لگ رہا ہے

زیمل::::اور لگتا ہے آپ کو بھی۔۔

سکندر::::: ہاں آپ کے ساتھ چلنا اچھا لگ رہا ہے۔

زیمل::::: آپ میری باتوں کا جواب ایسے کیوں دیتے ہیں؟؟

سکندر::::: کیوں آپ کو اچھا نہیں لگتا؟

زیمل سکندر کی بات پر خاموش ہوئی تو سمندر کی جانب دیکھنے لگی۔

سکندر:::: ویسے جب آپ کے پاس جواب نا ہو تو آپ خاموش ہو جاتی ہے۔

مگر آپ جانتی نہیں ہے کہ آپ کی خاموشی کو میں سمجھ جاتا ہوں۔

زیمل::::: یہ خاموشی میرے بولنے سے بہتر ہوتی ہے۔

سکندر::::: ویسے آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کا نہ بولنا کن باتوں کا اعتراف کر جاتا ہے۔

جیسے کہ میرا ایسے جواب دینا آپ کو اچھا لگتا ہے۔

یہ آپ کی خاموشی سے مجھے معلوم ہوا ہے۔

زیمل::::: اور آپ کو لگتا ہے کہ میں اس پر کچھ کہوں گی تو ایسا بھی کچھ نہیں ہے۔

سکندر:::: ویسے آپ کو کچھ کہنا چاہیے۔ کچھ تو کبھی کبھی سامنے والا بھی کچھ سننا پسند کرتا ہے۔

زیمل::::: ڈھلتے سورج کے بعد کالا آسمان کتنا پر سکون لگتا ہے.

زیمل سکندر کی بات کو نظر انداز کرتی آسمان

کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

سکندر:::: ہاں اگر ڈھلتے سورج کے بعد کالے آسمان

پر ایک چمکتے

چاند کی آمد کی خبر ہو تو آسمان تو کیا زمین پر

پڑتی چاند کی روشنی سے زمین بھی دلکش لگتی ہے۔

.زیمل:::: آپ کا اندازِ بیان بہت خوبصورت ہے

سکندر:::: ویسے اگر میرے اندازے بیان میں

آپ کا ذکر ہو تو پھر ہر لفظ دل کی گہرائی سے میرے نکلتا ہے۔

زیمل:::: واپس چلیں؟؟؟

زیمل ایک بار پھر سکندر کی بات سے بات

کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے نظروں کو جھکا کر بولی۔

سکندر:::: چلتے ہیں کچھ دیر تک۔

آئیں یہاں کچھ دیر بیٹھتے ہیں۔

سکندر زیمل کا ہاتھ پکڑتا بولا۔

اور پھر زیمل کو ایک جگہ بیٹھتے ہوئے بول۔

سکندر::::: زیمل آپ سے ایک بات کہو۔

سکندر بہت دھیمے لہجے سے بولا۔

زیمل سکندر کی بات پر اُس کی طرف دیکھنے

لگی جیسے بات سُننے کی منتظر ہو۔

سکندر:::: بہت سالوں کے بعد ایسا احساس خود میں محسوس کر رہا ہوں۔

کچھ رشتوں کو خود سے دور ہوتا میں نے دیکھا ہے۔

اتنا دور کہ اُن تک پہنچنے کی سکت مجھ میں موجود نہیں ہے۔

اور پھر زیمل کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ہائے۔۔۔۔ یہ احساس میری زندگی کے

ہر احساس پر بھاری ہے۔

اور پھر اپنی جیب سے ایک۔ چھوٹی سی ڈبی نکال کر بولا۔

سکندر:::::یہ چھوٹا سا تحفہ ہے میری طرف سے

ہمارے اس رشتے کی خوبصورت بنیاد پر۔

اور پھر زیمل کے ہاتھ کو پکڑے بولا

سکندر:::::اجازت ہے؟؟؟تو پہنادو؟؟؟

زیمل سکندر کے چہرے کو دیکھ مسکرا کر سر کو ہلانے لگی۔

اور گویا پہننے کی اجازت دے گئی۔

اور پھر سکندر نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ

زیمل کو دیکھا اور پھر اُس کی انگلی پر اُس

انگھوٹی کی صورت میں اپنی محبت کی نشانی کو سجادیا۔

زیمل اپنے ہاتھ کو سکندر کے ہاتھ میں دیکھ رہی تھی

جو بہت محبت سے اُس کی اُنگلی میں انگھوٹی پہنا کر بولا۔

سکندر:::::مجھے معلوم ہے کہ ہمارا یہ رشتا ابھی

بھی آپ کی پوری رضامندی کے انتظار کے لیے کھڑا ہے۔

کچھ وقت آپ کو پوری طرح تیار ہونے کے لیے بھی چاہیے

مگر یقین کریں مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔

زیمل آپ سے نکاح کی میری طرف سے

پیشکش میری طرف سے میری محبت کی ایک علامت تھی۔

میں نے کسی سے سنا تھا کہ اگر کسی سے محبت ہو جائے

تو دل کی بے قراری کو کبھی دیکھ کر ختم

کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

کیوں کہ یہ عمل حرام ہے۔

زیمل:::: تو اسی لیے آپ نے مجھ سے نکاح کا مطالبہ

کیا تھا؟

سکندر:::: میں چاہتا تھا کہ آپ سے یہ بات

کچھ عرصے تک کروں۔ مگر آپ کو خود کی

نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھنا میرے بس میں نہیں تھا۔

مجھے وہ دن یاد ہے جب آپ میری پہلی آہٹ

پر ڈر گئی تھیں۔

اور وہ دن بھی جب میرے دو قدموں نے آپ

کو مجھ سے دوری اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اور جانتی ہیں کہ آپ کا وہ ردِ عمل

میرے دل پر کس طرح وار کر گیا تھا؟

زیمل::::::: نہیں۔

سکندر:::: کچھ باتیں کہہ دینے کی ہوتی ہے

پر میں چاہتا تھا کہ آپ میرے خلوص کو محسوس کریں۔

جیسے آپ کے پاک و پاکیزہ وجود کو

میں نے ایک جھلک پر محسوس کیا بلکل

اُسی طرح زیمل آپ بھی مجھے جانے۔

.زیمل::::: میں کرتی ہوں

سکندر زیمل کی بات پر مسکرایا تو بولا۔

سکندر:::::تو اگر آپ کرتی ہے تو پھر مجھ پر بھروسہ رکھیے گا۔

زیمل:::::اس رشتے کی بنیاد میں نے

بھی پورے خلوص کے ساتھ آپ کے ساتھ رکھی تھی۔

آپ جانتے ہیں کہ نکاح کے تین بول

خدا کو حاضر ناظر جان کر بولے جاتے ہیں۔

میں نے بھی اپنی رضامندی کے ساتھ

خود کو آپ کے نکاح میں دیا تھا بنا کسی اور خیال کے۔

آپ میری عزت کا خیال رکھتے ہیں،

مجھ سے محبت اور احترام سے بات کرتے ہیں۔

میرے لیے اچھے اور خوبصورت الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

میری حیا کی تعریف کرتے ہیں۔

میں بھی آپ کی محبت کی قدر کرتی ہوں۔

اور اپنے رب کی بھی شکر گزار ہوں کہ

جس نے آپ کو میرے نصیب میں لکھا۔

میری ماما میرے بابا سے بہت محبت کرتی تھی۔

جب کبھی میں اُن سے پوچھتی تو وہ کہتی تھی

کہ اگر شوہر بیوی کی عزت کا محافظ ہو اور

اُس سے محبت کے چار بول نا بولے تو عورت مرجھا جاتی ہے۔

اور مرجھائے ہوئی عورت صرف چار بول کے

انتظار میں زندگی گزار دیا کرتی ہے۔

مگر تمھارے بابا میری عزت بھی کرتے ہیں اور

مجھ سے محبت بھی اور سب سے بھر کر وہ مجھے

اپنی محبت کا تحفظ دیتے ہیں جو اُن کے

کبھی میرے پاس نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے طاقت دیتا ہے۔

ایسی طاقت جو نازک پھول سے نکلی ہو۔

اور ایسی طاقت کائنات میں سوائے ایک شوہر

کی محبت کے کسی عورت کو مل نہیں سکتی۔

سکندر::::: میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں

آپ کی وہ طاقت بنو گا۔

یہ رشتا میری محبت سے پہلے میرے یقین نے

مُجھ میں بنایا ہے۔

زیمل آپ بھی مجھ اور یقین کریے گا۔

اگر دنیا سکندر صالح کے کردار کی دھجیاں بھی اُرادے تب

بھی اس رشتے کی خاطر مجھ اور یقین کریے گا۔

زیمل:::: آپ ایسی باتیں کیوں کر رہیں ہیں؟؟؟

کیا کچھ ھوا ہے؟؟؟

سکندر:::: نہیں۔ بس آپ میری یہ بات یاد رکھیے گا۔

دنیا جس سکندر صالح کو جانتی ہے

وہ سکندر صالح کی حقیقت سے بہت پرے ہے۔

میں جو ہوں وہ ایک دن آپ کے آگے کھول جاؤں گا۔

بس اُس وقت تک مجھ اور یقین کرے گا۔

زیمل::::::اس رشتے میں نے اپنے رب کی رضا کو دیکھا تھا۔

میں نے اُسی رضا پر یقین رکھتے ہوئے

اس رشتے کی بنیاد کو رکھا تھا۔ میں اُسی یقین پر یقین

رکھتے ہوئے اپنی آخری سانس تک آپ پر یقین کرو۔ گی۔

کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ میرا آنے والا م

ستقبل بہت خوبصورت ہے۔

اور پھر زیمل نے پہلی بار سکندر کے ہاتھوں

کو اپنے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے مسکرا کر دیکھا۔

جس پر سکندر زیمل کے چہرے کو اپنے

ہاتھوں میں لیتے ہوئے مسکرا کر دیکھنے لگا۔

اور پھر اُس کے ماتھے کو پانے لبوں سے لگا کر بولا۔

سکندر:::::آپ میرے دل کا قرار ہیں۔

خدا کبھی یہ قرار مجھ سے نہ چھینے۔

اور پھر یہ کہتا زیمل کو ایک محبت کی نگاہ ڈالے دیکھنے لگا۔

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ارے چھوڑو میرا بیگ۔

کیسے بتمیز انسان ہو۔۔۔۔
تمھیں میں ہی ملی تھی لوٹنے کے لیے۔

چھوڑو بہن بیگ کو ورنہ گولی مار دوں گا۔

کیسے چور ہو تم

۔جاھل کمینے۔۔کیسے بھائی ہو تم۔

فِلضاہ اپنے بیگ کو بچانے کی تگ ودو کرتی بولی۔

بہن چھوڑ بھی دو۔ہمیں آگے بھی جانا ہے۔

فِلضاہ::::اللہ اللہ کیسے چور ہو تم دونوں۔

مجھ جیسی معصوم لڑکی کو بہن بھی بولی جا رہے ہو۔

اور اوپر سے میرا ہی بیگ چھوڑنے کا کہہ رہے ہو۔

اب اس رات گئے میں اِرد گرد لوگ نہیں ہے

تو اس کا کیا مطلب ہے کہ تم لوگ مجھ

جیسی شریف لڑکی کہ بیگ چھین کر بھاگ جاؤ گے اور

میں بھگانے دوں گی۔

اوئے یہ کتنا بولتی ہے۔دفع کر اس بیگ

کو یہ نہ ہو کوئی اور آجائے۔

ایک چُور اپنے ساتھی سے بّولا۔

مگر یار تُجھے تو پتہ ہے اگر کچھ لے کر نہ

گیا تو بیوی مار مار کر میرا بھرکس بنادے گی۔

فِلضاہ جو کھڑی اُن دونوں کی باتیں

سن رہی تھی اچانک بولی۔

فِلضاہ:::: ایسے کیسے بھر کس بنادے گی۔

چور:::: بہن تمھیں نہیں پتہ میری بیوی پوری جلاد ہے۔

بیلٹوں سے مجھے مارتی ہے۔

فِلضاہ:::: اللہ اللہ کیسی بیوی پال رکھی ہے تم نے۔

چور::: نہیں بہن میں نے کہاں پالی میرے

گلے زبردستی پڑ گئی۔ہے۔

میری والی تو بس بیلٹوں سے مارتی ہے اس

کے والی تو اسے مارتی بھی ہی اور گھر کے کام بھی کرواتی ہے۔

فِلضاہ:::: ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں دنیا میں؟؟

چور::: ہاں نہ ہماری والی اس ثبوت ہیں۔

فِلضاہ:::: اچھا بھائی میں تو ایوی آپ کو روک لیا۔

آپ تو بیچارے مزدوری کرنے نکلے تھے۔

اور میں پاگل دیکھو آپ کے ساتھ کیا کر رہی۔

آپ یہ بیگ رکھ لو۔ اچھا بس اس بیگ میں سے

مجھے گھر جانے کے پیسے دے دو۔

اور یہ لو میری انگھوٹی۔۔۔ سونے کی ہے۔ یہ بھی رکھ لو۔

تم دونوں بیچارے۔ بھلا اپنی بہن کو پہلے بتاتے میں

گھر سے بھی کچھ لے ہی آتی تم۔ لوگوں کے لیے۔

دونوں چور فِلضاہ کو دیکھنے لگے۔ جو اُن کی باتوں

کو سنتے ہی ایک کے بعد ایک چیز دے

کر اُن کا دکھ سکھ بانٹنے لگی تھی۔

چور::::: بہن تم کیا کہی گری ہو؟

فِلضاہ::: اللہ اللہ کیسی باتیں کر رہے ہو بھائی۔

گرے میرے دشمن۔

اچھا میری بات سنو غور سے میرے بیگ میں

فون بھی ہے۔ایک کام کرنا وہ بیچ دینا اچھے

خاصے پیسے تم دونوں کو مل ہی جائیں گے۔

چور سارا مال اکٹھا کرتے خوشی سے جھوم پڑے تھے۔

اچانک فِلضاہ کی بات پر متوجہ ہوئے۔

فِلضاہ::::: اچھا بھائی ایک بات تو سن لو میری۔

میں نے تم لوگوں کی پریشانِی کو سمجھ کر سب کچھ دیا ہے۔

کیا تم لوگ مجھے میرا فون دو گے تا کہ

میں اپنے لیے کوئی کیب کروا سکوں۔

چور::::: ہاں بہن کیوں نہیں۔ تمھارے یہ

بھائی تمھارے لیے یہ تو کے ہی سکتے ہیں۔

یہ لیں فون اور بلائیں کیب کو۔

فِلضاہ:::: ہائے اللہ آپ لوگ کتنے اچھے ہو۔

آپ لوگوں کی بیویوں کو پتہ نہیں کیوں آپ لوگوں کی قدر نہیں۔

اور پھر فِلضاہ فون کو کان سے لگا کر بولی۔

فِلضاہ::::: مجھے بھائی کیب کروانی ہے۔

ہاں ہاں

نہیں نہیں میں ہی ہوں بس ایک ہی۔

جی ٹھیک ہے میں لوکیشن شیئر کرتی ہوں۔

کتنا ٹائم لگے گا؟؟؟

دس منٹ؟

بھائی تھوڑا جلدی آجائیں میری ٹانگوں میں بہت درد ہے۔

اچھا ٹھیک ہے بھائی۔

آپ کہہ رہے ہیں تو میں انتظار کر لیتی ہوں۔

اور پچھلی بار کی طرح نہ کرنا۔

ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔

اور پھر فِلضاہ نے یہ کہہ کر فون رکھا اور بولی۔

فِلضاہ::::: ہائے چور بھائی آپ کا بڑا شکریہ آپ

کو نہیں پتہ آپ نے کتنا بھلا کر دیا میرا۔

ورنہ اگر آپ نہ مجھے ملتے تو میں نے پیسے

بچانے کے چکر میں پیدل ہی گھر پہنچ جانا تھا۔

چور فِلضاہ کی بات کو سن کر دوسرے چور کو دیکھنے لگا تو بولا۔

چور::::: یار مجھے تو لگ رہا ہے کہ یہ لڑکی بہت اچھی ہے۔

دوسرا چور::::: یہ اچھی ہے اس کا تو پتا نہیں

مگر یہ ہلی ہوئی ضرور لگ رہی ہے۔

فِلضاہ::::: اب تم دونوں یہ کرنا بند کرو اور گھر جاؤ

یہ نہ ہو تم دونوں کی بیویاں یہاں آجائیں۔

اور اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہوئی تو یہ

لو میرا دوسرا نمبر تم دونوں نے بس اپنی بہن کو یاد کرنا ہے

ٹھیک۔ہے اور پریشان نہیں ہونا۔

سب ٹھیک ہو جائے گا۔

چور:::: یار اتنا تو کبھی ہماری سگھی بہنوں نے

خیال نہیں کیا جتنا یہ کر رہی ہے۔

دوسرا چور جواب دیتا بولا۔

یار مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔

چور:::: نہیں نہیں پاگل دیکھ تو اُس نے

سب کچھ تو دے دیا ہے۔

دوسرا چور:::: ہاں دے تو دیا ہے چل اب یہاں سے نکلے۔

چور:::: نہیں۔ نہیں اب بہن کو ایسے

نہیں چھوڑ کر جا سکتے کیب آ جائے پھر چلتے ہیں۔

دوسرا چور:::: تیرا دماغ ٹھیک ہے ؟؟؟

فِلضاہ:::: چلیں چور بھائی اب میں چلتی ہوں

کیب نے آگے تک انا ہے۔ آپ لوگ اپنا خیال رکھنا۔

چور:::: ہم آگے تک چھوڑ دیتے ہیں بہن۔

ویسے بھی حالات آج کل ٹھیک نہیں ہیں۔

چور اچکے گھومتے رہتے ہیں۔

دوسرا چور اپنے ساتھی کی بات کو سن کر اُسے دیکھنے لگا۔

جیسے اُسے لگا کہ اُس کے سامنے وہ دونوں

کھڑے کوئی پاگل خانے سے بھاگے ہوئے ہیں۔

فِلضاہ:::: اللہ اللہ بھائی آپ کتنے اچھے ہیں۔

پر آپ لوگ پریشان نا ہو میں چلی جاؤ گی۔

آپ کو نہیں پتہ مجھے مارشل آرٹ آتا ہے اور

میں اُس میں سلور میڈل لسٹ ہوں۔

کسی کی جرت نہیں ہے کہ مجھے ہاتھ بھی لگائے۔

چلیں آپ خیریت سے گھر جائیں میری کیب بھی آنے وکی ہے۔

دونوں چور اُس کی بات سن کر ایک دوسرے

کو دیکھنے لگے اور پھر چپ چاپ بیگ

کو اُس کے پاس رکھتے ہوئے بولے۔

چور::::: بہن معاف کر دینا۔ ہمیں پتہ نہیں تھا۔

جس مرضی کی قسم لے لو۔

اور پھر چیزوں کو اُس کے پاس رکھتے دونوں نے

وہاں سے دوڑ لگا دی۔

فِلضاہ::::: ارے بھائی۔۔۔۔روک۔۔و۔۔

۔۔۔یہ چیزیں تو لے جاؤ۔

ہائے اللہ میں تو کچھ کہا بھی نہیں۔ پھر بھی بھاگ گئے۔

پتہ نیں ہر بار چور سامان چھوڑ کر کیوں بھاگ جاتا ہے۔

اور پھر یہ کہتی وہ زمین سے سامان اٹھا گئی

اور پھر بولی۔

فِلضاہ:::: اگلی بار میں نے ان ضرورت مند چوروں

کا پہلے نمبر لینا ہے پھر چیزیں دینی ہیں۔

بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہوا بنا کچھ کہے بھاگ جانا۔

اور پھر وہ ساری چیزوں کو اٹھاتی ایک جمائی لینے لگی۔

اور کچھ ہی دور اُس کی کیب آتی اُسے نظر آئی۔

فِلضاہ فوراً سے زمین سے سامان اٹھاتی ہاتھ کے

اشارے سے اشارہ کرتی بولی۔

فِلضاہ:::::ہائے شکر ہے آپ آ گئے۔

کیب میں موجود ایک آدمی فِلضاہ کو دیکھ نکلا اور بولا۔

مراد:::::فِلضاہ بیٹی آپ یہاں تک کیوں آئی ہیں۔

فِلضاہ::::اچھا اچھا اب آپ مجھے نصیحتیں بعد میں کر لیجیے گا۔

مجھے آپ کو ابھی بہت کچھ بتانا ہے۔

چلیں چلیں جلدی سے اب آپ گاڑی میں بیٹھے۔

اور ایسی لگائیں۔

یہ کہتی وہ مراد انکل کو گاڑی کی طرف کرنے لگی۔۔۔

مراد::::اچھا پہلے میری بات سنو گاڑی میں

ایک سواری ابھی بیٹھی ہے۔

تو ابھی کوئی فضول بات نہیں کرنا۔ٹھیک ہے۔

فِلضاہ::::ہائے اللہ جی میں ویسے کب کوئی فضول بات کرتی ہوں۔

مراد::::ہاں مگر پھر بھی۔

کل یاد ہے نہ کے کیا ہوا تھا۔

فِلضاہ::::اچھا بس بس اب پرانی باتیں یاد

کرنے کا کیا فائدہ۔

چلیں گاڑی میں بیٹھیں۔اور پھر یہ

کہتی وہ انکل مراد کو گاڑی میں بیٹھا کر

خود بھی بیٹھ گئی۔

ابھی اس نے پیچھے کا دروازہ ہی کھولا تھا

اچانک اُس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی

جو کسی سوچ میں گم بیٹھا تھا۔

فِلضاہ اس کو یوں دیکھ کر بولی۔

فِلضاہ::::: بھائی ذرا آگے ہو جائیں مجھے بھی بیٹھنا ہے۔

سالار یوں اُس کے بولنے پر اُس کی طرف متوجہ ہوا تو بولا۔

سالار::::: آپ دوسری طرف سے بھی آ کر بیٹھ سکتی تھیں۔

فِلضاہ::::: ارے ارے تم تو بھائی غصہ ہی کر گئے ہو۔

چلو اب کہہ ہی لیا ہے تو بہن سمجھ کر آگے ہو جاؤ۔

مراد::::: سر معزرت چاہتا ہوں آپ پلیز تھوڑا کو آپریٹ کر لیں۔

اور سالار ایک بی سانس لیتا دوسری طرف شیشے کی جانب ہو گیا۔

اور پھر اُس بوڑھی عورت کے بارے میں

سوچنے لگا جو اُسے بہت سی باتوں کا بیٹا کر

بھی لاتعداد اندیشوں میں چھوڑ گئی تھی۔

سالار خاصا پریشان تھا۔

فِلضاہ::::: مراد انکل میں تو بتانا ہی بھول گئی۔

مجھے ابھی کچھ دیر پہلے اتنے اچھے چور ملے کہ کیا بتاؤں۔

مراد:::: تم نے پھر کچھ دے دیا چوروں کو۔

بیٹی کتنی دفع کہا ہے زمانہ اچھا نہیں ہے۔

فِلضاہ:::: نہیں انکل مراد آپ کو نہیں پتہ

وہ بیچارے کتنے ضرورت مند تھے۔

آپ کو پتہ اُن کی بیویاں اُنہیں بڑا مارتی۔

ایک تو بتا رہا تھا اُس کی بیوی اُسے بیلٹوں سے

مارتی اور دوسرے کی بیوی تو اللہ اُس سے

گھر کے کام بھی کرواتی۔

سالار جو اپنی دنیا میں گم بیٹھا کسی اور ہو

خیال میں ڈوبا ہوا تھا اُس کا ساتھ ہوتی گفتگو سے

کوئی تعلق نہیں تھا۔

فِلضاہ:::: میں تو پہلے سوچا کہ ان کی ہڈیاں توڑ دو پھر جب اُنہیں نے مجھے بہن کہا پھر تو میں فوراً سے سب سے دے دیا۔

مراد:::: فِلضاہ بیٹی آپ کو کتنی دفعہ کہا ہے یہ کام نہ کیا کریں۔ اگر کچھ ہو جاتا تو

فِلضاہ:::: اللہ اللہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں انکل۔ کسی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ مجھے ہاتھ بھی لگائے۔

اچانک سالار نے اُس کو ایک انگلی سے چھوا تو فِلضاہ گاڑی میں چیخ اٹھی۔

سالار اُس کے دم چیخنے پر بولا۔

سالار:::: آپ چپ کر کہ بیٹھ سکتی ہیں۔

فِلضاہ:::: ہائے اللہ بھائی آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔

ابھی عزرائیل نے آکر مجھے لے جانا تھا۔

سالار:::::یہ کیب میں نے بھی کروائی ہے

تو پلیز میرے آرام و سکون کا بھی خیال رکھے

اور چپ کر کہ بیٹھ جائیں۔

فِلضاہ:::::ارے ارے یہ کیا بات ہوئے۔

اب اگر آپ پریشان ہیں اور آپ کا دل نہیں

چاہ رہا بولنے کا تو میں کیوں چپ کروں۔

سالار:::::کیوں کہ یہ کیب پہلے میں نے

کروائی ہے۔اور میں نے ہی ڈرائیور کو آپ کے

ساتھ کیب شیئرنگ کی اجازت بھی دی ہے

فِلضاہ:::::ہاں ہاں تو کیا ہو گیا ہے۔

مجھ جیسی معصوم اور شریف لڑکی کی مدد

کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔

اور دیکھیں نہ میں بھی آپ کو بھائی بولا ہے۔

اب ایک بھائی ہونے کے ناطے آپ اتنی

تو مدد میری کر ہی سکتے ہیں۔

سالار::::: دیکھیں میرا دماغ کھانا بند کریں۔

اور پلیز خاموشی کے ساتھ بیٹھے۔

فِلضاہ:::::: اچھا ٹھیک ہے۔ ویسے یہ کام ہے

تو بڑا مشکل مگر چلیں کوشش کرتی ہُوں۔

سالار:::: ہاں پلیز آپ کی بہت مہربانی ہو گی۔

فِلضاہ::::: اللہ اللہ آپ کتنے اچھے ہیں اتنی سی

بات پر شکریہ ادا کرنے لگ پڑے۔

انکل مراد آپ کو پتہ آج جو مجھے چور ملے تھے

وہ بلکل ان کے جیسے تھے۔

وتو مجھے آگے تک چھوڑنے کا کہہ رہے تھے۔

پر پتہ نہیں کیوں اچانک بھاگ گئے۔

سالار::::ایکیوز می مس۔

آپ کو پتہ بھی ہی کہ میں کون ہوں

فِلضاہ:::::دیکھنے میں تو آپ ایک لڑکے لگتے ہیں۔

کیوں آپ کچھ اور ہیں۔

سالار::::آپ کسی منٹل ہسپتال

سے تو نہیں بھاگی؟؟؟؟

فِلضاہ::::ہائے اللہ آپ کیسے

انسان ہیں ایک میں آپ کی تعریف کر رہی ہوں

الٹا آپ مجھے پاگل بنا رہے۔

سالار:::: مس آپ مجھے چور بلا رہی ہیں۔

اف میں آپ سے بات ہو کیوں کر رہا ہوں۔

فِلضاہ::::تو نہ کرے مجھ سے بات۔

ویسے بھی وہ چور آپ سے زیادہ اچھے تھے۔

کم از کم اُنہیں نے مجھ سے اچھے سے بات تو کی۔

سالار::::: مجھے لگتا ہے آپ کہ دماغ

کچھ ہل گیا ہے۔جو آپ ایک عزت دار آدمی

کو ایک چور سے ملا رہی ہیں۔

فِلضاہ:::::: تو کیا چور کا دل نہیں ہوتا۔

چور بھی جیگتے جاگتے انسان ہوتے ہیں۔

ویسے باتوں کی ایک بات آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔

سالار اُس کے یوں بات کے انداز میں تبدیلی دیکھ کر بولا۔

سالار:::: سر آپ مجھے یہیں اتار دیں۔

میں آگے سے دوسری کیب کروالوں گا۔

مراد:::: نہیں نہیں سر۔۔۔

آپ اس بچی کی باتوں کا برا نا مانے۔

یہ بیچاری یتیم ہے۔اسے بولنا اچھا لگتا ہے

اس لیے ہر کسی کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔

فلضاہ::::::میں نے آپ سے کتنی دفع کہا ہے

مجھے یتیم نہ کہا کریں۔

آپ ہیں نہ میرے بابا کی جگہ۔

بھلا پھر میں یتیم کیسے ہوئے۔یتیم تو وہ ہوتا ہے

جس کے ماں باپ نہ ہو۔اور میری تو ماں بھی ہی اور باپ بھی۔

آج تو میرے تین بھائیوں میں اور اضافہ ہوا ہے۔

ایک وہ دو چور اور ایک یہ۔

سالار اُس لڑکی بات پر چونکا اور بولا۔

سالار:::میں آپ کا بھائی نہیں ہوں۔

فلضاہ:::اُوہائے ایک میں آپ کی باتوں پر دل پر نہیں لگایا

اور اوپر سے آپ مجھے بہن بنانے سے بھی منع کر رہے۔

ویسے بھی ہر مسلمان مسلمان کا بہن بھائی ہے۔

سالار اپنے سر پر ہاتھ رکھتا ایک لمبی آہ بڑھنے لگا اور پھر بولا۔

سالار::::: ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

بہن نہیں۔

اس لحاظ سے آپ کسی کی بہن نہیں ہے اور نہ کوئی آپ کا بھائی

فلضاہ:::: ارے ایسے کیسے سب مجھے اپنی منہ بولی بہن۔ بنایا ہے۔

خیر یہ سب چھوڑیں مجھے آپ یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟؟

سالار:::: آپ کو جان کر کیا کرنا ہے۔

فلضاہ":::: کچھ نہیں میں نے کیا کرنا ہے

بس جان پہچان بنا رہی ہوں۔

اس چھوٹی سی دنیا میں اگر پھر کبھی ملاقات

ہو گئی تو نام تو پتہ ہونے چاہئے.

سالار:::: ہماری یہ پہلی ملاقات ہے۔

اور اس پہلے بھی کوئی ملاقات۔

نہیں ہوئی آگے بھی نہیں ہو گی۔

فلضاہ::::: ویسے آپ کتنا کڑوا بولتے ہیں

سالار:::: اسے سچ کہتے ہیں۔

فلضاہ::::: آپ کتنا زیادہ بولتے ہیں۔

میرے سر میں درد شروع ہو گیا ہے۔

سالار کو لگا کہ جیسے وہ لڑکی اُسے تپانے کی بھرپور

کوشش کر رہی ہے۔

لیکن پھر بنا کچھ کہے دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد گاڑی میں فلضاہ کے سونے

کا احساس پھیل گیا۔اور کچھ دیر کی خاموشی بھی۔

اور گاڑی بھی اپنی منزل پر رکتی سالار کو اتار چکی تھی۔

اور پھر سالار وہاں سے نکلتا بنا اُس پر

نظر ڈالے چلا گیا۔

جب کہ فلضاہ بنا کسی خوف وڈر کے سو چکی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جمشید:::::: بھاؤ میں پہنچ گیا ہوں ہوٹل۔

سکندر:::: میں آ رہا ہوں۔بس پہنچنے ہی والا ہوں۔

جمشید::::: بھاؤ وہاں ایک لڑکی بھی ملی تھی

کافی بری حالت میں تھی۔میں اُسے

بھی ساتھ لے آیا ہوں۔

سکندر:::: ٹھیک ہے پہنچ کر بات کرتا ہوں۔۔۔

جمشید:::: جی بھاؤ۔

اور پھر جمشید اُس لڑکی کو ہوٹل کے لیڈیز

سٹاف کے حوالے کرتے بولا۔

جمشید::::: لڑکی تمہیں کسی اور چیز کی

ضرورت ہوئی تو اُن لوگوں کو بتا دینا۔

اور پھر یہ کہتا جمشید وہاں سے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد سکندر بھی وہاں پہنچ گیا۔

سکندر گاڑی سے نکلتے زیمل کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

سکندر::::جمشید گاڑی کو پارک کرو۔

میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔

اور پھر زیمل کو اندر تک چھوڑنے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد جب سکندر واپس باہر آیا تو

جمشید ایک طرف کھڑا بھاؤ کا انتظار کر رہا تھا۔

سکندر::::ہاں کیا حالات تھے؟؟؟؟

جمشید:::بھاؤ مال تو سارا ضبط کر لیا ہے

مگر ایک بری خبر ہے۔۔۔

سکندر:::::کیا؟؟؟

جمشید:::: بھاؤ وہ جو ڈرگ ہم نے فلسطین میں تیار کروایا تھا۔

اس ڈرگ کی ایک خطرناک قسم

ہمیں وہاں بھاری بھر کم تعداد میں ملی ہے۔

سکندر:::: کیا مطلب ہے۔

جمشید:::: بھاؤ ٹیٹر الیو یفلوزیں نامی وہ ڈرگ وہاں ملا ہے۔

سکندر:::: یہ کیسے ممکن ہے وہ تو۔

آخر وہ ہمارے علاقے سے نکلا کیسے۔

جمشید:::: بھاؤ ہمیں چکنا رہنا ہو گا۔

۔مجھے لگتا ہے ہمارے اندر کوئی جاسوس ہے۔

سکندر::::اُن ڈرگز کا کیا کیا۔

جمشید:::: بھاؤ یہ اس کا ایک سمپل ہے۔۔

۔۔باقی میں نے ٹھکانے لگادیے ہیں۔۔

۔سکندر::::: جمشید یہ ڈرگ اُس ڈرگ سے کافی خطرناک ہے۔

جمشید:::: بھاؤ مجھے لگتا ہے کہ یہ بہت بڑی گیم چل رہی ہے۔

سکندر::::: اور کچھ ملا۔

جمشید:::: ہاں بھاؤ وہ ایک لڑکی بھی ملی۔۔

سکندر:::: کہاں ہے؟؟؟؟

جمشید:::: وہ کافی زخمی تھی تو اُسے لیڈیز سٹاف

کے ساتھ بیھجا ہے

سکندر::::چیک کر کہ لائے ہو۔۔ کوئی؟

جمشید:::: میرے خیال سے تو ٹھیک ہے۔

سکندر::::اس ڈرگ میں تو خاصی مقدار میں

اُس ڈرگ کو استعمال کیا گیا ہے۔

مگر وہ تو ہم نے۔۔۔

پھر کیسے۔

جمشید:::: بھاؤ پھر تو ایک ہی کام ہو سکتا ہے

کہ کوئی اندر کا بندہ ہمارے پیٹھ پیچھے

ہمیں دھوکا دے رہا ہے۔

سکندر::::: مگر کون ہے وہ جو سکندر صالح

کے ساتھ اس حد تک غداری پر اُتر آیا ہے

جمشید::::: بھاؤ میں اُسے ڈھونڈھ لوں گا۔

سکندر:::::: جمشید ہم یہ ڈرگز مارکیٹ

میں داخل نہیں ہونے دے سکتے۔

پہلے ہی بہت سے لوگوں کی زندگی کا سودا

میں نے انہیں ڈرگز کی وجہ سے کیا تھا۔اب نہیں۔

جمشید:::: بھاؤ آپ پریشان نا ہو۔سب بہتر ہو گا۔

سکندر:::::اس بہتر کی آس پر میں بیٹھ نہیں سکتا۔

تمہیں میں جیسے بول رہا ہوں بلکل ویسے ہی کرنا سمجھے۔

اور جیسے ہی کوئی سراغ مل جائے۔کام تمام کردینا۔

جمشید::::: بھائو میرے خیال سے

اب آپ کو کچھ احتیاط بھی برتنی ہو گی۔

سکندر::::: تم اس کے لیے پریشان نا ہو۔

اور جیسے کہہ رہا ہو ویسا کرو۔

ـــ

یہ میٹنگ بہت ہی خاص مقصد کے لیے

رکھی گئی ہے۔اور یہاں موجود ہر طاقت

یہ جانتی ہے کہ یہ میٹنگ کس خاصمقصد

کے لیے رکھی گئی ہے۔

ہم جو یہاں آج اکھٹے ہوئے ہیں اس

کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی ایجنڈا ہے۔

اور میرے خیال سے آپ سب یہاں

اکھٹے ہونے کی خاص وجہ جانتے ہو۔

ہم چاہتے تھے کہ میٹنگ فلسطین میں ہو۔

ہماری اپنی جگہ پر مگر میں جانتا ہوں کہ

یہ بات سب سے پہلے لوسیفر کی توجہ

کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔

اس لیے آپ سب جس خفیہ طریقے

سے یہاں تک ائے ہیں۔

اُمید ہے لوسیفر کو پتہ لگنے سے

پہلے واپس لوٹ جائیں۔

یہ تو تھی کچھ ہدایات اب میٹنگ

کا آغاز کرتے ہیں۔

آپ سب لوگ جانتے ہو کہ یہ میٹنگ ہم

سب کی سب سے خاص ضرورت پر رکھی گئی ہے۔

لوسیفر کی من مانیاں اب حد سے بڑھ چکی ہے۔

اور اس کی سب سے بڑی وجہ ہم

سب کے ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات ہیں۔

الکے ایمن اور گوز برق یگیز کی موت کی

خبر تو آپ سب کے پاس پہنچ چکی ہو گی

اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ

حالات تھوڑے سے بگڑ جانے پر جو حال لوسیفر

نے اُن دونوں کا کیا ہے ہمارا بھی ہو سکتا ہے۔

آپ سب کو معلوم ہے کہ نو سال پہلے

کس طرح لوسیفر نے موت کا کھیل کھیلا تھا

اور یہ بھی کہ اُس میں ہمارے کتنے

قیمتی لوگ مارے گئے تھے۔

ازمودیوس ہمارے باس تھے۔ اور اب لوسیفر

وہ بھی صرف طاقت کے زور پر۔

لوکی اینڈرس:::::: مدعے کی بات کرو۔

ہم کیسے لوسیفر کو مارے گے؟؟؟

ارنوہلڈ:::::::: ہم سب جانتے ہیں کہ اُس کی نظر

ہر طرف کے دھندوں پر ہے۔

ڈرگز بیچنا مشکل تو کیا نا ممکن ہو گیا ہے۔

برون ہلڈ:::::::: یہ میٹنگ اسی لیے منعقد کی گئی ہے

کہ لوسیفر کو ختم کیا جائے۔

ارنوہلڈ:::::: ہم میں سے کوئی بھی الگ رہ

کر لوسیفر کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا۔

اب کھیل کھیلنا ہو گا ہم سب کو مل کر۔

لوسیفر کی سب سے بڑی کمزوری کو ڈھونڈھنا ہو گا۔

ایلیکس لوتھر:::::: فکر نہ کرو لوسیفر کی کمزوری

مل چکی ہے۔اس کی بیوی۔

جیری ہیلیپس:::::تو یہ بات سچ ہے؟

ہر طرف اس بات پر سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

بیرڈ ویزلی:::::اور اُس کی بیوی تک کیسے پہنچا جائے گا.؟؟؟

ارنوہلڈ:::::اس کی فکر نا کرو ایک آدمی ہے

جو ہماري مدد کر رہا ہے۔

جیری ہیلیپس::::::تم سب کو نہیں لگتا یہ

کام جتنا تم سب کو آسان لگ رہا ہے یہ اُس سے

کئی گنا خطرناک ہے۔

لوسی یس بیلٹن:::::ہاں میں سہمت ہوں اس کی بات پر

ایلیکس لوتھر::::::تو تم دونوں کو لگتا ہے

کہ ہم سب اپنی موت کا انتظار کریں۔

ارنوہلڈ:::::نو سال پہلے یاد ہے نہ کہ

اُس نے کیا کیا تھا۔اگر ہم سب وہاں

موجود ہوتے تو آج ہم بھی زندہ نہیں ہوتے۔

مائیکل ییٹسن:::::یاد ہے مجھے۔سب یاد ہے۔

اچانک سب اُس کی بات پر متوجہ ہوئے جو بہت چیخ کر بولا تھا۔

میرا بھائی وہی مارا گیا تھا۔

لوسی یس.بیلٹن:::::::ازموڈیوس کی موت

کے بعد اُس نے اُس جگہ کو ہم لوگوں کے

خون سے بھر دیا تھا۔

میں وہی تھا۔۔اگر تم لوگ سب وہاں ہوتے

تو آج یہ سب نہ کر رہے ہوتے۔

بیرڈویزلی::::::::اگر تم لوگ اس کام میں

ساتھ نہیں دینا چاہتے تو تم لوگ آئے ہی کیوں۔

ایلیکس لوتھر::::نو سال پہلے کیا ہوا ہم بھی

جانتے ہیں۔وُہ جگہ وہ شہر ازموڈیوس نے

ہمارے لیے تیار کیا تھا۔

لوسی یس.بیلٹن ':::: مگر وہ علاقہ ایریا ایٹی ون اُس

کی موت کے بعد قبرستان میں بدل گیا۔

ایسا قبرستان جہاں قبریں تو نہیں پر مارنے والوں

کی راکھ مٹی میں مل گئی۔

مائیکل ییٹسن :::: تو تمہیں لگتا ہے کہ تم

یہ سب کر کہ بچ جاؤ گے۔۔

جو ڈرگ تم نے ہماری مدد سے تیار کروایا ہے۔

کیا اُس ڈرگ کی سپلائے میں مدد کرنے پر

لوسیفر تمہیں چھوڑ دے گا۔

ہاں بولو۔ڈرپوک کہی کا۔

لوسی یس.بیلٹن :::: تمیز کے ساتھ۔

یہ نہ ہو جیسے تمہارا بھائی لوسیفر کے ہاتھوں مارا گیا

تم میرے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے

مائیکل پیٹسن::::: تمہاری اتنی ہمّت۔

اچانک مائیکل اپنی جگہ سے اٹھتا لوسی پیس

بیلٹن کی طرف بڑھا اور وہاں ایک نئ لڑائی شروع ہو گئ۔

... بیرڈ ویزلی:::::: رُک جاؤ

یہ کیا کے رہے ہو۔

مائیکل اور لوسی کو ایک دوسرے

کو اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے۔

اچانک ارنو اُن دونوں کو چھڑوانے کے لیے آگے بڑھا۔

ارنو::::: چھوڑو اُسے مائیکل۔

یہ میٹنگ اس کے لیے نہیں رکھی کہ

ہم آپسی مسئلہ کی وجہ سے آپس میں لڑیں۔

دوسری طرف بیرڈ ویزلی لوسی کو پکڑے کھڑا تھا۔

ارنوہلڈ:::: ہمیں یہ تماشے ابند کرنے ہوگے۔

ورنہ الکے ایمن اور گوز برق یگیز کی طرح

ہم سب بھی مارے جائیں گے۔

ہمیں مل کر کام کرنا ہو گا۔ ہر ایک کو۔

ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔

اور جو ہدایات مجھے دی گئیں تھی میں تم لوگوں تک پہنچا چکا ہوں۔

جیری، ہیلیپس:::::: مطلب کہ کوئی اور ہے ؟

ارنو::: ہاں

لوکی اینڈرس:::: ہم سب لیڈ کر کون رہا ہے ؟؟؟؟

برون ہلڈ:::::: تم سب کو صرف جو ہدایات دی جائیں

گی تم سب کو وہی کرنا ہو گا۔

مائیکل پیٹسن::::::: ایسے کیسے مائیکل صرف اپنی

سنتا ہے۔ مگر پھر بھی جاننا چاہتا ہے کہ

کون ہے جو اتنی بڑی میٹنگ رکھ کر مجھ پر

اور ان سب پر اپنا حکم صادر کرنا چاہ رہا ہے۔

ارنوہلڈ::::::: اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ اپنے

اپنے ملکوں میں اپنا سکہ دوبارہ سے رائج کر سکو۔

تو تم لوگوں کو جیسے کہا جائے ویسے ہی کرنا ہو گا۔

نہیں تو تم لوگ کسی بھی وقت مارے جاؤ گے۔

کیوں کہ لوسیفر پہلے ہی ھمارے

بہت سے ساتھیوں کو مار چُکا ہے۔

اور لوسیفر کی طاقت کے بارے میں تم

سب جانتے ہی ہو۔ اگر کسی ایک کی بھی زبان

کھولی تو سب کی زندگیوں پر وہ تالے لگا

کر ہمارا نام و نشان مٹا دے گا۔

تو پھر ایک بار سوچ لو۔ اور پھر بتاؤ

تم سب تیار ہو مل کر کام کرنے کے لیے

لوکی اینڈرس::::: مگر تمھیں کیا لگتا ہے

کہ ہم لوسیفر کو مار بھی سکیں گے۔

برون ہلڈ::::: میرے باس کو تو یہی لگتا ہے۔

ہمیں چالاکی سے کام کرنا ہو گا۔ ہر طرح سے۔

نہیں تو انجام ہمارا بھی وہی ہو سکتا ہے

جو ازموڈیوس کا لوسیفر نے کیا تھا۔

ہمیں اپنی طاقت کو دوبارہ حاصل

کر کہ اپنا نیا بادشاہ مقرر کرنا ہو گا۔

ایسا جو شیطانی کھیلوں کو اچھے سے جانتا ہو۔

جو تم جیسے لوگوں کی طرح لوسیفر سے ڈر کر پیچھے نا ہٹے۔

ایسا انسان جو خود میں ازموڈیس سے

زیادہ خطرناک اور منافق ہو۔

لوسی یس بیلٹن::::: تو مطلب بادشاہ پہلے ہی

کھیل کی شروعات کر چکا ہے۔

ارنو:::::لوسی یہ کھیل بادشاہ کے مہرو

کو تیار کرنے کا کھیل ہے۔

جو جتنا دغا باز نکلے گا اتنی ہی چُوٹ

ہم لوسیفر کو دے سکیں گے۔

ہمیں اپنی منافقت کو لوسیفر پر ظاہر نہیں ہونے دینا۔

اُس وقت تک جب تک کہ لوسیفر کھیل کے

اصل بادشاہ کو نہ جان لے۔

برون ہلڈ::::::اب اگر تم سب اپنے دھندھوں کی

بحالی چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ زندہ رہو۔

اور تم سب کا حال بھی الکے ایمن اور

گوز برق یگیز کی طرح نہ ہو تو فوراً سے

ان کاغذات پر دستخط کر دو۔

جیری، ہیلیپس::::: یہ کون سے کاغذات ہیں؟؟؟

ارنوہلڈ:::::: یہ کاغذات تم سب کی رضامندی کے ہیں۔

اور یہ کہ تم سب اب ایک مقصد کے لی

ے کام کرو گے۔اور اگر کچھ الٹا ہوا تو ان

کاغذات کے مطابق تم لوگوں کو اپنی غداری

کا ہر جانہ اپنی کل دولت اور اپنی جان کے

ساتھ ادا کرنا ہو گا۔

جو باقی تمام مافیا کے لوگوں میں بانٹ دی جائے گی

جو اُس کے اصل حقدار ہو گے۔

برون ہلڈ:::::اگلی میٹنگ میں آپ سب

کو دوبارہ سے یہیں آنا ہو گا۔

اگلے میٹنگ میں باس کی طرف سے جو ہدایات ہو گی

اُس پر ہم سب کو کام کرنا ہو گا۔

اور کسی نے اگر غداری کی تو یاد رکھے اس

میٹنگ کے لیے باس نے نو سال کی محنت لگائی ہے۔

ھمارے آدمی ہر جگہ ہیں۔

چاہو تو اگلی بار ڈیمو بھی دے دیا جائے گا۔

ارنو ہلڈ::::: مگر یاد رہے ذرا سا بھی فتنہ اور برداشت کرنے

کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔

ہم سب کا شکار لوسیفر ہے۔اور ہمیں

صرف اُس کی موت۔کے لیے یکجا ہونا ہے۔

برون ہلڈ:::::لوسیفر اس وقت ترکی میں ہے۔

اور ہمارے جاسوس کے مطابق لوسیفر نے

وہاں سے سارا سامان بھی ضبط کر لیا ہے۔

جو سمپل کے طور پر الکے ایمن کو بیھجے گئے تھے۔

لوسی وہ بھی۔اب جنگ ہتھیاروں سے

پہلے چالوں سے کھیلی جائے گی۔

یادرہے کھیل شروع ہوچکا ہے۔

ارنوہلڈ:::::اگلی میٹنگ میں باقی سب بھی بتا

دیا جائے گا۔فل حال یہی میٹنگ کا خاص مقصد تم

برون ہلڈ:::::اور کوئی سوال ہے؟؟؟؟؟

الیکسلوتھر:::::: ہمارا باس کون ہے؟؟؟

ارنو::::::: تم سب کو اپنی زندگیوں کو بچانے

سے زیادہ یہ سب جاننے کی جلدی ہے۔

لوکی اینڈرس:::::: کیوں کہ یہ جاننا زیادہ ضروری ہے۔

البتہ لوسیفر کے بعد تو یہ بہت ضروری ہو

گیا ہے کہ مجھے اوران سب کو اس بات

کہ علم ہو کے اخر کون اس قدر شیطانی

دماغ کے ساتھ ہم سب کو از مودیس

کے بعد یہاں اکھٹا کر سکا ہے۔

ارنو:::::اسوورا

اور پھر اُس نام کو سنتے ہی ہر کوئی حیرت سے

.سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آخر یہ ہے کون

جمشید جو تیز قدموں کے ساتھ ہوٹل کے ایک

کمرے کی طرف بڑھا جہاں پہلے سے

موجود ایک ڈاکٹر اُس لڑکی کے زخموں کی پٹی کر رہا تھا۔

جمشید کمرے میں داخل ہوا تو

اُس لڑکی کی نظر ایک پل میں جمشید کی طرف رکی۔

جمشید بنا اُس کی نظروں سے اپنی نظروں

کو ٹکائے۔آگے جو بڑھا اور ڈاکٹر کو دیکھ کر بولا۔

جمشید::::::::: مرہم پٹی ہو گئی ہے؟؟؟

ڈاکٹر::::::ان کا خاص خیال رکھیں۔

یہ میڈیسن ہیں یہ لازمی باقاعدگی سے استعمال کریں۔

اور یہ میں ایک دو اور ٹیوبز دے رہا ہوں

اُن کو بھی یہ زخموں پر لگائیں گی تو بہتر ہو جائے گا۔

جمشید:::::انہیں باہر تک چھوڑ آؤ۔

جمشید ایک لیڈی سٹاف کے ایک ممبر سے بولا۔

جمشید کچھ دور کھڑا ڈاکٹر کو باہر جاتا دیکھنے لگا تو بولا۔

جمشید:::::: کچھ ضرورت کے سوال ہیں جن

کا جواب آپ مجھے دیں گی تو اچھا ہو گا۔آپ کے لیے بھی اور میرے لیے

بھی۔

ونڈا لارسن:::: ک۔۔۔۔کیسے سوالوں کے جواب؟

جمشید::::: تم اُن لوگوں کے اڈے پر کیا کر رہی تھی؟

ونڈالارسن:::::مجھے۔۔۔نہی۔۔۔نہیں معلوم۔

جمشید:::::::اُن لوگوں کے بارے میں کیا جانتی ہو؟

ونڈالارسن:::::::میں۔۔بس۔۔۔یہ جانتی ھوں۔

۔۔کہ۔۔۔۔وہ لوگ اچھے نہیں ہے۔۔

بہت برے اور گندے ہیں۔۔۔

جمشید:::::کیا جانتی ہو؟؟؟

ونڈالارسن::::::میں بس یہی جانتی ہوں

کہ وہ مجھے اور مجھ جیسی اور لڑکیوں

کو اپنی حواس کا نشانہ بنا کر کسی سڑک یا

کسی گٹر میں بے جان پھینک دیتے ہیں جیسے

اُنہیں نے نتاشا اور بیلا کے ساتھ کیا۔

جمشید::::::تو جن دو لڑکیوں کی ہمیں لاش

وہاں سے ملی تو تم اُن دونوں کو جانتی ہو.

ونڈالارسن::::ہاں میں جانتی ہو۔

جمشید:::::اس کے علاوہ کوئی بات

جو تم جانتی ہو۔کچھ ایسا جو تمھیں غلط لگا ہو۔

ونڈالارسن:::::نہیں اس کے

علاوہ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔

مجھے اُس کمرے کی چار دیواری کے علاوہ

بس یہ یاد ہے کہ اُس کمرے میں میرے

ساتھ دو اور لڑکیاں تھیں۔

اور وہ بھی اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔

جمشید::::::اُن دونوں لڑکیوں کی لاشوں

کو وہاں سے نکال کر دفن کر دیا گیا ہے۔

خیر آپ اپنی گھر کا پتا بتادیں کہ آپ

کہاں رہتی ہیں آپ کو وہاں پہنچا دیا جائے گا۔

ونڈالارسن::::: پاکستان

جمشید اچانک اُس کی بات پر چونکا اور بولا۔

جمشید::::: دیکھنے میں آپ کہی سے

بھی پاکستان کی رہنے والی نہیں لگتی۔

ونڈالارسن؛::::: ج۔۔۔جی میں پاکستان سے نہیں ہوں۔

جمشید:::: میں کرتا ہوں آپ کے جانے کا انتظام۔

اور کمرے سے باہر مت نکلیے گا۔

اور کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو ان میں سے

موجود کسی سے کہہ دینا۔ سمجھی

اور پھر جمشید کچھ سخت لہجے کی ہدایات

کرتے وہاں سے نکل گیا۔۔

سالار کچھ پیپرز پکڑے اپنے فلیٹ کی چھوٹی

سی بالکونی میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

فرقان خضر کے ساتھ وہاں داخل ہوا۔

دونوں نے یکجا زبان سے سلام لی۔

فرقان اور خضر:::::: السلام علیکم۔

سالار:::: وعلیکم السلام

خضر:::::: سر سکندر بھاؤ کے باپ کے

بارے کوئی بھی انفارمیشن نہیں ملی۔

فرقان::::: مگر اُس کے باپ کے بارے

میں انفارمیشن لینا کیوں اتنا ضروری ہے۔

سالار:::: تم دونوں اس بات کی فکر نہیں کرو۔

کافی کچھ پتہ لگ چکا ہے۔

خضر::::: سر کیا پتہ لگا ہے آپ؟

سالار:::: بیٹھ جاؤ تم دونوں بھی۔

خضر::::جی سر۔

اور یہ کہتے فرقان اور خضر دونوں ہی

سالار کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

سالار::::فرقان کیا تم سکندر بھاؤ کے

بارے میں یا اُس سے متعلق کوئی بڑا واقع

،کچھ بھی ایسا جو میرا مطلب ہے کہ کچھ الگ ہو۔

کچھ بھی۔

فرقان::::دیکھیں سالار جتنا میں جانتا ہوں

اُس کے مطابق سکندر بھاؤ آخری مرتبہ

دو سال پہلے فلسطین آیا تھا۔

اور ان دو سالوں میں کچھ بھی ایسا نہیں

ہوا جو کسی طور بھی سکندر کے خلاف ہو۔

سالار::::دیکھو فرقان میں

تمہاری بات کو سمجھ رہا ہوں۔

اچھا یہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کیا نو سال پہلے

کوئی ایسا حادثہ ہوا جو تم لوگوں۔

کی توجہ کا مرکز بنا ہو۔

فرقان::::: نو سال پہلے جو حادثہ ہوا تھا

وہ ہمارے علاوہ پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا تھا۔

سالار:::: ہاں وہ تو میں جانتا ہوں اُس

کہ علاوہ کچھ اور کچھ بھی؟

فرقان:::: نہیں اور کچھ بھی ایسا نہیں ہوا۔

سالار:::: تمھیں نہیں لگتا کہ شاید وہ حادثہ کسی طرح حادثہ نہ ہو۔

فرقان:::::: مگر صرف آدھا شہر ہی اُس آگ کی لپیٹ میں آیا تھا۔

اور ہماری گورنمنٹ نے اُسے حادثے کا نام دیا تھا۔

گیس پائپ لائن وہاں الگ سے نئی بچھائی گئی تھی۔

اور اُسی میں خرابی کے باعث یہ سب ہوا تھا۔

سالار::::: اگر فلسطین میں کوئی بڑا واقع پیش

نہیں آیا تو مجھے لگتا ہے یہی وہ جنگ تھی

جس کو جیتنے والا سکندر صالح تھا۔

خضر::::: سر کون سی جنگ؟؟

فرقان::::: آپ کو ایسا کیا پتہ لگا ہے؟؟

سالار::::: ازموڈیس

فرقان::::: کو۔۔۔کون؟

سالار:::: ازموڈیس سکندر کا باپ۔

یہ کہا جائے کہ لوسیفر کا باپ۔

خضر::::: ازموڈیس کون ہے؟

فرقان::::: یہ مافیا گروپس کا سردار ہے۔

یہ کہا جائے کہ دنیا کے مافیا گروپس کو چلانے

والا اور اس دنیا کو اپنی دنیا کہنے والا انسان۔

.مجھے یقین نہیں آرہا کہ سکندر اُس کا بیٹا ہے

سالار::::: نو سال پہلے جو بھی ہوا اُس کا تعلق لوسیفر سے ہے۔

میں جانتا تھا کہ سکندر کوئی عام آدمی نہیں ہے

فرقان::::: مجھے لگتا ہے کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

سکندر کس طرح اُس کا بیٹا ہو سکتا ہے۔

مجھے یوں یقین نہیں آرہا۔

خضر::::: سر آپ کو اور کیا پتہ لگا؟

سالار::::: خضر میں نے جتنا سوچا تھا

یہ اُس سے کہی زیادہ خطرناک ہے۔

سکندر میری سوچ سے کہی زیادہ مختلف ہے۔

اس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب تک ہم سمجھ رہے تھے۔

خضر::::: سر اب کیا کرنا ہے ہم نے؟

سالار:::::مجھے سر کو اب تک کے

مشن کی پوری تفصیل بتانی ہو گی۔

فرقان:::::سالار میرے خیال سے

آپ کچھ دیر اور انتظار کر لینا چاہیے۔

کیوں کہ مجھے اس بات پر ڈاوٹ ہو رہا ہے۔

یہ نہ ہو بعد میں یہ بات ثابت کرنا ناممکن جو جائے۔

سالار:::::میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

مجھے یہاں سے اب ایران جانا ہے۔

خضر:::::سر کیا کوئی خبر ملی ہے؟؟؟؟

سالار:::::ہاں شاید۔۔۔دعا کرو کہ وہ مل جائے۔

فرقان::::کون؟؟؟کیا آپ کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں؟

خضر:::::ہاں۔

فرقان::::کس کو؟

.سالار::::زیمل کو

فرقان:::::یہ کون ہیں؟

خضر::::بعد میں بتاؤ گا۔

خضر نے ہولے سے بول کر فرقان کو چپ کروایا

سالار:::: خیر تم لوگ پریشان ناہو مجھے

امید ہے کہ یہاں کا کام جلد ختم ہو جائے گا۔

سالار:::: خضر تم کوشش کرو کہ ازموڈیس

کے متعلق جو بات بھی سکندر کی ماں

اور اُس سے جوڑتی ہے اُسے ڈھونڈو۔

شاید اسی کے بل پر ہم یہ ثابت

کر سکیں کہ سکندر اُس کا بیٹا ہے۔

خضر:::::جی سر۔

فرقان بھائی۔۔

اچانک کسی کے چیلانے کی آواز اُن

تینوں کے کانوں میں گونجی تھی

سالار نے اپنے بلکل سامنے دیکھا

تو خضر اور فرقان پلٹ کر دیکھنے لگے۔

فلضاہ::::::فرقان بھائی۔۔۔آپ کب تک آئیں گے۔

فرقان فلضاہ کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

فرقان::::بس آنے ہی لگا ہوں۔

اچانک فلضاہ کی نظر سالار کی طرف گئی۔

تو وہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ایسے

جیسے واُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

خضر اُس لڑکی کے اس انداز پر مسکرایا اور فرقان سے بولا۔

خضر::::یہ تمہاری بہن ہے؟

فرقان::::ہاں منہ بولی.

فلضاہ:::: لگتا ہے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔

اچانک فلضاہ کی بات پر

خضر اور فرقان چونکے تو سالار کو دیکھنے لگے۔

سالار اُن کی نظروں کو نظرانداز کرتا بول

سالار:::: نہیں میں نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا۔

فلضاہ:::: نہیں مجھے لگتا ہے کہ

آپ کو میں نے کہی دیکھا ہے۔

دور سے تو یہی لگ رہا ہے۔

سالار::::قریب سے بھی یہی لگنا ہے۔

فلضاہ::::روکیں میں ابھی وہاں اتی ہوں۔

سالار:::: پلیز آپ کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرقان آہی رہا ہے۔

فرقان:::: فلضاہ کیا کر رہی ہو

خضر::::او دیکھ کر آپ غور جائیں گی۔

فلضاہ جو پندروے مالے کی بالکونی سے

سالار کی طرف کی بالکونی کی طرف آرہی تھی۔

اچانک اُس کے گرل کے باہر قدم رکھنے

پر وہ تینوں ہی چونک پڑے تھے۔

فرقان:::فلضاہ۔۔۔کیا کر رہی ہو۔

فلضاہ جو دیوار کے ساتھ چار قدم لے کر

اس طرف آرہی تھی۔

خضر اور فرقان کے بار بار بولنے پر بولی

فلضاہ::::اللہ اللہ کیا ہو گیا ہے۔

آپ لوگ اتنا چیلا کیوں رہے ہیں۔

میں اُسی طرف آرہی ہوں۔

بھلا دیکھو تو یہ قریب سے بھی ایسے ہی لگتے

ہیں جیسے کے دور سے۔

سالار جو سر پر ہاتھ رکھے ابھی تک اپنی ہی

جگہ پر کھڑا تھا۔اُس لڑکی کی بات پر ہولے سے بولا۔

سالار:::: پھر سے نہیں۔

خضر::::: دیکھیں آپ کو چوٹ لگ سکتی ہے۔

یہ بہت خطرناک ہے۔

فلضاہ:::: ارے ارے کیا ہو گیا ہے۔

فرقان بھائی یہ بھائی کون ہیں۔

کتاب ڈر رہے ہیں۔

فرقان::::: فلضاہ تمھیں چوٹ لگ سکتی ہے۔

فلضاہ:::: کچھ بھی نہیں ہوتا۔ہاتھ دیں اپنا۔

فرقان اور خضر جو دونوں فلضاہ کا ہاتھ پکڑے

کچھ اُسے اس طرف آنے میں مدد کرنے لگے۔

خاصے خوفزدہ کھڑے اُس لڑکی کو حیران ہو

کر دیکھ رہے تھے۔ جو ایسے چل کے آئی تھی

جیسے کوئی زمین پر چار قدم چلتا ہے۔

خضر:::::آپ نے تو جان ہی نکل دی۔

فرقان:::::فلضاہ یہ کیا حرکت تھی۔

اگر تم گر جاتی تو۔

فلضاہ:::::اللہ اللہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

میں کیوں گرو گریں میرے دشمن۔

خضر:::: مگر ایسا کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

کچھ ہو بھی سکتا تھا۔

فلضاہ:::::فرقان بھائی یہ آپ کے دوست ہیں۔

فرقان::::ہاں میرا دوست ہے۔

خضر:::::میرا نام خضر ہے

فلضاہ::::: آپ کا نام تو بڑا ہی پیارا ہے۔

کس نے رکھا آپ کی اماں نے یا ابا نے۔؟؟

خضر یوں اچانک اُس کے سوال اور چونک گیا تھا۔

اور پھر فرقان کو دیکھنے لگا۔

فلضاہ:::: ارے ارے میں آپ سے سوال

پوچھ رہی ہوں اور آپ فرقان بھائی

کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

خضر اُس کی بات اور مسکرایا اور بولا۔۔

خضر:::: آپ مذاق کر رہی ہیں؟

فلضاہ:::: بھلا میرا اور آپ کیا مذاق۔

میں مذاق صرف اپنے بھائیوں کے ساتھ کرتی ھوں۔

فرقان بھائی کو سب پتہ ہے۔

خضر::::: آپ کہی گری ھیں؟؟؟؟

فلضاہ خضر کی بات اور ہنسنے لگی تو بولی۔

فلضاہ:::: پہلی بار جو بھی مجھ سے ملتا ہے

وہ یہی کہتا ہے۔

سالار جو اُس کی بک بک شروع ہونے

پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

خضر::::: فرقان کیا یہ واقع ٹھیک ہیں؟؟؟

فرقان:::: تم پریشان نا ہو یہ مذاق کر رہی ہے۔

فلضاہ:::: مگر میں تو سچ کہہ رہی ہو۔

فرقان:::: ہاں ٹھیک ہے تم سچ کہہ رہی تھی۔

مگر آئندہ ایسے مت کرنا۔ ٹھیک ہے۔

فلضاہ:::: ہائے اللہ فرقان بھائی آپ کتنے اچھے ہیں۔

خضر::::: آپ کچھ پییں گی؟

فلضاہ:::: اللہ اللہ آپ لوگوں کی باتوں میں میں

تو بھول ہی گئی کہ میں تو اُنہیں دیکھنے آئی تھی۔

ہٹے جلدی سے میں دیکھو۔۔

۔مجھے لگ تو رہا ہے کہ میں نے انہیں

کہیں دیکھا ہے۔

سالار جو منہ نیچے کیے اپنے کام میں

مصروف تھا وہ فلضاہ نہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

فلضاہ جو سالار کے گرد چکر کاٹتی

اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی بولی۔

فلضاہ::::: فرقان بھائی آپ مانے یا نہ مانے

میں نے یہ والے بھائی کو دیکھا ہے۔

سالار::::: میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔

لگتا ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مس۔

فلضاہ:::: ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ فلضاہ کو

کبھی غلطی لگ جائے اگر میں کہہ رہی ہوں

تو مطلب کے میں نے دیکھا ہے۔

سالار::::: جب میں نے کہا ہے کہ میں آپ

کو نہیں جانتا تو بہتر ہو گا کہ آپ مجھے تنگ نہ کریں۔

فلضاہ جو سالار کی بات پر سوچ کر بولی۔

فلضاہ::::: ہائے اللہ۔۔۔ یاد آگیا۔۔

میں کہہ رہی تھی نہ کہ میں نے دیکھا ہے۔

ارے یہ تو وہی ہیں جنہوں نے رات کو میری

سر درد لگادی تھی۔

سالار::::؛اور آپ بھی وہی ہیں جو بولنے لگتی ہیں

تو چپ ہونا بھول جاتی ہیں۔

خضر::::: آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

فلضاہ::::: ہاں

سالار::: نہیں

فلضاہ:::: اللہ اللہ میرے منہ پر ہی جھوٹ بول رہے۔

آپ کو پتہ ہے فرقان بھائی آپ کی طرح یہ

بھی میرے بھائی ہیں

پر ویسے والے نہیں۔انتہائی کڑوے والے۔

سالار:::: دیکھیں مس آپ فرقان سے ملنے آئی ہیں

تو آپ بیٹھ میں اُس سے بات کر لیں۔

میرا دماغ مت کھائیں۔

اور پھر سالار یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

فلضاہ::: اللہ اللہ کوئی بہن سے ایسے بات کرتا ہے۔

خضر:::: آپ سر کی باتوں کا برا نا مانے وہ

پریشان ہیں اس لیے تھوڑا غصا کر جاتے۔

فرقان::::: ہاں تم سالار کی باتوں کو دل پر نہ لو

فلضاہ::::نام تو اچھا بھلا ہے پتہ نہیں پھر کیوں

اتنا کڑوا بولتے ہیں۔

فرقان::: خیر تم یہ باتوں تم نے آج کیا بنایا ہے؟

فلضاہ:::: آج تو میں نے کچھ بھی نہیں بنایا

میں نے سوچا کیوں نہ آج آپ کے پیسوں سے پیزا کھایا جائے۔

فرقان::::اُوکے ٹھیک ہے مگر اگلے بار تم کچھ بنا کر کھلاؤ گی۔

فلضاہ:::: نہیں اگلے بار یہ والے بھائی کھلائیں گے۔

خضر:::: کون میں؟؟؟؟

فلضاہ:::: ہاں آپ بھائی وہ بھی پیزا نہیں بر گر۔

خضر::: میں آپ کا بھائی کب سے ہو گیا؟

فلضاہ:::::ابھی ابھی۔خضر بھائی۔

خضر اُس کے یوں ایکنک اُس کو بھائی بنانے

والے انداز پر چونکا اور پھر فرقان کو دیکھنے لگا۔

جس پر تینوں قہقہ لگا کر ہنسنے لگے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جہانگیر کو چکر کاٹ رہا تھا کچھ سوچ میں گم تھا۔

اور پھر اچانک سے فون کو اٹھاتا وقت دیکھنے لگا۔

کسی بات کی پریشانی نے اُسے گھیر لیا تھا۔

جھانگیر::::: اب کیا کروں۔ لگتا ہے پھنس گیا ہوں۔

سکندر کو کسی بھی صورت پتہ نہیں لگنا چاہیے۔ ورنہ

نہیں نہیں کچھ بھی نہیں ہو گا۔

جہانگیر فون پر ایک نمبر ملاتے ہوئے بولا۔

جہانگیر:::::: ہیلو کہاں ہو تم۔

کرابے::::: کام بولو

جہانگیر::::: کام بھی بتا دیتا ہوں۔

پہلے یہ بتاؤ کہ خبر پہنچا دی تھی

کرابے::::: کرابے ہمیشہ اپنا کام وقت پر سرانجام دیتا ہے۔

جہانگیر:::::ایک کام اور ہے۔ مگر بہت دیہان سے کرنا ہے۔

ایک آدمی کو تمھارے پاس بیھج رہا ہوں۔

جو چیز وہ تمھیں تھمائے اُسے یوکارس تک پہنچاؤ۔

کرابے::::: میرا مال بھی مجھے صبح تک مل جانا چاہیے۔

جہانگیر::::: وہ بھی مل جائے گا۔اور یہ

کام ختم ہوتے ہی مجھ سے آکر ملنا۔

تمہاری رقم بھی تمھیں مل جائے گی اور پیسے بھی۔

کرابے::: ٹھیک ہے۔

سکندر کمرے کی کھڑکی سے باہر کے منظر کو دیکھ رہا تھا۔

جبکہ زیمل اپنے رب کی بارگاہ میں خاصی مشغول تھی۔

سکندر جو کچھ سوچ رہا تھا۔ اپنے ہی انداز میں اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

زیمل جو نماز میں سلام پھیرتے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی تو کمرے میں موجود شخص کی خاموشی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سکندر باہر کے منظر کو کسی اور ہی انداز میں دیکھ رہا تھا۔

اور پھر زیمل دعا میں ہاتھوں کو اٹھاتی دعا مانگنے لگی

اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ زمین سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سکندر کی خاموشی اُسے کسی پریشانی میں ہونے کا اندیشہ دے رہی تھی۔

زیمل پاس صوفے پر نماز کے لیے بچھائے کپڑے کو اٹھا کر رکھتی۔ سکندر کی طرف بڑھ گئی۔

زیمل::::: سنے؟

زیمل کی آواز پر سکندر یک دم ایک عام سے انداز میں بنا کوئی تاثر دیے بولا۔

سکندر:::: سنائیے۔

زیمل::::: آپ پریشان لگ رہے ہیں۔ سب ٹھیک تو ہے؟

سکندر::::: ہاں سب ٹھیک ہے۔ صرف ایک چیز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

زیمل:::: کس کے بارے میں؟

سکندر::: کام سے متعلق ہے۔ آپ پریشان نا ہو۔

یہ کہتے سکندر نے زیمل کو مسکرا کر دیکھا۔

زیمل::::: آپ کیا کام کرتے ہیں؟؟؟

زیمل نے سکندر کے بات سے سوال نکالا تو سکندر زیمل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سکندر::::: دنیا میں بہت سے کاموں میں سے ایک کام میں بھی کرتا ہوں۔

بس میرے کام کا نام نہیں ہے۔

زیمل سکندر کی بات پر مسکرائی۔ جیسے وہ سکندر کی بات کو مذاق میں لے گئی ہو۔

سکندر::::آپ ہنس کیوں رہی ہیں ؟

زیمل::::میں ہنس نہیں رہی۔میں بس مُسکرا رہی ہوں۔

سکندر زیمل کے یوں جواب پر قہقہ لگا کر ہنس پڑا۔

سکندر::::آپ سے اس بے تکلف جواب کی اُمید نہیں تھی۔

زیمل سکندر کی بات کو سن کر پلٹتے ہوئے بولی۔

زیمل::::یہ بے تکلفی نہیں تھی۔یہ تو چھوٹا سا مذاق تھا۔

سکندر::::آپ کا یہ مذاق میرے دل کو آپ کے قریب ہونے کی خوشخبری سنا رہا ہے۔

زیمل ایک پل میں سکندر کی بات پر گھبرائی اور بولی۔

زیمل:::: چھوٹا سا مذاق ہی کیا ہے۔

سکندر زیمل کو پیچھے کی طرف سے پکڑتا اُس کا رخ اپنی طرف کرتا بولا۔

سکندر:::: بڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کانوں میں اپنی ہنسی کی آواز سنی ہے۔

اور یہ ہنسی میرے دل میں آپ کے داخل ہونے کی خوشخبری ہے۔

میں اپنی بہن سے بہت محبت کرتا تھا۔میری بہن میری انکھوں کی روشنی تھی۔میری زندگی میں میرا اکلوتا رشتا۔میری کائنات کے بعد وہ میں جان تھی۔

زیمل یوں اچانک سکندر کے منہ سے اُس کی بہن کا ذکر سن کے حیران ہوئی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ سکندر کی کوئی بہن بھی ہے۔

سکندر::::::آج اُس کو مجھ سے جدا ہوئے سات سال گزر گئے ہیں۔

سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ آنکھوں میں ایک عجیب سا درد لیے بول رہا تھا۔

جب کہ اُس کی آنکھوں میں موجود کسی ان کہی کہانی کا درد زیمل پڑھنے کے باوجود پڑھ نہ سکی تھی۔

زیمل:::::آ۔۔۔آپ۔

زیمل ایک پل میں سکندر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی۔

سکندر:::::: میں ٹھیک ہوں۔آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔

سکندر مسکرا کر بولا۔

سکندر:::::: صبح مجھے ایک کام کے سلسلے میں جمشید کے ساتھ جانا ہے۔آؤ گا تو آپ کو ایک جگہ لے کر جاؤں گا۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتے بولی۔

زیمل::::: میں سمجھتی ہوں کہ اپنوں کا بچھڑ جانا کیسا ہوتا ہے۔

مگر پر اُمید ہوں کہ ایک وقت آئے گا جب میں اُن سے مل پاؤں گی۔

یہ زندگی حقیقی زندگی نہیں ہے۔یہ زندگی ایک بلبلے کی طرح ہے جو کسی وقت پھٹ کر غائب ہو جائے گی۔

جانتے ہیں انسان کو اللہ نے تین زندگیاں جینے کا موقع دیا ہے۔

سکندر جو زیمل کو اپنے روبروں کھڑا کرتا اُس کی بات سن رہا تھا اچانک تین زندگیوں کے ذکر پر بولا۔

سکندر:::: تین؟

زیمل::::::جی۔ جن میں سے آپ اور میں دوسری زندگی جی رہے ہیں۔
اور وہ جو ہم میں نہیں رہے وہ تیسری زندگی جینے کے سفر پر چل نکلے ہے۔
سکندر::::زندگی تو صرف ایک ہوتی ہے۔ جس میں میں اور آپ جی رہے ہیں۔ پھر تین کیسے؟

زیمل::::اللہ نے جب کلِ کائنات اور کلِ جہانوں کی مخلوقات کو تخلیق کیا تو اللہ نے انسان کو تین زندگیاں عطا کی۔

پہلی زندگی وہ تھی جس میں انسان کی روح کو تخلیق کیا گیا۔اُس وقت انسان کو اللہ نے اُس کے ماں باپ بیوی اولاد بہن بھائی سے ملوایا۔

اور پھر جب وقت آیا تو اُسے دُنیا میں بھیج کر دوسری زندگی عطا کی۔ جہاں انسان کو عقل و شعور کے ساتھ وہ تمام رشتے عطا کیے جو اُس سے منسلک ہیں۔
اور پھر جب وقت ائے گا تو اللہ یہ زندگی چھین کر انسان کو موت کی نعمت سے نوازے گا۔

اور پھر وہ زندگی شروع ہو گی جو ابدی ہو گی۔ جہاں تخلیق کے مقصد کی منزل انسان اپنے عمل سے حاصل کرے گا۔

اور یقین جانے وہ زندگی اللہ کے بندوں کے لیے سب سے حسین اور پر سکون ہو گی۔

حواس پرستی، نفس پرستی، اور ظلم و ستم سے پاک۔ وہاں سب خوبصورت اور دل کش ہو گا

سکندر::::::کتنا خوبصورت؟؟؟؟؟

زیمل::::::اتنا کہ انسان اس بات کا تصّور بھی نہیں کر سکتا۔

کیوں کہ اللہ کہتا ہے کہ انسان کے لیے جس اجر کو اُس نے رکھا ہے وہ اُس کا وہم و گماں بھی نہیں کر سکتا۔

سکندر::::::آپ کی باتیں میرے دل کو ٹھنڈک پہنچاتی ہیں۔

معلوم نہیں کیسے مگر ایک اطمینان محسوس ہوتا ہے۔

زیمل:::::دل کو ٹھنڈک روح کی غذا پہنچاتی ہے۔آپ اللہ کو یاد کیا کریں۔ دل کی ٹھنڈک تو کیا جسم میں موجود روح پر سکون ہو جائے گی۔

سکندر:::::بیٹھ جائیں میرے پاس۔

سکندر بہت تھکے انداز میں بولا۔

زیمل بیڈ پر بیٹھی تو سکندر اُس کی گود میں سر رکھتا زمین پر بیٹھ گیا۔

ایک پل میں زیمل کچھ گھبرائی مگر پھر دوسری ہی پل سکندر کے چہرے کو دیکھتی اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

اور سکندر اُس کی گود میں سر رکھے اُس کے قدموں میں بیٹھا اب کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔

سکندر:::::کل اُس کی پیدائش کا دن ہے۔اور کل ہی اُس کی موت کا دن بھی۔میری بہن میری جان تھی۔اپنی جان سے زیادہ میں اُس سے پیار کرتا تھا۔ماں سے کیا وعدہ بھی میں پورا نہ کر سکا۔نہ اُس سے کیے وعدے کو پورا کر سکا۔

زیمل:::::اُنہیں کیا ہوا تھا؟

سکندر:::::کوئی اُسے مجھ سے چھین گیا۔اور میں یہ بھی نہ جان سکا کہ وہ کون تھا۔

برستے بدلوں کے ساتھ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں سے دفنایا تھا۔جیسے کبھی اُسے میں نے اپنے آنچل میں چلنا سکھایا تھا۔

آج سات سال گزر گئے۔اُسے مجھ سے دور ہوئے۔لگتا کل ہی کی بات تھی جب وہ اس دنیا میں آئی تھی۔

زیمل کی آنکھوں میں سکندر کے مسکراتے انداز میں بیان کرتی اُداس کیفیت پر انسوں ائے تو وبولی۔

زیمل::::: بچھڑنا پھر ملنے کی نشانی ہے۔جو بچھڑ جاتے ہیں وہ بل آخر مل جاتے ہیں۔

سکندر:::::جانتی ہے کہ وہ کچھ ماہ کی تھی جب میں نے اُسے پہلی بار گود میں اٹھایا تھا۔

اور پھر ماں کے گزر جانے کے بعد میں اُس کا سب کچھ تھا۔

ہر بچا پہلی بار جب بولتا ہے تو وہ ماما یا بابا بولنا سیکھتا ہے۔

مگر وہ پہلی تھی جس نے پہلی بار میرا نام بولا تھا۔

تین سال کی تھی جب اُس نے میرا نام مُسکرا کر لیا تھا۔

سکندر اُس کی زبان پر نہیں چڑھتا تھا تو وہ چیکن بولا کرتی تھی۔

لگتا ہے آنکھوں کے سامنے وہ وقت کچھ پلوں میں گزر گیا۔

میری ماں نے اُس کا نام روشانے رکھا کیوں کہ وہ بلکل روشنی کی طرح ھماری زندگیوں میں آئی تھی۔

زیمل سکندر کے سر پر ہاتھ پھیرتے کتنی ہی دیر اُس کی باتیں سنتی رہی۔

ہر سال کی طرح یہ دن آج بھی سکندر کے لیے بہت مشکل دن تھا۔

ہاں فرق صرف اتنا تھا کہ آج پہلی بار وہ اپنے درد کو زیمل کے سامنے بتا نا کر رہا تھا مگر وہ بھی ہنستے چہرے کے ساتھ۔

اور پھر کتنی ہی دیر وُہ روشانے کے ذکر کو جاری کرتا اُس کی پیاری سی پیاری حرکت کو بیان کرنے لگا۔

جی پر کبھی زیمل کی آنکھیں نم ہو جاتی تو کبھی اُس کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی۔

جلد ہی گھر آجاؤ گا۔اماں کا بتاؤ وہ کیسی ہیں۔

سالار فون کو کان سے لگائے بولا۔

روح::::امی ٹھیک ہیں۔

بھائی آپ کب تک واپس آؤ گے۔

سالار:::: بس یہاں کا کام ختم ہو جائے تو جلد ہی۔

روح:::زیمل کا کچھ پتہ چلا۔

سالار:::: پہلے کی طرح ہی ایک خبر ملی ہے۔بس یہاں سے وہی جاؤں گا۔

دعا کرو کہ وہ مل جائے۔

روح:::::میں دعا کرتی ہوں کہ آپ وہ کو مل جائے۔

فلضاہ دور کھڑے سالار کو دیکھنے لگی تو اُسے پکارتے ہوئے بولی۔

فلضاہ::::ارے سالار بھائی۔۔۔

سالار:::::روح میں تمہیں کچھ دیر بعد کال کرتا ہوں۔

روح:::::یہ کس کی آواز ہے۔

سالار:::::بعد میں کرتا ہوں تمھیں کال۔

اور پھر یہ کہتا سالار فون رکھ گیا۔

سالار تیز قدموں سے چلنے لگا تو فلضاہ فوراً سے بھاگتے ہوئے بولی۔

فلضاہ:::::ارے ارے۔رُک جائیں۔

اور پھر اچانک وہ سالار کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

اور پھر اپنی سانسوں کو بحال کرنے لگی۔

سالار::::میرا راستہ چھوڑیں۔

فلضاہ:::::سانس تو لے لینے دیں۔

سالار:::: آپ میرے راستے سے ھٹ کر بھی سانس لے سکتی ہیں۔

فلضاہ:::::رُک تو جائیں۔ سانس بھی لینے نہیں دیتے۔۔

ایک میں آپ کو آوازیں دے رہی اوپر سے آپ مجھے نظر انداز کرتے جا رہے

ہیں۔

سالار:::: کسی غیر مرد کو یوں بیچ سڑک پر آوازیں دینا کوئی نیک کام نہیں

ہے۔

فلضاہ:::: کون غیر ؟؟؟

نہ نہ۔

کیسے باتیں کر رہے ہیں آپ۔

آپ غیر نہیں ہے۔ جس کو فلضاہ اپنا بھائی مان لے وہ غیر کہاں سے ہوا۔

سالار:::: میں آپ کا بھائی نہیں ہوں۔ میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔

فلضاہ:::: چلیں ٹھیک ہے آپ میرے بھائی نہیں پر میں آپ کو بہن ہی

ہوں۔

سالار::::آپ بچپن میں کہی گری تھی۔؟؟؟؟

فلضاہ::::ہاں ایک دفعہ کیا ہوا میں دو سال کی تھی اور میں بیڈ سے نیچے گر گئی۔

سالار::::لگ ہی رہا ہے کہ چوٹ دماغ کو لگی ہے۔

فلضاہ:::دیکھیں سالار بھائی۔۔۔

سالار:::میں آپ کا بھائی نہیں ہوں۔

فلضاہ::::اف اف آخر آپ کو بھائی بننے میں مسئلہ کیا ہے۔میں اتنی پیاری اتنی اچھی اور اتنی تمیز دار بہن ہوں آپ کی۔پھر بھی آپ میرے بھائی نہیں بن رہے۔

سالار:::دیکھیں مس

فلضاہ:::دکھائیں؟

سالار:::یااللہ میں کہاں پھنس گیا ہوں۔

فلضاہ'::::آپ کہی پھنسے ہوئے ہیں ؟؟؟ کیا یہ پینٹ آپ کو ٹائیٹ ہے۔پر دیکھنے میں تو آپ ٹھیک لگ رہے ہیں۔

سالار::::آپ کو کوئی کام ہے میرے سے ؟؟؟؟؟

فلضاہ::::اوہ ہاں کام کی بات تو میں بھول۔ہی گئی۔وہ ہوا یہ کہ کو مجھے خضر بھائی نے آپ کے کیا کمال کمال کے قصے سنائے.

آپ تو بڑے کمال کے پولیس آفیسر ہیں۔

وہ جو آپ نے کراچی میں بائک والوں کی پٹائی کی اور وہ جو آپ نے ایک کافی شاپ کے باہر لڑکوں کو مارا۔

آئے ہائے ہائے۔کیا کمال کی امیجینشن بنی۔میں تو ساری رات یہی سوچتی رہی کہ کیا کمال کا بندے ہیں آپ۔

ایسا ایک بھائی تو میں بھی ڈیزرو کرتی ہوں۔

سالار::::آپ کو بس یہی کہنا تھا یا کچھ اور بھی ؟

فلضاہ:::: وہاں میں نے کہنا تھا کہ اگر آپ یہاں غزہ میں کی لڑنے گئے تو مجھے ساتھ ضرور لے کر جائیے گا۔

مجھے نہ بچپن سے ہی لڑائی دیکھنے کا بڑا ہی شوق ہے۔ایسی لیے تو میں نے مارشل آرٹ سیکھا۔

یاہو۔۔۔۔

سالار:::: اگر آپ کی بات ختم ہو گئی ہو تو مجھے کام ہے۔

سالار ٹیکسی کو روکتے ہوئے بولا

فلضاہ:::: ہاں ہاں ضرور جائیں جائیں۔

اور لفنٹروں کی بینڈ بجائیں۔

مجھے بھی ایک کام کے لیے جانا ہے۔

اور پھر یہ کہتی فلضاہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔اور بولی

فلضاہ:::: ویسے سالار بھائی آپ ہیں تو بہت ہی اچھے۔

ٹیکسی کے لیے شکریہ۔

رات کو ملاقات ہوتی ہے۔

چلو چلو بھائی جلدی چلو مجھے وقت پر پہنچنا ہے۔

اور پھر فلضاہ یہ بات ڈرائیور کو کہتی سالار کی طرف دیکھنے لگی۔

اور مسکراتے چہرے کے ساتھ ہاتھ ہلانے لگی۔

جب کہ سالار ایک لمبی آہ لیے اُسے جاتا دیکھنے لگا۔

ـــــــــــــــــــــــ

بران ہلڈ:::::کوئی نئ خبر نہیں ہے ہمارے لیے؟؟

جو خبر مجھے ملی ہے اُس کے مطابق تو یہ سوال مجھے پوچھنا چاہیے کہ آگے کیا کرنا ہے۔

بران ھلڈ:::::میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی سب کے سامنے نہ اؤ۔ تمہاری شخصیت جب تک چھپی رہے گی اتنا ہم سب کے لیے بہتر ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ضرب لوسیفر کو توڑ کرر کھ دے۔ اُسے تو انداز بھی نہیں ہو گا کہ اُس کا اپنا ساتھی اُس کی پیٹھ پر چھڑا گھنپنے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔

لوسیفر تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تم لوگ اُس کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہو۔جو بظاھر اُس کے قدموں کو چومتے ہیں وہی اُس کی سانسوں کو دبا دینے کے درپر ہیں۔

بران ھلڈ::::تاریخ کے پنے اس بات کے گواہ ہیں کہ بادشاہ کی موت کا سبب اُس کے اپنوں کی غداری ہے۔یا وزیروں کی منافقت۔ایک نئ خبر دینی تھی تمہیں۔

ہاں بولو۔

بران ھلڈ:::: فلسطین کی زمین کی وارثت کو حاصل کرنے میں جن لوگوں کو تک اکھٹا کر سکو کر لو۔جلد ہی لوسیفر کو موت کی نیند سولانے کا وقت آنے والا ہے۔

میری تیاری تو مکمل ہے میں نے لوسّیفر کے قریب ترین باڈی گارڈز میں سے کچھ کو تبدیل کروا کر اپنے ادمیوں کو بھیج دیا ہے۔

مگر ابھی بھی لوسیفر کے قریب ترین آدمی اُس کے ساتھ ہیں جو اُسے اکیلا نہیں چھوڑتے۔

بران ھلڈ::::اُس کی بیوی کی کیا خبر ہے۔کوئی موقع ہے ؟؟؟

ترکی سے واپسی پر یہ موقع مل سکتا ہے۔البتہ ہوٹل کے اندر سے اُس کی بیوی کو اکیلا نکلنا ممکن نہیں ہے۔

بران ھلڈ:::: ٹھیک ہے۔

کوئی اور خبر ہو تو فوراً اطلاع کر دینا

ہاں ٹھیک ہے۔میں یہاں اسی لیے ہوں کہ لوسیفر کی موت کا نظارہ کر سکوں۔

بھاؤ آپ کے خیال میں ان اب میں پیچھے کون ہے۔

سکندر:::: جمشید یہ تو وہاں پہنچ کر ہی پتہ چلے گا۔اُس ڈرگ کا ترکی میں ہونا کچھ اچھا اندیشہ نہیں دے رہا۔

جمشید:::: بھاؤ اس ڈرگ سے یاد ہے نہ کہ کتنے لوگ مرے تھے۔

سکندر:::: اُس ڈرگ کے سمپل کے بنا اس ڈرگ کو بنانا ممکن ہی نہیں۔

بابر عطاری کو مار کر میں نے اُس ڈرگ کا ناموں نشان مٹا دیا تھا۔ پھر کیسے ممکن ہے؟

جمشید:::: بھاؤ ہم یہ سب کیسے روکیں گے؟؟؟

سکندر:::: جمشید کوئی اپنا ہے ھمارے بیچ اُس کے علاوہ یہ ممکن ہی نہیں۔

جیسے پہلے روکا تھا ویسے ہی۔

وہ جو لڑکی تمہیں ملی تھی اُس سے کچھ پتہ چلا

جمشید:::: نہیں بھاوہ ڈری ہوئی ہے۔

سکندر:::: دشمن بل میں بیٹھ کر جتنی بھی کوشش کیوں نہ کر لے۔ بلآخر اُس کی موت کا پروانہ میرے ہاتھوں سے ہی اڑنا۔

اور پھر یہ کہتے سکندر بولا

سکندر:::: مجھ میں موجود اگر اصل لوسیفر جاگ گیا تو کسی کو کسی طور بھی اس زمین کے اوپر تو کیا زمین کے اندر مردہ حالت میں بھی چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔

سکندر:::: مارکس سے پتہ کرواؤ کہ کیا یہ ڈرگز مارکیٹ میں کسی طرح بھی اِن ہوا ہے؟

اگر ہوا ہے تو پھر سمجھو کہ وہ بندہ دنیا سے غائب ہونے والا ہے۔

اور پھر جمشید گاڑی کو روکتا بولا۔

جمشید:::: بھاؤ ہم پہنچ گئیں ہیں۔

سکندر:::: تم مارکس سے پتہ کرواؤ اور پھر یہ کہتا سکندر گاڑی سے نکل گیا۔۔

برون ہلڈ:::: لوسیفر الکے ایمن کے اڈے پر پہنچ گیا ہے۔

فون کو کان سے لگائے وہ بولا

کمرے میں ایک دم اندھیرا کیے وہ شخص کُرسی پر مسلسل جھول رہا تھا۔ کھڑکی سے آتی روشنی سوائے اُس کے چہرے کے جسم کے سارے اعضاء کو واضح کر رہی تھی۔

ایک چین گلے پر پہنے کراس کے نشان کو دیکھا کر اُس کی انگلیوں کی گرفت پر گھوم رہی تھی۔

اچانک پیروں کی سمت سے ایک بہت بڑا سانپ جو لمبائی میں تقریباً اٹھائیس فٹ لمبا تھا اُس کی ٹانگوں کی سمت سے چڑھتا اُس کے گلے کے گرد چکر کاٹتا اُس کے چہرے کے قریب آ گیا۔

وہ خاموش بیٹھا اُس کی بات کو سن رہا تھا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اُس طائپن نسل کے سانپ کو اپنے ہاتھوں سے پیار کرنے لگا

وہ سانپ اسورا کے کی گردن کے گرد لپیٹا اپنے ڈسنے والی زبان کو نکال کر رہا تھا۔ مگر وہ کسی طرح بھی اُسے نقصان نہیں پہنچا رہا تھا۔

بران ہلڈ کی بات پر اسورا اپنے سانپ کے سر پر ہاتھ پھیرتا مسکرا رہا تھا اور صرف خاموشی کا اظہار کرتے مقابل کو کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔

برون ہلڈ::::وہ ہمارے بچھائے گئے جال میں پہنچ چکا ہے۔

جیسے کے آپ نے بولا تھا ویسے ہی وہ ڈر گز وہاں رکھ دیے گئے تھے جیسے کہ آپ نے کہا تھا۔

باس؟اب کیا کرنا ہے؟

میں تو کہتا ہوں یہ اچھا موقع ہے لوسیفر کو یہی مار دیتے ہیں۔

آسورا؟؟؟؟؟

اسورا جو سانپ کو پیار کرتے ہوئے اچانک اُس کی بات پر روکا تھا اُس کے چہرے کے تاثرات سنجیدگی میں بدل گئے

آسورا::::: تمھیں زندگی چاہئے یا پھر موت؟

بران ہلڈ:::::میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔

آسورا:::::ناگینی(سانپ))بہت بھوکی ہے وہ شکار کرنا چاہتی ہے۔

تم کب آ رہے ہو ؟

بران ہلڈ اسورا کی بات پر تھوک کو نگلنے لگا تو بولا۔

بران ہلڈ '::::: نہیں اسورا۔ جیسا تم کھو گے ویسا ہی ہو گا۔

اسورا:::::: حملے کے لیے آدمی اندر بیھجو۔

ناگنی کو یہ سب دیکھنا بہت پسند ہے۔

بران ہلڈ:::: جان سے مارنا ہے ؟؟؟؟

اسورا:::: پہلے چھپ کر سانپ کی طرح بنا آہٹ کے شکار کی چال کو سمجھو پھر آہستہ آہستہ اُس کے قریب بڑھتے جاؤ۔

اس کے کمزور حصے کو سانپ کی تیز نظروں سے بھانپتے ہوئے۔اس کے بچاؤ کے تمام راستوں کو بند کر دو۔اُس کے بعد اپنی چال کو چلتے ہوئے اُس رخ سے جھپٹ کر وار کرو جہاں سے اُس کا تصّور کرنا بھی نا ممکن ہو اور پھر اپنا سارا زہر اُس کی رگوں میں بھر کر اپنے شکار کی موت کا مزہ لو۔

بران ہلڈ آسورا کی باتوں سے خوف میں مبتلا ہو گیا تو بولا۔

براان ہلڈ:::::می۔۔میں میں سمجھ گیا ہوں۔

اسورا:::::گوڈ۔

اور پھر یہ کہتا اسورا فون بند کر گیا۔اور ناگنی کو گردن کی لپیٹ میں رکھتے ہوئے سر کو کُرسی سے لگائےتا کُرسی پر جھومنے لگا۔

اسورا:':::ناگینی جلد ہی تمھیں کھانے میں میرا سب سے بڑا دشمن ملنے والا ہے۔

اور پھر اسورا قہقہ لگا کر ہنسنے لگا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر اندر داخل ہوتا آس پاس نظر گھومانے لگا۔

چاروں اطراف کو اپنی نظروں کے گھیرے میں لیے کو کچھ سوچنے لگا۔

جمشید پیچھے سے اندر داخل ہوا تو بولا۔

.جمشید:::::بھاؤ یہ ڈر گزرا بھی مارکیٹ میں ان نہیں ہوئے

سکندر:::::جمشید کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔

جمشید::::: کیوں بھاؤ کیا ہوا ہے ؟؟؟

.سکندر::::: ہمیں یہاں لایا گیا ہے

جمشید:::: کیا مطلب بھاؤ؟؟؟

سکندر اچانک موڑا تو چیلا کر بولا۔

.سکندر::::: نیچے جھو کو ابھی

جمشید سکندر کی ایک آواز پر نیچے کو جھکا تو اوپر کی طرف سے چاکو کی تیز دھار نے اُس کی آنکھوں کو پھٹنے پر مجبور کر دیا

مگر اس سے پہلے کے دوسرا وار جمشید کی کمر کے حصے کو چاک کرتا۔

جمشید فوراً سے نیچے کی طرف سے موڑتا بولا۔

جمشید::::: سالے پیچھے سے وار کرنا نامرد کی نشانی ہے

اور پھر اُس کے بازوں پر زوردار ٹانگ کے وار سے وچاکو نیچے کو گرا تو دوسرے ہاتھ سے جمشید نے اُس چاکو کو پکڑتے اُس آدمی کی گردن کاٹ دی۔

ابھی کہ وُہ موڑا ہی تھا کہ دوسری طرف سکندر اب تک تین ادمیوں کو مار گرا چکا تھا جب کہ چوتھا آدمی ابھی اُس کی گرفت میں پھنسا ہوا تھا۔

اس کے بازوں کو ایک جھٹکے سے سکندر توڑتا بولا۔

سکندر::::: موت مجھے پسند نہیں۔زندگی کو مجھ سے وفا نہیں۔

پھر بھی خوف مجھ میں پلتا نہیں۔کیوں کہ لوسیفر کسی سے ڈرتا نہیں۔

اور پھر اُسے اٹھاتا سکندر ریلنگ سے باہر نیچے کی طرف پھینک گیا۔

جمشید جو سکندر کے مارنے کے انداز کو دیکھ رہا تھا بس دیکھی ہی جا رہا تھا۔

دو آدمی سکندر کے دائیں اور بائیں طرف سے بھاگتے ہوئے آئے تو ایک کو ٹانگ مار کر سہارا لیتے ایک الٹ بازی ماری تو دوسرا اپنے اوپر سے سکندر کو جاتا دیکھنے لگا۔

ابھی کہ وہ پورا موڑتا سکندر نے ایک جھٹکے سے اُس کی گردن کو بائیں جانب زور سے کرتے توڑ دیا۔

اچانک ایک آدمی نے جمشید کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ جمشید نے اپنے سر کو زور سے اُس کے سر پر مارا تو وہ اُس سے جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

جمشید کا سر کچھ گھوم رہا تھا۔ ماہر اگلے ہی پل وہ خود کو جھٹکتے ہوئے خود سے بولا۔

جمشید::: اگلی بار سر سے وار نہ کرنا جمشید۔ ہو۔۔۔۔

اور پھر اُس آدمی کا سر زور سے پکڑ کر دیوار پر مارنے لگا۔

دوسری طرف سکندر ایک اور آدمی سے خود کا بچاؤ کر رہا تھا جو تیز دھار چاکو سے اُس کے پیٹ کو چاک کرن کی کوشش کر رہا تھا۔

سکندر نے ایک پل میں ہی اُس کے چہرے پر وار کرتے اُسے پیچھے سے پکڑا اور پھر اُس کے ہاتھ میں موجود چاکو کو اُس کی گردن پر رکھتے اُس کی گردن کو اُسی کے ہاتھوں سے کاٹ دیا۔

جمشید اُس آدمی کو مارتے ہوئے ابھی پیچھے ہی ہٹا تھا کہ ایک آواز نے اُس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

ابھی جمشید اپنی بائیں جانب موڑا ہی تھا کہ ایک چاکو اُس کو اپنی آنکھ کے اتنا قریب نظر آیا کہ صرف ایک پل میں جمشید اپنی آنکھ سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

وہ چاکو جمشید کی آنکھوں کو پھٹنے پر مجبور کر گیا۔ مگر اُسی پل میں کچھ ایسا ہوا جو جمشید کی سانسوں کو تھمنے پر بھی مجبور کے گیا۔

اس کے بائیں کان کی طرف سے ایک چاکو نکلتا اُس آدمی کی دائیں آنکھ میں جا گھسا۔

اور جمشید اُس منظر کو اتنا قریب سے دیکھ ساکن ہو گیا۔

اور خون کی چھینٹے اُس کے چہرے پر ہر طرف پھیل گئیں۔

اور وہ آدمی اپنے چہرے کے آخری تاثرات کو لیے اور آنکھ میں وہ چاکو لیے زمین پر گر گیا۔

جب کہ جمشید یہ منظر دیکھ کر اٹکے قدموں سے موڑتے ہوئے سکندر کو دیکھنے لگا وہ اپنی گرفت میں لیے ایک آدمی کا گلا کاٹ کر اُسے دوسری طرف پھینک رہا تھا۔

اور بولا۔

جمشید:::::شکریہ۔۔بھاؤ۔

.سکندر چہرے پر کوئی تاثر دیے بنا بولا

سکندر:::::اپنی نظروں کو چاروں طرف رکھا کرو۔کسی دن کوئی اور سالہ پیچھے سے حملے کر بیٹھا نہ تو تمہیں بولنے کہ بھی موقع نہیں ملے گا۔

اور پھر جمشید جی کہتا بولا۔

جمشید:::::بھاؤاب کیا کرنا ہے؟؟؟

سکندر:::::یہاں سے نکلا ہے۔

اور پھر سکندر یہ کہتا وہاں سے جمشید کے پاس سے گزرتا ہوا بولا

سکندر:::::چلو بھی۔

اور پھر دونو وہاں سے نکل گئے۔

زیمل ابھی نماز ادا کرنے بعد صوفے پر آکر بیٹھی تھی۔ نجانے اُسے پھر سے نیند کیوں آرہی تھی۔

صوفے پر بیٹھے بیٹھے زیمل کو جمائیاں آنے لگی اور آنکھوں سے پانی نکلنے لگا۔
مگر کچھ دیر نا سونے کی کوشش کرتے ہوئے بھی وہ دیکھتے ہی دیکھتے پھر سے سو گئی۔

زیمل اپنے خوابوں کی دنیا میں ایک بار پھر سے ڈوب چکی تھی۔

(خواب

چھوٹی زیمل اپنے ننے قدموں سے مسکراتے ہوئی بھاگ رہی تھی۔

زیمل:::: مجھے پکڑ لو۔

سالار:::: زیمل واپس آؤں۔

زیمل::::: مجھے پکڑ لو سالار

سالار::::: زیمل رُک جاؤ گر جاؤ گی تم۔

زیمل:::: مجھے پکڑ کر دیکھاؤ۔

سالار::::زیمل آگے دیکھ کر

سالار ایک دم چیخا تو زیمل اگلے ہی قدم ایک کھائی میں گر گئی۔

اور پھر ایک زوردار چیخ زیمل کی گونجی۔

سالار::::زیمل۔۔۔۔۔۔ل۔۔۔ل۔۔۔ل

دوسری طرف سالار ایک پل میں ہی اپنی نیند سے بیدار ہوا تو جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

جب کہ زیمل ابھی تک ہی اپنے خواب میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ چیختی ہوئے اُس کھائی کے اندھیروں میں گرتی ہے چلی گئی۔

اور پھر اچانک وہ کھائی جو اندھیروں کی شروعات سے شروع ہوئی تھی وہ روشنی اور پھولوں میں بدل گئی۔

اور پھر آس پاس پھولوں کی مہک زیمل کے وجود میں جاتے ہی اُس کے چہرے پر ہزاروں رنگ بکھیر گئی۔

مگر کسی کے رونے کی آواز زیمل کے کانوں میں گونجی تو وہ اُس کھائی کی گہرائی میں پہنچ کر اب اپنے قدم رکھ کر اُس آواز کا پیچھا کرنے لگی۔

وہ آواز اُس کھائی میں موجود ایک غار سے آ رہی تھی۔

جیسے جیسے زیمل اُس آواز کا پیچھا کرنے لگی۔ ویسے ویسے وہ اُس غار کے قریب جانے لگی۔

جیسے ہی وہ اُس غار تک پہنچی تو وہاں اُسے ایک بچا دیکھا۔

جو کافی ڈرا ہوا اور خوفزدہ تھا۔۔

زنک اپنے ننّے قدموں سے بڑھتے ہوئے بولی۔

زیمل:::: تم کون ہو؟

وہ بچا زیمل کی آواز کی طرف متوجہ ہوتے اُسے دیکھنے لگا تو بولا

تم کو۔۔۔ کون ہو؟

زیمل::::: میرا نام زیمل ہے۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو۔؟؟؟

اور رو کیوں رہے ہو؟

میں یہاں قید ہوں اور مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔

مجھے ماں کے پاس جانا ہے۔

زیمل:::: تم رو نہیں میں ہوں نا۔

اچانک ایک آواز زیمل کے کانوں سے گونجی تو سامنے کا منظر سرسبز ہو گیا۔

دوبارہ پلٹنے پر وہ بچا بھی غائب ہو گیا۔

زیمل یہاں وہاں دِیکھنے لگی تو اُسے دور ایک لڑکی نظر آئی جو ایک درخت سے لپٹے سوئی ہوئی تھی۔

زیمل اپنے ننے قدموں سے اُس کی طرف بڑھی تو بولی۔

زیمل:::: تم کون ہو؟

اور تم یہاں کیوں سو رہی ہو۔

وہ لڑکی زیمل کی آواز پر نیند سے بیدار ہوئی تو بولی۔

میں کہاں ہوں۔

زیمل::::: تم کھائی میں ہو۔

وہ لڑکی زیمل کی بات پر ایک اور سوال کرتی بولی۔

تم کون ہو؟

زیمل'::: میرا نام زیمل فاتح ہے۔

تم کون ھو۔

وہ لڑکی زیمل کی بات پر چونکی تو بولی۔

میرا نام بھی زیمل فاتح ہے۔

میرا سر۔۔۔۔

اچانک وہ لڑکی اپنے سر کو پکڑے بولی۔

زیمل::::: کچھ کھاؤ گی؟

زیمل پاس سے ایک پھل اٹھاتے ہوئے بولی۔

بڑی زیمل:::: نہیں مجھے بھوک نہیں ہے

چھوٹی زیمل:::: ویسے تم یہاں کیوں سو رہی ہو؟

بڑی زیمل:::: معلوم نہیں

اچانک چھوٹی زیمل زمین سے کھڑی ہوئی تو بولی۔ تُمھیں بابا بلا رہے ہیں۔

بڑی زیمل:::: کیا؟؟

چھوٹی زیمل:::: میرے ساتھ آؤ زیمل۔

اور پھر وہ چلتے چلتے اُسے ایک درخت کے پیچھے لے گئی۔

سامنے ہی فاتح ایک ببر شیر کے پاس کھڑا مُسکرا کر بولا۔

فاتح:::: تم دونوں آگئی ہو۔ میں تم دونوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

چھوٹی زیمل بھاگتے ہوئی فاتح سے جا لپٹی تو بڑی زیمل اُسے مُسکرا کر دیکھنے لگی۔

اور پھر اچانک وہ زیمل جو فاتح سے لپٹی تھی ایک خوبصورت پھول میں بدل گئی۔

زیمل غور سے یہ منظر دیکھنے لگی تو بولی۔

زیمل:::: بابا یہ کیا ہوا؟

فاتح:::: آؤ میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔

زیمل اس پھول۔ کو دیکھتے ہوئے اپنے قدموں کو بڑھانے لگی اور پھر اُس پھول سے کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

زیمل:::: بابا یہ کیا تھا۔؟؟

فاتح:::: یہ تمہارا بچپن ہے زیمل۔

?زیمل:::: یہ میں تھی

فاتح:::: ہاں یہ تم تھی۔ تُمھیں یہاں تک لانے کے لیے مجھے تُمہارے بچپن کی ضرورت تھی۔

زیمل:::: بابا کیوں؟

فاتح:::: زیمل تُمھیں اس پھول کی مدد کرنی ہے۔؟

زیمل:::: بابا اس پھول کی؟

فاتح:::: ہاں۔ یہ پھول بہت قیمتی ہے۔ اس کی مدد تُمھیں ہی کرنی ہے۔

زیمل:::: مگر بابا یہ تو آپ کے پاس ہے پھر اس کو مدد کی کیا ضرورت؟

فاتح::::: یہ میرے پاس ہے اس مدد کے لیے میں نے تمہیں بلایا ہے۔

جہاں یہ ملے اُس کے پاس چلی جانا۔

زیمل:: بابا وہ کون ہے؟

اچانک زیمل پیچھے ایک لڑکے کو دیکھ کر بولی جس کا چہرہ واضح نہ تھا۔

فاتح::::: وہ؟؟

زیمل::::: جی بابا

فاتح:::: زیمل میری بیٹی۔۔ صحیح وقت آنے پر تم جان جاؤ گی تب تک اس پھول کی حفاظت کرنا۔

اور پھر زیمل ایک جھٹکے سے نیند سے اٹھ گئ۔

تو اُسے اپنی زبان پر ایک ہی لفظ ادا ہوتا محسوس ہوا۔

زیمل::::: پھول۔۔۔۔ پھول۔

اس کا سر دکھ رہا تھا۔اچانک باہر کھڑکی کی طرف نظر گئی تو اُسے کھڑکی کے پاس ایک کوئل کا بچہ دیکھا۔

۔اپنی جگہ سے اٹھتی وہ کھڑکی کی طرف گئی تو اُس بچے کو دیکھنے لگی۔

جمشید::::: بھاؤ الکے ایمن تو مارا گیا ہے۔اور گوز بریگیز کے ادمیوں کے ساتھ تو ڈیک ہو چکی ہے۔

پھر یہ حملے کن کے ادمیوں نے کیا ہے۔

سکندر::::: جمشید چکنا رہو۔کوئی اپنا بیھدی ہے جو بیھد کھول رہا ہے۔

جمشید::::: بھاؤ کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟؟

سکندر::::: شک وشبہ کی بات میں نے کبھی کی نہیں۔۔

جمشید::::: بھاؤ آپ پریشاں ہیں؟؟

سکندر:::: نہیں پریشان نہیں ہوں۔سوچ رہا ہوں کہ سارے معاملے کے پیچھے کون ہو سکتا ہے۔

آپ ڈر گز تیار تو کیے گئے ہیں پر مارکیٹ میں ان نہیں ہوئے۔

مطلب کہ رکھنے والا جانتا تھا کہ میں وہاں ضرور آوں گا۔

جمشید::::: بھاؤ میرے خیال سے ہمیں واپس پاکستان چلنا چاہیے۔

یہاں خطرے سے رہنا خالی نہیں ہے۔

سکندر:::::::: دو دن بعد کے انتظامات کرو۔جب تک پتہ نہیں چلتا۔تب تک سکون سے دشمن کے حملوں کا مزا لو۔

اچانک گاڑی چلتے ہوئے زور زور سے دائیں بائیں ہلنے لگی۔

جمشید:::: بھاؤ گاڑی۔۔

ابھی کہ جمشید کچھ اور بولتا اس سے پہلے ہی دائیں جانب دور سے نظر آتی ایک بہت باری بلڈنگ گر گئی۔

سکندر یہ منظر دیکھ رہا تھا وہ بلڈنگ دیکھتے ہی دیکھتے ملیہ میٹ ہوئے گئ

ابھی کہ سکندر کچھ کہہ پاتا کہ اچانک ہر طرف ھربری شروع ہو گئ۔

ہارن کی آوازوں سے ہر طرف شور برپا ہو گیا۔

لوگ دیکھتے ہیں دیکھتے اپنی گاڑیوں سے نکلنے لگے۔

ٹریفک جام ہو گئی۔

چہروں پر خوف کی ایک لہر جاگ اٹھی۔

مگر خوف تو اُس وقت اور شدت اختیار کر گیا جب پل کے دائیں اور بائیں جانب سے کچھ بلڈنگز گرنے لگی۔

جو ایک دوسرے پر گرتے ہوئے لوگوں کی چیخوں کو سُننے لگی۔

جمشید گاڑی کو روکتے ہوئے بولا۔

جمشید::::: بھاؤ یہ زلزلے کے جھٹکے ہیں۔

گاڑی میں لگا سینسر جھٹکوں کی شدت ۹ء۷ بتانے لگا۔

جس پر جمشید بولا

جمشید::::: بھاؤ۔۔۔

سکندر ابھی گاڑی سے باہر نکلا ہی تھا کہ زمین اتنی زور زور سے جھٹکے دینے لگی جیسے ابھی سب کو اپنی لپیٹ میں لے گی۔

ایک لڑکی سکندر سے ٹکرائی تو سکندر اُسے پکڑتا کھڑا کرنے لگا۔

جو ایک ہی پل میں سکندر سے دور ہوتے آگے کی طرف بھاگنے لگی

سکندر کے دماغ میں اب صرف زیمل کا خیال تھا۔

آس پاس لوگ زمین پر بیٹھے اونچی اونچی کلمہ پڑھنے لگے۔ ہر کوئی اُس تباہی کے منظر کو دیکھ اپنے دلوں پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا۔

زلزلے کے جھٹکوں نے اُن لوگوں کی آوازوں میں ایک خوف کی لہر کو دوہرایا تھا۔

یہاں تک کہ سکندر خود بھی اپنی دھڑکنوں کو سینے سے ٹکراتے محسوس کر رہا تھا۔

چیخوں کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ ہر طرف تباہی کا سماں تھا۔

اچانک پیچھے کی طرف سے دل دہلا جانے والی آواز سکندر کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ پیچھے کی طرف موڑا۔

اس کا دل زیمل کو فکر میں اس قدر دھڑک رہ تھا کہ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہاں سے کیسے زیمل تک جا پہنچے۔

پیچھے موڑتے ہی ایک عالی شان عمارت جو شاید دو سے تین سال پہلے ہی وہاں تعمیر کی گئی تھی وہ بہت سے لوگوں کی چیخوں کے ساتھ زمین میں دبّ گئی۔

آس پاس اتنی تباہی دیکھ کر سکندر کا دل زیمل کے خیال سے ڈر گیا تھا۔

زیمل۔۔۔ تم ٹھیک ہوں نہ۔

فوراً سے گاڑی سے فون نکالتا سکندر زیمل کو فون ملنے لگا۔

مگر فون بند ہونے کی خبر کا سنتے ہی سکندر کو اپنا آپ سنبھلتا محسوس نا ھوا۔

سکندر::::ج.....ج۔۔م۔۔۔شید

جمشید:::بھائی۔۔۔آپ ٹھیک تو ہیں۔

سکندر::::آ۔۔۔اپنے اپنے۔۔۔ادمیوں کو۔۔۔فو۔۔۔ن کرو۔۔۔ ھوٹل۔۔

جمشید کے دماغ میں اچانک زیمل کا خیال آیا تو چہرے پر ہاتھ پھیرتا بول۔

جمشید:::: میں۔۔۔میں۔۔ کرتا ہوں۔

زلزلے کے جھٹکے ابھی تک تیز تھے۔۔

اور پھر سکندر کی نظر پل کے سامنے والی جانب پڑی جہاں بلڈ نگ کا ایک حصہ پل کو توڑتا ایک لڑکی کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔

جمشید وہاں فون ملانے میں مصروف تھا۔

جب سکندر چیلا کر بولا

سکندر:::: جمشید۔۔۔

جمشید سکندر کی بے قابو ہوتی حالات کو دیکھ کر بولا۔

جمشید:::: بھ۔۔۔بھا۔۔۔بھائی۔۔۔ کوئی بھ۔۔۔ی فون ن۔۔ہیں۔۔ اٹھا رہا۔

سکندر اپنے دل۔ پر ہاتھ رکھتا اٹھا اور بولا۔

سکندر:::: زیمل ٹھیک ہے۔۔۔ وہ ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں۔۔ وہ ٹھیک ہے۔۔

زیمل کو کچھ نہیں ہوا۔ میں زندہ ہوں اس لیے وہ بھی زندہ ہے۔
اچانک بے قابو ہوتی کیفیت سکندر پر حاوی ہو گئی اور سکندر مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا۔۔

سکندر::::اُسے کچھ نہیں ہوا ہو گا۔ میں جانتا ہوں۔
وہ میری بیوی ہے۔ سکندر صالح کی۔
وہ مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑ کر جائے گی۔
ابھی کہ زلزلے کے جھٹکے کم بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ سکندر جمشید کی طرف دیکھ کر بولا

سکندر::::اُسے کچھ نہیں ہو گا۔ میں اُسے ڈھونڈھ لوں گا۔
۔اور پھر وہ یہ کہتا وہاں سے بھاگنے لگا۔
جہاں لوگ زلزلے کے تیز جھٹکوں سے خوف زدہ ہوتے زمین پر بیٹھے تھے
سکندر اپنے دل پر اُس ہاتھ کا احساس محسوس کرتا بولا
سکندر::::اب اگر تم بھی چھوڑ کر گئی تو سکندر صالح مر جائے گا۔

مجھے اس تکلیف سے مت گزار نازیمل۔

سکندر کی آنکھیں نم ہو گئی تھی۔

آس پاس کی بلڈنگز جو زلزلے کے جھٹکوں سے بھسم ہو رہی تھی

ڈھول مٹی نے جہاں ہوا کی جگہ لی تھی اُن سب کو چیرتا سکندر صرف ایک لڑکی کے لیے اپنے قدموں میں مضبوطی پیدا کرتا بھاگتے ہی چلا جا رہا تھا۔

سکندر::::: کچھ چھن رہا ہے مجھ سے۔

سکندر بھاگتے ہوئے چیلا رہا تھا۔

سکندر:::::؛زیمل۔۔۔۔۔۔زیمل۔۔۔۔۔۔۔مجھے چھوڑ کر مت جانا۔

میں مر جاؤ گا۔

اس کے قدموں میں اس قدر تیزی تھی کہ لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوتے چلے جا تا رہی تھے۔۔۔

نجانے کب زلزلے کے جھٹکوں نے کمی پکڑی اُس دیوانے شوہر کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔

راستے میں کرنے ہی روتے چہرے اُس نے دیکھے۔

سکندر:::::میں نہیں رونا چاہتا۔زیمل۔۔۔اپنی سانسوں کو میرے لیے چلتے رکھنا۔

وہ یہ بات روتے ہوئے بول رہا تھا۔

ایک بات اس کر قدم لڑکھڑائے نہیں تھے۔

اپنی آنکھوں پر بار بار ہاتھ پھرتا وہ بس بھاگتا ہی چلا جا رہا تھا۔

انکھوں کو بند کرتا وہ خود کو زیمل کی گود میں سر رکھے دیکھنے لگا۔۔

سکندر:::::۔۔مجھے تنہا نا کر دینا

اور پھر کچھ ہی پل میں سکندر ہوٹل تک پہنچ گیا۔

اور پھر اُس نے وہ دیکھا کہ جس کا تصور کرنے کی بھی وہ کوشش نہیں کر رہا تھا۔

آگے دھول مٹی اور بے حال زخمی لوگ سے وہ جگہ بھری پڑی تھی۔

سکندر کا سانس پھولا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں سے دو انسوں نکلے تو وہ اب کی بات لڑ کھڑاتے قدموں سے آگے کو بڑھا۔

مگر سامنے کا منظر دیکھ وہ گھٹنوں کو بل بیٹھا چیخنے لگا۔

سکندر:::: اوooooooooooooo

وہ بلڈ نگ جہاں وہ صبح زیمل کو چھوڑ کر گیا تھا وہ اپنی جگہ پر موجود ہے نہیں تھا۔۔۔

ملبوں کا ڈھیر لگا تھا۔ مدد کے لیے لوگ ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے۔

سکندر اپنے بالوں کو پکڑے چیخنے لگا۔

اس کا دل پھٹ گیا تھا۔

وہ اتنی شدت سے چیخ کہ آس پاس لوگ اُس کے چیخنے پر ڈر گے تھے

اس کی چیخیں اس قدر دل دہلا دینے والی تھی کہ ابھی لوگ سکندر سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہونے لگے۔

سکندر کے منہ سے کوئی لفظ ادا نہیں ہوا تھا۔

وہ شدید درد سے چیخ کر رو رہا تھا۔ وہ زمین پر زور زور سے موکے مارنے لگا۔

اس دل اور آنکھیں پھٹ رہی تھی۔

کسی میں اُس کی یہ حالت دیکھ اُس کے پاس جا کر پکڑنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس کے درد کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

اچانک جمشید بھاگتا ہوا سکندر کی طرف بڑھا اور بولا۔

جمشید::::::بھائی۔۔۔۔۔۔۔آپ۔۔

سکندر:::::جمشید وہ بھی مجھے چھوڑ گئی۔

میں زندہ کیوں ہو۔یار

میری سانسیں کیوں چل رہی ہیں۔

میرا دل کیوں دھڑک رہا ہے۔

میں مر کیوں نہیں جاتا ہوں۔

موت کیوں نہیں آتی مجھے۔

میں اس درد اس تکلیف کے ساتھ کیسے زندہ رہوں گا۔

جمشید میں کیسے زندہ رہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر اس قدر تکلیف میں بول رہا تھا کہ اتنا تو کبھی جمشید نے اُسے نو سال پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔

سکندر اپنے دل کی طرف زور زور سے ہاتھ مارتا اپنے دل کو نہ دھڑکنے کا کہنّے لگا۔

سکندر::::: بند ہو جا۔۔۔۔ بند۔۔۔ ہو۔۔۔ بند۔۔۔ ہو جا۔۔

جمشید::::: بھ۔۔۔۔۔۔

سکندر::::: زیمل۔۔۔۔۔۔ل ل ل ل ل ل

اہہہہہہہہہہہہہہہ

سکندر چیختے ہوئے زمین پر گر کر رونے لگا۔

تو جمشید آگے کو بڑھا تو ساتھ ہی دو تین آدمی اور سکندر کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے۔

سکندر::::: زیمل۔۔۔ زیمل۔۔۔ میں مر جاؤں گا تمھارے بنا۔

سکندر صالح ٹوٹ رہا ہے۔

سکندر:::: اااااااااااااااا

وہ بلڈنگ جہاں وہ صبح زیمل کو چھوڑ کر گیا تھا وہ اپنی جگہ پر موجود ہے نہیں تھا۔۔۔

ملبوں کا ڈھیر لگا تھا۔ مدد کے لیے لوگ ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے۔

سکندر اپنے بالوں کو پکڑے چیخنے لگا۔

اس کا دل پھٹ گیا تھا۔

وہ اتنی شدت سے چیخ کہ آس پاس لوگ اُس کے چیخنے پر ڈر گے تھے

اس کی چیخیں اس قدر دل دہلا دینے والی تھی کہ ابھی لوگ سکندر سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہونے لگے۔

سکندر کے منہ سے کوئی لفظ ادا نہیں ہوا تھا۔

وہ شدید درد سے چیخ کر رو رہا تھا۔ وہ زمین پر زور زور سے موکے مارنے لگا۔

اس دل اور آنکھیں پھٹ رہی تھی۔

کسی میں اُس کی یہ حالت دیکھ اُس کے پاس جا کر پکڑنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس کے درد کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

اچانک جمشید بھاگتا ہوا سکندر کی طرف بڑھا اور بولا۔

جمشید::::::بھائی۔۔۔۔۔۔آپ۔۔

سکندر:::::جمشید وہ بھی مجھے چھوڑ گئی۔

میں زندہ کیوں ہو۔ یار

میری سانسیں کیوں چل رہی ہیں۔

میرا دل کیوں دھڑک رہا ہے۔

میں مر کیوں نہیں جاتا ہوں۔

موت کیوں نہیں آتی مجھے۔

میں اس درد اس تکلیف کے ساتھ کیسے زندہ رہوں گا۔

جمشید میں کیسے زندہ رہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر اس قدر تکلیف میں بول رہا تھا کہ اتنا تو کبھی جمشید نے اُسے نو سال پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔

سکندر اپنے دل کی طرف زور زور سے ہاتھ مارتا اپنے دل کو نہ دھڑکنے کا کہنّے لگا۔

سکندر::::: بند ہو جا۔۔۔۔ بند۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔ بند۔۔۔۔ ہو جا۔۔

جمشید::::: بھ۔۔۔۔۔۔

سکندر::::: زیمل۔۔۔۔۔۔ل ل ل ل ل ل

اہہہہہہہہہہہہہہہ

سکندر چیختے ہوئے زمین پر گر کر رونے لگا۔

تو جمشید آگے کو بڑھا تو ساتھ ہی دو تین آدمی اور سکندر کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے۔

سکندر::::: زیمل۔۔۔۔ زیمل۔۔۔۔ میں مر جاؤں گا تمھارے بنا۔

سکندر صالح ٹوٹ رہا ہے۔

خدارا موت آجائے مجھے۔

جمشید ابھی سکندر کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اُس سے پہلے ہی ایک آواز سب کے کانوں سے ٹکرائی۔

سنے۔۔۔۔

سکندر نے روتی آنکھوں سے سر اٹھا کر دیکھا تو اُسے اپنا دل روکتا ہوا محسوس ہوا۔

سامنے وہ کھڑی لڑکی اپنے سر کو ڈھانپے روتے چہرے کے ساتھ کھڑی سکندر کو دیکھ رہی تھی۔

سکندر کی لال سرخ آنکھوں کے سامنے کا منظر اُسے دوبارہ سے پھوٹ پھوٹ کے رونے پر مجبور کر گیا۔

زیمل لڑکھڑاتے قدموں سے دو قدم آگے بڑھی تو دوسرے ہی پل سکندر زمین سے اٹھتا اُس کی طرف ایسے بھاگا جیسے اُس کی زندگی کا کنواں اُس میں جینے کی چاہ کو بڑھتا اُس کے سامنے موجود ہو۔

سکندر اپنی جگہ سے اٹھتا اُس کی طرف بھاگا اور دوسرے ہی پل زیمل کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے اپنی طرف کھینچ کر اُسے اپنے گلے سے لگا گیا۔

اور پھر پھوٹ کر رونے لگا۔

وہ زیمل کے احساس کی موجودگی کو محسوس کر کے ترپ اٹھا تھا۔اتنا کہ جمشید دور کھڑا اسکندر کو دیکھ کر اُس کی کیفیت پر حیران ہو گیا تھا۔

زیمل جو سکندر سے لگی رو رہی تھی۔

سکندر:::: مجھے لگا۔۔۔۔میں نے تمہیں کھو دیا۔

سکندر روتے ہوئے بولا جب کہ زیمل سکندر سے لگی اور رونے لگی۔

سکندر ایک جھٹکے سے اُسے خود سے الگ کرتا دیکھنے لگا۔

اس کے چہرے پر نظر ڈالتے اُس کی آنکھیں تکلیف اور درد کے ساتھ اُسے دیکھنے پر خوش بھی تھیں۔

سکندر چہرے پر ایک مسکراہٹ کے ساتھ زیمل کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

اس کی آنکھوں سے نکلتے انسوں کو سکندر اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا۔

سکندر:::: آپ ٹھیک ہے۔۔۔زیمل آپ ٹھیک ہے۔۔ہیں نہ۔۔

سکندر اُس لیے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتا رونے لگا۔

: زیمل دوسرے ہی پل نظروں کو جھکا کر سر کو ہاں میں ہلانے لگی۔

سکندر اُس کے چہرے سے اپنے چہرے کو ٹکائے رونے لگا تو بولا۔

سکندر:::: آ۔۔۔پ ن۔۔۔۔ے تو می۔۔۔ری جان نکل دی تھی۔۔

مجھے لگا میں نے زیمل آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔

اور پھر اُسے پھر سے خود سے لگائے بولا۔

سکندر؛:::: میں یہ دوری برداشت نہیں کر سکتا تھا زیمل۔

میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔

اگر آپ چھوڑ کر گئی تو میں مر جاؤ۔ گا۔

یہ دھڑکتا دل بند ہو جائے گا۔

آپ کے بنا نہیں رہ سکتا ہوں میں۔

سب کھو دینے کے بعد آپ کو کھونے کی ہمت مجھ میں نہیں۔ ہے۔

اور پھر اُس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیے بولا

سکندر:::: لگا تھا یہ آنکھیں دیکھنا مجھے نصیب نہیں ہو پائے گا۔

اور پھر سکندر کس احساس کے ساتھ رونے لگا زیمل سکندر کے چہرے کو دیکھ رونے لگی تو اپنے ہاتھوں کو اُس کے چہرے پر رکھتی پھوٹ کر رونے لگی اور

بولی۔

زیمل:::: م۔۔۔ میں۔۔۔ نے اللہ۔۔۔ سے آپکی۔۔۔ زندگی کی

۔۔۔ دعا کی۔۔

میں بھی ڈر۔۔۔ گئی۔۔۔ تھی۔۔

مجھے لگا۔۔۔ کہ

اچانک زیمل سکندر سے لپٹ کر رونے لگی

زیمل::::اللہ کا۔۔ شکر ہے۔۔۔ کہ آپ۔۔۔۔ سلامت ہیں۔

سکندر::::آپ کو کچھ ہو جاتا تو آپ کی قسم میں مر جاتا۔

اور پھر سکندر زیمل کے سر پر ہاتھ پھرتا اپنے لبوں کو اُس کے سر پر لگا گیا۔

سکندر کی آنکھیں لال اور سوجن کا شکار ہو گئی تھیں۔جب کہ زیمل کی آنکھوں میں بھی کچھ سوجن واضح ہو رہی تھی۔

زیمل اپنی کیفیت سے نکلتی سکندر کے سینے سے پیچھے ہوئی تو سکندر زیمل کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے بولا۔

سکندر::::زیمل آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔

آپ ٹھیک ہے نہ۔۔

اور پھر سکندر زیمل کے کپڑوں پر نظر ڈالتا اُس کے کپڑوں سے مٹی کو صاف کرنے لگا۔

ابھی کہ وہ کچھ جھکا ہی تھا کہ اُسے زیمل کے پاؤں سے اُس کا خون بہتا دیکھا۔

سکندر فوراً سے متوجہ ہوا تو بولا۔

سکندر::::: خون نکل رہا ہے۔

زیمل::::: سنے میں ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان نا ہو۔

سکنڈری دوسرے ہی پل کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: نہیں آپ کا خون نکل رہا ہے۔ ایسے نہیں

اور پھر ایک پل میں زیمل کے چہرے کو اُس کے دوپٹے سے صاف کرتا بولا۔

سکندر:::: سب ٹھیک ہو جائے گا

اور پھر زیمل کے گرد اپنے ہاتھوں کا گھیرا ڈالے وہ اُسے اٹھا گیا۔

زیمل ایک پل میں بولی۔

زیمل:::: سنے میں ٹھیک ہوں۔۔ آپ مجھے نیچے اتاریں۔ میں چل سکتیں

ہوں۔

آپ پریشان نا ہو میں چل سکتیں ہو۔

سنے مجھے نیچے اُتار دیں۔۔

جمشید بھائی بھی دیکھ رہے ہیں۔۔

سکندر::::ابھی آپ کچھ بھی کہیں زیمل۔میرے دل کی بے قراری نے ابھی سکونیت اختیار نہیں کی ہے۔

اور آپ میری بیوی ہیں آپ میرے نکاح میں ہیں۔اور میں حق رکھتا ہوں۔

آپ لوگوں کو نہ دیکھیں۔صرف مجھے دیکھیں۔۔اور کسی کو بھی نہیں۔

زیمل نے نظروں کا رخ سکندر کے چہرے کی طرف کیا تو اُسے سکندر کی لال آنکھیں دیکھی تو بولی۔

زیمل:::آپ کی آنکھیں۔۔

سکندر:::اس وقت جو میرے دل کا حال ہے وہ میری آنکھیں بھی بیان نہیں کر سکتی ہیں زیمل۔

جس کرب سے میں ابھی کچھ دیر پہلے گزرا ہوں مجھے لگا کہ اس زمین کے ملنے کی طرح

میرے وجود کا ہر حصہ آپ کو کھو دینے کی تکلیف سے پھٹ گیا ہے۔

آپ نہیں جانتی میں آپ سے کس قدر محبّت کرتا ہوں۔میں بھی نہیں جانتا تھا کہ میں آپ سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔

مگر آج اس محبت کی شدت نے میرے قلب پر ایسی نا قابل برداشت ضرب سے وار کیا ہے کہ اب لگتا ہے کہ آپ اگر ایک پل کے لیے بھی میری انکھوں سے اوجھل ہوئی تو میں سانس نہیں لے پاؤں گا۔

زیمل سکندر کی باتوں کی گہرائی پر رونے لگی تو سکندر بولا

سکندر::::جمشید۔۔۔اُس۔ڈاکٹر کو بلاؤ۔فوراً

آس پاس زخمیوں کو ایمبولینس میں ڈالا جا رہا تھا۔

پورے شہر میں زلزلے کے اتنے تیز جھٹکوں سے خاصی تباہی ہو چکی تھی کہ پورے شہر میں لوگوں کے بچاؤ کی کوششیں شروع ہو گئی تھی

لاشوں کو نکلا جا رہا تھا۔مالبوں کے ڈھیر کو زمین سے اٹھایا جانے لگا۔

جب کہ جمشید زیمل کے زخم کو صاف کرنے کے لیے ایک شیشی لایا۔اور بولا

جمشید::::بھاؤ۔۔۔یہ لگا کر صاف کر لیں۔

سکندر دوسرے پل زیمل کو ایک کھلی ہوئی گاڑی میں بیٹھاتے ہوئی بولا۔

سکندر::::یہ مجھے دو اور تم یہاں سے نکلنے کا انتظام کرو۔

ابھی۔

جمشید::::میں کرتا ہوں ابھی۔

سکندر زیمل کی طرف متوجہ ہو کر بہت فکر مندی سے بولا

سکندر::::میں ابھی صاف کرتا ہوں۔

اور پھر سکندر زیمل کے زخم کو صاف کرنے کے لیے اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گیا۔

سکندر::::جلن تو نہیں پڑ رہی؟؟

زیمل::::نہیں۔

سکندر زیمل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا

سکندر::::میں ٹھیک ہوں۔دل کے علاوہ کہی چوٹ نہیں آئی مجھے۔
حالت میری کچھ بے حال لگ رہی ہے آپ کو۔مگر آپ کو دیکھ کر ٹھیک ہوں میں۔

مجھے لگا میں نے۔آپ کو کھو دیا۔

زیمل رونے لگی تو بولی۔

زیمل::::مج۔۔۔۔ھے ل۔۔۔گا میں آپ ک۔۔و پھر کب۔۔ھی نہیں دیکھ۔۔سکوں۔۔۔۔گی۔

زیمل اچانک سکندر کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولی

زیمل::::مجھے لگا۔۔۔آپ۔۔بھی۔۔سب کی۔۔۔طرح۔۔۔مجھے تنہا۔۔۔چھوڑ گئے۔۔

سکندر::::سکندر صالح مر تو سکتا ہے مگر اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے۔
چھوڑنے کہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا ہے۔
کبھی بھی نہیں۔

اور پھر سکندر زیمل کے چہرے کو خود کے قریب کرتا بولا

سکندر::::: اگر انسان اپنی زندگی کو چھوڑ دے تو وہ موت سے مل جاتا ہے۔

آپ میری زندگی ہے اور زندگی سے ہی جان اور جہان ہوتا ہے۔

اور آپ سے میں کبھی دستبردار نہیں ہونے والا۔

اور پھر زیمل کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر لگاتے ہوئے بولا۔

ہم یہاں سے جلد نکل جائیں گے۔

جمشید:::: بھاؤ

اچانک جمشید سکندر کی طرف آتا ہوئے بولا۔

جمشید::::: ہمیں آگے کچھ پیدل چل کر جانا ہے۔ پندرہ منٹ تک جیٹ

آجائے گا۔

سکندر زیمل کے پاؤں کی طرف متوجہ ہوا تو بولا۔

سکندر::::: دیر کس بات کی ہے۔ چلو چلیں۔

جمشید:::: بھابھی آپ چل سکتی ہیں۔

زیمل کھڑی ہونے لگی تو سکندر وہی زیمل کو اٹھاتے ہوئے جمشید پر سرد نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

سکندر::::تم چلو ہم آرہے ہیں۔

اور پھر زیمل کی طرف بہت محبت سے دیکھتے ہوئے بولا

سکندر::::آپ کو پاؤں پر وزن ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں ہوں نہ

زیمل:::::میں۔۔

سکندر:::آپ بولیں میں سن رہا ہوں مگر آپ کو چلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اور پھر جمشید بولا۔

جمشید::::بھائی یہ لڑکی؟

سکندر جمشید کی طرف متوجہ ہوا تو بولا

سکندر::::یہ کون؟؟

جمشید::::بھاؤ ونڈالارسن

وہی الکے

زیمل::::شکریہ میری جان بچانے کے لیے۔

اچانک زیمل اُس سے۔مخاطب ہوئی تو سکندر بولا

سکندر::::اس نے آپ کی جان بچائی؟؟؟

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی تو سکندر بولا

سکندر::::شکریہ

جمشید یہ بھی ہمارے ساتھ چلیں گی۔

سکندر کو جمشید اُس کے بارے میں پہلے ہی کافی کچھ بتا چکا تھا۔

اور پھر جمشید بولا

جمشید::::بھاؤ اب ہمیں چلنا چاہیے۔

یہ کہتا جمشید اُس لڑکی کو اشارہ کرنے لگا۔

اور پھر سکندر بولا۔

سکندر::::زیمل کچھ دیر تک ہم اس شہر سے نکل جائیں گے۔

اور پھر سکندر زیمل کو اٹھائے چلنے لگا۔

آس پاس لوگ بے حال گرے ہوئے تھے۔کوئی کسی کی مدد کر رہا تھا تو کوئی کسی کی۔

زیمل آس پاس لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔جب کہ سکندر کی توجہ یا تو زیمل کے چہرے پر رکتی تھیں یا سامنے کے منظر پر۔

جمشید::::آپ لوگ ہوٹل سے باہر کیسے نکلے۔

ونڈا لارسن::::وہ می۔۔۔میں۔۔۔تو ویسے ہی باہر نکلی تھی۔

یہ پاس سے گزری تو یہ کافی تیزی میں اپنا فون گرا گیئں۔

بس وہی دینے کے لئے میں نے ان کو آواز بھی دی پر یہ چلی گیئں۔

جب دیکھا تو یہ ہوٹل سے باہر نکل گئیں۔تو میں ان کو فون دینے گئی۔مگر یہ ایک پھول کے پاس کھڑی تھیں۔

میں نے ابھی ان کو آواز ہی دی تھی۔تبھی یہ سب ہو گیا۔

جمشید:::: ٹھیک۔

آپ کو تو نہیں کہی چوٹ آئی۔

نہیں میں مجھے کہیں چوٹ نہیں۔آئی۔

دوسری طرف سکندر زیمل کو اٹھائے راستے کی رکاوٹوں سے نکلتا آگے بڑھ رہا تھا۔

زیمل::::: سنے

آپ مجھے نیچے اُتار دیں۔۔۔آپ تھک گئے ہیں۔

جمشید بھائی بھی کیا سوچ رہے ہوں گے۔

سکندر:::: سن سب رہا ہوں پر ابھی ماننے کی جسارت نہیں کر سکتا ہوں۔

جمشید::::: بھاؤ اس طرف۔

اور پھر سکندر فوراًا یک گلی کی طرف موڑا تو بولا۔

سکندر::: شوہر ہوں آپ کا۔اور جمشید کی فکر نہ کریں جو میں کرتا ہوں جمشید اُس کو سوچنے کی ہمت نہیں کرتا۔

آپ صرف مجھے دیکھیں اور کسی کو نہیں۔

اور پھر یہ کہتا سکندر ایک بلڈنگ کے اندر داخل ہو گیا۔

اور پھر اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔

اچانک ہیلی کاپٹر کی آواز سکندر کے کانوں سے ٹکرائی تو بولا۔

سکندر:::::بس کچھ دیر میں ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔

اور اگر دیکھتے ہی دیکھتے سکندر زیمل کو اٹھائے لفٹ میں داخل ہو گیا۔

اور پھر جمشید اور ونڈا بھی اندر داخل ہو گئے۔

لفٹ سب سے اوپری منزل تک پہنچی تی سکندر بولا۔

سکندر::: پہنچ گئے بس

زیمل سامنے موجود ہیلی کاپٹر کو دیکھنے لگی تو بولی۔

زیمل:::::اب آپ مجھے اُتار دیں۔

سکندر بنا زیمل کی بات کا جواب دیتے ہوئے آگے کو بڑھا۔اور پھر زیمل جو

اندر بیٹھانے لگا۔

سکندر:::::اُتار دیا ہے۔

اور پھر یہ کہتا سکندر زیمل کے ساتھ بیٹھ گیا اور بولا۔۔۔

سکندر::: آج لگا تھا کہ آپ کا ساتھ بھی مجھ سے چھین لیا گیا۔

اور پھر یہ کہتا جمشید کو اشارے سے بیٹھنے کا بولنے لگا۔

جمشید ونڈا کو بیٹھنے کا اشارہ دیتے ہوئی بولا۔

جمشید:':: بیٹھ جاؤ۔

۔اور ونڈا بھی اندر بیٹھ گئ اور جمشید اگلی سیٹ اور بیٹھتے ہوئے بولا۔

جمشید:::: بھاؤ؟؟؟

سکندر:::: ہاں فوراً نکلو یہاں سے

اور پھر یہ کہتے سکندر باہر کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

اور زیمل کو خود سے لگاتے ہوئے بولا۔۔

۔سکندر:::: شکر اُس کا جس نے مجھ سے آج کچھ نگی چھینا

اور پھر سکندر زیمل کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر مسکرا پڑا

وہ اُس کے احساسِ کو محسوس کر کہ مسکرا پڑا اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے سہلانے لگا۔

اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ سب استنبول شہر سے باہر نکل گئے۔

فلضاہ:::: کو سے تم کا میں انتظار کر رہی ہوں اور تم کو کوئی خیال نہیں۔

لیہ::::: سوری یار۔

موم کی طبعیت نہیں ٹھیک۔بس اُن کو میڈیسن دے کر اور سلا کر آئی ہوں۔

فلضاہ:::: تمھارے بھائی کا کچھ پتہ چلا۔

لیہ:::: نہیں۔

فلضاہ:::: تم کہتی ہو تو فرقان بھائی سے میں بات کروں۔

لیہ::::: نہیں۔

لگتا ہے کہ ایتان کے گناہوں کی سزا یہی تھی۔

اور ہمارے بھی۔

فلضاہ::::: تمہاری وہ کزن کیسی ہے۔

لیہ:::::اُس کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔

سمجھ نہیں آتا کہ موم کو دیکھو جاب کا کچھ کروں یا ایتان کا۔

موم ڈری ہوئی ہیں۔

وہ آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔

فلضاہ::: ایسے کیسے۔اُس کے باپ کا راج ہے۔

لیہ:::: فلضاہ میں مذاق نہیں کر رہی پر واقع وہ آدمی دیکھنے میں جس قدر پر سکون معلوم ہوتا ہے وہ اتنا تھا نہیں۔

مجھے لگتا ہے زیمل اُس کے پاس ہے۔موم نے جب بھی کوئی جواب زیمل کے متعلق دیا تو اُس کے جواب ایسے تھے جیسے وہ زیمل کے ساتھ ہونے ولی ساری زیادتیوں کا بدلہ ہم سے لینے آیا ہو۔

فلضاہ::::: ویسے برا نا ماننا پر اگر میرا بس چلتا تو میں تمہاری موم اور تمھارے بھائی کے ساتھ یہی کرتی جو اُس نے کیا۔

لیہ:::: فلضاہ۔۔وہ میری فیملی ہیں۔

فلضاہ:::: پھر بھی جو بھی ہے۔۔ مگر جو کچھ تمہاری اُس بیچاری کزن کے ساتھ ہوا میں اگر ہوتی تمہاری بھائی کو اٹھا کر پھینکتی۔

اور اُس کو وہ سبق سکھاتی کے اُس کا دماغ ٹھکانے پر آجاتا۔

اچھا اب میری باتوں کا برا نا مان جانا۔

میں بس سچ بول رہی۔

لیہ:::: چاہتی تو میں بھی تھی کہ زیمل ہمارے گھر سے آزاد ہو جائے۔
مگر ایسے نہیں۔

فلضاہ:::: واہ۔۔تو تم چاہتی تھی کہ تمہاری وہ کھڑاٹ مومی زیمل کو کہتی۔
جا زیمل جی لے اپنی زندگی۔

لیہ فلضاہ کی بات پر اُسے گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔

فلضاہ::: ویسے ایک بات بتاؤں۔

لیہ:::: ہاں بولو۔

فلضاہ::::: مجھے لگتا ہے کہ وہ لڑکا تمہاری کزن کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

لیہ:::: کون لڑکا۔

فلضاہ:::: وہی جو۔۔ہیرو کی شکل میں تمہارے گھر ویلن آیا تھا۔

لیہ:::: ہاں مجھے بھی لگتا ہے۔

فلضاہ:::: ویسے دیکھنے میں کیسا تھا۔

لیہ:::: کیوں اُس کو بھی تم نے اپنا بھائی بنانا ہے۔

فلضاہ:::: سوچا جا سکتا ہے۔

لیہ:::: ویسے جتنے تمھارے بھائی بن چُکے ہیں۔اگر یہ سلسلہ قائم رہا تو تک پکا کنواری مرو گی۔

فلضاہ:::: میرا تو دل چاہتا ہے کہ کوئی ہیرو میری زندگی میں آئے اور پھر مجھے اپنے ساتھ بھاگا کر لے جائے۔

لیہ:::: یہاں زِندگی کی مشکلیں ختم نہیں ہو رہی اور تم خیالوں کی دنیا میں جی رہی ہو۔

فلضاہ:::: ویسے کتنا اچھا ہوتا کہ تمہارا بھائی کتا کمینا لچا لفنگا نہ ہوتا تو تم اپنی کزن کو اپنی بھابھی بنا لیتی۔

مجھے تو رہ رہ کر اُس بچاری کا خیال آ رہا ہے۔اللہ کرے کہ اُسے کوئی شہزادہ مل جائے جو اُسے پلکوں پر بیٹھائے،

لیہ:::: فلضاہ اب اگر تم نے کوئی الٹی بات کی تو میرا دماغ گھوم جانا ہے۔

فلضاہ:::: اچھا اچھا۔۔اب رو نہیں۔

ایک۔تو دنیا میں کسی کو سچ سننا پسند نہیں۔

میں تو تم۔کو کہا بھی تھا کہ اپنی کزن کو میرے ساتھ بھاگا دو۔میں نے اُسے خوش رکھنا تھا۔

لیہ:::: ہاں اور بعد میں میرا کیا حال ہونا تھا۔؟

فلضاہ:::: کچھ نہیں۔۔رہتی پھر تم اُس جہنم میں۔

لیہ:::: تھی کیا۔۔ابھی بھی کچھ جہنم سے کم نہیں۔

فلضاہ:::: شکر کرو ابھی تمھاری مومی کو یہ نہیں پتہ کہ تمھیں تمھاری کزن نے کلمہ پڑھا دیا ہے۔

ورنہ وہ اُس کے ساتھ تمہارا ابھی گلا گھونٹ کر تُمھیں بھی مار دیتی۔

لیہ::::: اہستہ بولو۔ پاگل۔

فلضاہ::: کوئی بھی نہیں ہے۔ بس دیتی رہنا تم۔

لیہ::::: ڈر نہیں رہی ہوں۔

بلکہ ڈر ہی رہیں ہوں۔

زیمل کو دیکھ کر مجھے بہت سکون ملتا تھا۔ جب سے وہ گھر سے گئ ہے۔ تو وہ گھر گھر ہی نہیں لگتا۔

اس کی پریشانی لگی رہتی ہے۔ کسی سے اُس کے بارے میں بات نہیں کر سکتی ہوں۔

فلضاہ::: اللہ اللہ اب ایمو شنل نہ ہو جانا۔

میں ہوں نا۔ مجھ سے کرو۔

اللہ پر بھروسہ رکھو۔وہ یقین ٹھیک ہو گی۔۔

لیہ::::ہاں۔

وہ یقیناً ٹھیک ہو گی۔

فلضاہ:::لو پہنچ بھی گئے۔

چلو منہ صحیح کرواپناورنہ وہ شیطان کی نانی دیکھ کر بولے گی

آگئی تم دونوں۔

کہاں تھی تم دونوں۔

آفس ہے گھر نہیں۔جو منہ اُٹھا کر جب مرضی آجاتی ہو۔

اس دفعہ تنخواہ سے تم دونوں کے پیسے کٹ۔

اگلی بار ایسا کیا تو سامان پکڑا کر آفس کے باہر کھڑا کروں گی۔

کان کھول کر سن لو۔

یہ دھمکی نہیں ہے۔اٹل فیصلہ ہے میرا۔

لیہ یوں فلضاہ کو نقل اتارتا دیکھ ہنس پڑی اور پھر دونوں

ہنستے ہوئے اندر چلی گئیں۔

خضر::: سر یہاں تو کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے۔

سالار:::: مجھے لگا تھا کہ کچھ تو ملے گا۔

خضر:::: سر میرے خیال سے ہمیں اُس علاقے میں دوبارہ جانا چاہیے۔

سالار:::: مجھے نہیں لگتا وہ عورت اس سے زیادہ کچھ اور بتائے گی۔

اس نے کہا تھا کہ وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔

خضر:::: سر کون؟؟

سالار:::: نہیں معلوم۔ کون۔

خیر فرقان آرہا ہے؟؟

خضر:::: نہیں سر۔۔ فرقان کہہ رہا تھا کہ رات تک آئے گا۔اُس کو اپنے کچھ کام تھے اس لئے۔

سالار::: ٹھیک ہے۔

اچانک فون بجنے لگا تو سالار فون کو نکالتے ہوئے بولا۔

سالار:::: تم چلو میں آرہا ہوں۔

خضر:::: جی سر۔

اور پھر سالار فون کو کان سے لگائے بولا۔

سالار:::: ہیلو۔

کیسے ہو سالار۔

سالار:::: کون؟؟؟

میں اور کون۔

سالار:::: میں نے پہچانا نہیں۔

پہچانو گے بھی کیسے۔

لگتا ہے کافی مصروف ہو ثبوت اکھٹے کرنے میں۔

سالار:::: اُو تو تمہارا اِنتظار کرنے کا کہا گیا تھا۔

تمہارا یہ انداز اچھا لگا مجھے۔

جتنا سوچا تھا اُس سے کہی زیادہ ہمت والے ہو۔

سالار؛:::اگر یہ جان چکے ہو تو یہ بھی جان لو کہ تم لوگوں کو انجام تک پہنچائے بغیر میں رکنے نہیں والا۔

ہائے کیا بات کی ہے۔دل کو لگی ہے تمہاری یہ بات۔

وہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ نگر اُس کا نگر ہے جس نگر تم نکلے ہو

پھر بھی کہتا ہوں سالار کچھ ہوش کے ناخن لو۔

جان لیا اگر انجامِ عمل کے انجام کو

تو کیا سمجھا تم نے سالار، سکندر کے انداز کو

سالار اُس کے اندازِ شاعری پر مسکرایا تو بولا

سالار:::جو نگر نگر پھرتے ہیں

وہی حق کو پالیتے ہیں

یہاں انداز کون سمجھے

جب مدہوش ہم رہتے ہیں

عمل کا انجام عمل طے کرتا ہے

جب ہم خود اُسے رقم کرتے ہیں

اور سن لو اے وفد کان کھول کر یہ بات

حق پر رہنے والے سکندر سے نہیں ڈرتے ہیں۔

جہانگیر:::: واہ واہ۔

سوچا نہیں تھا کہ کوئی اپنی ٹکر کا شاعر بھی مل جائے گا۔

مگر باتوں کی ایک بات تم نے تو حیران کر دیا ہے۔

سالار:::: حیران تو کرنا ابھی باقی ہے۔

جہانگیر:::: اتنا غرور بھی اچھا نہیں۔

کیوں کہ اتنی ہمت کے باوجود بھی ثبوت تم پھر بھی اکھٹے نہیں کر سکے ہو۔

سالار:::: وہ دن دور نہیں جب تم لوگوں کی تمام جان کاری میرے ہاتھوں میں ہو گی۔

یہ بات یاد رکھنا بات اگر حق پر آجائے تو منہ کے بل باطل ہی گرتا ہے۔

جہانگیر::::: تمہیں ثبوت کی تلاش ہے؟؟

سالار:::: ہاں ہر اُس ثبوت کی اور ہے اُس گواہ کی جو گناہ گار کو اُس کے انجام تک پہنچا سکے۔

جہانگیر::::: ٹھیک ہے۔

اب یہ بتاؤں کہ اگر میں تمھیں گواہ دوں تو بدلے میں تم مگر کیا دو گے۔؟؟؟

سالار:::: اور تم میری مدد کیوں کرو گے؟؟؟

جہانگیر::::: سالار تم کیوں میری نیت پر شک کر رہے ہو۔

میں ایسا ویسا انسان نہیں ہوں۔

بس تمہاری کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں نہ کہ کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ تو سمجھو آج ہو گی ہے۔

سالار:::: بدلے میں مجھ سے کیا چاہتے ہو؟؟

جہانگیر:::::بدلے میں جو بھی چاہتا ہوں وہ تمہیں مجھ سے ملاقات کر کے جانا ہو گا۔

تب تک فلسطین میں مزے کرو۔

اور اپنی ماں اور بہن کو فون کرنا نہ بھولنا۔

سالار::::اے۔

جہانگیر::::فون رکھتا ہوں۔

ملاقات کا انتظار رہے گا۔

اور پھر جہانگیر یہ کہتا فون بند کر گیا۔

اسورا:::: سب کو اکھٹا کرو دوسری میٹنگ کے لیے۔

ارنو:::: مگر باس ابھی کچھ دن پہلے ہی تو۔

آسورا سامنے کھڑے ارنو کو دیکھ کر مسکرایا تو ارنو کو اپنا وجود کانپتا محسوس ہوا۔

اسورا ارنو کے سامنے کھڑا اپنے سانپ کو دیکھنے لگا جو اُس کے پیروں کے پاس موجود تھا۔اور پھر بولا۔

اسورا:::: تمہاری زبان ناگنی کے ساتھ مجھے بھی پسند نہیں آئی ارنو۔

ارنو:::: نہیں باس آپ کہتے ہیں تو میں ابھی سب کو۔

یہ کہتے ہیں اُس کی نظریں اُس سانپ پر مرکوز ہو گئی جو اُس کی طرف بڑھتا ہو آرہا تھا۔

اسورا:::: ڈرو نہیں ارنو۔ ناگنی بہت اچھی ہے۔

اپنے وفاداروں اور غداروں کو جانچنے کا ہنر یہ رکھتی ہے۔

ارنو::::؛ با۔۔۔س۔۔ک۔۔۔کب کی میٹنگ۔۔۔۔رکھنی ہے۔

کل یا پرسو؟؟؟

اچانک وہ سانپ ارنو کے پاس پہنچ کر اُس کے گرد چکر کاٹنے لگا تو خوف سے ارنو کی آنکھوں میں انسوں آ گئے۔

اسورا کچھ قدم آگے لیتا بولا۔

آسورا::: میری پیاری ناگینی اپنے زہر کا استعمال ایسے بے وقط لوگوں پر نہیں کرنا تم نے۔

اپنے زہر کو بچاؤ۔

آگے یہ زہر۔ بہت سے لوگوں کی موت کا سبب بننے والا ہے۔

اچانک ارنو کو بلانے کے لیے ایک آدمی اندر بھاگتا ہوا آیا۔

اور بولا۔

ارنو۔۔۔ارنو۔۔۔بہت بری خبر ہے۔۔

اسورا اُس شخص کی طرف متوجہ ہوا تو بولا۔

..اسورا:::: بولو

باس وہ جو باھتر ٹینکس جو آرگن کی اسمگلنگ کے لیے ہم نے ہفتہ پہلے امریکا بھیجے تھے وہ پکڑے گئے ہیں۔

اور وہ ٹینکس نہ ملنے کی وجہ سے انہوں نے پیسہ بھی ادا کرنے اس منع کر دیا ہے۔

ارنویوں اچانک اُس خبر سے آنکھوں کو میچ گیا۔

اچانک کمرے میں اسورا کا قہقہہ بلند ہوا تو بولا

اسورا::::: کیا بلاک بسٹر نیوز دی ہے تم نے۔

دل کو خوش کر دیا ہے۔

اِدھر آؤ گلے لگو۔

آسورا کے اُس انداز پر وہ آدمی لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا تو اسورا بولا۔

اسورا::: تم نے اتنی بڑی خبر مجھے دی ہے میں بھی تمھیں کچھ دینا چاہتا ہوں۔

اسورا کسی کا احسان نہیں رکھتا۔

اور پھر اُسے گلے سے لگاتے بولا۔

آسورا::::: ناگینی تمھارے کھانے کا انتظام ہو گیا۔

اور پھر اُس آدمی کی چہرے کی مسکراہٹ جی ابھی کچھ ہی اُس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی وہ غائب ہو گئی۔

اسورا اُسے اُس سے دور کرتا بولا۔

اسورا:::::مجھے بری خبریں پسند نہیں۔

الوداع۔۔

اور پھر اُس بارہ فٹ لمبے سانپ نے اسورا کی نظروں کے ایک اشارے کو سمجھتے ہوئے اُسے پیچھے سے دبوچ لیا اور پھر اور اپنے بڑے سے منہ کو کھولتے ہوئے ایک ہی جھٹکے سے اُس کے چہرے کو غائب کر دیا۔

ارنو وہی کھڑا خوف سے پانی پانی ہو گیا۔

یہاں تک اُس کی خوف سے پینٹ گیلی ہو گئیں۔

ابھی کہ اسورا کی نظروں کے اشارے سے سانپ نے موڑ کر ہی دیکھا رہا۔

ارنو وہی ایک جھٹکے سے دور گرتا روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولا۔۔

ارنو::::مہ۔۔۔مجھے۔۔۔۔معاف۔۔۔کر۔۔۔دو۔۔

مہ۔۔۔میں۔۔میں نہیں۔۔۔۔مرنا چاہتا۔۔۔اسورا۔۔۔

وہی اسورا مسکراتے ہوئے اُس کے چہرے کو دیکھ کر بولا۔

اسورا:::::نہیں نہیں ارنو۔۔تم سے ابھی بہت کام ہیں۔

ابھی کہاں تمہارا وقت آیا ہے۔

جلدی سے میٹنگ بلواؤ۔میں سب سے ملنا چاہتا ہوں۔

ڈینیل اور یوکارس کو بھی بلا لینا۔

ارنو::::ج۔۔جی۔۔۔اور کسی۔۔۔کو۔۔؟

اسورا:::: ہمارے جاسوس کو بھی بلا لینا۔

کچھ خاص کام ہے مجھے اُس سے۔

ارنو::::جی۔۔۔۔جی۔۔

اسورا::::اس جگہ کو صاف کروا دینا۔۔جب میری ناگنی کھانا ختم کر لے۔

بچاری کب سے بھوکی تھی۔

ارنو نے اُس سانپ کی طرف نظر پھیری تو سامنے کا منظر دل دہلا دینے والا

تھا۔

ارنو کا اپنا ایک خاص آدمی۔پوری لاش سے اب آدھی لاش کا رہ چکا تھا۔

اور پھر اسورا کے باہر نکلتے ہی وہ سانپ بھی اُسے کھاتا وہاں سے باہر نکل گیا۔

جب کہ ارنو۔ وہی الٹیاں کرنا شروع ہو گیا۔

کیوں کہ خون سے بھرا فرش اُس کے آدمی کے جسم کی نالیوں سے بھرا پڑا تھا۔

جو دیکھنے میں دل دہلا دینے والا گندا اور بھیانک تھا۔

لوسیفر استنبول سے نکل گیا ہے۔

بران:::: ہمیں اُسے وہی روکنا تھا۔ کام از اور کچھ دن تک۔

اُو بیوقوف تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔

مرتے مرتے بچے ہیں ہم۔

بران:::: کیا اُنہیں نے زیادہ زور کا حملہ کیا؟؟؟

اچانک بران اُن ادمیوں کے حملے کہ ذکر کرتا بولا جو کچھ کل سکندر پر حملہ کرنے گے تھے۔

نہیں۔۔۔ وہ سب تو مارے گئے۔ کوئی بھی نہیں بچا۔

مگر اس زلزلے نے سارا پلان چوپٹ کر دیا۔

بس ابھی کچھ دیر پہلے ہی ہم یہاں انقرہ پہنچے ہے۔

بران:::::استنبول زلزلہ آیا تھا،؟؟؟؟

پتہ نہیں کس کے ساتھ ہاتھ ملا لیا ہے میں نے۔اتنی تباہی کے بعد تو اب تک ہر طرف اس خبر کے چرچے ہو رہے ہو گے تم کیا کان اور آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہو۔

بران::::میرے خیال سے اس کام کو کرنے کے بعد تُمھیں تھوڑی سی تمیز بھی سیکھ لینی چاہیئے

مگر ابھی تمھارے لیے ایک کام ہے۔وقت آگیا ہے کہ تم یہ کمزوری کو ہمارے تک پہنچاؤ۔

تمھارے پاس صرف ایک ہفتہ ہے۔اس کے لیے۔

اگر ایک غلطی بھی ہوئی تو تمہاری جان کی گرانٹی نہیں۔

اسورا کو غلطی پسند نہیں۔اگر غلطی ہوئی تو سمجھو تمہارا بھی کام ختم۔

ہاں ٹھیک ہے۔۔۔زیادہ دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں۔تم ابھی مجھے جانتے نہیں ہو۔

بران::::کام کے ہوتے ہی خبر دے دینا سب تیار ہو گا۔

اور پھر وہ یہ کہتا فون رکھ گیا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر انقرہ کے ایک ہوٹل میں موجود ایک کمرے کے باہر کھڑا جمشید سے بات کر رہا تھا۔

اور پھر جمشید اس کی بات کو سنتا وہاں سے چلا گیا۔

اور پھر سکندر کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے مدر داخل ہوا تو زیمل جو بستر پر لیٹی سو چکی تھی۔

سکندر ایک لمبی سانس لیتا اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

زیمل جیٹ پر ہی پاؤں کی سوجن کے باعث سکندر سے لپٹے سو چکی تھی۔اور سکھ ادر بنا کسی کو آہٹ کیے دیے بنا زیمل کو کمرے تک پہنچا چکا تھا۔

مارکس کی مدد سے اُن کے انقرہ پہنچنے سے پہلے ہی وہاں کے تمام انتظامات کر دیے گئے تھے۔

اور پھر سکندر زیمل کی طرف چلتا ہوا آیا اور پھر اُس کے چہرے پر ہاتھ رکھتا اُسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

کسی احساسِ کے دل کو چھوتے ہی سکندر زیمل پر جھکتا اُس کے ماتھے کو چومنے لگا۔

سکندر::::: شکر ہے آپ کو کچھ ہوا نہیں۔

اور سکندر یہ کہتا زیمل کے پاؤں کی سوجن دیکھنے لگا جو پاؤں کے رگرے جانے کے سبب ہو گئی تھی۔

ایک پل میں زیمل جھٹکے سے اٹھ کر کسی خواب کے زیر اثر خوف سے بولی

زیمل::::؛ سکندر۔۔۔۔

سکندر جو ابھی زیمل کے پاؤں کو دیکھ رہا تھا یوں اچانک زیمل کے اُس کو پہلی بار اُس کے نام سے پکارنے پر دیکھنے لگا۔

زیمل نے پہلی بار اُسے سکندر کے نام سے پُکارا تھا اور نہ وہ اُسے خود سے مخاطب ہونے پر صرف سینیے لفظ کو سنا کرتا تھا۔

زیمل جو سکندر کا نام لے کر اُسے ساکن کے گئ تھی وہ اب لمبے لمبے سانس لیتی رونے لگی تھی۔

سکندر زیمل۔کے رونے پر اُس کی ہاتھ تھامتے ہوئے بولا

سکندر::::زیمل میں آپ کے پاس ہوں۔

اچانک زیمل سکندر کی آواز پر اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔

زیمل جو ابھی خواب کو دیکھ کر سکندر سے لپٹے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی ۔۔سکندر مسکراتے چہرے کے ساتھ اُس کے خود کو جھپٹ کر پکڑنے پر اُس کو تھپ تھپانے لگا۔

سکندر::::کچھ بھی نہیں ہوا۔سب ٹھیک ہیں۔

اور پھر کچھ دیر اُسے سہلاتے ہوئے بولا۔

سکندر::::کل آپ نے بھی میری جان نکال دی تھی۔

لگا تھا کہ ماں اور بہن کے بعد آپ کو بھی میں نے کھو دیا ہے۔

زلزلے کے جھٹکے نے میرے دل کو اپنے خیال سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

زیمل سکندر سے دور ہوئی تو سکندر اُس کے چہرے کو صاف کرنے لگا۔

سکندر::::رویا نہ کریں آپ کے آنسو میرے دل۔پر گرتے ہیں۔

سب ٹھیک ہے اب۔

زیمل چہرے کو صاف کرنے لگی تو سکندر بولا۔

سکندر::::کچھ کھائیں گی؟

مجھ ابھی آپ کے لیے کچھ منگواتا ہوں۔

سکندر یہ کہتا زیمل کے پاس سے اٹھنے لگا تو زیمل سکندر کا ہاتھ پکڑتے بولی۔

زیمل::::مت جائیں۔۔۔۔مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

سکندر اچانک زیمل کے بدلتے انداز کو دیکھتا حیران ہوا پھر اُس کے پاس بیٹھتا

بولا۔

سکندر::::ڈریں نہیں میں یہی ہوں۔

..زیمل::::آپ کی آنکھیں اب تک لال ہیں

اچانک زیمل سکندر کی آنکھوں کو دیکھ کر بولی تو سکندر بولا

سکندر:::: یہ درد کی شدت ہے۔آپ نے کہا تھا نہ کہ آنکھیں دلی احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔

بس یہی وہی کر رہی ہے۔

جب اُمید کے دھاگے پل میں ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو انسان بے قابو ہو جاتا ہے۔

میں نہیں جانتا ہوں کہ آپ کب کیسے ہوٹل سے باہر آئی مگر اگر آپ نہ آتی تو نجانے کیا ہو جاتا۔

زیمل:::::وہا۔۔ں ا۔۔یک ل۔۔۔ڑکی بہت رو رہو تھی۔

وہ م۔۔۔۔یرے ساتھ وہاں پُ۔۔۔ھول توڑنے آئی تھی۔مجھے لگا تھا کہ ک۔۔چھ پ۔۔ل بع۔۔د میرا ح۔۔۔ال اُس جی۔۔۔سا ہو جائے گا۔

اُس کا شوہر اُسے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔ وفون پر بات کر رہی تھی۔

مگر میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر بدل گیا

وہ بلڈنگ۔۔۔ گر۔۔۔ گئی۔۔۔

اور وہ خوبصورت۔۔ منظر۔۔۔ اُس ٹوٹے پھول سا ہو گیا جِسے کچھ ہی دیر پہلے اُس کی ٹہنی سے توڑا ہو۔

اُس لڑکی کو روکنے کے لیے میں آگے بڑھی۔۔ مگر وہ بے اختیاری میں روتے چیلاتے آگے بڑھی کہ وہی اُس منظر میں

وہ دب گئی۔

(میں نے اُسے روکنا چاہا مگر اُس لڑکی نے ((ونڈا لارسن))

مجھے روک دیا۔

اور میری آنکھوں کے سامنے وہ مر گئی۔

اُس کی شادی کو بھی کچھ ہی دن ہوئے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔

بلکل۔۔۔ میری طرح۔۔

اچانک زیمل رونے لگی۔۔تو بولی۔

زیمل::::وہ بہت خوش تھی۔۔سکندر

مگر ایک پل میں میں نے اُس خوبصورت منظر کو لاشوں میں بدلتے دیکھا۔

مجھے لگا جسے میں وہ لڑکی ہوں اور آپ۔۔۔

زیمل سکندر کو دیکھ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر روئی تو سکندر بولا۔

سکندر::::پل پر جب ایک لڑکی مجھ سے ٹکرائی تو مجھے ایک پل میں لگا کہ

آخر کیوں میں نے آپ کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔

جانتی ہے وہ لڑکی میری انکھوں کے سامنے زمین میں دب گئی۔

لوگوں کی چیخوں پکارنے۔مجھ سے میری ہمت میرا حوصلے سب چھین لیا

تھا۔

میرے ان ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔

لگ رہا تھا جیسے میرا دل رو رو کر مجھے کسی ناگہانی صورت پر حوصلہ دے رہا

ہے۔

ہلتی زمین پر کس طرح میں مضبوط قدموں سے بھاگ کر آپ تک پہنچا یہ میں بھی نہیں جانتا۔

مگر جب آگے کا منظر دیکھ تھا تو دل یقین مانے لگا پھٹ گیا ہے۔

مگر پھر بھی دھڑکنوں کا شور خود میں محسوس ہوتا سنا تو چیخ اٹھا کہ کیوں مجھے موت نہیں آتی۔

نہیں جانتا خ اتنی شدید محبت آپ سے کیسے ہو گئی اور یہ جانتا ہوں بس ہو گئی۔

اور کسی طرح کی دوری کو برداشت کرنا اب میرے بس کی بات نہیں ہے۔

آپ سے بہت محنت کرتا ہوں اسی لیے خود کو آپ کے ساتھ باندھا ہے۔

آپ سے نکاح میرے لیے میری زندگی کا ایسا تحفہ ہے کہ زندگی بھر اس کی خوشی کو بیان کرنا میرے بس میں نہیں

زیمل::::::مہ۔۔۔میں۔۔۔نہیں۔۔۔چاہتی۔۔کہ۔۔۔کسی اور طرح ہمارے رشتے کا اختتام بھی اسی طرح ہو جیسے اُن کا ہوا۔

آپ نے کہا تھا کہ آپ میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گے۔
وعدہ کریں آپ مجھے کبھی تنہا نہیں کریں گے۔
سکندر زیمل کے روتے چہرے پر ہاتھ رکھتے بولا
سکندر::::سکندر صالح وعدہ کرتا ہے کہ اپنی زیمل کو کبھی تنہا نہیں کرے گا۔
زیمل::::وعدہ کریں آپ مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔
سکندر::::میں وعدہ کرتا ہوں مرنے کے بعد بھی آپ کو چور کر نہیں جاؤں گا۔
زیمل::::وعدہ کریں کہ آپ میرا ایسے ہی خیال رکھے گے
سکندر::::آج سکندر صالح زیمل آپ کی ہر بات پر وعدہ کرتا ہے کہ وہ ہر طرح سے آپ سے کیے تمام وعدوں کو پورا کرے گا۔
پر کیا آپ وعدہ کریں گی کہ آپ مجھے بھی چھوڑیں گی۔
مجھ اور یقین کریں گی۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتے رونے لگی تو بولی۔

زیمل:::: کروں گی۔

سکندر:::: کیا اُس وقت بھی جب یقین کرنا نا ممکن ہو گا۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلانے لگی تو سکندر مسکرانے لگا۔

سکندر:::: تو کیا پھر آپ مجھے اس رشتے کے لیے پوری طرح قبول کرتی

ہیں۔

زیمل سکندر کی بات پر نظروں کو جھکا گئی اور پھر بولی۔

زیمل:::: ہاں۔۔

ایک وہ ہاں تھا جب زیمل نے سکندر کے نکاح کی پیشکش کو قبول کرتا کہا تھا۔

اور آج یہ ہاں تھی جو زیمل نے سکندر کے ساتھ اس پاک رشتے کی شروعات

کے لیے کہی تھی۔

زیمل کی ہاں میں سکندر کے چہرے پر ہزاروں رنگ بکھیر دیے تھے۔

سکندر وہی زیمل کو دیکھ کر مسکرایا تو بولا۔

سکندر:::: پہلی ہاں سے تو میں نے آپ کو جیتا تھا

اس ہاں سے آج آپ سکندر صالح کو جیت بیٹھی ہیں۔

اس ہاں پر آپ کی آنکھوں میں موجود یہ کشش میں نہیں جانتا یہ میرے لیے اعتبار ہے یا محبت

مگر جو بھی ہے یہ مدھم نہیں پڑنی چاہیے۔

دنیا میں سکندر صالح صرف آپ سے محبت کرتا ہے۔

اور اسی محبت کی قسم کھاتا ہُوں آپ کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔

اور پھر یہ کہتا سکندر زیمل کو خود کے گلے سے لگا گیا۔

اور زیمل سکندر کی آنکھوں میں موجود خود کے لیے محبت کے چراغ کو دیکھ آب دیدہ ہو گئی۔

زندگی بہت سے برے اور دردناک حادثوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر اللہ نے انسان کے صبر کا پھل بھی اسی کے لیے رکھا ہوتا ہے۔اور اُن کا ایک

دوسرے کے لیے ساتھ اور اس رشتے کی شروعات دونوں ہی اُن کے پھل کی صورت میں اُنہیں ملنے لگا تھا۔

مگر اس کے بعد سکندر اور زیمل کی زندگی کے حادثاتی پنوں کی کہانی اب کون سا ایک نیا موڑ لائن والی تھی۔

یہ آنے والا وقت بتانے والے تھا۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

خضر:::: سر آپ پریشان لگ رہے ہیں۔

کیا کچھ ہوا ہے؟

سالار::: نہیں سب ٹھیک نہیں ہے۔

ایک آدمی کا فون آیا میں سمجھ نہیں پا رہا وہ سکندر کا آدمی تھا یا کوئی اور۔

خضر:::: کس کا فون تھا؟

سالار::::ایک طرف وہ سکندر بھاؤ سے دور رہنے کے مجھے مشورے دے رہا تھا۔اور دوسری طرف وہ مجھے سکندر کے خلاف سوٹ دینا چاہتا ہے۔

اور آخر میں اماں اور روح کی دھمکی دے کے مجھے فون بند کر دیا۔

خضر:::: کیا یہ کوئی چال ہے؟.؟

سالار:::: نہیں۔۔لگ تو نہیں رہا ہے۔

اُس کے بات کرنے کا انداز مختلف ضرور تھا مگر لگا کہ وہ مجھے کچھ بتانا چاھتا ھے۔

مجھے بس سکندر کے خلاف ثبوت چاہیے۔

اگر وہ ایسے کسی شخص سے بھی مجھے مل جاتے ہیں

تو میں تیار ہُوں۔

میں جاننا چاہتا ہوں کہ نو سال پہلے ایسا کیا ہوا ہے جو اس طرح خ شخص کی تعمیر کاری کی وجہ بنا ہے۔

خضر:::: سر آپ کہ فون ..

اچانک خضر کی نظر نیچے میز پر پڑے سالار کے فون پر پڑی جو سائیلینٹ ہونے کے باعث اُس کی توجہ کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکا تھا وہ بج رہا تھا۔

سالار نے ایک نظر دیکھتے ہیں پہچان لیا تو بولا۔

سالار:::: وہی ہے۔

خضر:::: سر کال ٹریس کرواؤ؟؟

سالار::::اس کی ضرورت نہیں وہ مجھ سے ہی ملنا چاہتا ہے۔

ابھی کہ سالار نے فون اٹھایا ہی تھا کہ جہانگیر بولا۔

جہانگیر::::کال ٹریس کروانے کی ضرورت پیش نہیں آنے والی۔

تم آجاؤ۔

سالار جو جہانگیر کی بات پر خضر کی طرف متوجہ ہوا تو بولا۔

سالار:::: کہاں آنا ہے؟

جہانگیر:::: تمھارے اپارٹمنٹ میں باہر گاڑی کھڑی ہے۔

بنا شور کیے اُس میں بیٹھ جاؤ۔۔۔ جہاں تمھیں کچھ دیر بعد ہونا چاہئے وہ
تمھیں وہاں تک پہنچا دے گی۔

سالار فون کو کان سے لگائے باہر کی طرف دیکھنے لگا تو اُسے ایک گاڑی نظر آئی
۔

جہانگیر::::: کسی کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔
تمھارے ساتھ جو ایک آدمی اس وقت اپارٹمنٹ میں موجود ہے بس اُسے

ہی لے آؤ۔
سالار::: تمھیں کیسے پتہ۔؟

جہانگیر::: پتہ رکھنا پڑتا ہے۔۔

اب ایک شاعر ہی شاعر کا اتا پاتا رکھ سکتا ہے۔

اب وقت نہیں ہے۔۔۔ جلدی سے بیٹھ جاؤ جا کر۔

سالار وہی فون کو رکھتے تیز قدموں سے باھر کی طرف بڑھا۔

اور خضر کو ایک اشارے سے ساتھ چلنے کا کہتا نیچے کی طرف جانے کے لیے لفٹ میں داخل ہو گیا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ نیچے موجود تھے۔۔۔جہاں آدمی نے سالار کو پہچانتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو خضر سالار سے مخاطب ہو کر بولا۔

خضر:::: سر یہ کون لوگ ہیں؟؟؟

سالار:::: یہ وہی ہیں جو اب سکندر بھاؤ کے ثبوتوں تک ھمیں پہنچائے گے۔

اور پھر سالار یہ کہتا گاڑی میں بیٹھ گیا جہاں خضر بنا کچھ اور کہے سالار کے بعد گاڑی میں داخل ہو گیا۔

. وہ آگئے ہیں

ایک آدمی جہانگیر کے پاس ایک فائل کو رکھتے ہوئے بولا۔

جہانگیر:::: پھر لاؤ اُن کو اندر تک۔

جہانگیر جو بے فکری انداز میں کرسی پر جھولتا مٹک رہا تھا۔۔

اچانک سالار کو سامنے سے آتا دیکھ بولا۔

جہانگیر:::::خوش آمدید۔۔۔خوش آمدید

اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا آنا میرے لیے خیر نہ سبب ہو۔

جہانگیر نے اس طرح سے استقبال کے لیے استقبالِ کلمات ادا کیے کہ سالار کے ساتھ خضر اُسے بنا کوئی تاثر دیتے دیکھنے لگے۔

جہانگیر:::::راستہ کیسا رہا؟

خضر:::::آپ کی تعریف؟؟؟؟

جہانگیر:::::میری تعریف کے لیے الفاظ بے مول ہیں۔

آپ اپنا تعارف کروائیں؟؟

خضر::::میں خضر ہوں۔

جہانگیر:::::جانتا ہوں میں تمہیں۔۔

سالار::::اگر جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو کہ تمہارے یہاں بلانے پر ہم کیوں آئے ہیں

ثبوت؟؟؟

جہانگیر:::: سالار تم تو بہت جلد باز نکلے ہو۔مجھے تو لگا تھا کہ تم حق اور باطل میں فرق کرنے والے ہو۔

مگر جلد بازی سے کرنے والے فیصلے کوڑیوں کے دام سے بھی زیادہ گر جاتے ہیں۔۔

جن کو کرنے والا عام لفظوں میں صرف بیو قوف کہلاتا ہے۔۔

سالار:::: چلو پھر تم بتاؤ تم نے ہمیں کیوں بلایا؟

جہانگیر:::: جس سچ کو جاننے کے لیے تم اتنی محنت کر رہے ہو تمہیں نہ تو اُس کے بارے میں کوئی ثبوت ملے گا نہ ہی گواہ۔

سالار:::: کچھ دیر پہلے تو تم ثبوت دینے کو بھی تیار تھے اور گواہ بھی۔اب ایسا کیا ہوا ہے۔

جہانگیر:::: ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

مگر کوئی نہیں چاہتا کہ کچھ بہت بُرا ہو۔

سالار:::: تو تم بتاؤ کہ جس سچ کو کھوجنے کی کوشش میں اپنی جان تک لگا رہا ہوں سکندر بھاؤ کے بارے وہ کیا ہے؟؟؟

جہانگیر::::: نو سال پہلے جو ہوا یہ تمھیں وہی بتا سکتا ہے جو وہاں موجود تھا۔ یا وہ جو بچ گئے اُن کے قریبی لوگ بتا سکتے۔

سالار:::: اور اُس عورت کے مطابق تم وہ شخص ہو جو مجھے باقی کی بات بتائے گا

جہانگیر::::: اگر گٹر کی گندگی کو صاف کرنا چاھتے ھو تو تمہیں گٹر میں اُترنا پڑے گا۔۔

پھر جو چھنیٹے تمہارے دامن پر لگے تو سمجھ جاؤ کہ صفائی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔

سالار:::: کہنا کیا چاھتے ھو؟؟؟

جہانگیر:::: میرا نام جہانگیر ہے۔۔اور میں سکندر کا وفادار آدمی ہو۔ اگر چاہو تو تمہیں تمہارے گھر سے غائب کروا سکتا تھا۔

مگر معلومات کے مطابق تم بہت قابل ہو۔

اور قابل اور وفادار لوگوں کی قدر زمانہ کرے یا کرے۔ جہانگیر کو اُن لوگوں کی بہت قدر ہے..

سالار جو ایک پل میں اُس کی بات پر چونکا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ ادمی اُس کا ساتھ دینا چاہتا ہے یا سکندر کا؟

جہانگیر:::: نو سال پہلے اُس شخص کی کہانی کا آغاز ہوا جو وہ خود کبھی نہیں بننا چاہتا تھا۔

سکندر شروع سے ہی مافیا کی دنیا سے جوڑا ہوا تھا۔

اُس کی پیدائش ہی اُس گھر میں ہوئی جہاں از موڈیس نے اُس کی ماں کو قید رکھا۔

تم یہ تو جانتے ہو کہ سکندر کی ماں اُس کار حادثے سے بچ گئی تھی۔

سالار:::: ہاں۔

جہانگیر:::: پر یہ بات سکندر نہیں جانتا تھا۔

خیر نوبت یہاں تک آئی کہ سکندر کی بہن پر حملے ہوا۔

اور سکندر وہاں اپنے ادمیوں کے ساتھ پہنچ گیا جہاں اُس شیطان کا بسیرا تھا جو ظلم و ظلمیت کے ساتھ بے جا بے قصوروں کی قتل و غارت کو اپنا فرض سمجھ کر اُن کو بعض دفعہ ایسی موت دیتا تھا کہ دیکھنے والوں کی روحِ کانپ کر رہ جاتی تھی۔

)))فلیش بیک

جمشید:::: بھاؤ۔۔ ہم پر حملہ ہوا ہے۔

سکندر::: کیا؟؟ روشانے کہاں ہے؟

جمشید::: بھاؤ وہ اندر ہیں۔

اُن کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔

اُنہیں گولی لگی ہے

سکندر:::: تم لوگوں سے ایک کام ٹھیک سے نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر کو بلاؤ۔۔ جلدی۔

جمشید:::: بھاؤڈاکٹرز اندر ہیں۔

وہ بھی اندر ہی ہے۔

سکندر:::: کس نے کیا؟؟؟

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔از موڈیس کے ادمی تھے۔

جمشید:::: ہمارے سارے ادمی مارے گئے ہیں۔

اُنہیں نے گھات لگا کر حملہ کیا۔

اور کہا کہ اگر اب اگر آپ وہاں نا آئے تو آگلی بار وہ روشا نے کی لاش کو بھی آپ کے دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔

سکندر جو پل میں لال ہوتی آنکھوں کے ساتھ غرایا تھا۔

بولا۔

سکندر:::: ا۔۔۔ہ۔۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔ہ

اکھٹا کرو سب کو جمشید۔۔

اور نکالو سب کو جنگ کے لیے باہر۔

اُن کے چہروں کو میں ایک کی موت کے لیے بھی عبرت ناک بنادونوں گا۔

میری بہن کے چہرے کو بگاڑنے کی مجھے دھمکی دے کر اُن سب نے اپنی موت کو خود دعوت دی ہے۔

اُس نے سکندر کی جان پر نشانہ تانا ہے اب یہی نشانہ اُس کی کھوپڑی پر تان کر اُسے میں بتاؤں گا کہ میں کون ہُوں۔

جمشید؛:::: بھاؤ۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ایسے ہم۔۔۔۔وہاں۔۔۔۔وہ جگہ۔۔

سکندر:::::جمشید۔۔۔۔۔وہ جگہ کیسی بھی ہے۔

جہنم ہے یا دوزخ۔۔۔۔مجھے میرے ماضی سے فرق نہیں پڑتا

میرا حال اور مستقبل میری بہن ہے۔

اور مجھے ان میں سے کوئی زندہ نہیں چاہیے۔

ڈینیل کو فون لگاؤ۔اور اکھٹا کرو ہر اُس کو جو از موڈیس کی موت کے لیے اُس قلعے میں داخل ہونا چاہے گا۔۔

اور پھر یہ کہتا سکندر جھپٹ کے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا جہاں پہلے سے موجود ڈاکٹرز روشانے کا آپریٹ کر رہے تھے

نرس::::آپ باہر جائیں پلیز۔۔

سکندر::::اے ڈاکٹر۔۔۔اگر میری بہن کو کچھ ہوا تو جہاں اُسے ایک گولی لگی ہے وہاں تیرے جسم میں گولیوں کی برسات کروں گا۔

میرے آنے سے پہلے پہلے میری بہن کو ہوش آجانا چاہئے۔۔

ورنہ میرے ہاتھوں ایک اور قاتل ہو گا۔

اور پھر سکندر روشانے کو دیکھ بولا۔

سکندر::::تمہاری سانسیں نہیں رکنی چاہئیں ورنہ تمہارا بھائی اس جگہ کا نام ونشان نہیں چھوڑیں گا۔

اور پھر سکندر وہاں سے یہ کہتا نکل گیا۔

ازموڈیس::::لوسیفر؟

آئران::::: کچھ دیر تک یہاں ہو گا۔

ازموڈیس:::::اُس لڑکی کو مار دینا تھا۔

آئران':::: وہ جمشید اُسے لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

مگر میرا نہیں خیال کہ وہ زندہ بچ پائے گی۔

ازموڈیس::::اچھا ہے۔

اچانک دو آدمی ایک عورت کو بھڑیوں سے باندھی حالت کے ساتھ

ازموڈیس کے سامنے لائے۔

تو ایک طنزیہ مُسکراہٹ کے ساتھ ازموڈیس بولا

ازموڈیس:::: کیسی ہو۔۔۔ماہِ نور؟

ماہِ نور:::: تُمھیں کیسی لگ رہی ہوں؟

ازموڈیس::::لاچار۔۔۔بے بس۔۔۔۔۔بوڑھی۔۔۔خوفزدہ۔۔اور

مایوس۔۔

ماہِ نور:::: تُمھیں۔۔۔۔غلط لگتا ہے۔

ازموڈیس۔

میں نہ ہی لاچار ہوں۔۔نہ ہی بے بس۔۔۔نہ۔۔ہی خوف زدہ اور نہ ہی مایوس۔

ازموڈیس:::::اے کاش کہ تم مجھے خُدا تسلیم کرتی۔

تو تمھاری حالت یہاں تک نہ پہنچتی۔

ماہِ نور جو ایک چھوٹی سی مسکراہٹ کو چہرے پر بکھیرے نا جانے کیا سوچ کر بولی

ماہِ نور:::::خدا وہ نہیں جو مٹی کی تخلیق ہو۔

جو مٹی سے انسان کو تخلیق کرے پھر اُس میں روح پھونکے اُسے خدا کہتے ہیں۔

خدا بے مثل اور بے مثال ہوتا ہے۔

اور تم میں اور تم جیسوں میں کوئی فرق نہیں۔۔تو کس طرح کہ تم خدا ہوئے۔

کیا تم اس قدر بے خبر ہو کہ تمھیں اپنی موت یاد نہیں؟

یا یہ بھول گئے ہو کہ دنیا ایک مسافر خانے کے سوا کچھ نہیں۔

جس تخت پر تم بیٹھ کر ظلم کرتے ہو یہ جان لو کہ میرا رب تم جسیوں کی رسی کو دراز کرتا ہے۔

اور بلا آخر نا میں ہوں جس نے دنیا میں قیام پذیر ہو جانا ہے۔۔۔نہ ہی تم نے۔۔۔جو دنیا کو اپنا مستقل ٹھکانہ سمجھ بیٹھا ہے۔

ازموڈیس:::: یہ میری دنیا ہے۔۔۔۔

اور میں اس پر قابض ہوں۔

یہ زمین میری ہے۔اور میں اس کا مالک ہوں۔

تم اور تم جیسے میرے پیروں کی دھول کے سوا کچھ نہیں۔

میرا ایک اشارہ تمھاری موت کو تمھاری زندگی پر قابض کر دینے کے لیے کافی ہے۔

ماہِ نور:::: میری موت اور زندگی کو طے کرنے میں تمھارا کوئی ہاتھ نہیں۔

مجھے اپنے رب پر یقین ہے۔۔

میں اگر یہاں ہوں تو اُس کی رضا میں راضی ہو کر یہاں موجود ہوں۔

مجھے موت کا خوف نہیں۔ موت اُن کو خوف دیتی ہے۔ جو بھٹک جاتے ہیں۔

ازموڈیس:::: تمھاری باتیں میرے لیے ہنسی تماشے کے سوا کچھ نہیں۔

ماہِ نور:::: شرک کرنے والے۔۔۔۔ منافق کہلانے والے۔۔۔۔ متکبر لوگ۔۔ حق کو جھٹلا کر اُس پر ہنسی مذاق ہی کرتے ہیں۔

کیوں کہ اُن کے دلوں پر میرے رب نے مہر لگا دی ہے۔

اُن کے دل کالے ہیں وہ گناہوں سے آلودہ ہو کر وہ کام کرتے ہیں جو آخر کار اُن کی جانوں پر وبالِ جان کے طور پر اُن اور نازل ہو گے۔

تمہارا یہ انداز اُن سے مختلف نہیں۔ ہے۔۔ کہ جو خود کو خدا کہلوانے کے لیے آخر کار دنیا سے مٹ گئے۔

ازموڈیس ماہِ نور کی بات پر قہقہ لگا کر ہنسنے لگا تو بولا۔

ازموڈیس:::: تم سے اپنی نسل کو بڑھا وادیا میں نے کہاں تھا تمھارا وہ خدا؟

.جو تمہیں مجھ سے ہی آزاد نا کروا سکا

.ماہِ نور:::: آزادی اُن کو ملتی ہے جو قید ہو

جو نفس کے پوجاری ہیں وہ دُنیا میں قید ہیں۔

میں تو کھلی ہوا میں سانس لیتی ہوں۔اپنے رب کو یاد کرتی ہوں۔

اگر آزادی کی بات کرو گے تو سب سے پہلے تو تم خود قید ہو۔۔

پہلے خود کو آزاد کرنے میں کامیاب ہو جاؤ پھر اپنے خدائی کے دعوے پر غور کرنا۔

.اگر غور کر سکو گے۔۔۔تو جان لو گے کہ میرا خدا کہاں ہے

ازموڈیس:::: اپنی حالت دیکھو۔۔۔۔مرنے کی کگار پر ہو مگر باتیں ایسی ہیں جیسے ایک فوج لیے کھڑی ہو

ماہِ نور جو لڑکھڑاتے قدموں سے دو قدم ازموڈیس کی طرف بڑھی اور ایک مسکراہٹ کو چہرے پر واضح کرتی بولی۔

ماہِ نور:::: میرے پاس وہ ہے جس کی تمہیں توقع نہیں۔

میرے پاس میرے ایمان کی دولت ہے جو مجھے میرے رب العالمین پر ہے۔

تم فکر نہ کرو۔ موت لاحق ہے۔ لاکھ پردوں میں بھی چھپ جاؤ گے تو بھی وہ تمھیں ڈھونڈھ لے گی۔ اُس وقت کسی فوج کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

اُس وقت دنیا کا یہ تخت یہ آسائشیں یہ مال ومتاع، کچھ تمھارے کام نہیں ائے گا۔

اُس وقت کسی اور کی بارگاہ میں تمہیں حاضر ہو کر اپنے بدکار اور شیطانی اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

یہ جھوٹی باتیں یہ جھوٹے خُدا کے دعویٰ تمھارے پاس موجود ہو گے مگر ایک عذاب کی مانند۔

میں یہی ہوں اسی قلعے میں۔ اپنے رب کی رضا پر راضی رہ کر میں اپنے ایمان کو اور مضبوط کروں گی۔

ظلم ھمیشہ قائم نہیں رھے گا۔

ازموڈیس جو ماہِ نور کی باتوں کو نظر انداز کرتے صرف مُسکرا رہا تھا۔

ازموڈیس::::::: جانتی ہو کون آنے والا ہے ؟

تمھارے جسم سے پیدا ہونے والی میری اولاد۔۔۔میرا وارث۔۔۔لوسیفر یہاں آرہا ہے۔

ماہِ نور:::: وہ میرے بطن سے پیدا ہونے والا میرے وجود کا ایک حصہ ہے۔

وہ میرا بیٹا ہے۔وہ سکندر صالح ہے۔ماہِ نور کا بیٹا۔

اچانک باہر سے دھماکوں کی آوازوں نے جنم لیا تو پل میں ازموڈیس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے

ماہِ نور:::: وہ وقت دور نہیں جب تم خود اپنی موت کی طرف چل کر جاؤ گے۔

ازموڈیس:::: بہت بولنے لگی ہو۔۔۔لگتا ہے پہلے زخم بھر گئے یا اپنی چیخوں کی آوازوں کو بھول گئی ہو۔

درد لگتا گھٹ گیا ہے۔ یا شاید بیٹے کے آنے کی خبر نے تمہارے دماغ کو مفلوج کر دیا ہے۔

ماہِ نور:::: میں نے اتنے سال اپنی اولاد سے محروم رہ کر گزار دیے۔

صرف اس لیے کہ وہ تم سے اور تُمہاری اس دُنیا سے دور رہے۔

مگر اگر آج یہ سامنا ہوا تو یاد رکھنا میری یہ بات کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔

تم خاک نشینوں کی خاک دنیا کی خاک میں مل جائے گی۔

آئران:::: لوسیفر آ گیا ہے۔

وہ اپنے ساتھ نجانے اتنے لوگ کہاں سے لایا ہے۔

ازموڈیس:::: ایسا دھماکا صرف ازموڈیس کا بیٹا ہی کر سکتا ہے۔

اُسے مُجھ تک لاؤ۔۔۔ ایک خوروچ اُس پر نہیں آنی چاہیے۔

میں اُس کا ایسا دماغ صاف کرو۔ گا کہ سوائے اُسے اپنے نام کے کچھ یاد نہیں رہے گا۔

اُسے لوسیفر کے مطلب کو سمجھ کر میری جگہ پر بیٹھنا ہو گا۔

ماہِ نور::::: وہ میرا بیٹا ہے۔۔۔اور وہ تمھارے اس نظام کو ہلا کر رکھ دے گا۔

اچانک ازموڈیس اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا۔

ازموڈیس::::: آگر ایسی نوبت آئی تو اُسے مار کر میں اس قلعے میں اُسی کی لاش کو عبرت کا نشان بنادوں گا۔

اور پھر ایک اشارے پر ماہِ نور کو وہاں سے لے جایا گیا۔

سکندر جو لوکل مافیا کے لوگوں کو۔اکھٹا کرتا ایک اپنی ہی فوج تیار کر چکا تھا۔

قلعے پر ایک کے بعد ایک دھماکا کرنے لگا۔

فضا میں دھوا پھیلا ہوا تھا۔

باہر کا منظر اُس کے آنے سے خاصہ تبدیل ہو چکا تھا۔

ایریا ایٹ وان کی زمین جنگ کا ساماں بن چُکی تھی۔

لوگ ایک دوسرے کو ایسے مار رہے تھے جیسے اس کے بعد اُنہیں دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔

ازموڈیس جو قلعے میں موجود ایک لمبی عمارت سے نیچے کا منظر بہت مزے سے دیکھ رہا تھا۔

وہ بنا کوئی عمل دخل دیے سب ہونے دے رہا تھا۔

آئران جو اُس کے حکم کا پابند تھا اُسے بھی کچھ بھی کرنے سی روک دیا گیا تھا۔

آئران:::: ھمارے آدمی مر رہے ہیں۔ کیا ہم کچھ کریں گے نہیں؟

ازموڈیس:::: یہ زمین ہمیشہ سے خون مانگتی ہے۔

اگر کچھ لوگ مر جائیں گے تو ازموڈیس کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مجھے بس لوسیفر چاہیے۔

وہ نہیں جانتا کہ وہ خود میں کیا ہے۔۔

بس اُس میں موجود ہمدردی، احساس کے جذبے کو ختم کر کہ اُسے سفاک بننا ہو گا۔

اُس کی ماں اور اُس کی وہ بہن اُس کے راستے کی رکاوٹ ہیں۔

وقت آنے پر اُسی کے ہاتھوں سے اُن دونوں کا سر قلم کروا کے میں اُسے

لوسیفر بنا دوں گا۔

تاکہ وہ میرا پیروکار بن کر میرے قدموں کو زمین پر اور قابض کردے

تم بلاؤ میکس کو

وقت آ گیا ہے کہ سکندر کی کتاب کے ہر صفحے کو پھاڑ کر اُس سے الگ کر دیا

جائے۔۔۔

اُسے لوسیفر بنانے میں مجھے صرف کچھ محنت کرنی ہو گی۔

آئران:::: جیسا آپ کا حکم میرے خدا۔

دوسری طرف ایک الگ ہی میدانِ جنگ بکھرا پڑا تھا،

لاشوں کے ڈھیر ایسے لگے تھے کہ دیکھنے والے کی حیرت گم ہو جائے۔

سکندر کے اپنے بہت سے ساتھی مارے جا چکے تھے۔

جمشید::::: بھاؤ ہم وہاں تک پہنچ نہیں سکیں گے

جمشید جو گن میں گولیاں بھرتے ہوئے بولا۔

جمشید::::اُن کے ادمی اور اسلحہ ہم سے زیادہ ہے

سکندر::::::ہم پہنچے جائیں گے۔

دوسری طرف ازموڈیس جونیچے کی طرف اترتا ایک کمرے میں داخل ہوا تو

بولا۔

ازموڈیس::::کیا امکانات ہیں اب تک۔

کرسی پر بیٹھا ایک لڑکا جو ازموڈیس کی آواز پر چونک کر کھڑا ہوا تو بولا۔

جہانگیر:::::و۔۔۔ہ قلعے کے ایک حصے پر قبضہ کر چکے ہیں۔

اور دوسرے حصے پر بھی اُن کے قبضہ کر لینے کے اسی فیصد امکانات ہیں۔

باقی۔دو حصے کسی طور اُن کے ہاتھوں میں آ نہیں سکتے۔

ازموڈیس:::یہاں تک کے سارے راستے کھول دو

آنے دو لوسیفر کو ازموڈیس کی دنیا میں۔

جہانگیر بنا کچھ کہے ازموڈیس کو دیکھنے لگا تو سے کوہاں میں ہلاتے ہوئے کچھ

دور کھڑا ہو گیا۔

اور ازموڈیس اپنے چہرے پر ایک مسکراہٹ کو روشن کرتا وہاں سے چلا گیا۔

راستہ صاف ہے اب آؤ لوسیفر جلدی اؤ۔

مجھے صرف تمہارا ہی انتظار ہے۔

سکندر جو ایک آدمی کو زمین پر پٹخ کر کر سامنے دیکھنے لگا تھا۔

ایک پل میں اُس کی آنکھیں خیرت سے جگ مگا چکی تھی۔

سامنے کا راستہ ایسے سکندر کے۔لیے صاف ہوا تھا جیسے وہاں اُس کے آنے کے استقبال میں ہر کوئی بچہ کچا زمین پر موجود لاشوں کو ایک طرف کرنے لگا۔

سب کے ایک ہی طرح کے ردِ عمل پر سامنے موجود سکندر کی منزل تک کا سارا راستہ صاف ہو گیا۔

اور پھر قلعے کی دیواروں سے ایک آواز ٹکرائی

آگے آجاؤ لوسیفر

جمشید جو سکندر کو۔یوں دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اس سب کی اُمید نہیں تھی۔

سکندر جو اپنے اِرد گرد ایک جنگ کے سماں کو دیکھ رہا تھا۔

اُسے ازموڈیس کی یہ چال کچھ سمجھ میں نہ آئی تو کچھ سوچنے لگا۔

آس پاس ہر کوئی ایک دوسرے کو قتل کر دینے کے در پر تھا

مگر ایسے میں یوں سکندر کے لیے سارا راستہ صاف ہو نا کیا تھا

کوئی بھی سکندر پر وار کرنے کی جرت نہیں کر رہا تھا۔

سوائے اس کے کہ وہ ازموڈیس تک لے جانے والے راستے کو صاف کر دیں

۔

جمشید کے سر کے اشارے پر سکندر نے جمشید کو اشارہ کیا تو جمشید سے کو ہاں

میں ہلانے لگا۔

اور پھر سکندر اپنے ہی روب و دبدبے کے انداز میں چلتا ہوا اُس صاف راستے

سے گزرنے لگا جہاں کہیں خوف کی چھینٹے تھی تو کہی خون کے لو تھڑے۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے کا سارا راستہ ایسے بند ہوا جیسے جو تالے کو چابی سے بند

کر کہ اُسے میں موجود خالی جگہ کو پر کے دیتا ہے۔

سکندر اپنے انداز میں چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو سامنے پڑے تخت کو دیکھ وہ اُس پر بیٹھے شخص کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر بائیں آنکھ سے کچھ نیچے ایک ایسی لکیر کا نشان تھا جیسے اُس کے چہرے پر کسی نے ضرب دی ہو۔

ازموڈیس جو اپنے تخت پر ایسے بیٹھا تھا جیسے وہ اپنی بادشاہت کا روب سکندر کو باور کروا کر اُسے اپنی دنیا کا لالچ دینا چاہ رہا تھا۔

ازموڈیس:::: کیسے ہو لوسیفر۔

مجھے پہچانا؟؟؟

سکندر:::: چہرے پر لگی اس ضرب سے تو لگتا ہے تم ازموڈیس ہو۔

ازموڈیس:::: تو مطلب یاداشت کافی تیز ہے تمھاری۔۔

سکندر:::: میرے ہاتھ بھی بہت تیز ہیں۔

چہرے پر لگی اس ضرب سے یاد ہی ہو گا تمہیں۔۔

ازموڈیس:::: یاد ہے۔۔۔سب یاد ہے۔

یہ بتاؤ تمھاری بہن کیسی ہے۔

زندہ ہے یا مر گئی؟

سکندر:::: اے۔۔۔ازموڈیس۔۔۔۔ سکندر صالح یہاں تُجھ سے بات کرنے نہیں آیا۔۔

بلکہ تُجھ سے حساب مانگنے آیا ہے۔

تیری ہمت بھی کیسی ہوئی۔۔۔ میری بہن پر حملہ کروانے کی۔

ازموڈیس:::: لوسیفر وہ تمھاری کامیابی پر رکاوٹ کا ایک دھبہ ہے۔

عورت صرف کھیلنے کی چیز ہے۔ کھیلوں اور پھر پھینک دو۔

یا استعمال کرو اور مٹا دو۔۔

سکندر:::: مجھے تیری یہ گھٹیا زبان سننا اچھا نہیں لگا۔

تیری زبان تیری طرح گھٹیا۔۔۔ پلید۔۔۔اور۔۔ کمینیت سے بھری ہے۔

ازموڈیس:::: اپنی اُس بدذات ماں کی طرح ضدی۔۔

سکندر اچانک سے آگ بگولا ہوتا ازموڈیس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دوسرے ہی پل ازموڈیس کے ادمیوں نے سکندر کو پکڑ لیا۔

سکندر::::: اگر میری ماں کے بارے میں ایک لفظ بھی تیری زبان سے نکلا تو از موڈیس میں سکندر صالح تیری اس سلطنت ہو مٹی کا ڈھیر بن دوں گا۔

ایک لفظ بھی میری ماں کے بارے میں نہیں۔۔

سکندر ایسے بولا کہ پیچھے کھڑے جہانگیر کی نظریں سکندر کے انداز پر جم گیئں تھی۔

سکندر:::: اپنی زبان کو صرف اتنا چلا جتنا کہ تو بعد ائ برداشت کر سکے۔۔۔ ورنہ خدا کی قسم ہے میں اس قلعے میں موجود تیرے ایک ادمی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

میں حساب لینے نے لیے آیا ہوں اور تُو مجھے روک نہیں سکتا۔

مقابل میں بیٹھا شخص سکندر کی باتوں پر قہقہ لگا کر ہنسنے لگا۔

::: از موڈیس

تو تم اپنے باپ سے حساب مانگو لو سیفر

سکندر::::: میرا نام سکندر صالح ہے اور میرا کوئی باپ نہیں

:::ازموڈیس

جو بھی ہو تم ہو تو مجھ جیسے شیطان کے بیٹے ہی۔

::::سکندر

یوں کہو نہ کہ ناجائز باپ کی ناجائز اولاد ہوں۔

ازموڈیس::: چلو باپ تو ہوں ہی سہی۔۔

لوسیفر:::اپنی زبان کی کمینیت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تمہاری حواس کا نتیجہ ہوں میں۔

ازموڈیس::: ویسے تمہاری ماں خوبصورت بہت تھی جانتے ہو کیسے میں نے تمہاری ماں کو اپنی حواس سے کچلا۔

سکندر ایک پل میں آپے سے باہر ہو گیا اور دونوں آدمیوں کو خود سے دور کرتے اُس نے دوسرے ہی پل وہاں موجود ہر شخص کو حیران کر دیا۔ سکندر نے ایک زوردار مکا ازموڈیس کے چہرے پر رسید کیا اور بولا۔

سکندر::::: گھٹیا انسان میری ماں کے بارے میں ایک لفظ اور مت نکالنا۔

ورنہ تمہاری اس زبان کو کاٹ کر فلسطین کے کتوں کو ڈال دوں گا۔

سکندر کے اس عمل پر اُس کے آدمیوں نے بندوقوں کا رخ سکندر کی طرف

کیا تو وہ شخص ہاتھ کے اشارے سے منع کرتا بولا

ازموڈیس:::: بلکل اپنی ماں کی طرف ضدی۔۔

میں نے کہا میری ماں کے بارے میں ایک لفظ اور مت کہنا۔ ورنہ خدا کی قسم

ہے تمہاری چیخوں سے یہ شہر گونج اٹھے گا۔۔

ازموڈیس::::: اوہ تُمہاری ماں۔۔۔ یاد آیا تمھارے لیے تو میرے پاس

بہت بڑا تحفہ ہے۔

دیکھانا چاہو گے۔

آئرن کو ایک اشارہ کرتے ازموڈیس طنزیہ انداز میں بولا۔

ازموڈیس:::: تُمہاری خیرت گم ہو جائے گی یہ دیکھ کر۔

جہانگیر جو کھڑا اپنے ٹیب پر سب دیکھ رہا تھا۔

قلعے کے اندر موجود کچھ ادمیوں نے سکندر کے ادمیوں کو اُس جگہ تک جانے دیا جہاں نجانے ہزاروں میں لوگ قید تھے۔

سکندر جواب تک صرف اپنی برداشت کے پیمانے کو بڑھا رہا تھا۔

جمشید کو اُس دینے والا اشارہ یہی تھی۔

اور پھر قلعے کے تیسرے حصے میں موجود اُن قیدیوں کو ایسے نکالا گیا جیسے قلعے میں موجود ایک دُنیا بسی ہو۔

ازموڈیس کے کافی ادمیوں کے مارے جانے کے ساتھ سکندر کے اپنے بہت سے آدمی مارے جاچکے تھے۔۔ مگر نہ جانے وہاں کیا تھا ایسا کہ قلعے میں سکندر کے ادمیوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔

اور ازموڈیس اس گھمنڈ میں کہ قلعہ اُس کا ہے وہ بہت پہلے ہی اپنے خود کے ادمی کھو چُکا تھا۔

سکندر یہاں تک انا کسی ڈر گز مافیا کی وجہ سے تھا۔

اور سکندر اُسی ڈر گز مافیا کے لیے کام کر کے اتنی بری فوج کے ساتھ اُس قلعے میں داخل۔ ہوا تھا۔

جہاں اُس کا ساتھ دینے میں ڈینیل اور اُس کے باپ کا سب سے بڑا ہاتھ تھا جو از موڈیس کے سب سے بڑے مخالف تھے۔

سکندر جو از موڈیس کو اپنی باتوں کے چکر میں پھنسا تا یہ دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کہ از موڈیس کی طاقت اُس پر حاوی ہے
مگر کچھ دیر بعد وہ ہوا کہ جس کی خبر کسی کو نہ تھی۔

جب زنجیروں میں بندھی ایک نہایت زخمی اور اپنی عمر سے زیادہ جلدی بوڑھی ہونے والی عورت ایک پل میں پیچھے سے ملنے والے دھکے سے از موڈیس کے پیروں پر جا گری۔

سکندر جس کی نظر اُس عورت کے وجود پر ہی پڑی تھی ایک پل میں اُس کا وجود ساکن ہو گا۔

اُس کا چہرہ جو اُس کے بگڑے بالوں کی گرفت میں چھپ سا گیا تھا۔

سکندر چہرے کو نیچے کی طرف جھکاتے اُس عورت کو دیکھنے لگا

جو اپنے ہاتھوں کو صاف کرتی دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

جیسے ہی اُس کا چہرہ کچھ واضح ھوا تو سکندر کی ساکن اور جامد آنکھوں میں دیکھتے ہی دیکھتے انسو بھر آئے۔

وہ جو دیکھ رہا تھا اُس پر اُس کا یقین کرنا اس کی دھڑکنوں میں طوفان لے ائی تھا مگر دوسرے ہی پل اُس کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی

از موڈیس::::: پہچان لو؟

شاید یاد آجائے کہ یہ کون ہے؟

جہانگیر جو لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے کو بڑھا تھا اُس عورت کو دیکھ کر کی حیرت گم ہو گئی۔

سکندر جو دو قدم اُس عورت کو طرف بڑھا تو دوسرے ہی پل وہ عورت اپنے چہرے کو اٹھاتی سکندر کی طرف مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھنے لگی۔

سکندر کے دو قدم آگے بڑھاتے ہی اُس کے لبوں سے صرف ایک لفظ ٹکرایا

۔

سکندر:::: ماں۔۔۔۔جی۔

کیا وہ وہی سات سال کا بچہ تھا جس کے ہاتھوں میں اُس کی ماں کا خون میں

لت پت وجود تھا۔

یا وہ وہ تھا جو آج اپنی مری ہوئی ماں کو پندرہ سال بعد زندہ دیکھ رہا تھا۔

کیا یہ ممکن تھا کہ وہ اُس کو دوبارہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ زندہ دیکھ
رہا تھا جو اُس کی کل کائنات تھی

سکندر جو دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

اُن پیروں کی چھو کر محسوس کرنے لگا جس کے تلے اُس کی جنّت تھی۔

سکندر کی آنکھوں سے نکلتے وہ انسوں اُس کی ماں میں پیروں میں جزب ہی

ہوئے تھے

جب اُس کی ماں کی آواز نے اُسے پُکارا تھا۔

ماہِ نور::::: سکندر۔۔۔۔

سکندر دوسرے ہی پل اپنی جگہ پر کھڑا ہوتا اپنی ماں کے اپنے سینے سے لگا گیا۔

مگر اس سے پہلے کہ سکندر اپنی ماں کے لبوں سے کچھ اور سن پاتا اُسی وقت

ایک چاکو

از موڈیس کے اشارے پر ماہِ نور کے اندر گھسا دیا گیا۔

سکندر جو ماں کو اتنے سالوں بعد دیکھ لینے پر ایک الگ ہی دُنیا کے آغوش میں

تھا اچانک

ایک آواز کے ساتھ ماہِ نور کو کو خود سے الگ کرتا دیکھنے لگا۔

دو انسوں ماہِ نور کی آنکھوں میں موجود تھے۔

جب سکندر کے چہرے کو دیکھ وہ مُسکرا کر بولی۔

ماہِ نور::::: ماما تم سے بہت پیار کرتی ہے سکندر۔

سکندر جو پیچھے پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہوئے چاقو کو دیکھنے لگا تھا۔

اچانک کانپتے ہاتھوں سے وہ چاقو کو نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ہاتھوں میں موجود خون وہ بھی اپنی ماں کا ایک بار پھر وہی مرتا وجود دیکھ کر اُس کی روح کانپ گئی تھی۔

سکندر::::م۔ا۔۔۔ں۔۔

چہرے پر ہاتھ چھرے سکندر اپنی ماں کو ہوش دلانے لگا

جب اُس کی ماں کے لبوں سے وہی آخری الفاظ نکلے جو پہلے اُس نے سکندر سے کہے تھے۔

ماہِ نور::::روشانے کا خیال۔۔۔۔رکھنا۔

ماما تم دونوں سے بہت۔۔۔پیار کرتی ہے۔

اور پھر ایک ترپ کے ساتھ ماہِ نور نے ایسے آنکھوں کو میچا کہ سکندر کا دل۔ پھٹ سا گیا۔

اور کانوں سے پھر وہ الفاظ ٹکرائے کہ سکندر چیخ و پکار کرتا رونے لگا۔

ماہِ نور::::لا۔۔۔۔۔۔الہ۔۔۔۔۔الااللہ۔۔۔۔۔۔۔ محمد۔۔۔۔

ر۔۔۔۔سول ا۔۔۔للہ۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس زہریلے خنجر نے ماہِ نور کے اخری ایام کو کلمے کی موت پر ختم شد کیا۔

جہاں کی چیخ و سے وہ قلعہ گونج اُٹھا

ابھی تو اُس نے اپنی ماں کے چہرے کو جی بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

کانوں میں موجود آواز پر اُسے یقین ہی تو آیا تھا۔

اُس کے چہرے سے برستے انسوں نے اُس کو دنیا تباہ کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

اُس کی ماں اُس کے ہی ہاتھوں میں دم توڑ گئی۔

سکندر:::::: صرف سات سال کے بعد یہ ملاقات تھی میری۔

ما۔ں۔۔۔

کیا کروں میں۔۔۔

ابھی تو میں سنبھالا بھی نہیں تھا۔

میں کہاں جا کر روں کہ مجھے سکون آجائے۔

میرے دل پر لیے وار کا زخم میرے جسم سے آر پار ہو گیا ہے۔

اپنی آنکھیں کو خدا کے لیے کھول لو۔

ایسے اپنے بیٹے کو بے سکون چھوڑ کر مت جاؤ۔

سکندر نہ جانے کس قرب سے گزر رہا تھا۔وہ دنیا میں سب سے زیادہ اپنی کائنات یعنی اپنی ماں سے محبت کرتا تھا

کیا محبت کا ہر بار انجام جدائی ہے۔

ازموڈیس::::: آئران اس کی لاش کو اٹھاو اور جلا دو۔

سکندر جو ابھی ایک درد کی انتہا پر تھا اچانک ازموڈیس کی آواز پر اپنی لال ہوتی انکھوں کے ساتھ اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

ابھی کہ آئرن نے اپنے ہاتھ کو ماہِ نور کی طرف بڑھایا ہی تھی۔

سکندر دوسرے ہی پل میں اُس کے ہاتھ کو روکتے ہوئے اپنی آنکھوں کو میچتے ہوئے بولا۔

سکندر::::: مجھے میری ماں کی قسم ہے تم لوگوں کا وجود بھی اس زمین پر باقی نہیں چھوڑوں گا۔

اور پھر وہ ہوا جس کے لیے ایک پل کے لیے ازموڈیس بھی اپنے قدموں کو پیچھے کی طرف بڑھا۔۔۔ گیا

جب سکندر نے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑے ہوتے ائران کے چہرے کو اُلٹی طرف سے ڈبوچتے ہوئے اُس کے دانتوں میں ہاتھ ڈالتے۔ اُس کے منہ کو دونوں سمت سے ایسے کھینچا کہ ائراں کا چہرہ ہونٹوں سے کٹ کر دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔

ابھی کہ آئران اپنے بچاؤ میں کچھ اور کر پاتا سکندر نے اُس کی گردن کو زور سے پکڑ کر پہلے جھٹکے میں توڑ دیا

اور ائرآن کا وجود زمین اور گر گیا۔

وہاں کیا ہوا۔۔۔ کیسے ہوا۔۔۔ پل بھر میں سکندر کا انداز بدل گیا۔

سکندر کے ایک اشارے اور جہانگیر وہاں سے جانے لگا تو ازموڈیس بولا۔

ازموڈیس::::یہ۔۔۔تم نے کیا کیا۔لوسیفر

سکندر جو اپنا رخ ایک جھٹکے کے ساتھ اُس کی طرف موڑ چکا تھا بولا۔

سکندر:::::موت کا کھیل تم نے شروع کیا۔۔۔

اب یہ تم سب کی چیخوں کے ساتھ اس قلعے کی دیواروں میں ختم ہو گا۔

ازموڈیس:::::تم میرے علاقے میں ہو۔

سکندر::::اے ازموڈیس۔۔۔۔میں۔۔۔لوسیفر۔۔ہوں اور اب

سے۔۔۔۔یہ علاقہ میرا ہے۔

تیرا وقت ختم ہوا۔

ازموڈیس:::::میں چاہتا تھا کہ تُمھیں۔۔۔۔ایک موقع دوں

مگر نہیں۔

اور پھر اُس نے اپنے ادمیوں کو اشارہ کیا

وہی بندوقوں کا رخ سکندر کی طرف ہوا تو انگلیاں ٹریگر پر ہو گئیں

اور پھر گولیوں کی آواز ایسے چلی کہ وہاں کا منظر بدل گیا۔

ٹھاٹھاٹھاٹھاٹھاٹھاٹھاٹھاٹھا

ازموڈیس جس کارخ آسمان کی طرف تھا۔۔

اوپر سے چلتی گولیوں نے جنگ کا سماں بدل کرر کھ دیا تھا۔

ازموڈیس کے ادمی ایسے زمین پر گرے جیسے ایک ساتھ اُن کی جانوں کو قابض کر لیا گیا ہو۔

زمین پر لاشوں کے ڈھیر ایسے تھے جیسے مٹی کی دھول۔

جہانگیر جو کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔اچانک سکندر کی ماں کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

جہانگیر:::::مجھے بھی ماردو۔۔۔

جہانگیر ابھی اپنی بات کہہ رہا تھا جب سکندر بولا

سکندر::::ماں کو یہاں سے لے کر جاؤ۔۔

جہانگیر جو جھکی نظروں سے اپنی بات کہہ رہا تھا۔سکندر کی بات پر چونک کر دیکھنے لگا۔

سکندر جہانگیر کے اُسے یوں تکنے پر غرایا اور بولا

سکندر::::: میں نے کہا یہاں سے جاؤ۔۔۔

جہانگیر جو ابھی کچھ اور کہہ پاتا وہی سکندر کی بات پر ماہِ نور کو زمین سے اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

قلعے کے اندر خاصی تباہی ہو چکی تھی۔

ازموڈیس::::: جہانگیر۔۔۔۔ تم۔۔۔ مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ روکو۔

سکندر:::: ازموڈیس میری طرف دیکھ۔۔

تو نے مجھے لوسیفر بنا دیا۔ سفاکی دیکھ میری۔

تم میں سے ایک بھی اس قلعے سے باہر نہیں جا سکتا۔

سکندر نے وہی ازموڈیس کے تخت سے جوڑی تلوار کو ایک جھٹکے سے نکالا اور پھر ایک جھٹکے سے ازموڈیس کے ہاتھ کو کاٹتے ہر بولا

سکندر::::: میرے ماں کی چھونے کی یہ سزا ہے۔

ازموڈیس جو سکندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔اچانک سکندر کے اس قدم سے

وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوتے ہوئے رونے لگا

سکندر:::::: یہ میری میری بہن پر گولی چلانے کے لیے

سکندر ازموڈیس کا دوسرا ہاتھ کاٹتے ہوئے بولا۔

ازموڈیس جو چیلا رہا تھا۔

سکندر اُس کے چیخوں کو سن کر بولا۔۔

سکندر:::: چیخوں۔۔۔ازموڈیس۔۔۔کہ یہ قلعہ تمھاری چیخوں سے گونجا

چاہئے۔

اور پھر سکندر نے دوسرے جھٹکے سے ازموڈیس کی ٹانگ پر وار کیا تو وہی

ازموڈیس اُس کے پیروں پر گرتا

روتے ہر چیخنے لگا۔

سکندر جو ایک بعد ایک اعضاء کو اُس سے الگ کر رہا تھا۔

وہ اُسے ایک پل کی بھی مہلت نہیں دے رہا تھا

سکندر نے ایک اور وار کیا تو ازموڈیس کی دوسری ٹانگ بھی اُس سے الگ ہو گئی۔

ازموڈیس کا وجود زمین اور ایسے گر گیا کہ سوائے اُس کے چیخنے کے لبوں سے کوئی بات تک نہ نکلی۔

سکندر نے اُسے تلوار کی تیز دھار سے اُس کا سینا چاک کیا

اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھے اُس کے سینے میں کی جانے والے چاک حصے میں اپنے ہاتھوں کی گرفت کو مضبوط کر کہ اُس کے سینے کو کھول کر رکھنے لگا۔

جہاں ازموڈیس کی چیخوں نے اُس قلعے کو وہ رونق بخشی کہ سُننے والوں کا دل دہل کر رہ گیا۔

سکندر کے ہاتھ خون سے بھرے ہوئے تھے۔

سامنے ازموڈیس گرا پڑا تھا جو اپنی زندگی کی آخری سانس کو لے رہا تھا۔

سکندر کے چہرے پر انتقام کا ایسا بھیانک پہرہ تھا کہ وہ اُس شخص اور اپنے درمیان آنے والے ہر آدمی کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔

آس پاس لاشوں کے ایسے ڈھیر لگے تھے کہ جیسے لاشوں کا دریا بہہ رہا ہو۔

سکندر::::: تم نے مجھے وہ بنا دیا جو میں نہیں تھا۔

تم نے میری کائنات کو مجھ سے چھین لیا۔

تم نے مجھے لوسیفر بنا دیا۔ خود جیسا ایک شیطان۔

وہ مرتا ھوا آدمی سکندر کو تڑپتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اور پھر سکندر اُس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

سکندر:::: میرے یہ ہاتھ دیکھ رہے ھو۔ تم جیسے شیطان کے خون سے بھر گئے ہیں۔

یہ دیکھو۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ میرے ہاتھ۔ کس قدر تمھارے ناجائز خون کے چھینٹے میرے وجود پر کالک کی طرح پڑے ہیں۔

میرا دل کالا ہو گیا ہے۔ کیوں کہ میری نسوں میں بہتا تمہارا خون مجھے میرے ناجائز ہونے کا یقین دلا رھا ہے۔

تم نے میری ماں کو مار کر مجھے بے رحم درندے میں بدل دیا ہے۔

جو آگ تم نے میرے وجود کے ہر حصے میں لگائی ہے یہ آگ تمھارے اور تمھارے اس شہر کو نظر آتش کرنے کے بعد مجھ میں بجھے گی

دیکھو میری سوچ۔۔۔ تم جیسی ہے۔۔ کتنی بھیانک۔

میری ماں یہ نہیں چاہتی تھی مجھ سے جو تم نے اور اس دنیا نے مجھے بنا دیا۔

وہ نہیں رہی تو تم بھی نہیں رہو گے۔نہ تم رہو گے نہ ہی

.تمہارا یہ علاقہ۔

اور پھر سکندر نے چیرے ہوئے سینے کے بیچ و بیچ اُس تلوار سے ایسا وار کیا کہ ازموڈیس کی وہ سخت جاں جواب تک اُس کے وجود سے نہیں نکلی تھی وہ نکل گئی۔

سکندر جو اپنی آنکھوں کو میچتے ہوئے وہ اخری قدم بھی اُٹھا چکا تھا جس سے وہ چیخیں اُس قلعے میں دب گئی۔

سکندر کچھ فاصلے سے آتے جمشید کو دیکھنے لگا تو اُس کا انداز بدل گیا۔

سکندر::::: جمشید

سکندر ایک پل میں چیلا کر بولا۔

سکندر::::: ماردو سب کو۔ کوئی بھی اس شہر میں بچنا نہیں چاہیے۔

جمشید سکندر کی بات پر اُسے نہ سمجھی میں دیکھنے لگا

جمشید::::: مگر۔

سکندر کی ایک نظر جمشید کو خاموش کرواگئی۔اس نے جمشید کے مگر پر اُسے ایسے دیکھا جیسے اُس کے اگلے لفظ پر وہ اُس کا سر دھڑ سے الگ کر دے گا۔

اور پھر وہی ہوا جو سکندر کا حکم تھا۔

اُس جگہ کو راکھ کے ٹیلوں میں بدلنے کے لیے سکندر نے اُس جگہ کو نظر آتش بنادیا۔

(((((حال

الیکس لوتھر:: ہمیں یہاں کو بلایا ہے۔

ارنو::::: صبر کرو الیکس۔ابھی سب پتہ چل جائیگا۔

جیری ہلیپس:::: کیا پتہ لگنے لگا جو تم سے اُگلا نہیں جا رہا۔ بیرڈ:::: تو تو ایسے بول رہا جیسے وہ تجھے اپنی بہن دینے لگا ہو۔

اس بات پر سب کا قہقہ بلند ہوا۔

ارنو::: اوئے تم سب کو یہاں پکنک پر نہیں بلایا میں نے۔

بیسٹ:::: تو کیا اُس کا مُجرا دیکھانے کے لیے بلایا ہے۔

بران:::: اسورا نے یہاں بلایا۔

الیکس:::: کیوں؟؟؟

ارنو::: اسورا تم سب سے ملنے چاھتے ہیں۔

بیسٹ:::: مگر ہم سب تو نہیں ہیں۔

کیا اسورا کوئی نیا کھیل تو ہمارے ساتھ نہیں کھیلنے والا۔

بران::: وہ سب بھی یہی ہیں۔

الیکس::: کہاں ہیں؟؟؟

اچانک کمرے کے دروازے کی آہٹ کمرے میں گونجی تو باقی تمام مافیا

گروپس کے لیڈیز کمرے میں داخل ہوئے۔

سب کی نظر اُس طرف گھومی تو ایک کہ بعد ایک اپنی جگہ پر بیٹھنے لگا۔

الیکس کو معاملہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

ابھی وہ موڑا ہی تھا۔ کہ باس کی کرسی جھومتی ہوئی اس کی نظروں میں آکر

ٹھہر سی گئی۔

کُرسی میں بیٹھے شخص کو وہاں کوئی بھی نہیں جانتا تھا سوائے اس کے کہ وہ

اسورا ہے۔

کمرے میں مکمل سناٹا چھا گیا جیسے وہاں ہر کسی کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

ابھی کہ الیکس کچھ کہتا اچانک اسورا کی آواز کمرے میں گونجی۔

اسورا:::: سب آگئے ہیں۔؟؟

ارنو::: جی باس

اسورا تیز نظروں کے ساتھ ایک شیطانی مُسکراہٹ چہرے پر واضح کرتے ہوئے بولا۔

اسورا::::: چلو پھر لوسیفر کی بربادی کا شیطانی کھیل شروع کریں۔

اچانک ہر کوئی ایک دوسرے کے چہرے کو تکنے لگا۔

ارنو دوسرے ہی پل کچھ فائلز کو ہر ایک کے سامنے رکھنے لگا۔

جب کہ ہر کسی کی نظر اسورا کے چہرے پر ٹکی کسی گھڑی کی سوئی کی طرح تھی۔ جو بار بار گھوم پھر کے اُسکی چہرے پر اٹک رہی تھی۔

ابھی کہ سب اپنی اُس فائل کو دیکھ رہے تھے۔ کہ اسورا کے دو آدمیوں نے اُس کمرے کے دروازے کو کھولا۔

ہر کوئی دروازے سے داخل ہونے والے شخص کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر جب کوئی نظر نا آیا تو ہر ایک کی توجہ اسورا کی آواز پر گھوم گئی۔

اسورا::::: ناگینی! تم آگئی۔ تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔

دوسرے ہی پل سب کی نظروں کا رخ واپس دروازے کی طرف گیا تو ہر ایک کی سانسیں خوف سے اٹکنے پر مجبور ہو گئیں۔

کیوں کہ میز کی سمت پر آتا ایک ۱۲ فٹ لمبا سانپ سب کو خوف سے اٹھنے پر مجبور کر گیا۔

جب کہ وہ سانپ اپنی زہریلی دانتوں کو اُن سب کی طرف واضح کرتا میز پر رینگنے لگا۔

خوف سے الیکس کے ساتھ مائیکل بھی میز سے دور ہٹ گیا۔

بیرڈ::::: ی۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔سانپ۔۔کو۔۔۔ن۔۔پاگل لایا ہے۔۔مارو۔۔۔سانپ کو۔دیکھ کیا رہے ہو۔

اُس کی آواز پر اچانک اسورا کے چہرے کے تاثرات سخت ہوئے جب کہ وہ سانپ وہی اُس کے پاس رکتا اُس پر جھپٹنے لگا۔

اسورا:::: نہیں۔۔۔ناگینی ابھی نہیں

وہی وہ سانپ جیسے اسورا کی بات کو سمجھتا آگے کو بڑھا تو ہر کوئی خوف سے کھڑا ہی رہ گیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سانپ اسورا کے ہاتھوں سے ہوتا اُس کی گردن سے اُس کے سر کے تاج کی شکل ڈھا گیا۔

ارنو جو پاس کھڑا تھا اسورا کی ایک سخت نظر کو سمجھتے ہوئے بولا۔

ارنو:::: بیٹھ جاؤ سب۔

اور پھر اسورا کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھتے ایک کہ بعد ایک اپنی جگہ پر بیٹھنے لگا۔

بران:::: تم سب کے سامنے جو یہ فائلز پڑی ہیں ان کو کھولو۔

اور پھر ہر کوئی اپنے آگے موجود اُس فائل کو پکڑنے لگا۔

بران:::: یہ اب تک کہ لوسیفر کے تمام دھندوں کی مکمل معلومات ہے۔

بیرڈ:::: تو ہمیں کیوں دکھا رہے ہو۔

اسورا:::: بیرڈ تمہاری زبان بہت چل رہی ہے۔اور مجھے اور ناگینی کو زیادہ بولنے والے پسند نہیں۔

بیرڈ:::: تو سوال نہ کروں تو اور کیا کروں۔

سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

تمہیں ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔

اسورا:::: زبان کو دیکھ کر استعمال کرو۔ورنہ کاٹ کر پھینکنے کی نوبت آجائے گی۔

بیرڈ:::: تم ہوتے کون ہو مجھ سے ایسے بات کرنے والے۔

اسورا:'::: میں اسورا ہوں اور تم جیسے کیڑے کے لیے یہی جاننا کافی ہے۔

بیرڈ:::: کیا کہا ہے تم نے؟

تمہارے اتنی ہمت۔

ابھی کہ بیرڈ کچھ کرتا۔

دوسرے ہی پل اسورا ایک مسکراہٹ کو لیے بولا۔

اسورا:::: تمہاری زبان پسند نہیں۔

اور پھر وہ ہوا کہ ہر ایک خوف سے چیخ اٹھا۔

وہ سانپ جو ابھی اسورا کے سر کا تاج بنا تھا ایک جھٹکا کھاتے ہوئے بیرڈ پر حملہ آور ہو گیا۔

اور ایک پل میں اُسے کے چہرے کو اپنے زہر کے ساتھ بھرتے اُسے کھانے لگا۔۔

اور سب کی آنکھوں میں موجود وہ منظر بیرڈ کی چیخوں سے دب گیا۔

بران:::::انجام تم سب جان چُکے ہو

ہر ایک کو جو فائل دی گئی ہے اُس کے مطابق تم سب کو لوسیفر پر وار کرنا ہے ایک ساتھ۔۔

اسورا:::: ورنہ زبان کی بے ادبی کی سزا تو تم سب آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

ارنو:::: کسی کا کام رکنا نہیں چاہیے۔

اسورا::: کیوں اگر رُکا تو تم سب کی سانسوں کا چلتے رہنا دشوار ہو جائے گا۔
اور پھر اسورا کا وہ سانپ اُسے کے بازوں کی سمت سے اترتا ایک جگہ رُک گیا۔

اور پھر اسورا اپنی جگہ سے اٹھتا بولا۔

اسورا:::اس کھیل کے پیادے تم لوگ ہو مگر پیادوں کو چلانے والا ہی کھیل کو جیتتا یا پھر ہارتا ہے۔

اور اسورا کو ہر حال میں جیت کا مزہ لوٹنا ہے لوسیفر کو اُس کی بربادی کا مزہ چکھا کر۔

اور پھر وہ بران ہلڈ کی طرف موڑا اور بولا۔

کیمرے اور اسپیکر آن کرو۔اور بلاؤ اُسے جو لوسیفر کی مخبری کر کہ کھیل کو بدلنے والا ہے۔

اور پھر اسورا یہ کہتا وہاں سے پیچھے کے کمرے میں چلا گیا۔

اور ساتھ ہی وہ سانپ اپنی رینگنے والی چال کے ساتھ اسورا کے ساتھ اُس کمرے میں داخل ہوا۔

اور ارنو جو اسورا کے ہاتھ کے اشارے کو دیکھ سانپ کی طرف متوجہ ہوا تو کانپتے قدموں کے ساتھ پیچھے چلا گیا۔

الیکس:::: اسورا کس کی بات کر رہا تھا؟

جیری:::: شاید وہی جو لوسیفر کو دھوکا دے کر اسورا کے لیے کام کر رہا ہے۔

بران نے دو آدمیوں کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا تو وہ اندر داخل ہوتے ہی بیرڈ کی بچی کچی لاش کو ایک پلاسٹک کے بیگ میں ڈالتے چلے گئے۔

اور پھر بران سب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا

بران:::: آپ سب یہ جاننے کے لیے بے حد قرار ہو گے کہ آخر کون ہے جو لوسیفر کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

مائیکل:::: یہ لوسیفر کی کوئی چال ہو سکتی ہے۔

بران:::: پچھلے کافی سالوں سے وہ میرے اشاروں پر کام کر رہا ہے۔

الیکس:::: توآخر کون ہے وہ؟؟

بران دروازے کی طرف متوجہ ہوا تو ایک جھٹکے کے ساتھ کمرے میں موجود

تیسرا دروازہ کھولا

توسب کی نظریں دروازے کی طرف جم گیئں۔

جب سامنے سے داخل ہوئے والے شخص کو دیکھ کر سب کی حیرت گم ہو

گئی۔

الیکس::::: کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ وہ شخص ہو گا۔

مائیکل:::: یہ کون ہے؟

الیکس:::: جہانگیر۔

جب کہ بائیں جانب کے دروازے سے آتا جہانگیر نے چہرے کی مسکراہٹ

سے ہر ایک کی وردائے حیرت گم کر چکا تھا۔

جہانگیر اپنے بے فکرانہ انداز سے چلتا ہوا بران کی طرف بڑھا تو الیکس کے

ماتھے کے بل کو دیکھ کر بولا

جہانگیر:::: کیا بات ہے یہاں تو جم کر محفل لگی ہے۔

بران:::: یوکارس نہیں آیا؟

جہانگیر:::: کرابے کے ساتھ آنے ہی والا ہے۔

بران:::: خبر کیا ہے؟

جہانگیر:::: خبریں تو بہت ہیں۔

کیا سننا پسند کرو گے۔

بران::: بیٹھ جاؤاور پھر بتانا شروع کرو۔

جہانگیر::: لوسیفر اپنی بیوی کے ساتھ انقرہ ہے۔

کل تک وہ وہاں سے نکل جائیں گے۔

بران::: لوسیفر دوبارہ سے پاکستان جانے والا ہے؟

جہانگیر:::: ایسے کیسے پاکستان جائے گا۔

فلسطین میں موت کا دنگل کیسے دیکھو گا۔

مائیکل::::تُمہاری کیا دشمنی ہے لوسیفر کے ساتھ جو تم ہمارا ساتھ دینے آئے ہو۔

اچانک جہانگیر کے چہرے کی مسکراہٹ گہرائی ہوئی تو بولا

جہانگیر::: بران لگتا ہے یہاں خاصی بے اعتباری ہے۔

یا یہ جانتے نہیں ہیں کہ لوسیفر کو فلسطین لانے میں کس کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔

الیکس:::: یا ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں دیکھانے کے لیے کیا ہو۔

جہانگیر:::: ایسا ہوتا تو لوسیفر کے یوروشیلم جانے کی خبر بران تک نہ پہنچتا۔

بران::: جو حدشات تم لوگوں کو محسوس ہو رہے ہیں وہ کبھی مجھے بھی تھے۔

پر اگر آدمی اپنی وفاداری کو ثابت کر دے تو بات پھر بے اعتباری سے ہٹ کر ایمانداری پر آجاتی ہے۔

جہانگیر:::: مجھے یہاں بلانے کا مقصد؟

بران:::: لوسیفر کو واپس فلسطین لانا ہے۔

جہانگیر:::کام ہو جائے گا

بران::::ڈینیل کل کی فلائٹ سے فلسطین آرہا ہے۔

میرے ایک اشارے پر تم الیکس اور مائیکل کے ادمیوں کو نورویلہ میں داخل کروگے۔

جہانگیر:::: یہ کام بھی ہی جائے گا۔

بران::::اُس کی بیوی کو مائیکل کے آدمی وہاں سے نکال کر ہم تک لائیں گے۔

جہانگیر::::اور کچھ؟

بران:::: نہیں۔

اچانک اُسی دروازے سے یوکارس اندر داخل ہوا تو بران بولا۔

بران::: کہاں تھے تم؟

یوکارس::: کام کے لیے گیا تھا۔

بران::: تم بیوقوف سے اُمید بھی یہی ہے۔

اور پھر یہ کہتا بران اپنی جگہ پر بیٹھا تو یوکارس بھی جہانگیر کے ساتھ جم کے بیٹھ گیا۔

اور پھر وہاں لوسیفر کے تختہ بادشاہیت کو الٹانے کی خصوصی گفتگو شروع ہو گئی۔

جہاں اسورا کمرے سے لگے ایک علی شان کمرے میں بیٹھا ہر ایک کی باتوں کو سُننے لگا۔

سکندر اور زیمل دونوں کو صبح واپس فلسطین پہنچنا تھا۔

زیمل کی صبح سے طبیعت خاصی بوجھل سی تھی۔ نماز کو ادا کرنے کے بعد وہ بند انکھوں کو لیے سو چکی تھی۔

سکندر باہر جمشید کے ساتھ کھڑا کسی سوچ میں گم تھا جب جمشید کی آواز پر بولا۔

سکندر::: جہانگیر کا بھی فون آیا تھا۔اُسے فلسطین میں میری ضرورت ہے۔

سوچا تو یہی تھا کہ صبح پاکستان کے لیے نکل جاؤں گا۔

ویسے بھی کافی دن ہو گئے ہیں۔ یہاں پر بھی۔

جمشید:::: بھاؤ آپ مارکس کو بولیں وہ جہانگیر کے ساتھ دیکھ لے گا۔ یا میں

رُک جاتا ہوں۔

سکندر:::: نہیں صرف کچھ دنوں کی بات ہے۔

پھر واپس ہی چلنا ہے۔

جمشید::: ٹھیک ہے بھاؤ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔

سکندر::: وانڈا کہاں ہے؟

جمشید::::اُسے میں نے اُس کے کمرے میں بھیج دیا ہے۔

وہ بھابھی سے ملنا چاہ رہی تھی۔ پر میں منع کیا کہ ابھی نہیں۔

اُس کے زخم بھی اب بھر رہے ہیں۔

سوچ رہا ہوں کہ کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلا کر اُس کا مہنگا ٹریٹمنٹ کر والوں۔

سکندر یوں جمشید کے منہ سے نکلتے فکرانہ انداز کو دیکھ کر بولا۔

سکندر:::: تمہیں کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔

کچھ بدلے بدلے لگ رہے ہو۔

جمشید یوں سکندر کے سوال پر اٹک کر بولا۔

جمشید:::: ن۔۔ نہیں۔۔ب۔۔ بھاؤ۔۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔

اُسے اپنی فیملی کے بارے میں کچھ یاد نہیں ہے۔

نا یہ کہ وہ کہاں رہتی ہے۔

نام بھی اُسے شاید معلوم نہ ہوتا۔ اگر وہاں اُسے ڈر گزڈے کر اسے اُس کے

نام سے بلایا نہ جاتا۔

سکندر:::: کافی کچھ جان چکے ہو۔ تم اُس کے بارے میں۔

سکندر:::: پسند کرتے ہو؟

جمشید:::: ن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں تو۔

ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے بھاؤ۔

سکندر کچھ مسکرایا اور بولا

سکندر::: مرد کو محبت چھپانی نہیں چاہیے۔

کیوں کہ یہی ایک چیز ہے جو ایک حیا سوز لڑکی اپنی محبت سے مانگتی ہے۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔وہ۔۔۔

سکندر:::: دیکھ جمشید اگر تو نہیں کرنا چاہتا تو میں جمال سے اُس کا نکاح کروا دوں گا۔

لڑکی اچھی ہے۔اُس کا کوئی والی وارث بھی نہیں۔

اگر تمہیں وہ پسند نہیں اور تم اپنی چاہت کو قبول نہیں کرتے تو میں جمال۔ کو کل ہی فلسطین بلا کر اُن دونوں کی شادی کروا دیتا ہوں

جمشید::: بھاؤ۔۔آپ ایسا نہیں کے سکتے۔

سکندر جمشید کی بات پر دبی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

سکندر::: تم مجھے بہت اچھے سے جانتے ہو جمشید۔

اور یہ بھی جانتے ہو کہ سکندر کچھ کر سکتا ہے اور کیا کچھ نہیں۔

جمشید::: بھاؤ۔۔ میں ونڈا سے خود بات کرنا چاہو گا۔

آپ کچھ وقت دے دیں۔

سکندر::: تو تم اُسے پسند کرتے ہو؟

جمشید سکندر کی بات پر سر ہلانے لگا تو سکندر ایک ہنسی چہرے پر سجائے بولا۔

سکندر::: چلو جاؤ۔

اور پھر جمشید کسی سوچ کے ساتھ کہ وہ ونڈا سے کیسے کہے گا۔ وہ سکندر پر ایک نظر ڈالے وہاں سے چلا گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہے۔؟؟؟ سالار دروازے کھولتے ہوئے بولا

فلضاہ::: سالار بھائی۔۔ آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں گھر اندر آگئی ہوں۔

.سالار::: میں نے آپ سے کتنی دفع کہا ہے کہ میں آپ کا بھائی نہیں ہوں

فلضاہ::: اللہ۔۔ اللہ۔ آپ کو غصہ کیوں آجاتا ہے۔

بھلا میں نے آپ کو اپنا بھائی ہی بولا ہے۔ کہی آپ کو اپنا شوہر نہیں کہ دیا۔ جو آپ ڈر جاتے ہیں۔

اچانک فلضاہ اپنی بات پر غور کرتی میرے ہی سر پر ہاتھ مارتی شر مندہ ہو گئی۔

سالار:::: کیا کہا آپ نے۔

فلضاہ::: کچھ بھی تو نہیں۔

میں چلتی ہوں۔

اچانک فلضاہ اپنے زیادہ بولنے کی وجہ سے واپس کو جانے کے لیے موڑی تو اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ کی گرفت میں محسوس ہوا۔

فلضاہ:::لیہ کہتی تھی تو اپنی زبان کے ہاتھوں کسی دن ذلیل ہو کر رہے گی۔

فلضاہ:::: آاء۔۔سنے۔ سالار بھائی میرا مطلب ہے کہ سالار سر مجھے معاف کر دیں۔

قسم۔ لے لیں میں نے بس جلدی میں بولا دیا۔

ورنہ اللہ اللہ میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔

میری زبان بس زیادہ چلنے کے باعث کچھ بھی کہہ دیتی ہے۔

یقین نہیں ہے تو فرقان بھائی سے پوچھ لیں۔

آپ کو میری بک بک سن کے غصہ آرہا ہو گا۔

پر جب میں ایسا کام کے جاتی ہُوں تو میں نروس ہو جاتی ہوں

پھر ڈر لگتا ہے اور پتہ نہیں میں کیا کیا بولتی جارہی ہوں

سالار اُس کے یوں ایک سانس میں سب بولنے پر اُسے دیکھنے لگا اور پھر اُس کا

ہاتھ چھوڑتے ہوئے بولا۔

سالار:::آپ یہاں کرنے کیا آئی تھی؟

فلضاہ::::میں۔۔

میں کیا کرنے آئی تھی۔

کیا کرنے آئی تھی۔

بھول گئی۔

ہاں میں کہنے آئی تھی کہ آپ مووی دیکھیں گے۔

پر نہیں رہنے دے میں۔اکیلی دیکھ لوں گی۔

میں آپ کو ڈسٹرب کیا۔میں۔۔میں۔۔چلتی ہوں۔

.سالار:::اندر آجائیں

فلضاہ:::نہی۔۔نہیں۔۔سالار بھائی۔

مجھے وہ یاد آیا کہ میں نے تو اپنی فرقان بھائی کے ساتھ دیکھنی تھی۔

سالار::::فرقان بھی آنے والا ہے۔

اندر آجائیں مس۔

فلضاہ جو سالار کو واپس کی طرف موڑتا دیکھ خود سے مخاطب ہو کر بولی۔

فلضاہ:::لیہ تیری کالی زبان تو کالی بلی سے بھی زیادہ تیز نکلی۔

یااللہ میری زبان کے ہاتھوں مجھے اور ذلیل نا کروایئے گا۔

سالار:::اب باہر ہی کھڑی رہے گی یا اندر بھی آئیں گی۔

فلضاہ:::آرہی ہوں سالار بھائی۔

وہ میں سوچ رہی رہی مووی کے لیے کچھ سنیکس وغیرہ لے آؤ۔

وہ ایسا ہے کہ مجھے ایسے موویز دیکھنا پسند نہیں۔

سالار::::کچن میں سب کچھ ہے۔

فلضاہ::::ہیں؟سب کچھ ہے۔؟؟

کوئی تو چیز کم ہو گی۔کہتے ہیں تو میں لے آتی ہوں۔

کول ڈرنک یا کچھ بھی۔

سالار::::سب ہے۔اب آئیں اندر۔

فلضاہ:::کیا پڑی تھی تُجھے۔کیا سوچ رہے ہو گے

کیسی لڑکی ہوں میں۔

سالار:::آپ نے کچھ کہا؟؟

فلضاہ:::میں نے۔؟؟؟

نہیں نہیں۔

میں کہاں کچھ کہتی ہوں۔آپ کو تو پتہ ہے میں کوئی فضول بات نہیں کرتی۔

سالار::::جی؟

فلضاہ::: میرا مطلب ہے بس۔۔ کبھی کبھی۔

اور پھر فلضاہ تھا کہتی وہاں صوفے پر بیٹھ گئی۔

سالار:::: کون سی مووی دیکھنا چاہتی ہیں آپ؟

فلضاہ::: ہارر۔۔۔

سالار::: مجھے لگا تھا کہ۔

فلضاہ::: نہیں نہیں مجھے رومینٹک موویز پسند نہیں۔

سالار::: میں فائٹنگ موویز کی بات کرنے لگا تھا ویسے۔

فلضاہ ایک بار اپنی زبان کو کوسنے لگی تو شرمندگی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولی۔

فلضاہ::: میں بھی وہی بولنے لگی تھی بس وہ انیس بیس کا بولتے ہوئے فرق ہو گیا۔

سالار اُس جواب کے تیر کو نشانے پر لگانے کی مہارت کو دیکھ مسکرایا اور پھر بولا۔

سالار::: ہارر مووی کون سی دیکھنا چاہئے گی؟

فلضاہ:: آج کے دن سے زیادہ ڈرونااور ذلت والے دن کوئی ہو سکتا ہے۔

سالار:::: کون سی مووی۔؟؟؟

فلضاہ::: کوئی بھی سب چلیں گی۔

سالار::: پیرانارمل ایکٹویٹیز پر ایک کیس ہے۔

ایڈ اور لورین کا۔ مووی کا نام یاد نہیں ہے مجھے۔

فلضاہ:::: کنجورنگ

وہی نہ جس میں وہ کلی گندی سے شیطانی نن آجاتی ہے۔اور اُس اُس صوفے

والے بابے کی روح سے اُس بچی کو ڈراتی۔

اور پھر اینڈ پر وہ آنٹی کہتی

وِیلک (اُس شیطان کا نام)

تمھیں میں ایشور کے نام سے نرک میں جانے کا حکم دیتی ہوں۔

اور پھر وہ گندی سے نن اپنا گندا سا منہ کھول کر چیلاتی

یخ۔۔ کتنی گندی تھی وہ نن۔

اور پھر وہ نن نرک میں اپنی اماں کے پاس چلی جاتی۔

وہی ہے نہ ؟؟؟

سالار اُس کی ایکٹنگ کو دیکھ بنا کوئی تاثر دیے کھڑا تھا۔

فلضاہ جو اپنی بات کو سناتی اب صوفے پر کھڑی تھی سالار کے انداز کو دیکھ مسکراتے ہوئے بولی۔

فلضاہ::: آپ اسی مووی کی بات کر رہے تھے۔ سالار بھائی۔

سالار:::: ہاں جی۔ پر لگتا ہے مووی سن کر ہی دیکھ چُکا ہوں

فلضاہ:::: نہیں میں نے نہیں دیکھی ہوئی وہ تو بس ایسے کچھ ہلکے پھلکے سین دیکھ لیے تھے۔

کوئی دو گھنٹوں کے۔

میرا مطلب ہے۔

سالار؛: کوئی بات نہیں میں کوئی اور مووی لگا لیتا ہوں۔

فلضاہ:::: جی ٹھیک ہے۔

سالار::: انسیڈیس؟

فلضاہ::: یہ تو وہی مووی ہے جس میں لال دروازے کھولتے ہیں۔

وہ آنٹی خودی دروازے کھلی جاتی ہے اور پھر خودی کیسیز حل کرتی۔

پہلی اُس جیورج کا اور پھر اُس کے بیٹے ڈالٹن کا۔

وہ جو پارکر کرین کی ماں ہوتی۔

اللہ اللہ ایسی ڈرونی ماں میری ہوتی تو میں اُسے ماں ماننے سے انکار کر دیتی۔

اور اس مووی میں تو اندھیری دنیا ہی نہیں ختم ہوتی۔ اور سے ایک لالٹین پکڑا دیتے۔

بندہ کہاں کہاں اُس سے روشنی کرے۔

بڑا ہی ڈر لگتا ہے۔

سالار::: میرے خیال سے ٹی وی بند ہی رہنے دیتا ہوں۔

اور پھر یہ کہتا سالار فلضاہ کو دیکھنے لگا جو شاید اپنی زبان کی وجہ سے اب اپنا سر پکڑ کر بیٹھی تھی۔

سالار:::اور کون سی مووی آپ نے دیکھی ہے؟

فلضاہ::::بس جون سی بھی دیکھنے کو مل جائے دیکھ لیتی ہوں۔

سالار:::ایول ڈیڈ دیکھی ہے۔

فلضاہ:::ہاں وہی جس کے ایک پارٹ میں لڑکی میں شیطان آجاتا اور پھر وہ اپنی زبان کاٹتی۔

سالار::: مطلب آپ نے دیکھی ہوئی ہے۔

فلضاہ:::ہاں جی مجھے هارر موویز دیکھنا بہت پسند۔

ویسے تو مجھے سب کچھ ہی پسند ہے۔

پر موویز دیکھنا میری ہابی ہے۔

سالار::: کچھ پیے گی؟جوس یا کول ڈرنک؟

فلضاہ:::: نہیں نہیں۔

سالار::: آپ سیریز دیکھتی ہیں؟

فلضاہ:::ہاں کیوں نہیں۔

آپ نے ہیری پاٹر دیکھی ہے۔ قسم سے کیا کمال مووی سیریز ہے۔

سالار::: نہیں دیکھو گا کبھی۔

فلضاہ:::: بس آپ نے جب بھی دیکھنی تو اپنی بہن کو یاد کر لینا ہے۔

سالار::: آپ کو میں ہر دفعہ کہتا ہوں مگر آپ۔۔

فلضاہ:::: اگر آپ مجھے اپنی بہن بنا لیں گے تو کچھ ہو تھوڑی جائے گا۔ میں کون سا آپ کے پاس عید پر عیدی مانگنے آجاؤں گی۔ یا آپ سے فرمائشیں کروں گی۔

سالار:::: بہن کے علاوہ بھی کوئی رشتا ہوتا ہے جو جوڑا جا سکتا ہے۔

فلضاہ اچانک سالار کی بات پر چونکی تو دوسرے ہی پل ایک ہچکی کی آواز پورے لاؤنج میں گونجی

سالار:::: کیا ہوا ہے؟

روکیں پانی لاتا ہوں۔

یہ کہتا سالار پانی لینے گیا جب کہ فلضاہ کی ہچکیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اور پھر سالار کو دور سے آتا دیکھ فلضاہ اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئی بیٹھ گئی۔

سالار::: یہ لیں پانی۔

اور پھر پانی پیتے ہی فلضاہ کی ہچکیوں میں کمی ہونے کی بجائے اضافہ ہوا تو سالار فلضاہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بہت ہی محبت بھرے انداز میں بولا۔

سالار::: مجھ سے شادی کریں گی؟؟؟

فلضاہ جو پانی کو حلق سے گزار رہی تھی یوں اچانک سالار کی بات پر سکتے میں رہ گئی۔

اُس کی آنکھیں سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔

اُسے لگا جیسے مقابل میں بیٹھا شخص اپنی اس بات سے اُس کی سانسوں کو روک گیا۔ہے۔

ابھی کہ فلضاہ اُسے کچھ پاتی کہ سالار بولا۔

سالار::: آپ کی ہچکی بند ہو گئی۔

سالار کی بات پر فلضاہ دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

اور پھر سالار یہ کہتا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بولا۔

سالار:::: کہتے ہیں پانی پینے سے ھچکی نہ روکے تو ایسا کرنا چاہئے کہ اُس کا دیہان کہیں اور بھٹکا دو۔

فلضاہ:::: ہائے۔۔ میں تو ڈر ہی گئی۔ مجھے تو لگا آپ مجھے واقعی پورپوز کر رہے ہیں۔

میرا مطلب تھا کہ مجھے پتہ تھا کہ آپ میری ہچکی کو روکنے کیلیئے کر رھے ھیں۔

سالار اُس کی بات پر مسکرایا تو بولا۔

.سالار:::: کافی ذہین ہیں آپ

فلضاہ:::: ایسی ویسی کبھی آپ میری دوست لیہ سے ملیں تو آپ کو پتہ چلے کہ میں کتنی مست بندی ہوں۔

اور پھر فلضاہ اپنی بات پر ہنسنے لگی۔

مگر مقابل میں بیٹھے شخص کے چہرے کے تاثرات کچھ بدل گے تھے۔

سالار::::لیہ؟؟؟؟

فلضاہ::::::ہاں نہ۔۔۔وہ میری پہلے بھی دوست تھی مگر اتنی اچھی نہیں پھر جب سے وہ مسلمان ہوئی اور اُس نے کلمہ پڑھ لیا تب سے ہم دونوں بہنیں بن گیئں ہیں۔

سالار::::اُس کا پورا نام کیا ہے؟؟؟لیہ؟؟؟؟

فلضاہ:::::لیہ پیٹسن۔

سالار فلضاہ کی بات پر چونک کر کھڑا ہوا تو بولا۔

سالار::::ایسے کیسے ممکن ہے۔وہ تو ایران میں۔

ایوا اپنے شوہر کے ساتھ ایران کے ایک شہر تہران میں رہتی تھی۔وہ کب وہاں سے فلسطین پہنچی یہ بات سالار نہیں جانتا تھا۔

فلضاہ::::آپ جانتے ہیں اُسے؟؟

اچانک سالار یہ سوچتے ہوئے کہ کیا یہ وہی لیہ ہے۔فلضاہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

سالار::::اور کچھ بتاؤ۔اُس کی ماں کا نام؟؟

فلضاہ::::آپ ایسے کیوں برتاؤ کر رہے ہیں؟سالار بھائی؟؟

کیا کچھ ہوا ہے؟آپ لیہ کو کیسے جانتے ہیں۔

.سالار اچانک چیلایا تو فلضاہ ڈر گئی

سالار::::آئی ایم سوری۔۔میں ڈرانا نہیں چاہتا تھا۔بس جو پوچھ رہا ہوں۔

اُس کا جواب دے دیں۔

اُس کی ماں کا نام؟؟؟

فلضاہ سالار کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے چینی کو دیکھ کر بولی۔

فلضاہ::::ایوا۔

سالار نے یہ سنتے ہی اپنی آنکھوں کو میچ لیا۔

سالار::::آخر کار میں نے ڈھونڈھ ہی لیا۔

سالار::::مجھے ابھی وہاں جانا ہے.گھر کا پتہ!؟؟

فلضاہ::::: دیکھیں آپ میرا ہاتھ چھوڑیں اور پہلے یہ بتائیں کہ آپ کے دماغ میں چل کیا رہا ہے۔

میں آپ کو کہیں کا بھی ایڈریس نہیں دے رہی جب تک آپ بات کو کلیئر نہیں کے دیتے۔

سالار:::: ابھی نہیں۔

ابھی کسی سوال کا جوابِ دینے کا وقت نہیں بس مجھے اُس گھر کا ایڈریس دو۔

فلضاہ:::: میں ایسا کچھ نہیں کرنے والی جب تک آپ بات نہیں بتائیں گے۔

سالار:::: دیکھیں آپ مجھے مزید طیش نہ دلائیں۔۔میں کہہ رہا ہوں ساتھ چلیں۔

ابھی اور اِسی وقت۔

اچانک سالار نے فلضاہ کا ہاتھ اپنی طرف کھینچ کر بولا۔

اور پھر اُسے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔

ابھی کہ وہ دروازے سے ایک قدم باہر رکھتا وہی دوسری طرف خضر اور فرقان آ گئے۔

فلضاہ:::: چھوڑیں میرا ہاتھ۔

فرقان دیکھ کر چونکا تو بولا۔

فرقان:::: سالار یہ کیا کر رہے ہو۔

سالار::::ابھی سب پیچھے ہٹ جاؤں۔

خضر::: سر آپ یہ کیا کے رہے ہیں۔ دیکھیں فلضاہ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ چھوڑیں اُس کا ہاتھ۔

سالار:::: خضر اس وقت آگے سے ہٹ جاؤ۔

خضر:::: سر ہوا کیا ہے۔؟؟؟

فرقآن:::: چھوڑو سالار میری بہن کا ہاتھ۔۔ ورنہ۔

خضر:::: فرقان رُک جاؤ۔۔ میں بات کر رہا ہوں۔

خضر:::: سر اُس کہ ہاتھ چھوڑیں وہ ایک لڑکی ہے اور اس طرح زور زبردستی کرنا آپ کو شعبہ نہیں دیتا۔

پہلے بات بتائیں کہ ہوا کیا ہے۔

سالار:::: خضر وہ لوگ مل گئے ہیں۔

اچانک خضر سالار کی بات پر چونک کر بولا۔

خضر:::: کیا؟؟؟

فرقان:::: کون؟؟؟

فلضاہ:::: میرا ہاتھ چھوڑو سالار. ابھی اور اِسی وقت ورنہ اٹھا کر دور پھینکو گی۔ میں کراٹوں کی گولڈ میڈلسٹ ہوں۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔

فلضاہ تکلیف کی وجہ سے اب بہت غصے میں آچکی تھی۔

اس کے یوں چیلا کر بولنے پر سالار نے اُس کا ہاتھ نہ چھوڑا تو خضر بولا۔

خضر:::: سر آپ اُس کا ہاتھ چھوڑیں پہلے پھر چلتے ہیں وہیں۔.

اور اگر سالار فلضاہ کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کرتا کھڑا ہو گیا۔

فلضاہ اپنے بازو پر سالار کی انگلیوں کے نشان کو دیکھ رہی تھی جب خضر بولا۔

خضر::: فلضاہ! سر کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں۔

تم بس وہاں کا ایڈریس دو۔ پلیز۔

فلضاہ:::: وہ میری دوست ہے جس طرح کا برتاؤ ان کا میرے ساتھ ہے یہ وہاں کا کر کیا کریں گے اس کا اندازہ ہو گیا ہے۔

سالار::: سوری مس میں آپ تکلیف نہیں پہنچانا چاہ رہا تھا۔

فلضاہ:::: پر دیکھیں آپ نے میرے بازو کا کیا حال کیا ہے۔

.خضر:::: میں معافی مانگتا ہوں۔ اب آپ بھی بتا دیں

فلضاہ:::: جب تک بات نہیں بتائیں گے تب تک نہیں بتاؤں گی۔

اور خضر نے فلضاہ کو اب تک کی ساری کہانی بتا دی۔

جس نے فلضاہ کے ہوش گم کر دیے۔

اُسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا بولے۔ اور پھر بدلتے انداز کے ساتھ بولی۔

فلضاہ:::: میرے ساتھ چلیں۔۔اور پھر وہ یہ کہتی وہاں سے نکل گئی جہاں باقی سب بھی اُس کے پیچھے وہاں سے نکل گئے۔

سکندر زیمل کو لیے انقرہ سے نکل گیا تھا۔

اور اب وہ فلسطین کی سرحد میں بھی داخل ہی چکے تھے۔

زیمل جو بوجھل تابوتکے ساتھ سکندر سے لگی سو چکی تھی۔وہ کافی پر سکون معلوم ہو رہی تھی۔

دوسری طرف سکندر زیمل کے چہرے پر نظروں کو جھکائے بیٹھا تھا۔

اور پھر نجانے کس طرح اُس کے دل کے کسی گوشے سے زیمل کو دیکھ کر کچھ الفاظ ادا ہوئے۔

شوقِ تنہائی نے کچھ یوں غافل کیا ہمیں عروج وزوال کی بے حس دنیا سے
کہ جیسے بیاباں کی دنیا میں فقط تمھیں جینے کا آسرا بن گئی زیمل

((((از قلم طوبیٰ میر

اور پھر سکندر آنکھوں کو بند کرتا زیمل کے ساتھ سر ٹکائے کسی خیال میں کھو گیا

کافی دیر گزر جانے کے بعد جمشید کی آواز پر سکندر نے آنکھیں کھولی

جمشید::: بھاؤ۔ نور ویلہ پہنچ گئے۔

جہاں سکندر کی آنکھیں کھلی تو زیمل پہلے سے ہی اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔

اور پھر سکندر آنکھوں کو کھولتا۔ باہر کو نکلا۔ جہاں ہیلی کاپٹر کو نُور ویلہ کے وسیع چھت نماں جگہ پر اتارا گیا تھا۔

اور پھر سکندر کو ہاتھ دیتا جمشید

بولا۔

جمشید::: بھاؤ جہانگیر کا فون آیا تھا۔ ملنے انے والے ہے۔

سکندر اترا اور بولا۔

سکندر::: ٹھیک ہے۔

اور پھر بنا آگے سے کچھ بولے سکندر زیمل کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: آجائیں۔

اور پھر زیمل بھی ہیلی کاپٹر سے نکل گئی۔

جہاں پہلے سے ہی ونڈا جمشید کے پیچھے کھڑی تھی۔

ونڈا نے مسکرا کر دیکھا تو زیمل بھی مسکرانے لگی۔

اور پھر زیمل کا ہاتھ پکڑے سکندر خاموشی سے نیچے کو جانے لگا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو لیہ نے دروازے کو روتے ہوئے کھولا۔

اچانک دروازے کی دوسری جانب کھڑی فلضاہ کو دیکھ وہ اُس کے گلے لگ کر رونے لگی۔

تو فلضاہ پریشانی کے ساتھ بولی۔

فلضاہ:::: کیا ہوا ہے؟؟؟

روکیوں رہی ہو۔ کسی نے کچھ کہا ہے۔

سالار دوسرے ہی پل کچھ کہے بنا اندر داخل ہوا تو اندر ہر چیز تہس نحس تھی۔

سالار:::: یہاں کیا ہوا ہے ابھی ؟؟؟

لیہ:::: سب برباد ہو گیا۔

فلضاہ:::: ہوا کیا؟؟؟ تمہاری ماما کہاں ہے ؟؟؟

.لیہ:::: لے گئے اُنہیں

لیہ روتے ہوئے بولی۔

فرقان:::: کون لے گیا ہے۔ یہاں ہوا کیا ہے۔

اچانک فرقان اور خضر بھی اندر داخل ہوئے تو اندر کا حال دیکھ اُن کے بھی ہوش ار گئے۔

ہر چیز تہس نحس تھی

اچانک سالار اندر کا منظر دیکھ کر بولا۔

سالار:::: زیمل کہاں ہے ؟؟؟

لیہ دوسرے ہی پل فلضاہ کو دیکھنے لگی۔

لیہ::::آپ کون ہیں؟

لیہ کو لگا شاید یہ پولیس کی طرف سے آئے ہیں۔

مگر زیمل کے نام پر وہ ایسے چونکی تھی کیسے اُسے اُمید ہی نہیں تھی کہ کبھی کوئی اُس کا پوچھے گا۔

خضر:::: سر آرام سے۔

فرقان::::فلضاہ تم بات کرو۔

لیہ چہرے کو صاف کرتی فلضاہ کی طرف دیکھنے لگی

لیہ:::فلض۔۔ا۔۔ہ یہ کون ہیں۔؟؟

سالار::::زیمل کہاں ہے؟؟؟؟

اچانک سالار ایک دم چیلا کر بولا تو فرقان نے اُسے کچھ دیے صبر کرنے کی تلقین کی۔

فرقان:::: ٹھہر جاؤ سالار۔ وہ بات کر رہی ہے۔

فلضاہ:::::کیا وہی لے گیا ہے؟؟؟؟

فلضاہ لیہ کے چہرے کی اُداسی کو دیکھتے ہوئے اُس کی ماں کا پوچھنے لگی۔

لیہ نے روتے ہوئے سر ہاں میں ہلایا۔

فلضاہ:::: دیکھو لیہ جو کچھ یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں انہیں سب بتادو۔

لیہ:::: یہ ہیں کون؟یہ۔

سالار:::زیمل کہاں ہے؟؟؟

سالار ایک ایک لفظ دبا کر بولا۔

اُس کی بے چینی عروج پر تھی۔ایک ٹریپ اُس کے دل۔کے سینے سے اٹھ رہی تھی۔

لیہ:::: آپ ہیں کون؟؟؟اور زیمل کو کیسے جانتے ہیں۔

سالار:::: میں سالار فاتح ہوں۔فاتح احمد اور تالیہ کا بیٹا۔اور زیمل۔کا اکلوتا بھائی۔

لیہ کے کانوں سے ٹکراتی سالار کی بات اُس کے کانوں میں ایک سنسنی پیدا کر گئی۔

وہ چہرے پر ہاتھ رکھے سالار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

جب بہت لال ہوتے چہرے کے ساتھ سالار بولا۔

سالار:::: تم لوگوں نے زیمل کو کہاں رکھا ہے؟؟؟؟

کہاں ہے وہ؟؟؟

بولتی کیوں نہیں ہو۔ منہ میں زبان نہیں ہے؟؟؟

بتاؤ؟؟؟ جواب دو؟؟؟ کہاں ہے زیمل؟؟؟

لیہ:::: زیمل یہاں نہیں ہے۔

اچانک لیہ سالار کی بات کا جواب دیتی بولی۔

خضر:::: تو کہاں ہے؟؟؟ تم۔ لوگ ہی اُسے اپنے ساتھ لائے تھے یہاں پھر کیا مطلب ہے کہ وہ یہاں نہیں ہے؟؟؟

فرقان:::: جو کچھ پتہ ہے سب بتاؤں ورنہ مجھے مجبوراً تفشیش کرنا شروع ہو گی۔

اور آپ شاید یہاں کی پولیس کو جانتی ہی ہیں۔

فلضاہ::: فرقان بھائی۔۔۔اب بس بھی کریں۔

لیہ نے کچھ نہیں کیا ہے۔

سالار:::: جب نہیں کیا تو اسے بولو کہ جواب دے کہ زیمل کہاں ہے۔

میری بہن کو کہاں رکھا ہے؟

لیہ:::: زیمل یہاں سے چلی گئی۔

سالار:::: کہاں چلی گئی؟؟؟

لیہ:::: نہیں جانتی سوائے اس کے کہ وہ آیا تھا۔اور بہت ہنگامہ کر کے گیا۔

ڈرا کر اور دھمکا کر گیا۔

میرے بھائی کو بھی لے گیا۔

سالار::::سیدھے طریقے کے ساتھ بات کرو۔ سمجھی۔۔میرے صبر کا اور امتحان نہ لو۔

لیہ::::زیمل یہی تھی اسی گھر میں مگر کچھ ماہ پہلے وہ یہاں سے چلی گئی۔

میں نے موم سے کہا بھی کہ پولس میں کمپلین کریں۔مگر کسی نے بھی میری بات نہیں سنی۔

سالار::::تم۔۔لوگ ہو ہی۔۔۔گھٹیا۔

فلضاہ::::سالار بھائی آپ آرام سے لیہ سے بات کریں۔

اُس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

یہی تھی جو آپ کی بہن کو ہر وقت بچاتی تھی۔

یہ بہت دیر اُس کی محافظ بنی رہی ہے۔

تو بہتر ہے آپ آرام سے بات کریں۔

لیہ::::فلضاہ تم مت بولو۔

اور پھر لیہ اپنی بات کو پورا کرتی بولی۔

لیہ:::: دیکھو سالار میں جانتی ہوں کہ کچھ ہوا وہ بہت بڑا ہوا ہے۔

مگر زیمل یہاں نہیں ہے۔

میں یہ بھی نہیں جانتی کہ ابھی وہ اس وقت کہاں ہے۔

وہ اُس رات ہمارے گھر آنے پر گھر پر نہیں تھی۔

مجھے لگا شاید وہ یہاں سے اپنی مرضی سے چلی گئی۔

میں بس یہ جانتی ہوں کہ وہ آدمی یہاں آیا تھا۔

اُس نے ہمیں دھمکی دی۔ وہ موم کے منہ سے زیمل کے بارے میں کوئی بات بھی جان کر بے قابو ہو جاتا تھا۔

اُس کے ادمیوں ہمارے گھر زبردستی داخل ہوئے۔ چیزیں توری۔

میری موم کو زخمی کیا۔ لگتا تھا جیسے اُس کی باتوں میں اور اُس کے عمل کے پیچھے چھپا ہوا درد زیمل کا ہے۔ جیسے وہ اُس کا بدلا ہم سے لینے آیا ہے۔

اور پھر وہ زیمل کے کمرے سے اُس کے پرنٹس کی تصویر لے گیا۔

جو زیمل کے لیے ہمیشہ سب سے قیمتی تھی۔

سالار کی آنکھوں میں نمی تھی۔

سالار::::کون تھا وہ۔۔کیا زیمل اُسے جانتی تھی؟؟؟

لیہ::::میں اُس کے بارے میں یہ جانتی ہوں کہ زیمل اُسے نہیں جانتی تھی۔کیونکہ زیمل کبھی گھر سے باہر نکلی ہی نہیں تھی۔

سالار::::اُس آدمی کے بارے میں کچھ پتہ ہو۔۔گا۔۔سوچو کچھ تم ہو گا؟

سالار ایک۔درد سینے میں لیے بولا

تو لیہ بولی۔

لیہ::::مجھے اُس کا چہرہ اچھے سے یاد ہیں

اور یہ کہ اُس کے آدمی اُسے بھاؤ کہہ کر بلا رہی تھے۔

اُس کا نام۔۔۔ذہن میں نہیں آ رہا۔

اُس کا نام شاید۔۔۔سکندر۔۔

سالار::::سکندر بھاو

سالار لیہ کی بات کو پورا کرتا بہت حیرانگی سے بولا

تو وہاں کھڑے خضر اور فرقان کے بھی ہوش گم ہو گئے۔

ایک پل میں وہاں خاموشی چھا گئی۔

مگر دوسرے ہی پل سالار کے چہرے کے تاثرات سخت ترین ہو گے۔

فرقان:::: لوسیفر کے پاس کیا طرح؟

یہ ہو کیا رہا ہے؟

خضر::: ہمیں وہاں چلنا چاہیے۔

فرقان::: پاگل ہو گئے ہو۔

خضر:::؛ پاگل والی کیا بات ہے۔

فرقان::: تمھیں کیا لگتا ہے کہ لوسیفر ہاتھ پکڑا کر اُسے تم لوگوں کے ساتھ جانے دے گا۔

سالار:::: جانے تو اُس کا باپ بھی دے گا۔

اگر زیمل اُس کے پاس ہے اور اس کی وجہ سے میری بہن کو کوئی تکلیف پہنچی ہوئی تو میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔

اُس کی لاش کو بنا کسی ثبوت کے یہاں سے گھسیٹ کر پاکستان لے کر جاؤں گا۔

خضر:::: سر میں آپ کے ساتھ ہوں۔

فرقان:::: دیکھو سالار۔ایسے تم۔لوگ کیسے وہاں جا سکتے ہو۔

سالار:::: گیدڑ کی موت کے لیے ایسے ہی جایا جاتا ہے۔

وہ میری بہن ہے۔میری جان ہے۔اب اُسے کھونے کی مُجھ میں ہمّت نہیں۔

وہ تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اُس کا سالار۔۔۔اس کا بھائی زندہ ہے۔

اس کی ماں نے اُس ایکسڈنٹ میں میرے بچنے کہ پتہ ہوتے ہوئے بھی اُسے میری جھوٹی قبر دکھائی۔

حنان کے بگڑے چہرے کا فائدہ اٹھا کر اُسے میرے نام کی تختی کے ساتھ دفن کے دیا۔

زیمل کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی اُس ماں نے بے آسرا کر دیا۔

ہمارے گھر کے پھول کو وہاں سے چرا کر وہ گھٹیا عورت غائب ہو گئی۔

دو سال میں کومہ میں رہا۔دو سال تک۔

اور اس کی وہ ماں یہ جانتے ہوئے کہ میں زندہ ہوں مجھے دفن کر آئی۔

اُس ایکسڈنٹ میں میں نے سب کھو دیا۔

بارہ سال میں کیفیت میں رہا ہوں۔ان لوگوں کو میں میں ایران کے ہر شہر

میں ڈھونڈھا۔کی ناموں نشان نہیں ملا۔

لیہ شرمندگی کے ساتھ کھڑی رو رہی تھی۔

لیہ:::: ہمیں۔۔۔معاف کر دو۔

سالار:::: معافی؟ خطاکار کو معافی دی جاتی ہے۔

گنہگار کو نہیں۔

لیہ::: ہم سب تمھارے گنہگار ہیں پر یقین کرو مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔

سالار::::خطاکار معافی کا حقدار ہو سکتا ہے۔اگر خطا لا علمی میں سرزد ہوئی ہو۔

یہاں تو لا علمی دکھاوا تھا۔اور لا علمی میں کیے جانے والا گناہ۔ کبھی گنہگار معافی نہیں دلا سکتا۔

لیہ::::آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مگر خُداوند تو معاف کرنے والا ہے۔

سالار:::::ایک غلطی میری ماں نے تمھاری ماں کو معاف کرنے کی تھی۔
اب وہی غلطی میں دھرا کر بے وقوفی نہیں چاہتا۔

اگر غلطی ایک بار ہو تو وہ غلطی ہوتی ہے۔اگر وہی غلطی بار بار سرزد ہو تو وابل جان بن جاتی ہے۔اور میں نے تو خود کی قبر کی تختی پر بارہ سال فاتحہ پڑھ کر یہ بھی دیکھا ہے۔

اور پھر سالار یہ کہتا وہاں سے نکلا تو دروازے کے پاس روکتے ہوئے بولا۔

سالار؛::آگر تمھاری ماں وہاں سے زندہ بچ گئی۔تو اُسے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

جو ظلم اُس گھٹیا عورت میں میری پھول جیسی بہن کے ساتھ کیے ہیں اُس کا

حساب اُسے اپنی اُکھڑی سانسوں کے ساتھ دینا ہو گا۔

اور معافی کی کوئی جگہ نہیں ہے اب۔

اور پھر سالار یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

جہاں خضر بھی اُس کے پیچھے وہاں سے چلا گیا۔

____

سکندر جو لاؤنج میں ایک عالی شان صوفے پر بیٹھا کچھ پیپرز پر سائن کر رہا تھا۔

سامنے سے آتے جہانگیر کو دیکھ کر وہ صوفے کو ٹیک لگا کر بولا۔

سکندر:::: تم یہاں کیسے ؟؟؟

جہانگیر:::: سوچا تھا کہ تم آؤ گے تو میری کچھ خبر گیری کر لو گے۔

مگر یہاں تو یار یارے بیوفا ہونے کی نشست پر بیٹھے ہیں۔

سکندر:::: جس کام کے لیے آئے ہو وہ بتاؤ.

جہانگیر::::تُمہارے پیچھے سے یہاں کے سارے معاملات میں نے دیکھئے ہیں۔

اب تو دوستی کا یہی تقاضا ہے کہ تم بھی کچھ محبتِ دل سے مجھ سے بات کرو۔

ویسے تم خاصے خوش شکل لگ رہے ہو۔

سکندر::::اُسے ہوش آیا؟

جہانگیر:::: نہیں مگر وہ ڈاکٹر مجھ معصوم کے ہاتھوں سے مارا ضرور جاتا۔

سکندر نے جہانگیر کی غیر نظروں سے دیکھا۔

تو جہانگیر مُسکرا کر بولا۔

جہانگیر:::: مدھے کی بات کرو تو میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دیر فلسطین میں اور رہو۔

کم از کم اُس وقت تک جب تک میں سارا کام سیکھ نہ جاؤ۔

مارکس پر اور مجھ پر کافی کام کا پریشر ہو گیا ہے۔

اور فارس کے حالات ویسے ہی کچھ خاص نہیں ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دن یہاں اور گزار لو تا کہ سب اچھے سے ہو سکے۔

سکندر:::: اور کچھ ؟؟؟

جہانگیر:::: اور کچھ کا تو آپ کو حکم دینا چاہئے۔ میں رہا جیل سے چھوٹا ایک عام سے قیدی جو وہاں سے نکل کر آپ کی قید میں آ گیا۔

سکندر:::: تیری چال ڈھال بدلی ہوئی لگ رہی ہے۔

جہانگیر:::: ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

اچھا بھابھی سے نہیں ملائے گا؟

سکندر:::: نہیں۔

سکندر صاف جہانگیر کے منہ پر انکار کرتا بولا

جہانگیر:::: گھر آئے دوست کی یہ قدر ہے۔

وہ شاعر نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

وہ دوست ہی کیا جو عزت سے بات کرے۔

جو عزت سے بات کرے وہ دوست ہی کیا۔

سکندر::::اپنی یہ گھٹیا اور سستی شاعری کسی اور کو سنا۔

جہانگیر::::جب تو ہی نہیں سنتا تو باہر والوں نے کیا سُننی۔

سکندر:::: چل اُٹھ اب اور نکل یہاں سے۔

جہانگیر:::: ویسے تجھے نہیں لگتا تو بدل گیا ہے۔

اتنے آرام سے تو کبھی میری بے عزتی نہیں کرتا۔

سکندر:::: لگتا تجھے راس نہیں آرہی۔

جہانگیر:::: نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔

جن ہونٹوں سے لفظ ادا ہوتے ہیں میرے لیے

اُس پر شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تیرے ہونٹوں کو سینے سے لگا

سکندر بنا کوئی تاثر دیے فون کو اٹھاتے ہوئے بولا۔

سکندر::::اندر آؤ۔

جہانگیر:::: کس کو بلا رہے ہو۔

سکندر::::دیکھ لو۔

اچانک پیچھے کی طرف سے دو آدمی اندر داخل ہوئے تو سکندر بولا۔

سکندر:::اسے لے جاؤاور باہر کا راستہ دکھاؤ۔

دوست۔میں جارہاہوں۔ e جہانگیر:::اس کی ضرورت نہیں ہے

میں توبس محبتِ یار میں یہاں تشریف لایا تھا۔

سکندر:::: چلواب چلے بھی جاؤ۔

جہانگیر:::: جارہاہوں پر کچھ دیر کے لیے۔

کچھ دیر تک پھر سے مُلاقات ہو گی۔

سکندر:::اس کی ضرورت نہیں ہے۔

جھانگیر:::: یہ ممکن نہیں ہے سکندر۔

کیوں کہ جہاں تم ہوگئے وہی آس پاس میں بھی ہوں گا۔

سکندر::::: چل ڈائیلاگ بازی کرنا بند کراور یہاں سے نکل۔

جہانگیر::::اچھاجی۔پھرمیں چلتاہوں۔جلد ملاقات ہو گی۔اے دوست۔

وہی وہ دونوں آدمی سکندر کی نظروں کے اشارے سے جہانگیر کو اٹھا کر لے گئے۔

جہاں جہانگیر اُن کے اُسے اٹھا کر لے جانے والے انداز پر ایک طنزیہ مسکراہٹ دیتا بولا۔۔

جہانگیر::::ایک وقت آئے گا جب تم لوگ کندھوں اور اٹھایا جائے گا۔
اور قبروں میں ڈالا جائے گا۔
اور پھر وہی سکندر جہانگیر کو جاتا دیکھ مسکرایا۔
جہانگیر کے نکلتے ہی جمشید باہر سے اندر مسکراتے ہوئے داخل ہوا تو بولا۔

جمشید:::: بھاؤ سب ہو گیا ہے۔

سکندر::: یہ پیرزا اپنے پاس رکھنا۔

جمشید:::: بھاؤ یہ ؟؟

سکندر::::فلحال تم کوئی سوال نہ ہی کرنا۔
پہلے ہی جہانگیر کی شاعری سے میں تنگ ہوں۔

اچانک سکندر مسکرایا تو جمشید حیرانگی سے سکندر کو دیکھنے لگا۔ جس کے چہرے کی مسکراہٹ اُسے حیراں کر گئی۔

جمشید:::: بھاؤ آپ ہنس رہے ہیں۔

سکندر دوسرے ہی پل اپنے چہرے کے تاثرات کو سخت کرتا بولا

سکندر::: نہیں۔

تم زیادہ سوال نہ کیا کرو۔

تیاری مکمل ہو گئی ہے۔

جمشید::: ہاں بھاؤ۔۔۔بس آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ باقی سب ہو گیا ہے۔

سکندر:::: پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو گا۔

جمشید::: انشاءاللہ

سکندر:::: جمشید میں تم پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں۔ میرا بھروسہ کبھی توڑنا مت۔

جمشید::: بھاؤ یقین رکھیں۔ میں آپ کا بھروسہ کبھی نہیں توڑو گا۔

سکندر::: مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔

زیمل اوپر سیڑھیوں سے اُترتی ہوئی نیچے کو بڑھی تو ساتھ ونڈا بھی اُس کی پیچھے پیچھے نیچے اُترنے لگی۔

سکندر پیچھے کی طرف متوجہ ہوا تو زیمل کو آتا دیکھ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

سکندر آگے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

سکندر::: اب طبیعت کیسی ہے۔

زیمل سر کو ہاں میں ہلاتے ہوئے بولی۔

زیمل::: ٹھیک ہوں۔

زیمل::: کوئی خاص بات ہو رہی تھی۔

سکندر::: نہیں بس ویسے ہی جمشید اجازات مانگ رہا تھا۔

زیمل::: تو آپ دے دیں۔

سکندر::: دے دی ہے۔

سکندر اچانک زیمل کے چہرے کی رنگت کو دیکھ کر بولا۔

سکندر:::: جمشید ڈاکٹر کو بلایا ہے؟؟

جمشید::: جی بھاؤ۔ کچھ دیر پہلے ہی بات ہوئی ہے۔ گاڑی گئی ہے اُنہیں لینے۔

زیمل::: آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ بس ہلکے سے چکر ہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔

ونڈا:::: آپ کا رنگ پیلا ہو رھ ہے۔

زیمل::: تم بہت اچھی ہو وانڈا۔

وانڈا::: آپ خود بہت اچھی ہیں۔

جمشید::: بھاؤ اجازت ہے تو میں نکلو۔؟؟

سکندر::: ہاں۔۔ دیر نہ کرو۔۔ جاؤ۔

اور وہی جمشید یہ کہتا وانڈا کو اشارہ کرتے باہر چلا گیا۔

فرقان:::: فلضاہ تم اپنی دوست کو یہاں سے لے کر واپس گھر جاؤ۔ میں سالار کے پیچھے جاتا ہُوں۔

فلضاہ:::جی فرقان بھائی۔۔میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔

اور پھر فرقان فوراً سے وہاں سے یہ کہتا نکل گیا۔

فلضاہ::: چلو لیہ یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

لیہ::: نہیں فلضاہ۔میں یہی ٹھیک ہوں۔

فلضاہ:::بیوقوف نہ بنو۔اور چلو۔

لیہ:::فلضاہ۔۔۔مجھے سمجھ نہیں آرہا ہے کہ میں کیا کروں۔
آیتان کو وہ لے گیا ہے۔اور اب موم۔ کو
میں کیا کرو۔

فلضاہ:::تم ابھی میرے ساتھ چلو پھر کچھ کرتے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سالار:::: سکندر بھاؤاس وقت کہاں ہے؟
جہانگیر::::کیوں تمھیں اچانک اُس کی یاد کیسے آگئ۔

سالار::::: جہاں سے بھی آئی ہے۔بس میری بات کا جواب دو۔

جہانگیر::::یہیں ہے۔

کیوں اب کیا ہو گیا ہے؟

سالار::::مجھے بس یہ بتاؤ کہ سکندر بھاؤ۔اس وقت کہاں ہے۔

جہانگیر::::فلسطین میں ہی ہے۔

نورویلیہ میں۔

کیوں تمھیں اچانک کیا ہو گیا ہے۔

دوسرے ہی پل سالار فون کو وہی بند کرتا گاڑی کو پوری سپیڈ کے ساتھ

چلاتے ہوئے بولا۔

سالار::::زیمل کو۔کچھ ہوا تو سکندر بھاؤ تُمھیں میں نہیں چھوڑوں گا۔

فرقان جو پیچھے کھڑا آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

سالار آس پاس کسی چیز کہ بھی خیال اور دیہان رکھے بنا گاڑی کو پوری رفتار

کے ساتھ وہاں سے لے گیا۔

جہانگیر:::: ہو گیا ہے کام

بران:::: آدمی پہنچ گے ہیں۔ آگے تم جانتے ہو کہ کیا کرنا ہے۔

جہانگیر:::: ٹھیک ہے میں وہی ہوں۔ اُنہیں بھیجو جلدی۔

بران:::: اس کے بعد وہی پہنچ جانا سمجھے۔

جہانگیر:::: ہاں ہاں سمجھ گیا ہوں۔

اور پھر یہ کہتے ہیں جہانگیر فون بند کر گیا۔

جب اُسے اندر جاتا ایک آدمی نظر آیا۔

وہ اور کوئی نہیں بلکہ سالار تھا۔

جہانگیر:::: ہو گیا ہے کام

بران:::: آدمی پہنچ گے ہیں۔ آگے تم جانتے ہو کہ کیا کرنا ہے۔

جہانگیر:::: ٹھیک ہے میں وہی ہوں۔ اُنہیں بھیجو جلدی۔

براان::::اس کے بعد وہی پہنچ جانا سمجھے۔

جہانگیر::::ہاں ہاں سمجھ گیا ہوں۔

اور پھر یہ کہتے ہیں جہانگیر فون بند کر گیا۔

جب اُسے اندر جاتا ایک آدمی نظر آیا۔

وہ اور کوئی نہیں بلکہ سالار تھا۔

ویلا پہنچتے ہی سالار ایک جھٹکے سے باہر نکلا تو ساتھ ہی خضر بھی نکل کر گیٹ پر روک گیا۔

گارڈ نے سالار کو دیکھ بنا کچھ کہے دروازہ کھولا۔ تو خضر تشویش ناک نظروں سے آس پاس ماحول کو دیکھنے لگا۔

جب کہ سالار بنا کسی سوچ کے زیر اثر فوراً سے اندر داخل ہوا تو ایک گارڈ قریب آتے ہوئے بولا

یہ پکڑو ہمارا کام۔ ہو گیا۔

اور پھر یہ کہتا وہ گارڈ پیچھے ہٹ گیا۔

سالار خضر کو دیکھنے لگا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ اُسے کوئی اور سمجھ رہے ہیں۔

بل آخر سالار بولا

سالار:::: لوسیفر کہاں ہے۔

اُس گارڈ نے اشارہ پیچھے کی جانب دور سے نظر آتے گیٹ کی طرف کیا تو

سالار اُسے خود کے سامنے سے ہٹاتا ہوا بولا

سالار:::: زیمل میں بس آگیا ہوں۔

بس کچھ دیر اور میری جان۔

دوسری طرف سکندر وہی لاؤنج میں بیٹھا سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کسی

سوچ میں گم تھا۔

مگر پھر اچانک سامنے سے داخل ہوتے سالار نے سکندر کے چہرے پر

مسکراہٹ واضح کی تو سکندر بولا

سکندر:::: ڈی ایس پی سالار۔

آج میرے غریب خانے میں آنے کی آپ نے کیسے جرت کرلی۔

سالار کے اندر داخل ہوتے ہی چہرے کے تاثرات سخت ہوئے۔

سالار سکندر کو دیکھ اُس کی بڑھا اور ایک زوردار مکا اُس کے چہرے کی بائیں جانب رسید کیا۔

سالار::::: زیمل کہاں ہے؟

سالار ایک جھٹکے سے سکندر کو کالر سے پکڑتے ہوئے بولا۔

سالار::::: کہاں رکھا ہے تونے اُسے۔

مگر ابھی کہ سالار اپنی بات کہتا اُس پر دوسرا وار کرتا۔

سکندر کا اپنی بیوی کا نام سالار کے منہ سے سنتے ہی اُس کا انداز نظروں کی جھلک سب کچھ بدل گیا۔

اچانک ایک زوردار ٹانگ سے اُس نے شیشے کے میز کو کرچیو کرچی کردیا۔

اور پھر سکندر نے سالار کے چہرے پر ایسا دوگنا وار کیا کہ سالار سکندر سے دور جاکر زمین پر گرا۔

سکندر::::: تیری ہمت بھی کیسے ہوئے ڈی ایس پی میری بیوی کا نام اپنی زبان سے لینے کی

سالے تجھے میں نے پہلے چھوڑ دیا تو تو اس حد تک آ گیا ہے کہ میرے علاقے میں داخل ہو کر میری ہی بیوی پر نظر رکھے۔

تو جانتا نہیں ہے میں کون ہوں۔

سالار کے کانوں سے ٹکراتی ہوئے آواز نے اُس کے ہوش گم کیے تو جھٹکے سے زمین سے اٹھ کر سکندر کی طرف بڑھا

سالار::::: کمینے۔۔۔انسان۔۔۔ تیری ہمت بھی کیسے ہوئی زیمل سے شادی کرنے۔کی۔

کمینے تجھے میں آج نہیں چھوڑوں گا۔

سالار زمین سے اٹھتا سکندر کی طرف بڑھا تو ایک الگ ہی جنگ کا میدان بن گیا۔

دونوں ہی اس قدر طیش میں آ گئے کہ دونوں ایک دوسرے پر اس قدر زور سے وار کرنے لگے۔

کہ دونوں میں سے کسی کا بھی پلڑا دوسرے پر بھاری نہ ہو سکا۔

سکندر کے آدمیوں میں سے کوئی بھی گھر کے اندر نہیں آیا تھا۔

سکندر سالار کو اپنی گرفت میں لیتا بولا

سکندر:::: بول سالے تیرے ساتھ کیا کروں۔

اچانک سالار سالے لفظ پر چلایا تو ایک زوردار ٹانگ سکندر کے پیٹ میں مارتا بولا۔

سالار:::: جواب میں تیرے ساتھ کروں گا کمینے تو وہ دیکھ۔

سکندر:::: سالے تیری موت کا پروانہ کٹ چکا ہے۔

ایک بار کی معافی تجھے راس نہیں آئی اب مرنے کے بعد اپنی وردی کہ روب جھاڑنا۔

سکندر ایک دم سالار پر جھپٹا تو سالار دوسرے ہی پل زمین سے کانچ کو اٹھاتے ہوئے بولا

سالار:::::اپنی بہن کو تو میں یہاں سے لے کر ہی جاؤں گا۔روک سکتا ہے تو روک کے دیکھا۔

سکندر:::::بہن؟

مگر دوسرے ہی پل سالار نے وہ کانچ سکندر کے سینے میں گھونپ دیا۔

سکندر تو اچانک بہن کے لفظ پر چونکا تو اُسے وقت اُس کانچ کی تکلیف کو محسوس کرتا وہ سالار کے ہاتھ کو روک گیا۔

ابھی کہ سکندر کچھ کہہ پاتا دوسری طرف سے جھانگیر بران کے دیے گئے حکم کے مطابق مائیکل اور الیکس کے ادمیوں کو نُورویلہ میں داخل کر گیا۔

سکندر جو کانچ کو نکالتے ہوئے بہت حیرانگی سے سالار کو دیکھ بولا

سکندر::::ڈی ایس پی۔۔۔۔تم ابھی یہاں سے نکلو۔ابھی اسی وقت۔

اور پھر دوسرے ہی پل ایسے گولیاں چلی کہ نور ویلا کی تمام کھڑکیوں اور دروازوں کے ساتھ اندر موجود تمام تر شیشے ایسے پھٹ کر ٹوٹے کہ نور ویلہ کی دیواریں شور سے کانپ اٹھی۔

سکندر نے اُسی وقت سالار کو سینے سے پکڑتے ہوئے ایسے زمین پر لٹایا کہ وہ صوفے کی پچھلی طرف بندوقوں کی گولیوں سے بچ گیا۔

آس پاس چیزیں ایسے پھٹ کر ٹوٹی کہ اُن کا شور تک سننا محال ہو گیا۔

سالار اور سکندر دونوں ایک ساتھ زمین پر لیٹے کانوں کو انگلیوں سے دبا چکے تھے۔

سالار بندوقوں کے شور میں چیلا کر سکندر کیطرف دیکھ کر بولا۔

سالار:::: زیمل کہاں ہے ؟؟؟؟

سکندر یوں ایک بار پھر سالار کے پوچھنے پر جو بہت فکر سے پوچھ رہا تھا بولا۔

سکندر::: بھروسہ رکھو سالے صاحب تمہاری بہن اور میری بیوی محفوظ ہے۔

سالار:::: تم جیسے وحشی انسان کے ساتھ زیمل محفوظ نہیں رہ سکتی۔

سکندر::::: وہ صرف اور صرف میرے ساتھ محفوظ ہے

اور پھر گولیوں کی تمتمھی آواز پر سکندر فوراً۔ سے زمین پر اٹھا تو بولا۔

سکندر::: سالے ڈی ایس پی اگر بہن بولنے میں تو تھوڑی دیر اور کرتا تو یہ ساری گولیاں تیرے سینے میں گھس جاتی۔

سالار:::: فلہال تو سینے میں تمھارے کچھ گھسا ہے۔

سکندر مسکرایا کر بولا۔

سکندر::: سالے صاحب دیہان سے دیکھو تمہاری بہن ہے۔

سالار سکندر کی بات پر دانت پیسہ ہی تھا۔

کہ سامنے سے داخل ہوتے مائیکل اور لوتھر کے آدمی اندر داخل ہوئے۔

سکندر:::: دانت بعد میں پیسنا فلھال ان سے نبٹو

سالار::: تمھیں مارنے آئے ہیں مجھے نہیں۔

اور پھر سکندر مسکرا کر آگے کو بڑھا تو پھر ایک الگ ہی میدانِ جنگ سج گیا۔

سکندر تو جیسے پہلے سے تیار بیٹھا تھا۔

سکندر:::::آئے ہو تو میری مرضی سے اور جاؤ گے بھی میری مرضی سے۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سکندر نے ایسے لاشیں بچھانی شروع کی کہ جیسے وہاں لاشوں کا سمندر بن گیا ہو۔

ڈینیل کے فاسٹ فائٹنگ آدمیوں نے سالار کو گھیرا تو سکندر سالار کو دیکھ کر مسکرانے لگا

سکندر اُن کے انداز کو دیکھ کر جان گیا تھا کہ یہ اُسی کے لڑکے ہیں۔

سالار:::: مجرم کے دشمن کو بھی اب مارنا پڑے گا۔

سکندر:::::مارنا تو پڑے گا اگر زندہ رہ کر میری بیوی سے ملنا چاہتے ہو۔

سالار:::: تم اپنی جان کی خیر مناؤ۔

اور پھر وہاں جو لڑنے کی جوہر دیکھے گئے وہ یہی تھے کہ سکندر اور سالار نے ایسے اُن کو زمین پر پٹھکا کہ وہ ایک دوبارہ اٹھ نہ سکے۔

مگر دوسرے ہی پل گنوں کو پکڑے آدمی بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

سالار:::: بس انہیں کی کمی تھی۔

سکندر:::: یہ تو اضافی ہیں۔ ابھی کچھ باہر بھی ہیں۔

فکر نہ کرو۔ تم اپنی بہن سے زندہ ہی ملو گے

یقین رکھو ڈی ایس پی۔

سالار:::: تم میری فکر نہ کرو۔ میں جانتا ہوں گیدڑ کے وار کو۔

اور پھر سکندر مسکراتے ہوئے واپس اپنے صوفے پر بیٹھا جو گولیوں کے

نشانوں سے بھرا ہوا تھا۔

سکندر کے سامنے کھڑے کافی لوگ گنوں کو لیے کہتے تھے۔

جن کے نشانے پر صرف ایک ہی آدمی تھا۔۔

اور پھر اُن میں سے ایک کہ اشارے پر کچھ آدمی اوپر کی طرف گے۔

ڈھونڈو اُسے...

سکندر:::: جس کی تلاش میں ائے ہو یہ جان لو کچھ حاصل نہیں ہو گا

سوائے دردناک موت کے۔

بندوقوں کی نوک پر ہو مگر پھر بھی غرور سوا نیزے پر قائم ہے۔

سکندر قہقہ لگا کر ہنسا تو بولا۔

سکندر::::: تین گننے کی دیر ہے۔۔

چاھتا تو یھاں تک بھی نوبت نا آنے دیتا۔ جس دروازے سے لوگ لوسیفر کی دہلیز کو پار کرتے اندر آئے ہو وہی پر تم سب کے سروں کو کاٹ کر سولی سے لٹکا دیتا۔

پر سوچا کہ وار کرنے والے کی کوئی حسرت رہ نہ جائے۔

اچانک مائیکل کے ادمیوں نے گھر کی تلاشی لی تو اُنہیں کچھ بھی نہ ملا۔

سکندر::::: ٹک ٹک ایک

ٹک ٹک ددو

ٹک ٹک تین

اور پھر سکندر کے تین کہنے اور نجانے کہاں سے گولیاں چلی کہ وہاں موجود ہر ایک کے ماتھے اور اسے کیل نماں نشانے کے ساتھ گولیوں کو ٹھوکا گیا کہ سبھی ایک ساتھ وہاں ڈھیر ہو گئے۔

سوائے ایک کے۔

سکندر::::: شطرنج کے اس کھیل میں بات جیت یا ہار کی نہیں بلکہ زندگی اور موت کی ہے۔

اور یہ کھیل مقابل کے ہر پیادے یعنی تم سب کی موت کے ساتھ زندگی کی جیت میں بدلے گیا۔

تمہیں سے کوئی نہیں بچے گا یہ وعدہ ہے سکندر صالح کا۔۔ مگر افسوس تم دیکھ نہیں سکو گے۔

بارٹر::: تمہیں لگتا ہے کہ ہم یہاں تُمھیں مارنے آئے تھے؟

سکندر::::: میں جانتا ہوں تم یہاں کس لیے اور کس کے کہنے پر یہاں آئے ہو۔

پر کہا ہے نہ وہ نہیں ملے گی۔

تم یہی ہو گے یہ بات وہ جانتا تھا۔ بارٹر ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

سکندر یوں اچانک بارٹر کی بات کو سنتے اُسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

سکندر::::: کس کی بات کر رہے ہو۔؟؟

اچانک بارٹر نے اپنی بندوق کو سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ بندوقیں تمھیں مارنے کے لیے نہیں لائیں گی تھیں لوسیفر۔

جس شطرنج کو جیتنے کا غرور کرتے ہوئے تم اتنے ٹھاٹھ کے ساتھ مافیا کی دنیا

پر قابض ہو۔

میں تمھیں تین باتیں بتانا چاہتا ھوں۔

پہلی:::: جس کھیل کو تم جیتنے کی کوشش کر رہے ہو اُس کے مقابل میں کھڑا

کھلاڑی تمہارا اپنا ہے۔

دوسری:::: بادشاہ اُس وقت بادشاہ رہتا ہے جب تک کہ اُس کی رعایا اُس

کے ساتھ وفادار رہتی ہے۔

جہاں وفاداری بدل جائے وہاں تختہ الٹتے دیر نہیں لگتی۔

اور تیسری سب سے دل چوٹ بات۔

وہ اب تک تُمہارے سب سے بڑے دشمن تک پہنچ چکی ہو گی جس کو بچانے کے لیے تم نے جہانگیر کا جال ہم پر بچھایا تھا۔

سکندر اپنی جگہ سے اٹھتا فوراً اُس کی طرف بھاگا

جو سکندر کو ایک طنزیہ مسکراہٹ دیتے ہوئے اُس کے سب سے بڑے دشمن کا کام کرتے بندوق کو اپنے سر پر رکھ چکا تھا۔

اب ڈھونڈھ سکو تو ڈھونڈھ لو۔۔۔اپنی بیوی کو۔

اور پھر یہ کہتے اُس نے گن کے ٹریگر کو دبا کر خود کا وجود اپنے ہاتھوں سے بے جان کر دیا۔

ٹھا۔۔۔

سکندر کے ساتھ سالار اُس تک پہنچا تو اسکا وجود مکمل طور پر بے جان ہو چکا تھا۔

سکندر چیلاتے اُسے ہوش دلانے لگا۔

مگر افسوس وہ بنا کسی ثبوت کو وایہ کیے مر چُکا تھا۔

سالار::::: زیمل اس وقت کہاں ہے؟؟؟

کس کے ساتھ ہے؟ اگر ہری اس دشمنی نے زیمل کو ایک خروج بھی دی تو

یاد رکھنا سکندر، سالار تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

سکندر اپنے قدموں پر کھڑا ہوتے ابھی سالار کی طرف ہی بڑھا تھا کہ

سکندر کا فون بجنے لگا۔

سالار فون کو بجتا دیکھ اُس آدمی کی تلاشی کرنے لگا کہ شاید کوئی سراغ مل

جائے۔

جمشید::::: ب۔۔۔۔ بھ۔۔۔ بھائی۔۔۔۔ و۔۔۔۔ ہ۔۔

لے۔۔۔ گئے۔۔۔ بھ۔۔۔ ا۔۔۔ بھی۔۔۔ کو۔۔

جلد۔۔۔ ی۔۔۔ آ

جمشید اس سے زیادہ کچھ اور کہہ پاتا وہی فون زمین پر گر گیا۔

جب کہ سکندر دوسرے ہی پل چیلانے لگا۔

سکندر:::::ا۔۔۔۔۔ہ۔ہہہہہ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

''''''''''''فلیش بیک

سکندر::: تم جاؤ جمشید۔۔۔دیر نہ کرو۔

اور پھر جمشید وانڈا پر ایک نظر ڈالے اُسے باہر آنے کا اشارہ دیے باہر چلا گیا۔

وانڈا زیمل کے اشارے پر باہر کی طرف گئی تو زیمل بولی۔

زیمل::::: وانڈا بہت اچھی لڑکی ہے۔

سکندر::::: ہاں۔۔۔ جمشید بھی اُسے کچھ کچھ پسند کرتا ہے۔

پاکستان جانے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کی شادی کروا دو۔

زیمل:::: آپ پریشان کیوں ہیں؟.؟

سکندر:::::پریشان نہیں ہوں بس تھوڑا جلدی میں ہوں۔

زیمل یہاں بہت خطرہ ہے۔جمشید آپ کو دوسری جگہ لے جائے گا۔

آپ میرا انتظار کرنا۔ یہاں کام ختم ہوتے ہی میں واپس آکر آپ کو سب بتاؤں گا۔

زیمل:::: کس بات کا خطرہ؟؟؟

سکندر::::: آپ کو مجھ پر یقین ہے نہ

زیمل سر کو ہلانے لگی تو سکندر بولا۔

سکندر::::: بس فکر نا کریں آپ کی وہاں پہنچے تک وہاں ڈاکٹر بھی پہنچ جائے گی۔اور جلد ہی میں بھی۔

اور پھر یہ کہتے سکندر نے زیمل کے ہاتھوں کو تھاما اور بولا۔

سکندر::::: جمشید میرا سب سے زیادہ بھروسے والا بندہ ہے۔

مگر آپ کی حفاظت کے لیے ابھی میرا یہی رکنا ضروری ہے۔

میں وہاں آکر آپ کو سب کچھ بتاؤں گا۔

بس یقین رکھیں۔ سکندر صالح اس دفع اپنی زندگی کے خوبصورت موتی کو کھونے نہیں دے گا۔

اور پھر یہ کہتے سکندر نے زیمل میں چہرے کو ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اُس ماتھے کو اپنے لبوں سے لگایا۔

سکندر::::: کچھ گھنٹوں کی بات ہے۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اور پھر یہ کہتے اُس نے اپنی جیب سے ایک لاکٹ نکلا اور بولا۔

سکندر::::: اس لاکٹ میں نے ٹریسر لگوایا ہے۔

اس سے اگر آپ۔کیسی بھی مشکل میں ہوئی تو میں آپ کو ڈھونڈھ لوں گا۔

اچانک وانڈا اندر داخل ہوئی تو سکندر بولا۔

سکندر::::: وانڈا زیمل کا دیہان رکھنا اور اپنا بھی۔

وانڈا:::: آپ فکر نہ کریں سکندر بھائی۔

اور پھر سکندر زیمل کے ہاتھوں کو چھوڑتے اُس کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا جو بہت سے سوالوں کے ساتھ بہت بے چین ہو کر وہاں سے جا رہی تھی۔

جمشید جو باہر گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

وانڈا اور زیمل جمشید کے اشارے پر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

جمشید گاڑی میں بیٹھا تو بولا۔

جمشید::::بھابھی پریشان نہ ہو۔بھاؤ آجائیں گے۔

آپ فکر نہ کریں

اور اگر گاڑی نورویلہ کو پیچھے چھوڑتی وہاں سے نکل گئی۔

زیمل کھڑکی سے باہر دیکھتی نہ جانے کس بے قرار کیفیت میں مبتلا تھی۔

اُس کا دل کسی نہ گہانی آفت پر مچل رہا تھا۔

جمشید جو شیشے کی سمت وانڈا کو دیکھ رہا تھا۔

مگر منزل کا ابھی صرف آدھا رستہ ہی طے ہوا تھا۔

وانڈا:::کچھ دیر میں پہنچ جائیں گے پریشان نا ہو۔

زیمل سر کو ہلاتی وانڈا کی تسلی کو سُننے لگی۔

مگر پھر اچانک گاڑی ایسے جھٹکے سے روکی کہ جمشید سامنے کے منظر کو دیکھ

حیران ہو گیا۔

جمشید گاڑی کو پیچھے کی طرف ہٹانے ہے لگا تھا کہ پیچھے سے آتی گاڑی نے اُسے پیچھے نہ ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

زیمل:::: یہ کیا ہو رہا ہے؟

وانڈا:::: یہ کون ہیں۔

جمشید:::: شیٹ۔۔۔

ابھی کہ جمشید گاڑی کو دائیں جانب موڑ پاتا اُس کی گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔

اور پھر چہروں پر ڈالے ماسک کے ساتھ

گاڑیوں سے آدمی نکلے تو جمشید گاڑی میں موجود ریوالور کو نکالتے بولا۔

وانڈا بھابھی کا خیال رکھنا اور گاڑی سے نے نکلنا۔

اور پھر یہ کہتے جمشید نے فون کو اٹھایا اور بولا

یہ بھاؤ کو فون لگاؤ جلدی۔ وقت نہیں ہے۔

زیمل:::: جمشید بھائی۔۔۔ یہ کون ہے۔

آپ باہر نہ جائیں۔اُن کے ہاتھوں میں گنز ہیں۔

جمشید::::بھابھی پریشاں نہ ہو۔۔۔بھاؤ پہنچ جائیں گے۔

گاڑی سے باہر مت نکلیے گا۔

وہی گاڑی کے سامنے سے آتے چار لوگ جو ہاتھوں میں بندوقوں کو لیے کھڑے تھے گاڑی کے شیشے پر نشانہ لگانے لگے

تو گاڑی کے شیشے پر اُن کا کم اثر ہوا۔شاید کہ گاڑی اگر بلٹ پروف نہ ہوتی تو وہ گولیاں جمشید کے سر کو چیر کر اُسے موت کے دلدل میں ڈال دیتی۔

زیمل جو خوف سے اب اللہ کا ذکر کرنے لگی تھی اُس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔

اچانک اُس کی آنکھیں انسوں سے نم ہوئی تو جمشید اُس لڑکی کو دیکھنے لگا جو اُسے بھائی کہہ کر بولتی تھی۔

جمشید::::بھابھی بھاؤ آجائیں گے۔

وانڈا:::فون نہیں لگ رہا۔

یہاں سگنل نہیں آ رہے۔

جمشید::::: بار بار کرو۔

اور پھر جمشید یہ کہتا گن کو ہاتھ میں تھامتے ہوئے بولا۔

وانڈا یہ گن اپنے پاس رکھنا۔

اور پھر جمشید ایک اور گن کو وہاں سے نکلتا بولا۔

جمشید:::: چل جمشید یہ وقت وفاداری ثبوت کرنے کا ہے۔

جمشید جو ابھی باہر ہی نکلا تھا ایک دم سب کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ مسکرایا اور

بولا۔

جمشید:::: لگتا ہے اپنی موت کی تیاری کر کہ یہاں آئے ہو۔

پکس::::: جمشید۔ ہو تم؟

جمشید:::: ہاں۔۔ کیوں مل کر اچھا نہیں لگا۔

پیکس::::: خوف نہیں ہے؟

جمشید:::: کس بات کا؟

پکس:: ہم اتنے اور تم ایک

جمشید:::: یہ تو تمہارا خوف ہے

میرا نہیں۔

کہ میں ایک اور تم اتنے۔

پکس::::: نکالو لڑکی کو۔

جمشید::: فوراً سے گاڑی کی طرف بڑھتے آدمی پر گن کا نشانہ باندھتے ہوئے

بولا۔

جمشید::::: پیچھے رہو۔

اچانک پیچھے سے ایک آدمی نے جمشید پر حملے کیا تو جمشید اُس کے ہاتھ کو پکڑ کر

توڑتے ہوئے بولا۔

جمشید::::: پیچھے رہو۔

مگر دوسرے ہی پل سامنے سے آتے آدمی نے جمشید کے ہاتھ پر زور سے

مارتے ہوئے اُس کی گن کو نیچے پھینکا دیا۔

ایک زوردار ٹانگ جمشید کے سینے پر لگی تو وہ دور جا کر گرا۔

پکس:::::اوہ۔۔۔۔۔بس اتنا ہی دم ہے۔۔

جمشید فوراً سے زمین پر سے اٹھا اور تو پیچھے کی طرف سے ایک آدمی کو دبوچتے ہوئے اُس کی گردن کو توڑتے ہوئے بول۔

جمشید::::: جس دم کی بات تم کر رہے ہو وہ تو تم نے دیکھا ہی نہیں ہے۔

اور پھر اُس آدمی کو اٹھا کر زمین اور پٹخ کر بولا۔

جمشید:::::: میں جمشید ہوں سکندر بھاؤ کا رائٹ اور لفٹ ہنڈ۔

اگر دم کی بات کرو گے تو زمین میں گار کر رکھ دوں گا۔

پکس::::::انداز تو اچھا ہے۔ مگر میرے کسی کام کا نہیں۔

اچانک پیچھے سر پر وار پر جمشید گھٹنوں کے بل زمین پر گرا تو۔ چاروں طرف سے سے ایک ایک آدمی نے اُسے مارنا شروع کر دیا۔

زیمل جو گاڑی میں بیٹھی رو رہی تھی۔

وانڈا کو دیکھ کر بولی۔

زیمل:::::کچھ کرو۔۔وہ مر جائے گے۔

وانڈا اُسی وقت گاڑی کا دروازے کا لاک اندر سے کھولتے ہاتھ میں موجود گن کو دیکھ کر کانپتی آواز کے ساتھ بولی۔

وانڈا::::آپ اندر ہی رہے۔

مگر زیمل سر کو نہ میں ہلانے لگی۔

تو اچانک گن کی آواز پر چیخ اُٹھی۔

زیمل::::آہ

وانڈا کے باہر نکلتے ہی ایک گولی اُس کے بازو کو چھو کر گزری تو گاڑی سے دور ہوتی بازو کی تکلیف سے رونے لگی۔

زیمل فوراً سے گاڑی سے نکلتی اُس کی طرف بڑھی۔

زیمل::::وانڈا۔۔۔

اور پھر زیمل کی آنکھوں سے بے شمار انسو نکلنے لگے۔

ڈوسری طرف جمشید اُن آدمیوں کو مارتے اور مار کھاتے کافی شدید زخمی ہو چُکا تھا مگر

گولی کی آواز اور وانڈا کی طرف بڑھنے لگا تو وہی دو ادمیوں نے اسے اُس تک جانے سے روک دیا۔

جمشید کی نظر ابھی گاڑی سے نکلتی زیمل پر پڑی ہی تھی۔۔جو ہاتھوں وانڈا کو دیکھ رو رہی تھی۔

جمشید::::: بھابھی۔۔۔گاڑی میں سے مت نکلیں۔۔

پکس:::: لڑکی کو لاو۔۔۔

جمشید جو اُن دونوں کے بازوں کے زور پر جھکڑا ہوا تھا۔

پکس کی آواز پر بے قابو ہوتے اُن دونوں کو خود سے دور پٹخ کر زیمل کی طرف بڑھا۔

ابھی کہ وہ وانڈا اور زیمل سے صرف پانچ قدم کے فاصلے پر تھا جب سامنے سے چلتی گولی نے اسے اپنے قدموں پر گرا دیا۔

زیمل جو جمشید کو اپنی طرف آتا دیکھ رہی تھی یوں اچانک گولی چلنے پر ایک نا گہانی صدمے میں چلی گئی۔

کیوں کہ گولی کسی اور نے نہیں بلکہ خود وانڈا نے جمشید پر چلائی تھی۔

زیمل بھاگتے ہوئے جمشید کی طرف گئی۔ تو بولی۔

زیمل::::: یہ کیا۔۔۔ یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا۔

زیمل کے انسو رکنے کو نے تھا۔ جو کچھ اُس کی نظروں کے سامنے چل رہا تھا۔ وہ اُس کے لیے کسی آفت سے کم نہ تھا۔

جمشید جو پہلے ہی اس قدر زخمی تھا یوں اپنی محبت کے ہاتھوں گولی کہ وار سہتے بولا

جمشید::::: ک۔۔۔ یوں کیا؟؟؟

وانڈا جو چہرے اور انسو لیے کھڑی تھی اچانک جمشید کے سوال پر بدلے انداز میں بولی۔

وانڈا:::: تو کیسی لگی میری ایکٹنگ؟

پیکس جو کھڑا تالیاں باجانے لگا بولا

پیکس::::: سوویٹ ہارٹ۔۔۔۔۔ایسی کہ کسی کو بھی یقین اس بھولے سے

چہرے پر ترس آجائے۔

زیمل یوں اچانک وانڈا کے بدلے انداز کو دیکھ بولی۔

زیمل:::: منافق ہو تم۔

تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔نے۔۔۔ دھوکا۔۔۔دیا۔۔

وانڈا:::: اُواب رہنے بھی دو۔

جمشید:::: می۔۔۔میں۔۔۔۔نے۔۔ بھروسہ۔۔۔کی۔۔۔یا

۔۔۔۔تم۔۔۔پ۔۔ر۔

وانڈا:::: اور تم سے وہی غلطی ہی گی.

وانڈا:::: اور اب غلطی کا انجام تو دیکھ ہی رہے ہو۔

جمشید جس کی آنکھیں اب سامنے کا منظر دھندلا کر رہی تھی

دو آدمیوں کو زیمل کی طرف بھرتا دیکھ بولا۔

جمشید::::ہ۔۔۔ہا۔۔۔۔تھ۔۔۔مت۔۔۔۔۔ل۔۔۔گانا۔

ورنہ۔۔۔۔کہ۔۔۔۔سی۔۔۔کو۔۔ن۔۔۔نہیں۔۔۔چھوڑو

۔۔۔گ۔۔۔ا

سامنے سے آتی وانڈا جمشید کی بات اور مسکرائی تو بولی۔

وانڈا:::: ویسے کیسی بات ہے اپنی موت کا سامنا بھی تمھیں نے مجھے مہیا

کیا۔

چاہو تو تُمھیں ایک اور گولی مار کر یہی ختم کر دوں۔

مگر بہتر تھی یہی ہے کہ اس لڑکی کو لے جانے کا منظر تم اپنی آنکھوں سے

دیکھو۔

زیمل جو دو آدمیوں کی گرفت میں تھی۔اپنے ہاتھوں کو چھوڑوانے کی

کوشش میں اُس کی آنکھوں سے انسو ٹپک ٹپک کر گر رہے تھے۔

وانڈا:::: اس منظر کو دیکھو تا کہ اپنے بھاؤ کو بتا سکو۔

فکر نہ کرو۔۔مروگے نہیں تم۔گولی سینے میں لگی ہے۔دل پر نہیں۔

دل پر توٹوٹی محبت کا وار کیا ہے۔

اور پھر وانڈا قہقہ لگانے لگی۔

پیکس::::: چلو چالیں۔۔۔

جمشید وہی اپنی بند انکھوں کے ساتھ زیمل کو جاتا دیکھنے لگا جو خود کو بچانے کی آس پر چیخ و پکار کرنے لگی تھی۔

وانڈا اچانک ہاتھوں میں موجود فون کو ملاتے ہوئی بولی۔

وانڈا:::: آنکھیں تمہاری بند ہی رہی ہیں۔

نمبر ملا دیا ہے۔ بات کر لینا۔ اگر فون اُٹھا لیا گیا۔

جمشید::::: چ۔۔۔ھو۔۔۔ڑو۔۔۔گ۔۔ا۔۔ن۔۔۔نہی

وانڈا:::: آگر بچ گئے تو مجھے دوسری ملاقات کا انتظار رہے گا۔

اور پھر وہ یہ کہتی ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی جہاں جمشید گولی محبت اور عتبار کے وار سے زخمی ہوتا فون کو ہاتھ میں پکڑنے لگا تو دو انسواُس کی آنکھوں سے ٹپکتے موبائل کی سکرین پر برس پڑے۔

اور پھر بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ فون کو کان سے لگا کر بولا

جمشید:::::::۔۔۔۔۔۔بھ۔۔۔بھائی۔۔۔و۔۔۔۔ہ۔۔

لے۔۔۔گئے۔۔۔بھ۔۔۔ا۔۔۔بھی۔۔۔کو۔وانڈا۔۔۔۔غدار

۔۔۔۔

اور یہ کہتے جمشید وہی زمین پر گر پڑا اور فون بھی اُسے کے ساتھ زمین پر آن

پڑا اسکندر کی چیخ پر گونج اُٹھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر جو فون کو بند کرتا تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھا تھا۔ سالار کے

روکتے پر لال ہوتی انکھوں کے ساتھ بولا۔

سکندر:::: مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔۔۔ساتھ چلو ابھی۔

سالار:::: تمہاری وجہ سے۔۔وزیمل کو لے گئے۔۔۔میں جانتا تھا وہ

تمہارے ساتھ ہرگز محفوظ نہیں۔۔

سکندر::::ڈی ایس پی اپنی زبان کو خود تک محفوظ رکھ لے ورنہ میرا دماغ گھوم گیا تو تمھارے لیے بہت مشکل۔ہو جائے گی۔۔

سمجھا۔

سالار:::: تمہاری وجہ سے زیمل۔آج اس خطرے میں ہے۔اگر اُسے کچھ ہوا تو کیا کرو گے تم؟؟؟؟ ہاں جواب دو

سکندر:::::کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

جس شیطان کو میں اتنے سالوں سے سلا رہا تھا۔اُسے دھوکے سے اٹھا دیا گیا ہے۔

اور ہر کسی کو۔اس کا حساب اپنی جانوں کے نذرانوں کے ساتھ ادا کرنا ہو گا۔

سالار جو پریشانی کی حالت میں زیمل۔کی فکر پر نم آنکھوں کے ساتھ تڑپ رہا تھا۔

سکندر کی جنونی آنکھوں کو دیکھ بولا۔

سالار:::: کہاں ڈھونڈھنا ہے زیمل کو؟؟؟

شاید اب وہ یہ بات سمجھنے کی کوشش کرنی لگا تھا کہ اس وقت سب سے ضروری کام ۔ زیمل ۔ کو ڈھونڈھنا ہے لہٰذا وہ سکندر کیبای سنتا ہے دلی کے ساتھ بولا۔

سکندر::::::ڈُنیا کے ہر کونے میں۔

اور پھر یہ کہتا سکندر وہاں سے نکل۔ گیا۔۔

سکندر گاڑی کو چلاتا ایسے غزہ کی سڑکوں سے گزرا جیسے کوئی پھلتی آگ ہو۔

سکندر جو ابھی تک غصے کی انتہا پر تھا اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس ڈُنیا کو اپنے غضب کا نشانہ بنا کر سب کو ایسی موت کا مزا چکھائے کہ دنیا چیختی ڈُنیا کے نام کے ساتھ تبدیل ہو جائے۔

دوسری طرف سالار گاڑی میں بیٹھا خاموش تھا۔

خضر کا بھی کوئی اتا پاتا نہ تھا۔

سالار سکندر کی گاڑی کے پیچھے پیچھے تھا۔

اُس کا دل زیمل کی فکر میں بیچیں تھا۔ مگر اُس کے اندر پلتا ایک آتش فشاں سکندر پر پھٹنے کو تیار تھا۔

مگر وقت تقاضا یہی تھا کہ زیمل کو ڈھونڈھا جائے۔

گاڑی کے سامنے والے شیشے سے دیکھتے منظر میں سکندر کو چیخنے مجور کر دیا تھا

۔

گاڑی کے اسٹیئرنگ وہیل پر اپنے ہاتھ کو پٹختے ہوئے سکندر لوسیفر کی طرح چیلایا۔

کیوں کہ سامنے سے نظر آتے جمشید نے سکندر کو زیمل کے لیے اور پریشان کر دیا۔۔

گاڑی کو جلدی سے روکتے سکندر بھاگتے ہوئے جمشید کی طرف بڑھا جو زمین پر گرا ایسے بے جان پڑا تھا جیسے اُس کے جسم سے عزرائیل علیہ السلام روح قبض کر چکے ہو۔

..... سکندر::::: جمشید

سالار بھی اپنی گاڑی کو روکتے جمشید کی طرف بڑھا تو آس پاس کے منظر کو دیکھنے لگا۔

جہاں گاڑی کی بائیں جانب کے دروازے کے پاس خون کے سرخ خلیات زمین پر جمے تھے۔

مگر کچھ آگے زمین پر ایک لاکٹ گرا دیکھ وہ اُس کی طرف بڑھا تو اُسے اٹھانے لگا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ لاکٹ کس کا گئی؟ دوسری طرف

سکندر جو جمشید کے سر کو اپنی گود میں رکھے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک اُس کی نبض کو پکڑتے ہوئے بولا۔۔

سکندر:::: یار اب تو نہ چھوڑ جانا۔۔

سکندر جمشید کی حالت کو دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔ اُسے کافی زخم ائے تھے۔۔

سینے پر گولی لگنے کے باوجود اُس کی سانسیں اب تک چل رہی تھی۔

سکندر::::: زندہ ہے۔

نبض چل رہے ہیں۔

سالار فوراً سے مدد کو آگے بڑھا تو سکندر دوسرے ہی پل

جمشید کو اپنی گود میں اٹھاتے گاڑی کی طرف بڑھا۔۔

سکندر:::: جس نے بھی یہ حالات تیری کی ہے۔ جمشید تیرا بھاؤ اُسے ایسی

کتی موت دے گا کہ وہ اپنے پیدا ہونے والے دن کو کوسے گا۔۔

اور پھر سکندر اور سالار وہاں سے جمشید کو لیے ہسپتال پہنچے۔۔۔ سکندر کے

کپڑے جمشید کے خون سے بھرے ہوئے تھے۔

جمشید کو گود میں اُٹھائے وہ ہاسپٹل میں ایسے داخل ہوا کہ ہر کوئی اُس کی

طرف متوجہ ہو گیا۔

سالار بھاگتے ہوئے ڈاکٹر کے کیبن میں پہنچا۔

سالار::: ڈاکٹر کہاں ہے۔۔۔ ایمرجنسی ہے۔۔۔

ابھی وہ یہ بار کر ہی رہا تھا کہ سکندر جمشید کو سیدھا آئی سی یوں میں پہنچاتے

ہوئے چیلانے لگا۔۔

سکندر::::: کہاں ہے؟؟؟؟؟ڈاکٹر؟؟؟؟

نکل باہر؟؟؟؟؟۔

سالار:::::ڈاکٹر جلدی کریں۔۔۔کسی کی جان خطرے میں ہے۔

سالار ڈاکٹر کو لیے باہر نکلا تو سکندر دیکھ کر بولا۔

.سکندر:::::تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔؟؟؟؟

سالار:::::جو جان پہچان ہے بعد میں۔

یارم سکندر کی طرف دیکھ کر بولا۔

یارم::::اس دفع بچانے کی پوری کوشش کرونگا۔۔

سکندر:::::کوشش نہیں.....مجھے وہ زندہ چاہیئے۔۔اُسے بچاؤ ورنہ لوسیفر کے ہاتھوں کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔۔

اور پھر دیکھتے ہی آس پاس ایسے افراتفری پھیلی کہ ہر کوئی لوسیفر کے نام پر وہاں سے دور جانے لگا۔

یارم اپنے ڈاکٹرز کی ٹیم کے ہیڈ سے بات کرنے کے لیے واپس کیبن میں گیا تو فوراً سے سبھی ائ سی یو میں پہنچ گئے۔

لوسیفر وہاں تھا یہ بات ہسپتال میں آگ کی طرح پھل گئ۔

وہی سالار سکندر سے دور کھڑا اخضر کو فون ملانے لگا جس کہ اچانک سے کوئی اتا پتا ہی نہیں تھا۔

کچھ پل میں سکندر آدمی بندوقوں کے ساتھ وہاں پہنچے تو روحا نبھاگتے ہوئے سکندر کی طرف بڑھا۔

روحان::::::بھاؤ۔ ھماری ساری جگھوں اور حملہ ہو گیا ہے۔

اچانک روحان کی بات پر سکندر ایک آہ بڑھتا بولا۔

سکندر::::: کس نے کیا؟؟؟

روحان:::::ڈینیل کے ادمیوں نے۔

سکندر:::: تو سبھی اب اپنی موت کے ساتھ میرے ہی علاقے میں اکھٹے ہو کر میرا ہی شکار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

شاید وہ جاتا نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

روحان::::: جمشید بھائی؟؟؟

سکندر::::: کچھ نہیں ہو گا اُسے۔۔۔ وہ میرا ادمی ہے۔۔۔ اگر اُس کی

دھڑکنیں اب تک چل رہی ہے تو بدلے کی آگ میں۔۔

سالار:::: زیمل کو کہاں سے ڈھونڈے گے؟؟؟

وہ اُن لوگوں کر پاس ہے۔ آور تمہارے سارے دُشمن ایک ساتھ تم پر ٹوٹ

پڑے ہیں۔

سکندر::::: روحان! بران کا پتا لگواؤ۔۔۔۔ ڈھونڈو اُس کمینے کو

سارا فلسطین الٹ کر رکھ دو۔۔۔ مگر اُس کی خبر لاؤ۔۔

جس بل مجھ بھی وہ چھپ کر بیٹھا اُسے نکالو۔۔

اندر جمشید کی حالت خراب نہ تھی۔

بنا کسی پیپر ورک کے جمشید کا آپریشن کچھ ہی پل میں شروع ہو گیا۔

ہر کام ایسے جلدی میں ہوا کہ ہر کسی کی آنکھیں حیرت سے کھول گئی۔

روحان سکندر کے حکم سے وہاں سے نکلا تو اچانک سالار کے ہاتھوں میں

لاکٹ کو دیکھ اُسے لگا اُس کے پیروؤں سے زمین اور سر سے آسمان چھین لیا

ہو۔

شاید اب تک اُس کی کم بے چینی کی وجہ وہ لاکٹ ہی تھا۔۔۔جو اُس نے

زیمل کے گلے میں خود آپنے ھاتھوں سے ڈالا تھا۔

دوسرے ہی پل سکندر سالار کی طرف جھپٹ کر اُس لاکٹ کو اُس سے

چھینتے ہوئے بولا۔

سکندر::::ی۔۔۔۔یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے۔۔

سالار:::یہ زیمل کا ہے؟

سکندر سر کو ہاں میں ہلانے لگا تو اُس کی آنکھیں نم ھو گئی۔۔۔

اپنی آنکھوں کو میچتے ہوئے سکندر سالار کو جواب دے چکا تو بولا۔

سکندر::::تیار ہو جاؤ تم لوگوں کی سانسوں کو موت کی آخری حد تک حلق

سے اکھاڑ کر رکھ دینے کے لیے لوسیفر آ رہا ہے۔۔

کرسی سے بندھی زیمل بے ہوش پڑی تھی۔

اُس کے ہاتھوں کو پوری طاقت سے باندھ کر اُسے کُرسی سے باندھ کر رکھا تھا۔

اُس کے چہرے سے برستی پسینے کی بوندھے اُس کی گھبراہٹ کو بے ہوشی میں بھی واضح کر رہے تھے۔۔

کمرے میں بلکل ہی کم روشنی تھی جو زیمل کے بے ہوش وجود کو بے بسی کا اعلان کر رہی تھی۔

اچانک زیمل کے چہرے پر بل آیا تو آنکھیں میچتے انداز میں کھولنے لگی۔

زیمل کی آنکھیں دھندلاہٹ کا شکار تھی۔۔

کچھ دیر کی کوشش کے بعد زیمل کی آنکھوں کا منظر واضح ہوا تو اُس کے کانوں میں ایک لڑکھڑاتی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

ز۔۔۔ی۔۔۔۔مل۔

زیمل::::::کون؟؟؟؟

زیمل جو ابھی خود بھی واضح نہیں دیکھ پارہی تھی۔۔۔

اچانک کسی کے پکارے جانے پر آواز کا جواب دینے لگی۔

کچھ ہی پل میں زیمل کی آنکھوں کی دھندلاہٹ کم ہوئی تو سر کے بلکل اوپر اُسے ایک لائٹ دیکھی جو اپنی پوری روشنی دیتے ہوئے بھی اُس کمرے کو واضح نہ کر سکی تھی۔

زی۔۔۔مل؟؟

ایک بار پھر پکارے جانے پر زیمل دائیں بائیں دیکھنے لگی تو سامنے سے جھٹکے سے دروازہ کھول گیا۔

اور اندر داخل ہوتے ہی ایک آواز ایک مُسکراہٹ کے ساتھ کمرے میں گونجی۔

اسورا:::::آخر کار تُمھیں ہوش آہی گیا۔

زیمل اندھیرے کے باعث اُس چہرے کو واضع نہیں دیکھ سکی تو بولی۔

زیمل:::: ک۔۔۔کو۔۔۔ن۔۔۔ہو۔۔۔تم؟؟؟

اور پھر ایک تالی کی آواز پر وہ کمرہ ایسے روشن ہوا کہ زیمل ایک ساتھ اُس روشنی کو اپنی آنکھوں سے برداشت نہ کرتے ہوئی اپنی آنکھیں کو بند کر گئی۔

آسورا:::: آنکھیں تو کھولو۔۔۔۔ مسسز لوسیفر.

زیمل آنکھوں کو آہستہ سے کھولتے ہوئے بولی۔

زیمل:::۔::: میں۔۔وہ۔۔۔ نہیں۔۔ہوں۔۔جو۔۔آپ۔۔ سمجھ رہے ہیں۔

اسورا:::: تم وہی ہو جو میں سمجھ چکا ہوں۔

زیمل نے ابھی اپنی آنکھوں کو پورا کھول۔کر ہی دیکھا تھا۔۔۔جب اچانک زیمل اُس چہرے کو دیکھ کر چونکی تھی۔

اسورا:::: پہچانا مجھے؟؟؟ یا بھول گئی ہو۔

چہرے کے تاثرات تو یہی بتا رہے ہیں کہ یاد ہے کہ میں کون ہوں۔۔

ز۔۔ی۔۔مل۔۔ایک سانسوں سے اٹکی آواز زیمل کے کانوں سے ٹکرائی

تو وہ فوراً سے بائیں جانب دیکھنے لگی۔

پر اگلے ہی پل وہ آنکھوں کو میچتے ہوئے ہوئے چلائی۔

زیمل::::ا۔۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔ہ

اسورا::::ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے ڈیئر۔

یہ بس مرنے ہی والی ہے۔دیکھو اُس کی آخری سانسیں ہی چل رہی ہے۔

زیمل جو اُس عورت کی آواز پر پلٹی تھی وہ اُس کے ایک طرف سے بگڑے

چہرے کو دیکھ پہچان گئی تھی کہ وہ اُس کی آنٹ ایوا ہیں۔

اسورا وہی چلتے ہوئے اُس کی طرف آیا کو کھلی ٹانگوں اور ہاتھوں کو زمین پر

پھینکئے ایسے بیٹھی تھی جیسے وہ اپنی موت کے انتظار میں ہے۔

اُس کے ہاتھوں پر خاصے زخم واضح تھے۔

زیمل جو چہرے کو نیچے کرتی رو رہی تھی۔

اُس سے ایوا کا چہرہ نہ دیکھا جا رہا تھا۔

اسوراوہی ایوا کو دیکھتے ہوئے مسکرایا اور پھر بولا۔

اسورا::: میں مدد کرتا ہوں۔

اور پھر یہ کہتے اسورا نے اپنے جوتے کے پاس سے ایک چھوٹا سے چاکو نکالا اور اُسے ہاتھ میں پکڑتے مسکرایا۔

اسورا:::؛ بائے بائے۔

اور اس قدر بے دردی سے وہ وار ایوا کی گردن کے بیچو بیچ کیا کہ وہ وہی بے جان ہو کر زمین پر گر گئی

زیمل یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چیلائی تو اسورا دوسرے ہی پل اُس کی طرف بڑھا۔

اسورا::: شش آواز نہیں دیئر۔

زیمل روتے ہوئے خوف سے پیچھے ہونے کی کوشش کرنے لگی تو بولی۔۔

زیمل:::ی۔۔۔۔یہ۔

اسورا::: نہیں دیئر

تم رومت۔۔۔ تمھارا تو کوئی قصور نہیں۔یہ تو دھوکے کا انجام ہے۔

ابھی تو اپنا پیسہ بھی مجھے ہر قیمت پر دوبارہ وصول کرنا ہے۔

زیمل:::::کیِ۔۔۔کو۔۔۔۔ن۔۔۔س۔۔۔۔ا۔۔۔پیسہ۔

آسورا:::::جو تمھیں خریدنے کے دام میں نے ادا کیا۔

. وہ موٹی رقم

زیمل کو ایک پل میں لگا جیسے وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔۔کانوں کے سمت

اسورا کی ٹکراتی آواز نے اُس کے ہوش گم کر دیے تھے۔

وہ رقم جو اُس نے اُس گھر میں دیکھی تھی وہ رقم اُسی کو بیچ دینے کے دام تھے۔

کیا اتنے سالوں میں اُس کی آنٹ ایوا کو اُس سے زرا بھی انسیت نہیں ہوئی

تھی۔

کچھ محبت کا ایک خلیہ اُن کے دل کے گوشے میں پیدا نہیں ہوا تھا۔

اسورا:::::رو کیوں رہی ہو۔میں ہوں نہ۔میں سب ٹھیک کر دونگا۔

اب تو تم مل چُکی ہو۔

زیمل:::::م۔۔۔مُجھ۔۔۔۔سے۔۔۔۔دور۔۔۔رہو۔

اسورا:::: کس کے انتظار میں بیٹھی ہو؟لوسیفر کے یا سکندر صالح کے یا پھر

اُس کے جو مافیا کے دُنیا کا زبردستی بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔

زیمل عجیب نظروں سے اسورا کو دیکھنے لگی تو اسورا بولا۔

اسورا:::::اوہ۔۔۔۔تو۔۔ حقیقت سے انجان رکھا گیا ہے۔

کیا کھیل کھیلا ہے لوسیفر نے۔

زیمل:::::ک۔۔۔۔س۔۔۔۔کی۔۔۔بات۔۔۔کر۔۔رہے ہو۔

اچانک زیمل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اسورا ایک طنزیہ مسکراہٹ دیتا ہوا بولا۔

.اسورا:::: تمھارے شوہر لوسیفر کی

بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا بلیک ڈیول کی۔

پریشاں نہ ہو جس حقیقت کو تمھیں لوسیفر نے نہیں بتایا میں بتاؤں گا۔

وہ مافیا کی دنیا کا بادشاہ ہے۔ڈرگز کمپنیز، اسمگلنگ یونٹس، اللیگل دھندوں کے ساتھ وہ قاتل و غارت میں پہلے نمبر کا کرمنل ہے۔

زیمل جو اسورا کی بات سن رہی تھی اُس کی بات سنتے اُس کے چہرے کی حیرانگی انتہا پر تھی اُس کی آنکھوں سے انسو ٹپک رہے تھے۔

اسورا:::: یہ سب اُسے وراثت ملا۔۔۔جانتی ہو ڈیئر کیسے ؟

اپنے۔ہی باپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کہ اُس کے علاقے کو آگ کی نظر کر دیا

۔

تم کسی عام ادمی کی بیوی نہیں ہو۔۔۔بلکہ تم اُس کی واحد کمزوری ہو جس کو بچانے کے لیے وہ اب اپنی موت تک آئے گا۔

مگر فکر نا کرو میں ہوں نہ اُسے مار کر اُسکی بیوی کے ساتھ میں رہوں گا۔

آخر ایسی خوبصورت اور دل کش لڑکی کے مزے وہ اکیلا کیسے لے سکتا ہے۔

اچانک ارنو پیچھے کو طرف داخل ہوا۔

ارنو:::: باس !!!

اسورا جوزیمل کے چہرے کو پکڑے اُس کے بہت قریب اچکا تھا اچانک ارنو کے پکارنے پر موڑا۔

اسورا::::ہاں؟

ارنو::::ایتان مل گیا ہے۔اور اُس کی بہن بھی۔
مگر

اسورا::: مگر کیا؟

ارنو:::اُس کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی ہے۔وہ اُسی کے ساتھ تھی مجبوراً اُسے بھی ساتھ لانا پڑا۔

اسورا::::ڈینیل نے کام کر دیا؟

ارنو:::: باس لوسیفر کے سارے علاقوں میں ایک ساتھ حملہ کر کہ ہر علاقے کو قبضے میں لے لیا ہے۔

اسورا:::لوسیفر کی کیا خبر ہے؟

ارنو:::: باس ٹھیک نہیں ہے۔وہ ہر جگہ تلاش کر رہا ہے۔

اسورا:::: کس کو تلاش کرے گا وہ تو جانتا ہے نہیں کہ اُس کا اصل دُشمن ہے کون۔

اور پھر مسکراتے ہوئے زیمل کی طرف دیکھ کر بولا۔

اسورا:::: اب اگلا وار کرنے کی باری ہے۔

ہیلیپس کی بازی کا پہیہ گھماؤ۔

ارنو:::: مگر وہ تو ابھی کے لیے نہیں تھا۔۔

ارنو:::::ابھی وہی کرو جو کہا ہے۔

اچانک ایک بدبو کے آثار کو سونگھتے ہوئے اسورا بولا۔

اسورا::::اس کو بھی یہاں سے لے جا کر ناگینی کے آگے ڈال دو۔۔۔

اور اُن دونوں لڑکیوں کو اسی کمرے میں بھیجو ابھی وانڈا کے ساتھ۔

ارنو:::::جی باس۔۔۔

اور پھر یہ کہتا ارنو وہاں سے چلا گیا۔

زیمل جواب سسکیوں کے ساتھ رو تھی۔

اُس کا دل بے تحاشا ٹوٹ چکا تھا۔

اسورا چلتے ہوئے واپس اُس کے پاس آیا اور اُس کے چہرے کو پکڑتے ہوئے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

اسورا:::: بس کچھ وقت اور پھر سب لوسیفر کی جگہ میری ہو گی اور تم بھی۔

وہ یہ کہتے زیمل کے چہرے کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

زیمل جو اُکھڑی سانسوں کے ساتھ اپنی اپنی کرسی کو ہلا رہی تھی۔۔اچانک زیمل کے بہت قریب ہوتا اُسکی مہک کو سونگھتے ہوئے بولا۔

اسورا::: بلکل ویسی مہک جیسی ہونی چاہیے تھی۔

اچانک زیمل کانپتے وجود سے اسورا کچھ پیچھے ہٹا تو بولا۔

اسورا::: بس کچھ ملاوٹ ہے۔

پر کوئی بات نہیں۔یہ ملاوٹ میں خود کے ساتھ بدل دوں گا۔

زیمل جو چہرے پر انسوں لیے اب اسورا کی اس حرکت پر ہمّت کر چکی تھی۔

بہت ہمت کے ساتھ بولی۔

زیمل:::: سی۔۔کن۔۔۔در۔۔۔ تمھیں۔۔۔نہ۔۔۔نہیں۔۔۔چھوڑیں
۔۔۔گے۔۔

اسورا:::: تو منہ میں زبان بھی ہے۔

زیمل:::: ہ۔۔۔۔ا۔۔اں

اِسورا:::: لوسیفر نے تو تم میں خاصی تبدیلی کر دی ہے۔۔
تمھیں ڈر نہیں لگ رہا مجھ سے ؟

زیمل کانپتی آواز کے ساتھ اسورا کو جواب دیتی بولی۔

زیمل:::: ن۔۔۔نہی۔۔نہیں۔

اسورا:::: بھابھی جان آپ کو ڈرنا چاہیے۔کیوں کہ آپ مجھے جانتی نہیں
ہے ابھی تک۔کہ میں اصل میں ہُوں کون۔
کیوں کہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

میں۔اسورا ہوں۔۔لوسیفر اور مجھ میں ایک ہی آدمی کا خون بہہ رہا ہے۔

میں اسورا از موڈیس ہوں۔لوسیفر کی موت۔

اس لیے تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہئے۔۔ کیوں کہ اس وقت اس کمرے میں صرف تم اور میں ہیں۔

اور میرا یہ معصوم چہرہ دیکھ کر تم میری نیت کا اندازہ تو لگا ہی سکتی ہو کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔

اچانک کمرے میں وانڈا داخل ہوئی تو بولی۔

وانڈا:::: مجھے کیوں بلایا ہے؟

اسورا پلٹ کر وانڈا کی طرف دیکھ کر بولا

اسورا:::: تم اس کمرے میں رہو گی ان کہ ساتھ۔

دوسرے ہی پل کچھ ادمیوں کی گرفت میں لیہ اور فلضاہ کو وہاں لایا گیا۔

فلضاہ:::: چھوڑ کتے۔۔۔ کمینے۔۔۔ ورنہ۔۔۔ تیری ہڈی پسلی ایک کر دوں گی۔۔

لیہ:::: چھوڑو۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ پلیز۔

وانڈا::: یہ کون ہیں؟؟؟

وانڈا فلضاہ اور لیہ کو دیکھ کر بولی جس کے چہروں پر تھپڑوں کے نشان تھے۔

جب کہ فلضاہ کے منہ سے خون بھی نکل رہا تھا۔

اسورا:::: ان کو بیچنا ہے۔ جو جتنی زیادہ قیمت دے اُنہیں دے دینا۔

فلضاہ اچانک اسورا کی بات پر چیلاائ تو بولی

فلضاہ::::: کتے کمینے۔۔۔ انسان۔۔۔۔ تجھے۔۔ ہم کوئی چیز لگتے ہیں ہمیں بیچنے لگا ہے۔

کھول میرے ہاتھ تیری زبان کو تو میں کاٹتی ہوں۔

اسورا:::: چہرے کس نے بگاڑے ہیں؟؟

اسورا اُن ادمیوں کو دیکھ بولا جو اُن دونوں کو پکڑ کر وہاں لائے تھے۔

باس ہم۔۔نے۔

اسورا میں اچانک اُس کے چہرے پر زور سے تھپڑ مارا تو بولا۔

اسورا:::: اس چہرے کے ساتھ جانتا ہے ان کی قیمت کتنی گر جائے گی۔

مجھے اپنی پوری رقم واپس چاہئے۔

لیہ::::: ہمیں جانے دو پلیز۔۔میں تمھاری رقم ساری ادا کر دوں گی۔

مجھے ایک موقع دے دو۔

فلضاہ:::: تم ایک بار میرے ہاتھ تو کھولو پھر میں تُمھیں ساری رقم دیتی ھو۔

اچانک اسورا فلضاہ کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر دیکھنے لگا۔

اسورا:::: وانڈا اس خوبصورت چہرے کو ٹھیک ہونے میں کتنا وقت لگے گا۔

ابھی کہ اسورا وانڈا سے بات ہو کے رہا تھا فلضاہ نے اُسی پل اُس کے چہرے پر

تھوکتے ہوئے جواب دِیا۔

فلضاہ؛:::: جتنا وقت تمھیں اس شرمندگی کو اپنے چہرے سے صاف کرنے

میں لگے گا۔

اسورا جو آنکھوں کو بند کر گیا تھا اچانک چہرے پر سے فلضاہ کی تھوک کو صاف

کرتا فلضاہ کی طرف دیکھ کر ایک زوردار تھپڑ اُس کے چہرے پر مارتے ہوئے

بولا۔

اسورا::::: سالی کمینی۔

!!!!الیہ ':::: فلضاہ

فلضاہ جو چہرے پر تھپڑ لگنے کی وجہ سے زمین پر تھو کی تھی۔

زمین پر خون دیکھ کر بولی۔

فلضاہ:::: کمینا تو ہو گا۔ تیری ماں ہو گی۔۔ تیرا باپ ہو گا۔

ایک بار میرے ہاتھ کھول تیرے لیے تو میں ہی کافی ہوں۔

تیری ایسی مرمت کرو گی کہ تیری نسلیں یاد کریں گی۔ کمینے کھول مجھے۔

تیرا دماغ ٹھکانے نہ لگایا تو میرا نام بدل دیں۔

تُجھے ایسا سبق سکھاؤ گی کہ تیری عقل ایسی ٹھکانے لگی گی کہ تُجھے یاد رہے گا کہ

آئندہ کسی لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھانا۔

کھول کمینے کتے۔۔

کھول بھی۔ ڈر گیا ہے۔۔؟

اسورا:::: بہت زیادہ بول رہی ہے اب تو۔

فلضاہ:::: میں نے بولا ہی کیا ہے۔۔

یہ تیری اصلیت ہے۔کتے۔

تو بھونکنے والا وہ کتا ہے جو ہر جگہ اپنا منہ مارتا ہے۔اور پھر مُجھ جیسے کے ہاتھوں سے مارا جاتا ہے۔

تو ہمیں بیچے گا۔؟

تو ایک بار میرے ہاتھ کھول۔

تیری تو میں وہ حالت کروں گی کہ تو اپنی ہی بستی کے کتوں سے بھی پہچانا نہیں جائے گا۔

تیری شکل کے ایسے پیچ گھسیٹو گی کہ تو سوار کی اولاد لگے لگا۔

جس مرد کو عورت سے برتاؤ کرنے کی تمیز نہ ہو وہ تُجھ جیسے نہ مرد ہوتے ہیں۔

جو عورت کی عزت کو پیسوں یا پھر حواس کے داموں بیچ ڈالتے ہیں۔

اسورا:::: بس اب اگر ایک اور لفظ تیری زبان سے نکلا تو تیری زبان یہی کاٹ دوں گا۔۔

اور پھر ایک اور تھپڑ فلضاہ کے چہرے پر پڑا تو اُس کے دائیں گال کا ماس پھٹ گیا۔اور انگلیوں کے نشان کی جگھوں سے خون نکلنے لگا۔

زیمل::::بس۔۔۔کرو۔۔

اسورا::::بس تو اب اُسی وقت ہو گا جب لوسیفر تمھاری جان بچانے کے لیے اپنی جان دے گا۔

اور پھر فلضاہ کے چہرے کو زور سے پکڑتے ہوئے بولا

اسورا::::وانڈا اس کے چہرے کو اور بگاڑ دینا اگر اب اس جو زبان سے کچھ اور نکلے۔

سالی کمینی۔

اور پھر یہ کہتے اسورا باہر جو طرف چلا گیا۔

جب کہ فلضاہ اُسے جواب دینے کی کوشش میں کھڑے ہوتے ہوتے گر گئی اور بے ہوش ہو گئی۔۔

براان:::: جہانگیر تم اتنے سالوں سے لوسیفر کے کہنے پر ہماری جاسوسی کر رہے تھے۔

جہانگیر جو براان کو بات کو نظرانداز کرتے اپنی ہی دھن میں لٹکا گنگنا رہا تھا۔

براان کی بات اور بس ایک مسکراہٹ دے گیا۔

براان:::: تیری اس مُسکراہٹ کو ایک کو ایک پل میں ملیامیٹ کر سکتا ہوں۔

جہانگیر:::: لگتا ہے کان سو گیا ہے میرا۔۔۔ ہیلو۔۔۔ وان۔۔۔ ٹو۔۔۔ تھری۔

براان:::: یہ بچکانا حرکتوں کا حساب چکتا نہیں ہو سکے گا تم سے جہانگیر۔

جہانگیر::::اب آئی ہے آواز۔

اوہ یہ تو براان صاحب ہیں۔

کیسے ہو براان۔ شکل سے اچھے نہیں لگ رہے

کیا کھیل کا مزہ سمجھ نہیں آیا یا میرے منہ لگنے آئے ہو۔

بران::::: تیری تو۔۔۔۔

تُو صرف اس لیئے زندہ ہے کیوں کہ اسورا کو تُجھ سے ملنا ہے ورنہ جہاں سے تُجھے اٹھایا تھا وہی تجھے ایک گولی سے اڑا دیتے۔ تو جانتا نہیں ہے ہماری طاقت کو۔

جہانگیر::::: دیکھ بران تو بھی جانتا ہے اور میں بھی کہ کھیل کہ پلڑا کس طرف سے الٹنا ہے۔

یہ علاقہ اُس کا ہے۔۔۔ یہاں چند لوگوں کو اکٹھا کر لینے سے تو اپنی طاقت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتا۔

بران:::: تو جانتا نہیں ہے۔ لوسیفر کے سارے اڈوں پر قبضہ ہو چکا ہے۔ اُس کے زیادہ تر آدمی مارے گئے ہیں۔ اُس رائٹ ہنڈ جمشید موت کی دہلیز پر کھڑا ہے۔

اور اُس کی بیوی ہمارے قبضے میں ہے۔

جہانگیر:::::اُس کی بیوی یہاں ہے ؟؟؟

براان:::: یہ کھیل ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ کیوں کہ لوسیفر کی سب سے بڑی اور اکلوتی کمزوری ہمارے پاس ہے۔

جہانگیر اچانک حیران ہوا اور پھر ایک مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔۔

جہانگیر:::: میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چالاک ہو۔ مگر تم لوگ تو اپنے ہی ہاتھوں سے اُسے جاگا رہے ہو جو تم لوگوں کی نسلوں تک کو مٹا دے گا۔ جیسا کہ تم نے کہا اگر اُس کی بیوی یہاں ہے تو اب تم لوگوں کو کوئی نہیں بچا سکتا

براان:::: وہ ہماری طاقت کا سامنا بھائی کر سکتا۔ نہ ہی اپنی بادشاہیت کو دوبارہ سے قائم کر سکتا ہے۔

جہانگیر:::: نو سال پہلے اُس نے اپنے چند وفادار بندوں کے ساتھ اِس قعلے کو ایسا قبرستان بنا دیا تھا کہ جہاں لوگ تو بہت مرے تھے مگر اُن میں سے کسی کی راکھ کو بھی اُس نے زندہ نہیں چھوڑا تھا۔

یاد ہے نہ۔اُس نے تو اپنے باپ کو بھی نہیں چھوڑا تھا جس نے اُس کی ماں کو اُس کی ہی آنکھوں کے سامنے کیسے بے دردی کے ساتھ مارا تھا۔

تو تم نے کیسے سوچ لیا کہ وہ اپنی بیوی کا بدلہ اپنی ہار کے ساتھ لے گا۔

نہیں بران۔۔۔تم بیوقوفی کر رہے ہو۔

اگر وہ اب تک خاموش تھا تو اُس کی وجہ اُس کی بیوی تھی۔

اب اگر اُس کی بیوی تم لوگوں پاس ہے تو تم لوگوں کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

بران جو جہانگیر کی بات کو سن رہا تھا اچانک اُس کی بات کے مکمل ہونے کے بعد بولا۔

بران:::: یہ جنگ ہم ہی جیتے گے۔

اچانک دروازہ کھولا تو ارنو اندر داخل ہوا۔

اور اُس کے اندر داخل ہونے کے بعد اسورا داخل ہوا تو بران اور جہانگیر دونوں کی نظریں دروازے کی سمت جم گیئں۔

بران اسورا کی اُنگلی کے اشارے پر وہاں سے باہر چلا گیا۔

تو جہانگیر اسورا کو دیکھتے ہی حیرانگی کے سمندر میں جا گرا۔

اسورا::: کیسے ہو جہانگیر؟؟؟

جہانگیر جو لٹکی حالت میں اسورا کو دیکھ کر حیران تھا بہت حیرانگی کے ساتھ

بولا۔

.جہانگیر::::: تم۔؟۔۔ تم۔۔۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟

اسورا دوسرے ہی پل جہانگیر کی بات پر قہقہ

لگا کر ہنسنے لگا۔

اسورا::::::: میں ہی اسورا ہوں۔

جہانگیر:::: تم کیسے؟ تم تو سکندر لیے کام کرتے تھے۔

اسورا::::: میں صرف خود کے لیے کام کرتا تھا۔

اپنی جگہ کے لیے۔

جہانگیر:::: سکندر نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ تم ہو جو اُس کی پیٹھ کے پیچھے

چھڑا گھونپ رہے ہو۔

اسورا:::: ابھی کہاں گھونپا ہے۔

بس اسی پل کا تو انتظار ہے۔

جہانگیر::::: میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم ان سب کے پیچھے ہو گے۔

اسورا:::: کیوں کہ میری وفاداری دکھاوے میں کمال کر گئی۔

جہانگیر:::: کیسی وفاداری وفاداری تو تیرے خون میں شامل ہی نہیں۔

اسورا جہانگیر کی بات پر طنزیہ مُسکراہٹ دیتے ہوئے بولا۔

اسورا:::: لگتے ھو۔۔۔۔ مگر پھر بھی جذبہ قابلِ دید ہے۔

جہانگیر:::: دھوکا دینے والا کبھی دھوکے کے ساتھ کامیاب نہیں ہوا۔

جس کھیل کو تم اپنی جیت کی نظر کرتے ہوئے کھیل رہے ہو۔

تم یہ بات جانتے ہو کہ لوسیفر کیا ہے۔

اسورا:::: تمھیں کیا ملا؟

لوسیفر کی وفاداری سے۔اتنے سال جیل کی نظر کر دیے کیا ملا؟

جہانگیر مسکرایا اور بولا۔

جہانگیر:::::دوستی۔

مجھے اُس کی دوستی ملی۔۔جو میرے لیے تمھارے ساتھ سے کئی زیادہ عزیز ہے۔

.اسورا::::؛بیو قوف آدمی

جہانگیر:::::بیو قوف تم ہو۔

اور تمہاری یہ بیو قوفی تمھارا انجام عبرت ناک بنادے گی۔

اسورا::::لے آؤاُنہیں بھی اندر۔

اسورا ارنو کی طرف دیکھ کر بولا۔

دروازہ کھولا تو دو آدمیوں نے خضر کے ساتھ فرقان کو اندر کی طرف پھینکا تو۔

اسورا:::اب یہاں تم ان دونوں کے ساتھ اپنا باقی کا وقت گزارو

جہانگیر:::بس کچھ دیر کی بات ہے۔۔وہ یہاں ہو گا اور تم زمین کے اندر۔

اسورا:::وہ سوچ بھی نہیں سکتا ہو گا کہ ہم یہاں ہیں۔

جہانگیر::::: اے اسورا۔۔۔۔۔اب اُس کی بیوی غائب ہے۔

جہاں اب سکندر کی سوچ ختم گی۔۔وہی لوسیفر کی شروع ہو گی۔

اسورا:::: مجھے اُسی کے آنے کا انتظار ہے۔

اور پھر وہ یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

خضر:::::: آ۔۔۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہ

ارنو::: ان دونوں کو بھی وہاں لٹکا دو۔

جہانگیر ہنسنے لگا۔

جہانگیر:::: چلو اٹھ جاؤں۔۔۔مرد بنو۔۔

ارنو:::: صحیح سے ہاتھوں کو باندھو۔۔۔

جہانگیر:::: ارنو۔۔۔تم۔ڈرو۔۔۔ نہیں۔۔میں کہی نہیں جا رہا۔

ارنو:::: تم جا بھی نہیں سکتے۔

جہانگیر:::: ارنو تم تو ایسے کہہ رہے جیسے دھمکی دے رہے۔

میں تو یہاں تمہارے لیے رو کا ہوں۔

بڑے افسوس ہوا تمھاری بیوی اور بیٹے کا۔

ارنو ایک پل میں طیش میں آیا تو بولا

ارنو::::: میں اسی بدلے کی آگ میں ہوں۔

اپنے بیٹے اور بیوی کا بدلا لیے بغیر میں نہیں جانے والا

جہانگیر:::: بہت افسوس کی بات ہے کہ بران نے یہ بات تمہیں نہیں بتائی

کہ تمہاری بیوی اور بیٹے کو مارنے والا ہی اب تمھارا خیر خواہ بنا ہے۔

چلو مجھے اِس سے کیا لگے۔

سوچا تھا تمھیں ملتے ہی سب بتا دوں کہ کیسے تمہاری بیوی کر بیٹے کو تمھارے

آپنے بھائی نے اسورا کے کہنے پر مار دیا۔

ارنو::::: تم۔۔۔ جھوٹ۔۔۔۔ بول۔رہے ہو۔۔

جہانگیر::::: ہاں ہاں۔۔میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

تم میری باتوں پر دیہان نہ دو

ارنو جو کسی کشمکش کے ساتھ وہاں سے بنا کچھ کہے باہر چلا گیا۔

تو جھانگیر کسی فاتح کی طرح مسکرانے لگا اور پھر گنگنانے لگا م

:: خضر بولا

تم پاگل ہو۔ تمھارے چکروں میں میں بھی یہاں پھنس گیا ہوں۔

ہم یہاں سے باہر کیسے نکلے گے۔

جہانگیر جو خضر کی بات پر قہقہ لگا کر ہنسنے لگا تو فرقان کافی بری حالت میں بولا۔

فرقان؛:::: تم پاگل ہو گئے ہو۔۔۔ ہمیں باہر نکلنا ہے یہاں سے اور تم

ہنس رھے ہو۔۔

جہانگیر:::: ایک میں نے اپنا ہوم ورک پورا کیا ہے۔

خوش ہونا تو بنتا ہے۔

خضر:::: تمہاری مدد کے چکروں میں بھی یہاں پھنس گیا۔۔۔ ہوں۔

فرقان::::: میرے ہاتھ۔۔۔۔

ھمیں پہلے اپنے ہاتھوں کو آزاد کرنا گی گا۔

جہانگیر:::: اُو پولس والو فلحل کچھ وقت انجوائے کرو۔

ایسا وقت روز روز دیکھنے کو نہیں ملتا۔

مجھے تو آرہی ہے نیند۔

اور لٹک کر سونے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

اور اگر ہوم ورک اچھے سے کے لیا ہو تو نیند ویسے ہی بہت اچھی آتی ہے۔

خضر:::::تم پاگل ہو گئے ہو۔

یہ لوگ ھمیں مار دے گے۔

ھمیں یہاں سے ہر صورت نکالنا ہو گا۔

جہانگیر::::بیٹا میں اس جگہ کو اچھے سے جانتا ہوں تو کیا اس وقت میں بھی یہاں سے اس علاقے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

کیوں کہ اس وقت یہی جگہ سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہے۔

ہم ان کے پاس ہیں یہ اسی خوشی میں ہیں۔

جب وہ ائے گا تو یہ ان بیوقوفی بن جائے گی۔

اور جس وجہ سے یہ مارے جائیں گے وہ خود کشی کی صورت اختیار کر جائے گا

۔

تو اس ٹریپ کا مزہ لو۔

جیسے میں لے رہا ہوں۔

فرقان اور خضر جو لٹکے ہوئے تھے جہانگیر کے بے فکرانہ انداز کو دیکھ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

جہانگیر جو اپنی آپ کو لٹکنے کی حالت میں ہلانے لگا۔ مسکراتے ہوئے بولا۔

جہانگیر:::: فکر نہ کرو۔۔۔۔اور کچھ دیر سو جاؤ۔

وہ آجائے گا تو کھیل بدل جائے گا۔

اور پھر وہ اُسی انداز کے ساتھ گنگناتے ہوئے آنکھوں کو بند کر گیا

یہ کہتے ہوئے کہ۔

جہانگیر::: بے فکری میں جینے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

تم لوگوں کی بھی کیا فضول زندگی ہے۔

جمشید کا فون بند کیوں جا رہا ہے۔

میکس اپنے ایک آدمی سے بولا۔

ایک آدمی بھاگتے ہوئے اندر آیا تو بولا۔

جمشید کو گولی لگی ہے۔اور لوسیفر کی بیوی کو وہ لوگ لے گئے ہیں۔

یعنی اب حالات بہت خراب ہونے والے ہیں

آپ کو جلدی ہی کچھ کرنا ہوگا ورنہ

وہ فلسطین کا نقشا بدل کر رکھ دے گا۔

میکس::::احسان چکتا کرنے کی اب میری باری ہے۔

آدمیوں کو اکٹھا کرو۔ ہمیں نکلنا ہے۔

اور فون کو ملاتے ہوئے ایک آہ بھرتے ہوئے کان کے ساتھ لگا گیا۔

کون ؟ الیکس لوتھر جواب دیتا بولا۔

میکس:::::کیسے ہو بھائی ؟

میں میکس۔۔۔ میکس لوتھر۔۔ تمہارا بھائی۔ بات کر رہا ہوں۔

الیکس جو فون کو کان سے لگائے ایک بات ہربڑا کر اٹھا تو بولا۔۔

تم زندہ ہو میکس؟؟

سکندر جو فلسطین کے ہر علاقے کو اُتھل پتھل کر چکا تھا۔

اُسے بران اور جہانگیر کا کوئی اتا پتا نا ملا۔

سالار جو نا چاہتے ہوئے بھی زیمل کے لیے اُس کے ساتھ زیمل کو ڈھونڈھ رہا تھا۔

اب اُس کی برداشت بھی ختم ہو چکی تھی۔

ڈینیل کے ادمیوں کو پکڑنے کے باوجود کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے.

سکندر فلسطین کی سڑکوں میں خود گاڑی کو تیز رفتار سے دہراتے ہوئے صرف ایک لڑکی کی تلاش میں تھا۔

اُس کی تلاش جنونیت کی حد اختیار کر چکی تھی۔

سالار:::: اب کہاں ڈھونڈے گے اُسے ؟؟

سکندر جواب غصے سے پاگل ہو چکا تھا۔

اچانک سالار کی بات پر چیلانے لگا۔

سکندر:::: ا۔۔۔ہ۔۔۔۔ہ۔۔۔۔ہ۔۔ہ۔۔ہ

کہاں چھپ کر بیٹھے ہو۔

کسی ایک کہ بھی پتہ نہیں چلا تھا

سکندر اُنھیں ہر اُس جگہ پر ڈھونڈھ چکا تھا جہاں جہاں جہانگیر نے اُن کی جاسوسی کی تھی۔

مگر وہ ہر علاقہ ایسے ویران تھا جیسے وہاں کوئی کبھی آیا ہی نہیں۔

سالار::: سکندر مجھے میں بہن چاہئے۔۔ کسی بھی قیمت پر۔

تو سوچو ہم اُسے کہاں ڈھونڈے۔۔

اگر جہانگیر اُن کے ہاتھوں پکڑا گیا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ ایسی کسی جگہ پر ہو گے جہاں تم اُنہیں ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔

تو پھر سوچو کہاں لے کر گئے ہو گے زیمل کو؟

کون سی ایسی جگہ ہے جہاں ہم نے نہیں ڈھونڈھا۔

تمھارے سارے اڈوں پر تو وہ ہمیں نہیں ملی۔

پھر کہاں ہے زیمل؟

کیا اُسے کسی اور ملک لے گئے؟

بولو بھی؟؟؟

کچھ تو بولو؟

سکندر سالار کی باتوں پر اپنے سر کو گاڑی کی سیٹ سے پٹھک رہ تھا۔

کون ہے میرا ایسا دشمن جو میری بیوی پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کر گیا ہے۔

کون ہے۔؟؟

سالار::::اُس نے کہا تھا کہ تمہارا اسے قریبی آدمی۔

کون ہے وہ؟؟۔ کیا جہانگیر خود ہے؟۔

سکندر:::: نہیں جہانگیر نہیں ہے۔

سالار:::::تو پھر کون ہے؟؟

سکندر جو بھی کچھ کہنے ہی ولا تھا۔

اچانک فون کے بجتے ہی فون اٹھاتے بولا۔

سکندر::::: میکس؟

میکس:::::لوسیفر تمہارے لیے میرے پاس ایک خبر ہے۔

سکندر:::: کون سا نیا کھیل ہے یہ اب؟

میکس:::!: کھیل نہیں ہے۔احسان کا بدلہ ہے۔

ایک احسان تم نے مجھ پر کیا تھا میری جان بخش کر۔اُسی احسان کا بدلہ چکتا کرنا چاھتا ہوں۔

میرے پاس تمہارے لیے وہ خبر ہے جس کی تلاش میں تم پاگل ہو رہے ہو میں جانتا ہوں کہ ان اب کے پیچھے کون ہے۔

اور تمھاری بیوی کہاں ہے؟

سکندر::::: تو جلدی بتاؤ۔ کہاں ہے؟

سکندر ایک پل میں ابلتے لہجے کے ساتھ بولا۔ جیسے وہ فون پر نہیں بلکہ کسی سامنے بیٹھے شخص کو اپنی آگ اگلتی آنکھوں کو دکھا رہا تھا۔

میکس:::: وہی جگہ جہاں از موڈیس اپنے انجام کو پہنچا تھا۔

وہی جگہ جہاں لوسیفر سکندر کے اندر سے آزاد ہو تھا۔

وہ وہی ہے جہاں سے لوسیفر کی کہانی کا اغاز ہوا تھا۔

اریا ایٹی وان۔۔۔دی وے اف ہیل

دی ہیل آف لوسیفر

سکندر جو گاڑی کے اسٹیئرنگ پر اپنی پکڑ کو مضبوط کرتا ایسے ایسے فلسطین کے گمنام علاقے کی طرف بڑھا جہاں تک پہنچنا کسی خطرے سے خالی نہیں تھا۔

سالار جو گاڑی میں بیٹھا گنز میں گولیاں بھر رہا تھا۔

بولا۔

سالار::::: پہلی اور آخری بار صرف اپنی بہن کی خاطر۔

سکندر::::: ہمیشہ صرف میری زیمل کی خاطر۔

اور پھر اچانک گاڑی رُک گئی۔

سامنے موجود ایک بڑا سا گیٹ جو ویرانے سے نکل کر پھر کہی جا کر دکھا تھا۔

سکندر کی گاڑی گیٹ کے بلکل سامنے رکی تھی۔

اور پھر سالار گیٹ کی طرف اپنا۔ چہرہ موڑتے سر کو ہاں میں ہلانے لگا۔

تو سکندر دوسرے ہی پل گاڑی سے نکلا تو بولا۔

سکندر::::: تم لوگوں کی چیخوں کو سُننے والا بھی کوئی نہیں بچے گا۔

سکندر جو کالی شلوار قمیض کے ساتھ پسینے میں شرابور تھا اُس کی دہکتی ہوئی انکھوں میں ایک عجیب سی اجنبیت تھی۔

جو اُسے سکندر صالح کی بجائے لوسیفر کے نام سے پکارنے پر مجبور کر رہی تھی۔

سکندر جو ابھی تیز قدموں سے آگے ہی بڑھا تھا اچانک اُس کے پکچھ قریب جاتے وہ دروازہ جو مانو آسمان کو چھو رہا تھا اپنی آواز کے ساتھ کھول گیا۔

دروازہ جو ابھی کھولا ہی تھا سالار دروازے کی لمبائی کو دیکھ ادھر اُدھر دیکھنے لگا

۔

دروازہ کھولتے ہی ایسے جیری، ہیلپس دور کھڑا تھا جیسے جو قید اپنی موت کے لیے وہاں سکندر کے سامنے پیش ہوا ہو۔

سکندر کے چہرے کے تاثرات وہاں جیری، ہیلپس کے لاتعداد ادمیوں سے سخت ہوئے تو سکندر کی موٹھیاں غصے تن گئی۔

کیوں کہ ایک نظر پر سکندر کو جیری کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ محسوس ہوئی جو اُس کی موت کے جلد اُس تک پہنچنے کے لیے کافی تھی۔

سکندر::::: میری بیوی کہاں ہے؟؟؟؟

جیری، ہیلپس:::: مجھے لگا تھا کہ لوسیفر تم اپنی فوج کے ساتھ آؤ گے۔

مگر تم تو ایک آدمی کے ساتھ اپنی موت کی طرف کھینچے آئے ہو۔

سکندر::::میں نے پوچھا میری بیوی کہاں ہے۔؟

جیری::::::لوسیفر ایسا کرتے ہیں پہلے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔

پھر۔

سکندر دوسرے ہی پل چیلا کر بولا۔

سکندر::::میں نے پوچھا ہے میری بیوی کہاں ہے۔

مجھے مجبور نا کر کہ اپنی بیوی کا چہرہ دیکھئے بنا تم لوگوں کو تم لوگوں کے انجام تک

پہنچاؤ۔۔

کیوں کہ اگر ایسا ہو تو نو سال پہلے سے زیادہ بتر لوسیفر میرے اندر سے باھر

نکلے گا۔

تو بتا اب میری بیوی کہاں ہے؟؟

جیری:::یہی ہے اسی قلعے میں۔ مگر اُس تک تم پہنچ نہیں سکو گے۔۔

سکندر:::روک سکتا ہے تو روک لے۔

جیری:::تجھے روکنے کے لیے ہی تو میں کھڑا ہُوں۔

سکندر:::: تو روکنے کے لئے نہیں اپنی موت کے لیے یہاں کھڑا ہے۔

جیری:::: دیکھتے ہیں کس کی موت۔

پکڑ ولو سیفر کو۔۔۔

اچانک جیری اپنے ادمیوں کو حکم دیتا بولا۔۔تو سبھی سالار کے ساتھ سکندر پر ایسے جھپٹے جیسے اُن دونوں کو اپنے چکر میں دبوچ لینا چاھتے ھو۔۔ مگر سالار جو اُن کے جھپٹنے پر گن کو نکال چکا تھا۔ایک کے بعد ایک فائر کرنے لگا۔

جیری:::: وہ زندہ چاہیے۔۔۔

سکندر جو اپنے ہی انداز میں اپنے شوزوں کے ساتھ چھپائے

چاکو نکال چکا تھا۔

ایک پل میں جھپٹنے والوں اور جہاں جی چاہا وار کرنے لگا۔

نجانے کس کی میں سی آنکھ ضائع ہوئی نہ جانے کس کے ہاتھ کاٹے

سکندر گھومتے انداز پر کسی کی ٹانگوں پر گھونپنے لگا تو کسی کے ہاتھ پر۔

سالار جو بندوق کے ساتھ اب ہاتھوں سے لڑ رہا تھا۔

اچانک سکندر کی طرف دیکھ کر بولا۔

سالار:::: میں انہیں زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔

سکندر:::::اصل مرد شیر کی طرح ہوتا ہے اُس کی ایک دھار جنگل میں اپنا خوف قائم کر دیتی ہے۔

اور پھر اچانک سروں کے اور سے ایسے اورتے انداز میں بائیکس نکلی کہ جیری سامنے کھڑے دیکھتا رہ گیا

اور وہاں ایسے فائرنگ شروع ہوئی کہ سکندر بولا۔

سکندر:::: ڈی ایس پی اندر جاؤ تم ابھی اُس راستے سے۔

سالار:::: مگر۔۔

سکندر:::: بھروسہ رکھو

بس زیمل کو ڈھونڈو۔۔۔ جاؤ۔اب

سالار سکندر کی بات کو سنتا وہاں اس پیچھے موڑتے انداز میں بھاگنے لگا۔

تو دو آدمی سالار کے پیچھے بھاگنے لگے۔

سکندر جس کی نظر ابھی پڑی ہی تھی ایک پل میں ایک آدمی کا گلا کاٹتے ہوئے

اُسی چاکو سے نشانہ لگاتے ہوئے بولا۔

سکندر:::::ایک سنبھال لینا ڈی ایس پی۔

اور پھر نشانے کے ساتھ اُن میں سے ایک آدمی کے گلے کے بیچوں بیچ اُس

چاکو کو گھنسا گیا

دوسری طرف جیری، ہیلپس جو سکندر کے ادمیوں کو مار رہا تھا یوں سکندر کو

اپنی طرف بڑھتا دیکھ

ڈر گیا۔۔اور پھر سکندر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ خود سے بولا۔۔

جیری::::: صرف اپنے کاپو کی حیثیت کو بحال کرنے کے لیے جیری لوسیفر

سے بھی لڑے گا۔

سکندر جو اس قدر غصے کی حالت میں حیلپس کی طرف بڑھا تھا۔

کہ لوسیفر ایک جھٹکے کے ساتھ اُسے گردن سے پکڑ کر زمین پر پٹخ کر مارا اور بنا

کوئی دوسرا موقع دیے بغیر اُس شہ رگ کو چاکو کی نوک کے ساتھ کاٹ ڈالا۔

دوسرے ہی پل پیچھے میکس اپنے ادمیوں کے ساتھ وہاں داخل ہوا تو سامنے کا منظر دیکھ اپنے دو آدمیوں سے بولا جو ہاتھوں میں جنگلی کتوں کی اعلیٰ نسل کی رسی کو تھام کر کھڑے تھے

میکس:::: چھوڑ دو انہیں۔

اور پھر یوں اشارہ کر کہ شکار کا چیر پھاڑ کرنے کو کہا کہ وہ دوسرے ہی پل ایسے جھپٹ کے اُس پر ٹوٹے کہ وہ جو پہلے ہی مر چُکا تھا اُس کے جسم کی حالت کو بھی اور بگاڑ دیا گیا۔

سکندر جو ابھی موڑا ہی تھا اچانک پیچھے میکس کو دیکھ کر بولنے ہی والا تھا کہ۔ میکس بولا

میکس::::: مدد کے لیے نہیں آیا۔۔ نہ کسی احسان کرنے کی نیت سے ۔۔۔۔ یہاں ہر کوئی جانتا ہے تم ان ش کے لیے اکیلے کافی ہو لوسیفر۔

میں صرف اپنے سر سے احسان کا بوجھ اُتارنے آیا ہوں۔

تم جاؤ میں یہاں سب دیکھ لوں گا۔

سکندر وہی نظروں کو پھیرتا بنا کچھ کہے آگے کی طرف بڑھا۔۔۔

تو وہاں بیسٹ کے ساتھ مائیکل کے ادمیوں نے سکندر کو گھیر لیا۔

ابھی کہ وہ کچھ اور کر پاتے۔۔۔۔وہی ایلیکس لوتھر کے ادمیوں نے پیچھے سے اُن پر حملہ کر دیا۔

عجیب سا ماحول باہر بن گیا۔

ایک طرف میکس اپنے ادمیوں کے ساتھ سکندر کی مدد کو پہنچ چُکا تھا دوسری طرف ایلیکس جو اسورا کے ساتھ وفاداری کا ہاتھ ملا کر اب لوسیفر کی طرف سے مائیکل اور بیسٹ کر ادمیوں کو مارنے لگا تھا۔

عجیب افراتفری کا ماحول تھا۔

سالار جو ابھی مین اندرونی حصے میں داخل ہوا تھا دبے قدموں کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

مگر اچانک دو ادمیوں کی نظر پڑنے پر گولیاں چلنی شروع ہو گئی۔۔جن میں سے ایک گولی سالار کے بازو کو چیر کر اُس کے بازو کے اندر تک چلی گئی۔۔

سالار اپنی گن سے نشانہ تاننے کی کوشش کرتا ایک گولی کو ایک آدمی پر چلا کر اسے ڈھیر کر چکا تھا۔

مگر دوسرے ہی پل پیچھے سے آتے اور آدمی گولیوں کی آواز پر چوکنا ہوتے ہوئے بھاگتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔

اور پھر ایسی گولیوں کی برسات ہوئی کہ دیواریں پھٹنا شروع ہو گئی۔

سالار وہاں سے آگے نکلتا دوسری طرف بھاگا۔

جب وہی آدمی اُس کا پیچھا کرنے کے لیے وہاں سے اُس طرف بھاگے تھے۔

مگر ابھی کہ وہ بائیں طرف موڑ پاتے۔۔۔اچانک پیچھے کی طرف سے ایک بمب اُن کے پیروں کی سمت آ کر رُکا۔۔۔ تو ایسا دھماکا ہوا کہ اُن کے چیتھڑے ار گئے۔

اور پھر ایک ہنسی کا قہقہ بلند ہوا۔

جہانگیر::::: خضر تم تو پورے مافیا کے آدمی نکلے ہو۔

کیا سٹائل ہے،

ویسے یہ ٹریننگ کب لی ہے؟

فرقان:::: تم اس قدر سیریز حالت میں کیسے مذاق کر سکتے ہو۔

جہانگیر:::: ہم شاعر ہیں یار۔

زندگی کو ہنسی میں اڑانا ہمارا کام ہے۔

خضر:::: تم دونوں چپ کرو۔۔اور تم باہر جانے کہ رستہ بتاؤ۔

جہانگیر:::: ضرور بتاؤں گا مگر باہر کا نہیں اندر کا۔

سب سے پہلے ہمیں یہاں موجود قید خانے سے اپنے لوگوں کو باہر نکالنا ہے۔

ورنہ جو حالت تم نے ان کی ہے۔۔۔بدلے کی آگ میں وہ ہم تینوں کا یہ حال کریں گے۔

اس لیے ہمیں ساتھیوں کی ضرورت ہے۔

خضر:::: تو بتاؤ پھر۔۔۔کس طرف جانا ہے۔

فرقان:::: خضر ہمیں فلضاہ اور لیہ کو بھی ڈھونڈھنا ہے۔

خضر:::: اب وہ بھی یہاں ہیں؟

فرقان::::ان سب کے پیچ بتانے کا موقع نہیں ملا

اُن دونوں کی وجہ سے میں یہاں ہوں۔

خضر::::: یہاں خود کو بچانے کے

لالے پڑے ہیں۔

اب کس کس کو بچائیں۔

جہانگیر::::: مرد بنو۔۔

جیسے وہ تمہارا ساتھی۔بن رہا ہے۔

وہ جس طرف گیا ہے اسے آگے لڑکیاں مل جائیں گی ہمیں مدد کے لیے قلعے

کے اصل لوسیفر کے آدمیوں کو نکالنا ہیں۔

جو اب تک بچ چکے ہیں۔

...فرقان::::: ہم وہاں تک کیسے پہنچے گے

جہانگیر:::: میں ہوں نہ۔

خضر:::: تو چلو پھر۔۔

دوسری طرف جمشید کو بھی ہوش آچکا تھا۔

جمشید جوائی سی یوں میں روحان پر برس رہا تھااور زبان پر صرف ایک بات تھی کہ بھاؤ کہاں ہیں۔

روحان:::: بھائی آپ فکر نہ کریں وہ آجائیں گے۔۔

آپ کوآرام کی ضرورت ہے۔

جمشید:::: روحان۔۔۔ بھاؤ کہاں ہیں۔

تم سے میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔

اُن کی جان خطرے میں ہے۔ بھاؤ کو کچھ ہوا تو میں تُمھیں نہیں چھوڑوں گا۔

روحان:::: بھائی آپ فکر نہ کریں میکس سے میری بات ہو گئ تھی وہ ساتھ ہے۔

جمشید::: پیچھے ہٹو مجھے نکلنا ہے۔ گاڑی نکالو

ڈاکٹر:::: دیکھیں آپ ایسے نہیں جا سکتے۔

ابھی آپ کا آپریٹ ہوا ہے۔

جمشید::::اس ڈاکٹر کا منہ بند کرواو

جمشید ایک آدمی کو اشارہ کرتے بولا۔۔

روحان:::: بھائی میں آپ کو نہیں جانے دے سکتا۔آپ اپنی حالت دیکھیں۔

جمشید::::روحان مجھے روکنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔

میری اس حالت کی ذمے دار جو ہے میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

دھوکہ دیا گیا ہے محبت کے تنے جال نے۔

مجھے ہی نہیں ملا بلکہ بھاؤ کو دیا گیا ہے۔

جب تک اندر کی آگ بوجھ نہیں جاتی میں آرام نہیں کروں گا۔

تمہیں ساتھ چلنا ہے تو چلو نہیں چلنا تو میرے راستے میں آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔

روحان:::::؛وہ وہی گئے ہیں۔

اریا ایٹ وان۔

دی وے آف ہیل۔

جمشید:::::روحان تم نے کیوں جانے دیا بھی کو وہاں۔۔

روحان::::وہ راستے سے ہی چلے جائیں گے۔

جمشید::::بھاؤ کبھی بھی خفیہ راستے سے وہاں داخل نہیں ہو گے۔

میں جانتا ہوں۔

اور آگے کے راستے پر وہ پہلے ہی گھات لگا کر بیٹھے ہو گے۔

ھمیں نکلنا ہو گا۔۔۔ابھی۔

گاڑی نکالو۔

ڈاکٹر::::آپ کے سٹیچیز۔۔

جمشید::::اس کے منہ کوئی سٹیچیز سے بند کرو۔۔مجھے ڈاکٹر بلکل پسند نہیں۔

اور پھر یہ کہتا جمشید سینے پر پٹی باندھتا اپنے سٹیچیز کو چھپانے لگا۔

اور پھر فوراً سے کپڑے بدلتا وہاں سے نکل گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر جو سامنے آتے ہر ادمی کو ایسے کاٹ کے پھینک رہا تھا جیسے بس وہ انسان نہیں بلکہ لکڑی کاٹ کر پھینک رہا ہو۔

کسی کا سر اُس کے دھڑ سے الگ کر کہ سکندر آگے بڑھ رہا تھا تو کسی کی آنکھوں کو نکال کر۔۔

جو راستے میں رکاوٹ بن کر اُس کے سامنے آرہا تھا وہ اُسے بے دردی کے ساتھ مار رہا تھا۔

زیمل کہاں تھی اُسے اب تک معلوم نہیں تھا۔

جو اُس میں پلتے آگ کے شعلوں کو پھٹنے کی حد تک بڑھا گیا تھا۔

سکندر::: کہاں چھپ کر بیٹھے و

سکندر::: کہاں چھپ کر بیٹھے و۔ آپنے بلوں سے باہر نکلو۔۔ کر سامنا کرو لوسیفر کا۔

جس کو تم لوگوں نے پانی موت کے لیے جگایا ہے۔

آج اس قلعے میں تم لوگوں کی موت کی چیخیں اُٹھیں گی

موت کا یہ کھیل تم لوگوں کی موت کے ساتھ لوسیفر کی پیاس کو بجھائے گا۔

نکلو باہر۔۔۔۔ کمینوں۔۔۔۔اور سامنا کرو اپنی موت کا۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسورا جو جھٹک کر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

تو بولا۔

اسورا:::: وہ آگیا ہے۔

وانڈا:::: کیا کرنا ہے اب؟

فلضاہ:::: وہ آگیا مطلب کہ ہیرو کی شکل میں اصل مرد آگیا ہے۔

اب تم لوگوں کی موت ہو گی۔۔اور کچھ بھی نہیں۔

وانڈا:::: اپنا منہ بند کر۔

وانڈا منہ پر ایک تھپڑ لگتی۔۔۔بولی۔

لیہ:::::اپنے ہاتھ میری دوست سے دور رکھو۔۔

وانڈا:::ایک کو مارو تو دوسری بولتی ہے۔

دوسرے ہی پل وانڈا نے ایک تھپڑ لیہ کہ چہرے اور مارا تو زیمل بولی۔

زیمل:::::بس۔۔۔کردو۔۔۔

وانڈا:::لو۔۔۔اب دوسری کو مارا ہے تو تیسری بول رہی ہے۔

اسورا::::؛دیئر۔۔۔بس۔۔۔تو۔۔تب ہو گا۔۔۔جب لوسیفر کی موت ہو گی۔

زیمل::::ایسا۔۔۔کچھ۔۔۔نہیں۔۔۔ہو گا۔۔

اسورا:::ہو گا۔۔۔تُمھارے لیے۔۔۔وہ۔۔۔سب۔۔۔کرے ۔۔۔گا۔۔۔۔تمھاری۔۔۔زندگی کے لیے۔۔۔واپنی موت کو بھی گلے ۔۔لگانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

بھابھی۔۔۔جان۔

زیمل:::چھوڑو۔۔۔مجھے۔

اسورا::::ابھی۔۔۔ پکڑا ہی کہاں ہے۔جو چھوڑوں۔

فلضاہ::::کتے۔۔۔کمینے۔۔۔آپنے ہاتھ اُس کی چادر سے دور رکھ۔۔ورنہ تیرے بازوں کو توڑ کر تجھے اپاہج کر دوں گی۔

اسورا:::: یہ چادر؟

اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اُس نے زیمل کے سر سے چادر کو چھین کر ایسے ارا کر پھینکا کہ لیہ کے ساتھ فلضاہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئ۔

اور زیمل جس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہوا تو اپنے سر سے ارتی چادر کو دیکھ اُسے وہ پل یاد آیا جب سکندر نے خود وہی چادر اُس کے کندھوں پر دے کر اُسے عورت کے پاک تقدس کے احترام کا مطلب سمجھایا تھا۔

اسورا:::: لو اُتار دی۔۔۔اور کچھ؟؟

فلضاہ:؛:: ہاتھ کھول پھر تجھے بتاتی ہُوں۔

لیہ:::: کمینے انسان تُجھ میں خدا کا کوئی خوف نہیں ہے۔

فلضاہ:::: تیری موت تو میرے ہاتھوں سے ہو گی۔۔۔کمینے۔۔

اسوراوہی زیمل کو بالوں سے پکڑتا بولا۔

اسورا::: وانڈا اس کی رسی کھولو۔ابھی۔

وانڈادوسرے ہی پل زیمل کی رسی کو کھولنے لگی تو اُس کے ہاتھوں پر اُس معصوم کے انسوں کی ایک کہ بعد ایک بوند گری۔

تو زیمل بولی۔

زیمل:::: و۔ہ۔۔۔کہتے۔۔۔تھے۔۔۔کہ۔۔زیمل۔۔تم۔۔پر ۔۔کسی۔۔۔اور۔۔مرد۔۔۔کی۔۔۔ نظر۔۔۔میں۔۔۔ برداشت نہیں کر سکتا۔۔

مگر۔۔۔تم۔۔۔نے۔۔۔تو۔۔۔میرے۔۔۔ سر ۔۔۔سے۔۔۔میری۔۔۔چادر کو۔۔۔ چھین کر۔۔۔مجھے۔۔۔بے ۔۔۔پردہ۔۔ کر دیا ہے۔

سکندر تمھیں۔۔۔۔نہیں۔۔۔ چھوڑیں۔۔۔گے۔۔۔

اسورا::: دھمکی دے رہی ہو؟؟

زیمل:::: نہیں۔۔۔اپنے رب سے دعا۔۔۔ کرتی۔۔ ہوں۔۔ کہ۔۔۔وہ اُن کے ہاتھوں میں طاقت۔۔۔اتنی۔۔ طاقت دے۔۔ کہ وہ۔۔ عورت کی تذلیل کرنے والوں کو صفحہ ہستی سے۔۔۔ مٹادے۔۔

اسورا:::: چاہوں تو ابھی تمھاری عزت کے در پر آجاؤں۔۔ مگر۔۔ کیا ۔۔۔ کروں۔۔۔استعمال شدہ چیز جب ٹک استعمال میں ہو میں اُسے اپنے استعمال میں نہیں لاتا۔

ورنہ اسورا خوبصورت چیزوں کا دل دادہ ہے۔اور تم تو پہلی نظر پر ناپ تول میں آگئی تھی۔

زیمل:::: عورت کو۔۔۔ خریدنے۔۔۔ کی حیثیت۔۔۔ صرف۔۔۔اُس ۔۔۔ مرد۔۔۔میں۔۔۔ہوتی ہے۔۔۔جو۔۔ عورت۔۔۔ کی حیا کا محافظ بن کر اُس کے دل کو جیت لے۔

اور اصل۔۔۔مرد۔۔۔کی۔۔پہچان۔۔۔یہی ہے۔۔۔جو۔۔عورت کے

سر پر چادر کو رکھئے نہ کہ چادر۔۔کو چھین کر۔۔سر بازار اُس کی عزت کو نوچ

کھائے۔

آسورا:::: تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔۔۔

اسورا تیز نظروں کے ساتھ زیمل کے چہرے کو دوسرے ہاتھوں سے پکڑ کر

بولا۔

فلضاہ:::: بھرے ہو تم؟

مرد وہ ہے۔۔۔جو عورت عزت کا محافظ ہو جیسے کہ وہ۔

وہ نہیں جو بیچ سڑک سے اُٹھا کر عورت کی عزت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دے۔

لیہ:::::: مرد اور نہ مرد میں فرق ہے۔تم نہیں سمجھو گے۔

اسورا::: میں۔۔۔نہ مرد ہوں؟

اچانک اسورا غصے سے چیلا کر بولا تو فلضاہ مُسکرا کر بولی۔

فلضاہ::: اللہ اللہ یہ کیسا آدمی ہے۔۔ کب سے سمجھا رہے ہیں اور اِس کمینے کو
اب سمجھ لگی ہے۔

اسورا دوسرے ہی پل اپنی بندوق کو پیچھے سے نکالتے ہوئے فلضاہ کی طرف
بڑھا اور اُس کی کے ماتھے پر رکھتے ہوئے بولا

اسورا::: تیری زبان بہت چلتی ہے۔۔ مجھے زیادہ بولنے والے لوگ پسند
نہیں۔

چہرہ تو پہلے ہی خاصا تیرا بگڑ گیا ہے۔ اگر اب اگر اپنے جسم امیں اپنی جان
چاہتی ہے تو اپنی زبان کو بند رکھ۔

زیمل جو لیہ کے اشارہ کرنے پر دروازے کی طرف متوجہ ہوئی۔

لیہ آنکھوں سے زیمل کو بھاگنے کا اشارہ کرنے۔ لگی۔

زیمل اشارے کو سمجھتے ہوئے دروازے کی طرف بھاگی تو اسورا نے
دوسرے ہی پل موڑتے ہوئے زیمل کی ٹانگ پر گولی چلادی۔

اور زیمل وہی زمین پر گر گئی۔

لیہ جس کے منہ سے چیخ نکلی تو وانڈا نے اُس کے چہرے پر زور سے تھپڑ لگایا وہی اسورا نے زیمل کو بالوں سے پکڑ کر دو تھپڑ لگائے اور بولا۔

اسورا::: کہاں جا رہی تھی۔۔۔اتنی مشکل سے ہاتھ آئی ہو۔۔ کہاں بھاگ رہی تھی۔

اچانک زمین کانپی تو باہر کی طرف سے بلاسٹ ہونے کی آواز کانوں تک آئی تو اسورا بولا۔

اسورا::: وانڈا ان دونوں لڑکیوں کو مار دو۔

وانڈا::: مگر تمھارے پیسے؟

اسورا::: ضرورت نہیں ہے۔۔۔ان دونوں کو مار دو۔۔

وانڈا:::اور اس لڑکی کا کیا؟؟؟

اسورا:::اسے لوسیفر کی موت کے بعد میں ماروں گا۔

بران:::: یہ کہاں گئے؟

ارنو جہانگیر کہاں گیا ہے؟؟؟

شیٹ۔

ہٹو۔۔ یہاں سے۔

ارنو:::: بران تم کہاں جارہے ہو؟

بران::::اسورا کے پاس۔اسورا کو یہ خبر جلد پہنچانی ہو گی۔

ارنو:::: تم جانتے تھے سب۔۔۔ مگر تم نے بھی اسورا کی طرح میرے ساتھ جھوٹ بولا۔

بران:::: توتم نے ان تینوں موآزاد کیا۔
جانتے بھی ہو کہ اسورا تمھارا کیا حال کرے گا۔

ارنو:::: ہاں جانتا ہوں۔
بران:::: تمھیں جو کچھ جہانگیر نے بتایا وہ سب جھوٹ ہے۔

.ارنو:::: میں نے تو کہا ہی نہیں کہ مجھے جہانگیر نے بتایا

بران:::: پھر کس نے بتایا ہے۔۔

.ارنو::::اس نے

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بیسٹ:::: میں یہاں سے نکلنے لگا ہوں۔

وہ ہم میں سے اب کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔

ایلیکس نے غداری کی ہے ہمارے ساتھ۔

مائیکل:::: مائیکل کہی نہیں جائے گا۔۔جب تک لوسیفر کو مار نہیں دو گا۔۔

میں کہی نہیں جاؤں گا۔

بیسٹ:::: تم سب مارے جاؤ گے۔۔

دوسرے ہی پل کمرے میں ایک آواز گونجی۔

اور تم بھی۔۔۔

اچانک وہاں موجود ہر کوئی اُس آواز پر کھڑا ہو گیا۔

اور سب کی نظر اُس دروازے پر پڑی جہاں لوسیفر ہاتھ میں موجود ایک لمبی تلوار کے ساتھ چہرے پر خون کی چھینٹوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

کمرے میں ایک قبرستان سا سناٹا چھا گیا۔

اُس کی موجودگی سے ایسی وحشت کمرے میں پھیل گئی کہ وہاں موجود ہر ایک کے پسینے چھوٹنے لگے۔۔

سکندر:::: جانتے ہو یہ تلوار کون سی ہے؟

یہ وہی تلوار ہے جس سے میں نے اپنے باپ کو جہنم واصل کیا۔۔

اور اُسے بے دردی کے ساتھ کاٹ ڈالا۔

وہ چیخیں مجھے آج بھی یاد ہیں۔ میری ماں کی موت کے بعد وہ چیخیں لوسیفر کو پر سکوں رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

مائیکل:::: بہت ہوا لوسیفر۔۔۔۔ تم ہم سب کا سامنا ایک ساتھ نہیں کر سکتے ہو۔

لوسیفر:::: آواز نہیں مائیکل۔

آج نو سال کے بعد تم لوگوں نے لوسیفر کو جگا کر اپنی موت کو خود دعوت دی ہے۔

تو بتاؤ میری بیوی کہاں ہے؟

بیسٹ:::: ہم نہیں جانتے۔۔۔ وہ اسورا کے پاس ہے۔

ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔

لوسیفر:::: مرنے سے پہلے اور کچھ بتانا چاہو۔

ییٹسن:::: ایک موقع دو لوسیفر ہمیں۔

لوسیفر::::؛ موقع وفاداروں کو دیا جاتا ہے۔۔۔ دغا بازوں کو نہیں۔۔

دغا بازوں کو موت کی سزا سنائی جاتی ہے۔۔۔ جو تم لوگوں کو میں سنا چکا۔۔

اور پھر سکندر آگے بڑھتے ہوئے سر کاٹنے لگا ایسے دھڑ سے سب کے سر گرے کہ کوئی چیخنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکا۔

نہ مدد کو کوئی آسکا نہ ہی۔۔۔۔ نہ ہی مدد کوئی کسی کو پکار سکا۔۔

تلوار کی تیز دھار نے سروں کو دھڑ سے الگ کر کہ ایسے زمین لے پھینکا کہ وہ منظر دل برداشتہ لوگوں کے لیے سانسوں کے رکنے کا رستہ ہموار کر گیا۔

جمشید قلعے اندر داخل ہو چکا تھا۔۔ روحان میں ساتھ اُس کے ساتھ چند آدمی موجود تھے۔ وہ رستہ ایسا راستہ تھا جو صرف لوسیفر کے لیے جمشید نے بنوایا تھا

--

کسی ایسے وقت کے لیے جب دھوکے سے لوسیفر کے علاقے پر قابض ہونے کی کوئی کوشش کرے۔۔

مگر لوسیفر وہ رستہ جاننے کے باوجود دھوکے سے پیچھے سے وار کرنے والوں نے سے نہیں ہونا چاہتا تھا اسی لیے وہ کبھی وہ راستہ آنے جانے کر لیے استعمال نہیں کیا کرتا تھا۔

جمشید روحان کے ساتھ باقی ادمیوں کو حکم دیتا پیچھے کے راستے سے حملہ کرنے کا حکم دے چکا تھا۔

مگر خاموشی سے۔۔بنا بندوقوں کے وار سے۔۔

کیوں کہ اب تک اُس اریا میں نہ ہی سالار پہنچا تھا نہ ہی سکندر۔۔

فلضاہ:::: کھولو مجھے۔۔

وانڈا:::: کوئی آخری خواہش تم دونوں کی؟؟؟؟

فلضاہ:::: ہاں اپنے ہاتھوں سے ایک بار تیرا منہ توڑنا چاہتی ہوں۔
ویسے لیہ یہ ٹوٹے ہوئے منہ کے ساتھ کیسی لگے گی؟

لیہ:::: بلکل اُس جیسی۔

فلضاہ:::: مجھے بھی بلکل وہی لگ رہی ہے۔

وانڈا::: تم دونوں۔۔۔

فلضاہ:::: یہ تو غصہ کر گئی ہے۔
ویسے لیہ تمھیں لگتا ہے کہ یہ میرا مقابلہ کر سکتی ہے۔

لیہ:::: پتہ نہیں۔اب تو تمھارے ہاتھ کھول کر لڑے گی تو ہی کچھ پتہ چلے گا۔

فلضاہ:::: نہیں نہیں ہاتھ تو نہیں کھولے گی۔ڈرپوک ہے۔

وانڈا:::: تو تم دونوں کو لگتا ہے کہ تم دونوں مجھے ایسی باتوں سے بیوقوف بنالو گے۔

تو تم دونوں بیوقوفی کر رہے ہو۔

چلو اب دونوں ایک دوسرے کو مرنے سے پہلے اخری بار دیکھ لو۔

اور وانڈا بندوق کو اُن پر تانے بولی۔

ٹھا۔۔۔۔۔۔۔۔

اچانک ایک گولی کی آواز کمرے میں گونجی۔

تو سامنے لیہ اور فلضاہ کی آنکھیں میچ گیئں۔

وانڈا:::: چھوڑو میرا ہاتھ۔

فلضاہ اور لیہ دونوں سامنے کھڑے ایک ادمی کو دیکھ حیران ہوئی۔

جو وانڈا کا ہاتھ اوپر کی سمت میں کرتا اُسے پیچھے سے دبوچ چکا تھا۔

جمشید::::کیسی لگی دوسری مُلاقات؟

وانڈا::::تم؟؟؟؟تم ابھی تک زندہ ہو۔؟

جمشید::::ایسے کیسے مر سکتا ہوں۔

روحان آگے کو بڑھا اور دوسرے جی پل فلضاہ اور لیہ کے ہاتھ کھولنے لگا۔

اور ابھی فلضاہ کے ہاتھ ہی کھولے تھے وہ ایک دم وانڈا کی طرف بڑھی اور

ایک زوردار تھپڑ اُس کے چہرے پر مارا

تو روحان کے اشارے پر لیہ نے فلضاہ کو روکنے کی بجائے ایک تھپڑ اور لگایا۔

اور بولی۔

لیہ::::زیمل کو وہ کہاں لے کر گیا ہے۔بتاؤ۔

روحان کے ساتھ جمشید کھڑا اُن دونوں لڑکیوں کو ایسے دیکھنے لگے

جیسے اُن دونوں کے بگڑے اور معصوم ہاتھوں کو بندھے دیکھ انہیں یہ اُمید

نہیں تھی۔

جمشید دوسرے ہی پل روحان کو جانے کا اشارہ کرتے بولا۔

روحان:::: لڑکوں کو آگے جانے کا بولو

روحان جمشید کے اشارے پر وہاں سے باہر موجود ادمیوں آگے بڑھنے کا کہتے خود وہی کھڑا ہو گیا۔

وانڈا جو موقع کا فائدہ اٹھانے کی تاک میں تھی اچانک جمشید کے گولی لگنے والی جگہ پر وار کرنے لگی کہ اچانک لیہ نے وانڈا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اور پھر فلضاہ نے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف ایسے کھینچ کر آپنے بالکل سامنے کیا اور پھر ہاتھوں سے کراٹے انداز میں اُس کے بازو پر اتنی زور سی مارا کہ وہ دوسرے ہی پل زمین پر گر کر چیخنے لگی۔

کیوں کہ فلضاہ کہ ایک ہی وار سے اُس بازو کے دونوں جوڑ کے ملاپ کا حصہ ٹوٹ گیا۔

لیہ آگے بڑھتے ہوئے اُس کے پیٹ پر ایک ٹانگ مارتے ہوئے بولی۔

لیہ:::: گھٹیا عورت۔

جمشید جو سامنے کھڑا یہ سب دیکھ رہا بولا۔

جمشید:::::اس کمرے میں بھابھی تھی؟

لیہ::::آپ زیمل کی بات کر رہے ہیں؟

.جمشید::::ہاں

فلضاہ:::::وُہ آدمی اس کی کزن کو لے گیا۔

ہمیں اُنہیں ڈھونڈھنا ہو گا۔

جمشید::::آپ دونوں کو روحان پیچھے راستے سے نکالتا ہے۔

فلضاہ::::آپ اس کا کیا کریں گے؟

جمشید:::::اس کے ساتھ حساب چکتا کرنا ہے۔

جمشید روحان کی طرف بڑھا اور اُسے فلضاہ اور لیہ کو نکالنے کا کہنے لگا۔

وانڈا جو درد سے کرا رہی تھی۔۔اچانک اپنا چاکو نکالتے ہوئے کھڑی ہوئی تو فلضاہ کو دبوچ گئ

لیہ:::::اے۔

وانڈا::::: پیچھے رہو۔۔۔ورنہ یہ لڑکی جان سے جائے گی۔

جمشید،:::::تم جانتی ہو تم یہاں سے نکل نہیں پاؤ گی۔

وانڈا:::::اکیلی تو نہیں مگر اس لڑکی کے ساتھ ضرور۔

اب تم مجھے پیچھے کے راستے سے نکالو گے۔

وانڈا جو دوری کا فاصلہ قائم کرتی اب کمرے سے باہر آچکی تھی۔

اچانک مُسکرا کر بولی۔

وانڈا::::: دوسری مُلاقات اچھی رہی ہے۔۔۔ پھر سے۔۔۔ جمشید۔۔

جمشید جو سامنے کی طرف وانڈا جو دیکھ رہا تھا بولا۔

جمشید::::اُسے جانے دو۔۔۔میں تمھیں جانے دوں گا۔

وانڈا::::: تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہو پر میں ہوں نہیں۔

فلضاہ::::: لیہ !!!

وانڈا:::: اے لڑکی اگر تم نے ایک قدم بھی اور بڑھایا تو اس کی لاش تمہیں صرف ملے گی۔

فلضاہ:::::دھوکے سے وار کرنے والوں کا انجام بھی بُرا ہی ہوتا ہے

دھوکے بعض عورت

وانڈا قہقہ لگا کر ہنسی اور بولی۔

وانڈا:::::جمشید تو اچھی طرح جانتا ہے

اور پھر وانڈا نے بہت ہی آہستہ سے اُس چاکو کی نوک کو فلضاہ کی گردن پر رکھ

کر ہولے سے پھیرا ہی تھا۔

کہ جمشید کی آواز کمرے میں گونجی

جمشید:::::ابھی۔۔

اور پھر ایک گولی کی آواز سے وانڈا کا دائیں بازو بھی خون سے بھر گیا۔

اور فلضاہ جو اُس کی گرفت میں تھی۔

اپنی گردن سے ایک چھوٹے سے کٹ

سے نکلتے خوں کو دیکھنے لگی۔

ابھی وہ پیچھے کی طرف موڑی ہی تھی کہ اچانک سالار اُس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

سالار:::::: تم ٹھیک ہو۔

اور پھر گردن کی سمت دیکھنے لگا جہاں سے تھوڑا سا خون نکل رہا تھا۔

سالار فوراً سے اپنی ہی شرٹ کے بازوں کو پھاڑتے ہوئے تھوڑا سا کپڑا اُتار گیا اور فلضاہ کی گردن سے خون صاف کرنے لگا۔

ایک پل میں وہاں کا ماحول حیرانگی میں تبدیل ہو گیا

لیہ جو چہرے اور ہاتھ رکھے دیکھ رہی تھی۔وہی فلضاہ کی زبان پہلی بار بالکل بند ہو چکی تھی۔

سالار:::: چہرے پر کس نے مارا؟؟؟

سالار اچانک سخت لہجے میں بولا۔

فلضاہ جواب تک خاموش کھڑی تھی بولی۔

فلضاہ::::اسورا

جمشید:::: یہ اسورا ہے کون ؟؟؟

لیہ::::::اسورا میرے بھائی کا دوست ہے۔

سالار:::: یعنی ایتان کا؟

لیہ:::: ہاں۔اور وہ بھی ان جیسا ہی ہے۔اور وہ بھی یہی ہے۔۔

جمشید::::: ایتان یہاں کیسے ؟؟؟

لیہ::: میں نہیں جانتی۔۔۔

فلضاہ:::: زیمل نے بتایا کہ وہ سکندر کا بھائی ہے۔

وہ خود کو اسورا از موڈیس بلا رہا تھا۔

سالار:::: زیمل کہاں ہے اب ؟؟؟؟

سالار فلضاہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

فلضاہ:::: زیمل زخمی ہے۔۔۔اور وہ اُسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے لے گیا۔

سالار:::: کہاں !؟؟

جمشید:::: یہ تو اب یہ بتائے گی۔۔۔وانڈا جو درد سے کراہ رہی تھی۔۔

بہت ہی متکبرانا لہجے سے بولی

وانڈا:::: میں کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔

جمشید نے وہی اپنی گن کو اُس کی طرف تانا اور بولا

جمشید:::: پہلی اور آخری بار پوچھو گا۔۔۔وہ کہاں ہے۔؟؟؟؟

ورنہ اس کی ساری گولیاں تمھارے بھیجے میں ھو گی۔

وانڈا:::: میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔۔۔

جمشید وہی گن کو لوڈ کرنے لگا۔

جمشید:::: جیسی تمھاری مرضی۔

وانڈا:::: ر۔۔۔۔کو۔۔۔۔ر۔۔۔۔کو

وہی لے کر گیا ہے۔۔۔جہاں پر اس قلعے کا تخت ہے۔

.آب۔۔۔مجھے چھوڑ دو۔۔۔

جمشید::::: دل کے پر لگے محبت کے وار کو میں سہہ گیا ہوں مگر میری وجہ سے بھاؤ نے تم پر عتبار کیا اور اُس دھو کے کی نوبت یہاں تک آئی یہ بات نہیں سہہ سکتا

کہا تھا نا کہ چھوڑوں گا نہیں۔

لو اب اپنی اخری سانس۔اور دیکھو۔۔۔ جمشید نے تمہیں تمھاری آخری سانس تک بھی نہیں چھوڑا۔

وانڈا جواب زمین پر گری۔۔۔ جمشید کی آنکھوں میں اپنی موت دیکھ رہی تھی۔۔

بولی۔

وانڈا:::: چھوڑ دو۔۔۔

جمشید لو چھوڑ دیا۔

جمشید::::: ٹھا۔۔۔۔۔ ٹھا۔۔۔۔۔ ٹھا۔۔۔۔۔ ٹھا۔۔

چار ایک ساتھ اُس کے چہرے پر گولیاں مارنے کے بعد جمشید بولا

جمشید:::::یہ چہرہ ہی تمھارا اصل چہرہ تھا۔

اب یہ دیکھ لینے کے بعد کبھی تمھارا وہ چہرہ میرے سامنے نہیں آئے گا۔

اور پھر یہ کہتا جمشید سب کی طرف متوجہ ہوا تو سبھی اُسے اٹکی سانسوں کے ساتھ دیکھ رہے تھے

جمشید:::::روحان ان دونوں لڑکیوں کو یہاں سے باہر نکالو۔۔

سالار فلضاہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا

سالار:::::میرا انتظار کرنا۔

فلضاہ جو سالار کے چہرے کو دیکھ رہی تھی اچانک لیہ کے اُسے کھینچ کر لے جانے کے باوجود کچھ نہ بول سکی۔۔

روحان لیہ اور فلضاہ کو وہاں سے لے گیا

جمشید:::::میرے ساتھ چلو۔

سالار ایک نظر جاتی فلضاہ کر لیہ پر ڈالتے ار ایک نظر وانڈا کے بگڑے چہرے پر ڈالتے وہاں جمشید کے پیچھے چل پڑا۔

اب آگے کیا ہونے والا تھا سبھی اس بات سے بے خبر تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر جواب پاگلوں کی طرح ہر جگہ قتل و غارت کر رہا تھا۔

سامنے آنے والے ہر شخص کو اُس کے انجام تک پہنچا رہا تھا۔

اب زیمل کو ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے اُس کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔

سکندر اب چیلاتے ہوئے پکارنے لگا۔

سکندر::: زیمل۔۔۔زیمل۔۔۔۔زیمل۔۔۔۔

سکندر کچھ آگے جاتے اب ایک ایسی جگہ پر موجود تھا جو کبھی اُس کے ہونے سے روشن رہتی تھی۔

مگر ان پہلی مرتبہ اُس جگہ میں بلکل سناٹا تھا۔

بلکل اندھیرے سے بھری جگہ سکندر کو دو اور قدم آگے بڑھانے پر مجبور کر گئی۔

اچانک وہ جگہ ایسے روشن ہوئی جیسے وہاں صرف سکندر کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

مگر جیسے ہی وہ جگہ روشن ہوئی دوسرے ہی پل سکندر ایک دم بدل گیا۔

جیسے کسی نے اُس کے حلق سے اُس کی سانسوں کو چھین لیا ھو۔

سامنے موجود زیمل جو ایک کُرسی پر بیٹھی اپنی آنکھوں میں دھندلاہٹ محسوس کر رہی تھی۔

اُس کا بے پردہ وجود۔۔۔ چہرے پر انسوں کی چھاپ کے ساتھ انگلیوں کے نشان اور اُس کی ٹانگ سے بہتے خون نے۔ سکندر کو پاگل کر دیا۔

سکندر سے زیمل کی یہ حالت نہ دیکھی گئی تو سکندر چیلاتے ہوئے بولا

سکندر::::::: کس نے کیا۔۔۔؟؟؟

زیمل جو مسکراتے چہرے کے ساتھ سکندر کو دیکھ رہی تھی

لبوں کو ہولے سے ہلاتے ہوئے بولی۔

زیمل:::::. سی۔۔۔۔۔کن۔۔۔۔۔۔در۔۔۔

اور پھر زیمل کے چہرے پر ایک ویرانی چھائی اور اُس کی آنکھیں سکندر کی آنکھوں میں رہ گئی۔

ایک انسوں ہی ابھی زیمل کی آنکھ سے نکلا تھا۔

اچانک ایک تالی کی آواز وہاں گونجی تو کوئی پیچھے سے آتے ہوئے بولا۔

اسورا::::: تم دونوں کی محبّت کو دیکھ کر میری تو آنکھیں بھر آئی ہیں۔

سکندر جو ابھی کھڑا تھا دوسرے ہی پل اُس آدمی کی طرف بڑھا جو چہرے کو مکمل طور پر ڈھکتے ہوئے سکندر کے زخموں کو خرید رہا تھا۔

اچانک سکندر کے قریب ہوتے ہی اُس سانپ کا منہ زیمل کے چہرے کے سامنے آگیا۔

اسورا:::: رُک جاو۔۔۔۔۔لوسیفر۔۔۔ کیا اپنی بیوی کی جان تمھارے لیے اتنی ہی حقیر ہے کہ اپنے غصے پر قابو نہ پانے کی وجہ سے تم اُس کی جان گنوادو گے۔

سکندر وہی اپنے قدموں کو روکتے ہوئے بولا۔

سکندر::::: نہیں۔۔۔۔اُسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔

تمھاری دشمنی مجھ سے ہے۔

اسورا::::: کیسی دشمنی بھائی۔

یہ تو تخت کا لالچ ہے۔

جو کبھی تمھیں یہاں فاتح بنا گیا۔اور آج تمہاری اس خوبصورت کمزوری کی

وجہ سے مجھے بنا جائے گا۔

سکندر::::: اُسے ہاتھ مت لگانا۔ورنہ۔

اسورا:::: کیا بات ہے۔۔۔ابھی بھی۔۔۔وہی غرور و تکبر قائم ہے۔

ناگینی کے ایک وار سے تم اپنی بیوی کو کھو دو گے لوسیفر۔

اچانک دروازہ کھولا تو وہاں سے بران کے ساتھ یوکارس داخل ہوئے

مگر پیچھے سے آتے ایتان نے لوسیفر کی رگیں تن دی۔

اسورا:::: آؤ ایتان۔۔۔

تم تو میرے دشمن کا سب سے بڑا زخم ہو۔

تمھیں مارنے کے لیے وہ اپنا غصہ قابو نہیں کر پائے گا۔

اور آج اپنی ماں اور بہن کے بعد اپنی اس بیو قوف بیوی کو بھی کھودے گا۔

سکندر جو غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

اچانک ایتان کی کمزور حالت کو دیکھ کر بھی چیلانے لگا۔

سکندر::::: آہ۔۔۔۔ہ۔۔۔۔ہ۔۔۔۔ہ۔۔ہ۔

سکندر کی تکلیف اسورا کے چہرے پر رنگ بھر گئی تو سکندر بولا۔۔

سکندر::::: صرف آٹھ قدم پر تیری موت کھڑی ہے۔

تجھے لگتا ہے کہ تو اپنا چہرہ چھپا کر مجھے مزید دھوکا دے سکتا ہے یہ تیری بھول ہے۔

میرے قدم میری زندگی کے لیے صرف رُک گئے ہیں۔

میری بیوی پر پڑتی تم لوگوں کی نظروں نے مجھے وہ بننے پر مجبور کر دیا ہے کہ چاہ کر بھی اب تم لوگ مجھ سے بچ نہیں سکتے۔

سکندر کی تنتی رگوں نے اُس کی آنکھوں میں دو موتی پروئے تو لوسیفر بولا۔

لوسیفر:::::سب سے آخری میں تیری موت ہے ایتان۔۔۔

اب اگر تیری نظر زیمل پر پڑی تو تو جس سینے پر تین گولیاں کھا کر زندہ رہ گیا ہے۔

اب کی بات نہیں بچ پائے گا۔

کیوں کہ اب کی بار تیرا سینا میں خود چیر کر تیری موت کی آخری مہر خود اپنے ہاتھوں سے تیرے دل۔پر گھونپو گا۔

ایتان جو سکندر کی آنکھوں میں سوار ہوتے خون کو دیکھتے زیمل سے دو قدم پیچھے ہٹا تو بران بولا۔

بران::::ارنو نے غداری کی۔۔۔۔وہ۔۔مارا گیا ہے۔

اسورا:::: دیکھا لوسیفر۔۔۔ مُجھ سے غداری کر والوں کا انجام۔

لوسیفر:::::جو خود غدار ہو اُسے تو اپنا انجام سوچ کر یہ قدم اٹھانا چاہیے۔

اسورا::::اکیلے ہو مگر پھر بھی۔

لوسیفر::::اکیلا نہیں ہو میں۔۔۔۔میری زندگی میرے ساتھ ہے۔

اسورا:::: چالو پھر اس کھیل ہو یہی ختم کرتے ہیں لوسیفر۔

یاں تمُ یا پھر میں۔

لوسیفر:::: صرف میں۔

اچانک وہاں سالار اور جمشید داخل ہوئے تو سالار۔۔کی نظر سامنے زیمل پر اٹک گئی۔

جس کی آنکھیں بند ہو رہی تھی۔

اُس کی ٹانگ پر ایک کپڑے کو باندھا گیا تھا جو خون سے بھرا ہوا تھا۔

سالار دوسرے ہی پل سکندر کی طرف دیکھنے لگا

سکندر جو خود نہ نجانے کس طرح اپنے اندر موجود آتش فشاں کے پھٹنے کے باوجود اب تک اپنے قدموں پر کھڑا تھا یہ بات تو صرف سکندر خود جانتا تھا یا پھر وہ جواب اپنی آنکھوں کے سامنے سکندر مود یکھ رہی تھی۔

جمشید:::: بھاؤ۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟

ابھی کہ سکندر کچھ کہتا۔

وہی دوسرے ہی پل گنوں کو ہاتھوں میں پکڑے قلعے کے اندر رہنے والے سکندر کے کچھ ادمی وہاں داخل ہوئے تو ساتھ ہی جہانگیر وہاں بے فکری انداز سے وہاں داخل ہوا۔

جہانگیر:::: کیا چل رہا ہے یہاں۔۔۔؟

اسورا:::: تم۔۔۔

جہانگیر:::: چلو شاباش جگہ کو خالی کر واور ہماری بھابھی کو ہمارے حوالے کرو۔

اچانک اسورا مسکراتے ہوئے زیمل کے قریب ہوتے ہوئے سانپ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

اسورا':::: حوالے وہ چیز کی جاتی ہے جو لوٹی جائے

میں نے تو اسے پیسوں کے برابر تول کر خریدا ہے۔

تم سب کی موت کے بعد یہ میرے لیے لوسیفر کی ہار کا انعام اور میری جیت کا سامان ہو گی۔۔

لوسیفر::::اب سالے کتے کمینے۔۔۔

وہ میری ہے۔۔۔۔میری۔۔

تم لوگوں نے میری زیمل کو سمجھ کیا رکھا ہے۔

میں ہوں اُس کا محافظ۔۔۔۔ تم لوگوں کی سانسوں کو چلنے کیا دیا تم لوگ میرے ہی گھر کی عورت کو اُٹھا لائے۔

تم لوگوں کی ایسی دردناک ہو گی کہ تم لوگ آسان موت کی بھیک مانگو گے ۔۔۔

اسورا::::اے۔۔۔۔زبان میرے پاس بھی ہے۔۔

لوسیفر::::اب نہیں رہے گی کمینے

وہی سکندر اپنی برداشت کو اب زیمل کی عزت پر آتا برداشت نا کر سکا۔

تو وہی اسورا کی طرف بھاگتے ہوئے بڑھا۔

اسورا جو ناگینی کو نظروں سے زیمل پر جاں لیوا حملہ کرنے کا حکم دے چکا تھا۔

سکندر چاہتے ہوئے بھی اسے یہ کرنے سے روک نہ سکا۔

مگر جہانگیر کے اشارے کے ساتھ وہاں سب بدل گیا۔

سانپ کا منہ جو زیمل کے چہرے کی سمت تھا۔۔وہ چہرے پر کرتے وار سے زیمل کی بند ہو چکی آنکھوں کو بند رہنے پر اپنے زہر سے مہر لگانے لگا تھا۔

جب دوسرے ہی پل یوکارس نے اُس سانپ کے منہ کو پکڑ کر اُسے روک دیا۔

اور اُس کی زہریلی زبان سے بچتے ہوئے اُس کے دانتوں کو توڑ دیا۔

سالار بھاگتے ہوئے جب تک زیمل ٹک پہنچا۔تب تک سکندر اسورا پر جھپٹ چکا تھا۔

اسورا جو اپنی ناگینی کے زہریلے دانتوں جو ٹوٹتے دیکھ سکندر کی گرفت میں آگیا۔۔

اچانک ایک پل میں سب بدلتے دیکھ سکندر کے وار پر جوابی کاروائی کرنے لگا۔۔

وہی ایتان یہ دیکھ باہر کی طرف بھاگنے لگا جب اُس کی ٹانگ پر گولی مارتے جمشید نے اُسے بھاگنے سے روک دیا۔

کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اسورا کے بعد ایتان اس کھیل کا آخری پیادہ ہے جو اس قلعے میں لوسیفر کے ہاتھوں سے مارا جائے گا۔

اسورا کے چہرے پر سکندر اس قدر موکوں کی برسات کرنے لگا کہ اُس کے ہاتھ خود خوں سے بھرنے لگے۔

وہی اسورا نے سکندر کو خود سے دور کرتے اُس کی گردن کو زور سے دبایا۔۔

اور پھر اُسے مارنے لگا۔۔

اسورا:::: جانتا ہے میں کون ہُوں؟؟

.میں اسورا ازموڈیس ہوں

تمہارا بھائی

سکندر جواب اسورا کو مار رہا تھا۔۔۔

اسورا کی بات کا جواب چیلاتے ہوئے دے کے بولا۔

...لوسیفر::::: تونے میری بیوی پر ہاتھ اٹھایا

تونے۔۔ کمینے۔۔ میری بیوی کی چادر کو چھینا۔۔

تونے سالے اُس کی ٹانگ پر گولی ماری۔۔

میں جو اُسے اِس سب سے دور رکھتے ہوئے پھولوں کی سیج پر بیٹھا کر رکھتا

ہوں۔

تونے میری بیوی۔۔۔ میری زیمل۔۔۔۔ کو چھوا۔۔

جانتا ہے اُس کے پاک وجود کو میں اپنے ناپاک وجود سے چھونے کا سوچتا تھا تو
میری روح تڑپ جاتی تھی

میں نے اُس کے لیے خود میں لوسیفر کو چھپا دیا۔۔۔

شراب پینا چھوڑ دی۔

اور تونے میری زیمل پر ہاتھ اٹھایا۔۔

اُس کی آنکھوں میں موجود انسو تیری کمینیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

تونے اُسے چھونے کی جرت بھی کیسے کی۔۔۔

سکندر جو نجانے غصے میں اسورا کو مار مار کر اُس کا بُرا حال کر چکا تھا۔

اُس کی برداشت نے اُس کے غصے کو لوسیفر

کے غصے سے کہی زیادہ بڑھا دیا تھا۔۔

لوسیفر::::اس۔۔۔۔اس۔۔۔۔ہاتھ سے تو نے اُس کی چادر کو کھینچا

تھا؟؟؟۔۔۔۔

یا اس ہاتھ سے۔۔۔ہاں۔۔۔

اچانک سکندر نے اُس کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کھینچا مگر ہاتھ اکھاڑ کے رکھ

دینے کے باوجود سکندر اُس چھاتی پر پیر رکھتے اُس کے بازو کو اپنی پوری طاقت

سے کھینچتے ہوئے چیلایا۔۔۔کہ وہاں موجود ہر کسی کی روح کانپ گئی

سکندر::::ا۔۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہ۔۔ہ۔۔ہ۔

اور اگلے ہی پل سکندر میں اکھڑے ہوئے ہاتھ کو مکمل توڑ پر اکھاڑ کر اسورا

کے ہاتھ کو اُس کے کندھے سے نکال کر اتنی دور پھینکا کہ اسورا چیختا رہ گیا

۔۔۔

سکندر ':::: کس ہاتھ سے تو نے اُس چہرے پر تھپڑ مارا جس چہرے کو میں اپنے ہاتھوں میں تھامنے کے لیے بھی اُس سے اجازت لیتا ہوں۔

اسورا جو تڑپ رہا تھا۔۔۔اُس کی چیخیں۔۔۔۔پورے قلعے۔۔۔کی دیواروں میں ایسے گونج رہی تھی۔۔۔کہ جیسے پورے قلعے میں صرف سکندر اور وہ ہو۔

اور اگر سکندر نے اپنی تلوار کو پکڑتے اُس کے دوسرے ہاتھ کی ہتھلی پر اتنی زور سے وار کیا کہ تلوار اُس کے ہاتھ کو آر پار کرتی زمین کے کتنی زیادہ دھنس گئی۔

سکندر کا غصہ اب تک اپنی انتہا کو چھو رہا تھا۔۔

سکندر:::: میری بیوی پر تو نے گولی کس طرح چلائی۔۔۔

تُجھے اپنی موت کا خوف نہیں تھا جو تو نے میری زِندگی۔۔پر وار کیا۔

وہی سکندر اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا جمشید کی طرف بڑھا تو جمشید سے بندوق کو کھینچتے ہوئے اسورا کی طرف بڑھا۔۔اور بولا

سکندر:::: تو نے اُس پر گولی چلائی جو لوسیفر کی دھڑکن ہے۔

تُجھے تو اتنی آسان موت میں نہیں دوں گا۔

یہ گولیاں تُجھے اُس دردِ کا احساس دلائے گی جو تو نے میری بیوی کو دیا ہے۔۔

سکندر وہی تین گولیاں اسورا کی ٹانگ پر مارتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: تو میری ہار کے انعام پر میری بیوی کو حاصل کرے گا۔

اور اُس پر اپنی جیت کا مزا لوٹائے گا۔

دیکھ میری طرف۔۔۔۔ تو جب تک چیخے گا۔۔۔ تیری موت اتنی قریب

ہوتی جائے گی۔۔

تو تو چیخ۔۔۔۔ چیخ بالکل ویسے ہی جیسے تیرا گھٹیا باپ چیخا تھا۔

میری ماں اور بہن کو چھیننے کے بعد آج تو آیا ہے جو مُجھ سے زیمل کو دُور

کرے گا۔

دیکھ۔۔۔ اُسے اُس سے مانگنے سے پہلے میں اُسے اُس سے مانگا تھا جس سے وہ

مانگتی ہے۔

جب لوسیفر کو خدا نے اُسے سونپ دیا ہے۔۔۔تو کوئی نہیں اُس کے سوا جو اُسے مُجھ سے چھین سکے۔

وہ زیمل سکندر ہے۔

میری بیوی۔۔

کوئی ہار جیت کا انعام نہیں جو کوئی بھی مجھے ہرا کر اُسے چھین لے۔

وہ میری ہے۔۔۔میری تھی۔۔۔اور میری ہی رہے گی۔

اور پھر وہی سکندر نے اُس تلوار کو اسورا کے ہاتھ سے نکالتے ہوئے اُس کی گردن کے بیچ و بیچ مارا کہ

اُس کی چیخیں وہیں سکندر کے ایک وار پر تھم گئی۔

سکندر:::: جہنم میں جاؤ فوہ فارس تھا۔

جو جمشید کے لیے کافی حیران کن بات تھی۔

کیا یہ ممکن ہے کہ دُشمن اپنی چال کو ایسے چلے کہ مقابل میں شخص جس کا تصور بھی نہ کر سکے۔

سکندر کے نام لینے پر جہاں جہانگیر حیران ہوا تھا اسے اُمید نہیں تھی کہ سکندر جان چُکا ہوں گا۔۔ وہی جمشید بھی حیرت سے اُس آدمی کی لاش دِیکھنے لگا۔ جس کا چہرہ اب تک کپڑے میں دھنپا تھا۔

اور اسورا یعنی فارس کی آنکھیں وہی کھلی کی کھلی رہ گئ۔

ابھی کہ سکندر کا رخ ایتان کی طرف موڑا ہی تھا۔

ایتان وہی بھاگتے ہوئے سکندر کے پیر ووں پر گر گیا۔

ایتان:::: مجھے۔۔۔۔مہ۔۔۔معاف۔۔۔کر۔۔۔۔دو۔۔

اب کبھی نہیں ہو۔۔گا۔۔۔مجھے۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔میں کبھی بھی۔۔۔

سکندر:::: تجھے یہ سب دیکھ کر بھی لگتا ہے کہ میں معاف کرنے والوں میں سے ہوں۔

سکندر وہی پاس کھڑے یوکارس کے ہاتھوں سے اُس سانپ کو پکڑتے جو اپنے دانتوں سے اپنا زہر کسی انسان کی رگوں میں اُتار دیتا اُسکو۔۔ پکڑتے ہوئے۔۔

اُس کے آگے کے حصے کو مروڑ کر اُس کو اپنے جوتوں کے تلے راکھ کر اُکھارتا اُس کے چہرے والے حصے کو پھینک کر بولا۔

سکندر:::::: میری بیوی پر پڑتی نظر۔۔۔اُس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ۔۔۔کیسے۔۔۔ بُھول جاؤں۔

تمھارے اُٹھنے کا مجھے کب سے انتظار تھا۔

تمھاری ان آنکھوں نے اُسے گندی اور حواس بھری نظروں سے دیکھا۔۔

ایتان:::::ن۔۔۔۔نہیں

م۔۔۔۔می۔۔۔۔میں

سکندر:::::جہانگیر!!!!۔

دوسرے ہی پل جہانگیر نے ایک چاکو سکندر کی طرف پھینکا اور پھر وہ ہوا کہ جہاں ابھی اسورا کی چیخیں تھمی تھی وہاں اُن چیخوں کی جگہ ایتان کی چیخوں نے لے لی

جمشید اور جہانگیر دونوں ہی وہ منظر بہت آرام سے دیکھ رہے تھے۔

جب کہ بران اور یوکارس کی حالت پسینے میں لت پت تھی۔

اور خضر اور فرقان وہ درد بھرا منظر دیکھنے کی جرات نہیں جٹا پا رہے تھے۔

اور سالار اُن چیخوں میں موجود اُس معصوم لڑکی سی لڑکی کا سر اپنی گود میں رکھتا اُسے ہوش دلا رہا تھا۔

اور کچھ پل بعد ایتان کی بھی چیخیں تھم گیئں۔۔۔جب ایک آنکھ کے بعد دوسری آنکھ کے نکلتے ہی وہ تلقیف سے مر گیا۔

اور خضر اور فرقان سامنے موجود ایتان کے چہرے کو پھٹی انکھوں سے دیکھنے لگے۔۔۔جو زیادہ دیر دیکھنے کے قابل نہیں تھی۔

اور پھر دو ڈیلوں پر پڑتی فرقان کی نظر نے اُسے الٹیاں کرنے پر مجبور کر دیا۔

سکندر ابھی اٹھا ہی تھا کہ بندوق کو لوڈ کرتے بنا براں کی طرف دیکھے اُس کے سر کے بیچ و بیچ گولی چلا گیا۔

جہاں یوکارس کے قریب اُس کا وجود کسی ھوا کے تیز جھونکے کی طرح گر گیا۔

سالار زیمل کا سر اپنی گود میں رکھے اُسے ھوش دلا رہا تھا آج بارہ سال بعد اُس کی تلاش اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

اپنی بہن کے بے پردہ وجود اور چہرے پر پڑے انگلیوں کے نشان اُسے اپنی پھول جیسی بہن کے لیے تڑپا رہے تھے۔

سالار:::: زیمل۔۔۔۔ میری جان۔۔۔ آنکھیں

۔۔۔کھولو۔۔۔دیکھو۔۔۔میں ہوں۔۔۔زیمل۔۔۔میری گڑیا

۔۔۔آنکھیں کھولو۔

اچانک وہی سکندر سالار کے پاس بیٹھتے ہوئے زیمل کے ہاتھوں کو پکڑ کے اُسے ہوش دلانے لگا۔

جیسے سکندر نے بندوق کو دور کہی خود سے پھینکا وہی وہ زیمل کے قریب بیٹھتا اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

سالار:::: سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ تم اس قابل ہی نہیں کہ زیمل

۔۔

سکندر وہی سالار کی بات کو ٹوکتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ہٹو یہاں سے۔

سکندر وہی دوسرے ہی پل زیمل کو سالار کی گود سے اٹھتے ہوئے کھڑا ہوا تو

سالار زیمل کو سکندر سے کھینچتے ہوئے بولا۔

سالار:::: سکندر میری بہن کو مجھ سے چھیننے کی غلطی بھی مت کرنا

تم سے پہلے اُس کا مجھ سے رشتا ہے۔

سکندر وہی اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ڈی ایس پی بہت ہو گیا

اب کوئی تکرار مجھے نہیں چاہیے۔ تو بھائی ہے صرف اس لیے برداشت کر رہا

ہوں۔

زیمل جو بیہوشی میں کچھ حرکت کر گئی تھی۔

اچانک سیکندر کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔

سکندر کا انداز۔۔۔لہجہ ایک پل میں بدلا تو سالار بھی اُس کے بدلتے انداز کو دیکھ زیمل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

زیمل جو لبوں کو ہلاتی کچھ بول رہی تھی۔۔۔سالار۔۔۔اور سکندر دونوں ہی اُس کی بات کو سُننے کے لیے آگے ہوئے۔

شاید دونوں کو یقین تھا کہ وہ اُن دونوں میں سے کسی کا نام پکار رہی ہے۔

مگر کچھ دیر بعد ہی زیمل کے چہرے پر ایک پر اسرار مسکراہٹ کا بسیرا ہوا تو زیمل کے لبوں پر ایک لفظ واضح ہوا۔

زیمل::::او۔۔۔ر۔۔۔ہا۔۔۔ن۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سکندر:::::میری بیوی پر پڑتی نظر۔۔۔اُس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ۔۔۔کیسے۔۔۔بُھول جاؤں۔

تمھارے اُٹھنے کا مجھے کب سے انتظار تھا۔

تمھاری ان آنکھوں نے اُسے گندی اور حواس بھری نظروں سے دیکھا۔۔

ایتان::::ن۔۔۔۔ نہیں

م۔۔۔۔می۔۔۔۔میں

سکندر:::: جہانگیر!!!!۔

دوسرے ہی پل جہانگیر نے ایک چاکو سکندر کی طرف پھینکا اور پھر وہ ہوا کہ جہاں ابھی اسورا کی چیخیں تھمی تھی وہاں اُن چیخوں کی جگہ ایتان کی چیخوں نے لے لی

جمشید اور جہانگیر دونوں ہی وہ منظر بہت آرام سے دیکھ رہے تھے۔

جب کہ بران اور یوکارس کی حالت پسینے میں لت پت تھی۔

اور خضر اور فرقان وہ درد بھرا منظر دیکھنے کی جرات نہیں جتا پا رہے تھے۔

اور سالار اُن چیخوں میں موجود اُس معصوم لڑکی سی لڑکی کا سر اپنی گود میں رکھتا اُسے ہوش دلا رہا تھا۔

اور کچھ پل بعد ایتان کی بھی چیخیں تھم گیئں۔۔۔جب ایک آنکھ کے بعد دوسری آنکھ کے نکلتے ہی وہ تلقیف سے مر گیا۔

اور خضر اور فرقان سامنے موجود ایتان کے چہرے کو پھٹی انکھوں سے دیکھنے لگے۔۔۔جو زیادہ دیر دیکھنے کے قابل نہیں تھی۔

اور پھر دو ڈیلوں پر پڑتی فرقان کی نظر نے اُسے الٹیاں کرنے پر مجبور کر دیا۔

سکندر ابھی اٹھا ہی تھا کہ بندوق کو لوڈ کرتے بنا براں کی طرف دیکھے اُس کے سر کے بیچ و بیچ گولی چلا گیا۔

جہاں یوکارس کے قریب اُس کا وجود کسی ھوا کے تیز جھونکے کی طرح گر گیا۔

سالار زیمل کا سر اپنی گود میں رکھے اُسے ھوش دلا رہا تھا آج بارہ سال بعد اُس کی تلاش اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

اپنی بہن کے بے پردہ وجود اور چہرے پر پڑے انگلیوں کے نشان اُسے اپنی پھول جیسی بہن کے لیے تڑپا رہے تھے۔

سالار:::: زیمل۔۔۔۔میری جان۔۔۔آنکھیں

۔۔۔کھولو۔۔۔دیکھو۔۔۔میں ہوں۔۔۔زیمل۔۔۔میری گڑیا

۔۔۔آنکھیں کھولو۔

اچانک وہی سکندر سالار کے پاس بیٹھتے ہوئے زیمل کے ہاتھوں کو پکڑ کے

اُسے ہوش دلانے لگا۔

جیسے سکندر نے بندوق کو دور کہی خود سے پھینکا وہی وہ زیمل کے قریب بیٹھتا

اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

سالار:::: سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔۔۔تم اس قابل ہی نہیں کہ زیمل

۔۔

سکندر وہی سالار کی بات کو ٹوکتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: ہٹو یہاں سے۔

سکندر وہی دوسرے ہی پل زیمل کو سالار کی گود سے اٹھتے ہوئے کھڑا ہوا تو

سالار زیمل کو سکندر سے کھینچتے ہوئے بولا۔

سالار:::: سکندر میری بہن کو مجھ سے چھیننے کی غلطی بھی مت کرنا

تم سے پہلے اُس کا مجھ سے رشتا ہے۔

سکندر وہی اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولا۔

سکندر:::::ڈی ایس پی بہت ہو گیا

اب کوئی تکرار مجھے نہیں چاہیے۔تو بھائی ہے صرف اس لیے برداشت کر رہا

ہوں۔

زیمل جو بیہوشی میں کچھ حرکت کر گئی تھی۔

اچانک سیکندر کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ چُکی تھی۔

سکندر کا انداز۔۔۔لہجہ ایک پل میں بدلا تو سالار بھی اُس کے بدلتے انداز کو

دیکھ زیمل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

زیمل جو لبوں کو ہلاتی کچھ بول رہی تھی۔۔۔سالار۔۔۔اور سکندر دونوں ہی

اُس کی بات کو سُننے کے لیے آگے ہوئے۔

شاید دونوں کو یقین تھا کہ وہ اُن دونوں میں سے کسی کا نام پکار رہی ہے۔

مگر کچھ دیر بعد ہی زیمل کے چہرے پر ایک پر اسرار مسکراہٹ کا بسیرا ہوا تو زیمل کے لبوں پر ایک لفظ واضح ہوا۔

زیمل::::او۔۔۔ر۔۔۔ہا۔۔۔ن۔۔۔

سالار اور سکندر دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔۔۔

اور پھر زیمل کے ہلتے لبوں کو جامد دیکھ سکندر نے سالار کی گود سے زیمل کر سر کو پکڑا۔

ابھی کہ سکندر زیمل کو اپنی طرف کھینچ پاتا اُسی وقت ایک سخت نظر دیتے ہوئے سالار نے زیمل کو اٹھایا اور بولا۔

..سالار:::::گاڑی

سکندر جس کی۔ نظر اب تک زیمل کے چہرے پر ٹکی تھی وہ بے حد بے چین کیفیت میں کھڑا اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سکندر سالار کی اس حرکت کو۔اس لیے برداشت کر گیا کہ وہ بھائی ہے ورنہ نجانے وہاں کیا ہو جاتا۔

سکندر کے وہاں سے نکلتے ہی سالار زیمل کو اٹھائے اُس کے ساتھ باہر کی جانب بڑھنے لگا۔

سالار اور سکندر دونوں کی توجہ کا مرکز جواب تک زیمل۔ تھی دونوں کر کیفیت ایک دوسرے سے مختلف نہیں تھی۔

سکندر جواب گاڑی کو اب تیز رفتار سے اریا ایٹ وان سے نکل چکا تھا اُس کی گاڑی کی رفتار کسی جلتی آگ کے پھیلنے سے کم نہ تھی جو تیل کے زمین پر گرنے پر صرف ایک ہلکے سے شعلے سے بھڑک کر پھیل جائے۔

اور پھر کچھ ہی پل بعد سکندر اپنی گاڑی کو جھٹکے سے روکتا گاڑی سے اُترا اور گاڑی کی سیٹ کا پیچھے کا دروازہ کھولتے سالار کو دیکھنے لگا جو زیمل کے سر کو گود میں رکھے اپنے آنسوؤں کو دبا کر رکھنے کی کوشش میں تھا۔

سالار جو دوسری طرف سے گاڑی سے نکلا ہی تھا اس سے پہلے کہ سالار زیمل کو گاڑی سے نکالتا سکندر سالار کو موقع دیے بغیر اپنی زندگی کے آخری رشتے کو اپنی گود میں اٹھا چکا تھا۔

جو اُسے اِس دُنیا میں خود سے بہت عزیز تر رشتوں کی قربانی کے بعد عطا ہوئی تھی۔

سکندر جس کے ہسپتال قدم رکھتے ہے ایک افراتفری مچ گئی تھی۔ دیکھنے میں ایسا تھا جیسے اُنہیں سکندر کے آنے کی پہلے سے اطلاع مل چکی ہو۔

میل سٹاف کو ہٹا کر ہر طرف عورتوں کا عملہ تھا۔

اس سے پہلے کے سکندر ڈاکٹرز کو کچھ کہتا اپنے غصے کی ہر حد کو ملیہ میٹ کرتا اُس سے پہلے ہی سکندر کے سامنے ایک خاصی عمر رسیدہ عورت ظاہر ہوتے زیمل پر سفید چادر سے اُس کے بالوں کو ڈھانپ کر بولی۔

وہ ٹھیک ہے سکندر بیٹے۔۔۔ تم اُسے اس کمرے میں لیٹا دو

سالار جو فوراََ سے دروازہ کھولتا سکندر کی طرف موڑا۔۔

سکندر اُس عورت کو بنا کوئی تاثر دیے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

سکندر جو زیمل کو بستر پر لیٹانے ہی لگا تھا جب اچانک ایک نام زیمل کے لبوں سے دوبارہ نِکلا۔

سکندر جو زیمل کو اُس جگہ پر لیٹاتے اُس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔
اُس کی۔ محبت اُس کی زیمل کے گرد گردش کی حالت میں تھی۔

سکندر::::: زیمل آنکھیں کھولو۔۔۔

سالار جو سکندر کے پیچھے کھڑا زیمل کے اُس خوبصورت چہرے کو دیکھ رہا
تھا۔

بارہ سال بعد بھی اُسے زیمل جس حالت میں ملی تھی وہ اُس کے لیے ناقابل
برداشت تھی۔

ڈاکٹرز کی ایک ٹیم ایسے کمرے میں بھاگتی ہوئی داخل ہوئی کہ سکندر پل میں
زیمل کی بند آنکھوں کو دیکھ کر بولا۔

سکندر::::: کتنا وقت لگے گا؟؟؟

وہ عمر رسیدہ عورت سکندر کے پاس ہوئی تو بولی۔

بیٹے وہ ٹھیک ہے بس بے ہوش ہے۔ اُسے ہوش آجاتا ہے۔

خود پر قابو رکھو۔

سالار::::اُس کی ٹانگ پر گولی لگی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ ٹھیک ہے۔

گولی صرف چھو کر گزری ہے۔۔۔۔پریشان نہ ہو۔

جیسے ہی وہ عورت سالار کی بات کا جواب دیتی بولی۔

سالار کی دوسری نظر ہی زیمل کی ٹانگ پر گئی۔

جہاں ابھی اُس کے ٹانگ کے زخم کو صاف کیا جا رہا تھا۔

کمرے میں موجود ہر کوئی زیمل کا ایسے معائنہ کر رہا تھا جیسے وہ دُنیا کی سب سے نایاب چیز ہو۔

سکندر جو کمرے میں موجود زیمل کے چہرے پر نظریں ٹکائے بیٹھا تھا۔

اُس کا دل زیمل کی اس حالت کو دیکھ بہت زخمی تھا۔

کیا ہر بار یہ سب ہونا لازم تھا۔

یا زندگی ہر بار کسی کے چھین جانے پر اُس کا نیا امتحان لے گی۔

سالار جو سکندر کے ساتھ وہی صوفے پر بیٹھا تھا۔

دونوں زیمل کر لیے بے حد پریشان تھے۔

دونوں کا اس وقت ایک دوسرے سے بات کرنا بھی محال تھا۔

سکندر جو صرف کمرے میں موجود ایک شخص کو اپنی آنکھوں کے آئینے میں بسائے اُس لمحے کو کچھ رہا تھا

جب پہلی بار اُسے زیمل کے ٹوٹنے کا خوف خود میں سماتا محسوس ہوا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ زیمل اُس کی حقیقت سے آشکار ہو چکی ہے۔

سالار::::: کیا جواب دو گے تم؟؟؟

سکندر::::: نہیں جانتا۔

سالار:::: سامنا کرنے کی جرت ہے؟

سکندر:::::یقین کے ٹوٹنے کا سوچ کر جرت نہیں ہو پا رہی۔

سالار:::: تو پھر اُسے چھوڑ دو۔

سکندر::::: ممکن نہیں

سالار::: تم جانتے ہو اُس کی حالت کے ذمے دار تم ہو۔

سکندر:::: پھر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

سالار:::: اُسے میرے ساتھ جانے دو۔

سکندر:::: بے جان ہو جاؤں گا۔

جانتے ہو تمھاری بہن پر دنیا میں سب سے زیادہ حق رکھنے والا میں ہوں۔

پر آج اس مقام پر ہوں کہ ڈر لگتا ہے کہ وہ کہی مجھ سے خود پر ہر حق چھین نہ لے۔

اُسے ایسے دیکھ کر مُجھ جیسے سنگ دل کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔

خیرت کی بات ہے ہیں نہ؟

سالار:::: ہاں شاید۔

مگر زیمل کا تمھارے ساتھ رہنا اُس کی زندگی کے لیے خطرہ ہے۔

سکندر:::: اگر محبت کرنے والا ہوتا تو اُسے جانے دیتا۔

مگر زیمل میری روح پر ڈلنے والی وہ چادر ہے جو زِندگی کے آخری سفر تک میرے ساتھ رہے گی۔

وہ میرے زندگی کے سفر کی چادر ہے جس کے ساتھ ہونے پر میں خود کو دنیا کا سب سے محبوب انسان محسوس کرتا ہوں۔

سالار::::تو کیا تمھیں زیمل سے بے پناہ محبت ہو گئی ہے؟

اس لیے اُسے جانے نہیں دے رہے۔

سکندر::::محبت ہوتی تو چھوڑ دیتا یہ عشق ہے جو روح پر قابض ہوا ہے۔

سالار جو سکندر کے الفاظ پر اُسے حیرانگی سے دیکھنے لگا تو بولا

سالار::::اور اگر اُس نے تمھیں چھوڑ دیا تو؟

تو کیا اُسے جانے دو گے؟؟

سکندر:::میری زیمل مجھے نہیں چھوڑے گی۔

سالار::: تمھیں اتنا یقین ہے؟؟؟؟

سکندر:::مجھے اُس پر یقین ہے جس کے یقین پر یقین کرتے تمھاری بہن نے مجھ پر یقین کیا

اگر اُس یقین کا آسرا نہ ہوتا تو میں کبھی تمھاری بہن کو چاہ کر مانگنے کی تمنا اُس سے ظاہر نہ کرتا۔

اپنی ماں کی موت کے بعد میں نے اپنی زِندگی کو اپنی بہن کے ساتھ وابستہ کیا

پھر اُس کی موت کے بعد سب ختم ہو گیا۔

جس شخص کے لیے اُس کی ماں ہی اُس کا ماں اور باپ تھی اُسی ماں کی موت کے بعد میں یتیم ہو گیا

بن ماں اور بن خُدا کے زندگی جو لوگ گزرتے ہیں وہ مجھ جیسے سفاک ہو جاتے ہیں۔

سالار:::: میں جانتا ہوں کہ جس کام کو تم گندگی کے اس دلدل میں جا کر صاف کر رہے ہو

وہ تمھارے کردار کے ساتھ ساتھ تمھاری سیرت کی تباہی کی بھی وجہ بنا ہے

۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اسمگلنگ میں کس قدر کمی کا باعث بنے ہو۔

جن ڈر گز کو تم پوری دُنیا میں خریدتے ہو وہ ڈر گز کہاں ختم کیے جاتے ہیں۔

میں سب جانتا ہوں

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان سب بتاؤں کے باوجود تم میری بہن کے ساتھ مخلص ہو۔

مگر یہ بتائیں میری بہن کی زندگی کی ضمانت نہیں ہے۔۔

میں اُس کا بھائی ہوں۔ وہ میرا اس دنیا میں اخری خونی رشتہ ہے۔

وہ میری جان ہے۔

جدائی کا یہ طویل عرصہ بہت مشکل ہوتا ہے۔

اور زیمل جس حالت میں اب ہے میں نہیں چاہتا کہ زیمل اور کسی مشکل میں رہے۔

تمہارے کام کرنے کی نیت اچھی ہے۔

مگر بظاھر یہ سب بہت خطرناک ہے۔زیمل تمھاری اکلوتی کمزوری ہے۔
۔اور جس کام کو تم سفاکی کے ساتھ انجامِ دے رہے ہو اُس کا پہلا اثر زیمل کی زِندگی پر آئے گا۔

سکندر جو زیمل کے چہرے اور نظر ڈالی کچھ پر سکون تھا بہت سوچ کر بولا

سکندر:::: میری ماں اسمگلنگ میں نہ میرے باپ تک پہنچتی تو میں کبھی یہ کام کرنے کا نے سوچتا۔

اگر میری بہن کو ڈر گز دے کر موت نادی ہوتی تو میں کبھی بھی اس سفاکی کا وارث نہ ہوتا۔

مگر زیمل کے قریب ہونے پر میں خود میں ایک جینے کی لگن کو محسوس کرتا ہُوں۔

اور اُسے کسی قیمت پر خود سے الگ نہیں کر سکتا۔

نہ اُس کی رضا کے لیے نہ ہی اپنی۔

عشق کا وجود ایک شخص پر ختم ہوتا ہے اور وہی شخص ایک کائنات کے برابر ہو جاتا ہے۔

اور اپنی کائنات کو خود اپنے ہاتھوں سے برباد نہیں کر سکتا۔

سالار:::: مگر زیمل کی بہتری کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ تمھارے ساتھ نہ رہے۔

سکندر:::: وہ میرے ساتھ رہے اسی میں سب کی بہتری ہے۔

سکندر جو اپنی نظروں کا رُخ سالار کی طرف موڑ کر ہر لفظ کے ساتھ اس بات کا اختتام کر چکا تھا۔

وہ سالار کو حیراں کر گیا تھا۔

دوسری طرف

کچھ دیر میں ہی زیمل کا مکمل معائنہ ہو چکا تھا۔

جیسے کہ ڈاکٹر نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ ٹھیک ہے۔

اور وہ بالکل ٹھیک تھی۔

ڈاکٹر:::: آپ کی وائف ٹھیک ہیں سر۔

کوئی بھی میجر اینڈ سویر انجری نہیں ہوئی۔

گولی بھی ٹانگ سے بالکل چھو کر گزری ہے۔

سالار:::: توزیمل کو ھوش کیوں نہیں آرہا؟؟؟

ڈاکٹر:::: پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔وُہ بالکل ٹھیک ہے۔

سلار جو پریشانِی سے کھڑا ہوتا ڈاکٹر کی بات پر بولا۔

سالار:::: توزیمل کو ہوش کیوں نہیں آرہا۔

مگر ڈاکٹر کی اگلی بات پر سالار کے ساتھ سکندر کی حیرانگی سے آنکھیں کھول گئی۔

جب ڈاکٹر اپنی بات کو مکمل کرتی بولی۔۔

ڈاکٹر:::: سر آپ کی وائف پریگنینٹ ہے۔

سالار جو ڈاکٹر کے پاس کھڑا تھا

ڈاکٹر کی بات پر ایسے چونکا جیسے اُسے اس بات کی ابھی ہر گز اُمید نہیں تھی۔۔

سکندر جو اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا ڈاکٹر کی بات پر چونک چکا تھا۔

اُس کا انداز دُنیا میں موجود ہر شخص سے مختلف تھا جیسے دنیا کی سب سے بڑی خبر سے نوازہ گیا ہو۔

سالار جو اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا بیٹھ گیا تھا وہی سکندر جو بیٹھا تھا وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

سکندر دوسرے ہی پل اپنی نظروں کو زیمل کی طرف موڑ کے اُس طرف بڑھ گیا تھا

جہاں ڈاکٹر زبات کو بڑھاتے ہوئے بولی

کچھ ٹیسٹ ہیں وہ ان کے ہوش میں آنے کے بعد ہو گے

اور پھر ڈاکٹر کہتی وہاں سے نکلی تو سکندر زیمل کے قریب جاتا اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

جہاں اب اُس کی آنکھوں میں خوشی کے انسو تھے۔

سکندر زیمل کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتا یوں مسکرایا جیسے اُسے دنیا کی ہر خوشی مل گئی ہو۔

اور پھر سالار وہی دوسرے ہی پل زیمل اور سکندر پر ایک نظر ڈالے ایک سوچ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

روحان بھی فلضاہ اور لیہ کو وہاں

پہلے سے لے کے پہنچ چُکا تھا۔

جہاں ایک کمرے میں فلضاہ اور لیہ کے زخموں کو صاف کیا جہ رہا تھا۔

لیہ خاصی پریشان تھی۔

لیہ::::زیمل کہاں ہو گی۔

ابھی کہ فلضاہ اُس کی بات کا کوئی جواب دیتی

اچانک باہر سے آتی آوازوں نے اُس کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

دروازے کو کھولتے ہی باہر جمشید کے ساتھ کھڑا جہانگیر اُس کے زخم کا

معائنہ کر رہا تھا

جہاں ایک سٹیچ کھل چکا تھا۔

لیہ جو دروازے پر کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

اچانک دوسری طرف سے سالار دروازہ کھولتے نِکلا۔

لیہ پر نظر پڑتے سالار دو قدم آگے کو بڑھا اور بولا۔

سالار::::فلضاہ یہاں ہے ؟؟؟

سالار کی آواز پر جمشید جو بنا شرٹ کے بیٹھا اپنے زخم کو دکھا رہا تھا پلٹا تو اُس کی

نظر گھبراتی لیہ پر پڑی جو سالار کو دیکھ گھبراتے ہوئے سر کو ہاں میں ہلاتی بولی۔

لیہ::::جی۔

سالار جو دروازے کے کھولنے پر اندر کی طرف بڑھا تو

فلضاہ جو سالار کے اندر یوں داخل ہونے پر گھبرائی تھی بولی۔

فلضاہ::::لیہ۔۔۔۔پانی۔۔۔

فلضاہ جو سالار کی عجیب اور بدلی نظروں کو محسوس نہ کرنے کی قسم کو کھاتے ہوئے لیہ سے مخاطب ہوئی تھی

سالار کے اگلے قدم پر اُس کی آواز ہی حلق میں پھنس گئی۔

سالار جو فوران سے پانی کو ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے فلضاہ کی طرف بڑھا تو بولا۔

سالار::::::جواب تیار ہے؟؟

فلضاہ:::::کس چیز کا جواب؟؟

سالار::::شادی کا؟؟

فلضاہ::::اللہ اللہ سالار بھائی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟؟؟

سالار جو فلضاہ کے پاس بیٹھا بات کر رہا تھا یوں بھائی کے لفظ پر اپنا منہ کڑوا ہوتے ہوئے بہت واضح الفاظ میں بولا۔

سالار::::::::میں آپ کا بھائی نہیں۔ہوں۔

فلضاہ::::کیا ہو گیا ہے؟؟بہن مان لینے سے کون سی آفت اجانی ہے۔

سالار:::: فلضاہ میں اگلے ہفتے پاکستان واپس جا رہا ہوں۔

فلضاہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے اچانک خاموش ہوئی تو سالار کو دِیکھنے لگی۔

سالار:::: جانے سے پہلے میں ایک بہت ضروری کام کرنا چاہتا ہوں۔

فلضاہ جو سالار کی بات کو بہت غور سے سُن رہی تھی اچانک سالار کی اگلی بات پر بے ہوش ہو گئی۔

سالار:::: تم۔ فلضاہ سالار کی حیثیت سے میرے ساتھ پاکستان چلو گی؟

فلضاہ جو بیٹھی بارے غور سے سالار کی بات سن رہی تھی اچانک بات کے مکمل ہونے پر اُس کا سر ایسا چکرایا کہ وہ وہی گھومتی آنکھوں کے ساتھ بے ھوش ہو گئی جب کہ لیہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

زیمل جو بستر پر لیٹی اپنے خواب کے آغوش میں تھی۔اُس کی بند آنکھوں کے ساتھ بھی اُس کے چہرے پر ایک خوبصورت اور دل کش مُسکراہٹ کا بسیرا تھا۔

سکندر جو زیمل کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھامے اُس مُسکراہٹ کو دیکھ رہا تھا۔

بس زیمل کے اٹھ جانے کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

))))خواب

زیمل::::::بابا کہاں ہیں آپ؟؟؟

زیمل جو چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ کی دہلیز میں داخل ہو چکی تھی۔

جہاں اس قدر خوبصورت پھولوں سے آپ جگہ بھری ہوئی تھی کیسے اُسے پھولوں کی وادی کہنا زیمل کے لیے لازم ہو گیا تھا۔

اچانک اُن پھولوں کے بیچ میں سے ایک بچہ دھورتے ہوئے زیمل کی طرف بڑھا

اور زیمل کے وجود کے آر پار ہوتا غائب ہو گیا۔

ابھی کہ زیمل کچھ کہہ پاتی کہ وہی اُسی جگہ سے زیمل کا باپ نکالتے ہوئے

بولا۔

فاتح::: تم آگئی ہو؟

میں کب سے تمھارا ہی انتظار کر رہا تھا۔

زیمل:::: بابا میں آگئی ہوں۔

بابا وہ اتنا پیارا بچا۔

فاتح:::: تم مل چُکی ہو؟

زیمل:::: نہیں بابا بس وہ آیا اور غائب ہو گیا۔

فاتح:::: اچھا یہ بتاؤں تم اب کیسی ہو؟

زیمل:::: میں ٹھیک ہوں۔

بس پریشان ہوں

فاتح::::: سکندر کی وجہ سے؟

زیمل:::: پتہ نہیں۔ بابا

انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔

وہ کون ہے؟ کیا کام کرتے ہیں؟

مجھے ڈر لگ رہا ہے

فاتح:::: کس سے؟

زیمل::::خود سے بابا۔۔

فاتح::::زیمل انسان کے بظاھری اعمال کبھی اُس کے کردار کی ضمانت نہیں ہوتے۔

زیمل:::: بابا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اُنہوں نے جو کیا وہ سب ٹھیک ہے؟

فاتح:::::اگر حقیقت کا رُخ اپنی طرف کے آئینے سے دیکھو گی تو حقیقت وہ نظر آئے گی جو مقابل سے تمہیں بد ظن کر دے گی۔

زیمل:::: بابا میں بد ظن نہیں ہوں۔۔۔بس یہ سوچتی ہوں کہ اُنہیں مجھے تو سب خود بتانا چاہئے تھا۔

. کیا اُنہیں مجھ پر یقین نہیں تھا۔۔ یا وہ مجھ اور یقین کرنا نہیں چاھتے تھے

فاتح::::: یقین ان باتوں کا محتاج نہیں ہوتا۔

بعض دفعہ یقین سے پہلے اپنوں کی سلامتی کا خوف دل میں بیٹھ جاتا ہے۔

زیمل::::: بابا میں جانتی ہوں مگر دل میں ایک گلہ بھی ہے

فاتح:::: زیمل اللہ نے ایک عورت کا نصیب ایک مرد کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے جوڑا ہے۔

پوری دنیا میں کون کیس کا نصیب ہے یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جوڑیں اللہ پاک آسمان پر بناتا ہے۔ دنیا میں تو بس یہ تمام واقعات نصیب مل جانے کی غرض سے رونما ہوتے ہیں۔

تمہارا نصیب جس کے ساتھ جوڑا ہے وہ بے شک تمھاری خود کی سیرت سے مختلف ہے۔

مگر ایک انسان کا ایک عمل اُس کی آخرت کو سنوار دینے کو کافی ہے۔

آؤ میرے ساتھ۔

فاتح زیمل کو ایک دوسری طرف لے کے چلا تو کچھ قدموں کے بعد

سامنے وہی درخت واضح ہوئے جو زیمل نے پہلے دیکھے تھے۔

وہ درخت جو آخری دفعہ بیمار تھا

اب اُس کے کچھ پتے ہرے ہو گئے تھے۔

فاتح:::: وہ درخت دیکھ رہی ہو

زیمل:::: بابا یہ درخت ٹھیک ہو رہا ہے۔میں محسوس سکتی ہوں۔

فاتح:::: زیمل کچھ عرصہ اور لگے گا یہ درخت مکمل ہرا بھرا ہو جائے گا

جانتی ہو یہ درخت کس کا ہے ؟۔

.زیمل:::: نہیں بابا

فاتح:::: زیمل یہ درخت اُسی کا ہے۔

اچانک سامنے سے آتی دو عورتوں نے زیمل کی توجہ کو اپنی طرف متوجہ کیا تو

فاتح بولا

فاتح:::: چلو آؤ

سامنے سے آتی تالیہ کے ساتھ ایک عورت نے سب سے زیادہ زیمل کی توجہ کو اپنی طرف مقبوض کیا

جو ہو باہو سکندر کا عکس تھیں۔

اچانک ایک بچا جو ماہِ نور کے ہاتھوں میں تھا

زیمل کی نظر اُس پر پڑی تو فاتح بولا۔۔

فاتح::::اسے گود میں لے لو۔

ماہِ نور زیمل کو مسکراتے چہرے کے ساتھ دیکھ کر اُس بچے کو زیمل کو تھمانے لگی۔

زیمل نے جیسے ہی اُس بچے کو اپنی گود میں لیا اُسی وقت اُس بچے کے چہرے کی مسکراہٹ میں یوں اضافہ ہوا کہ زیمل اُس خوب صورت چہرے میں کھو سی گئی۔

زیمل جو اُس بچے کو دیکھ نجانے کیوں اُس سے مخاطب ہوئی تھی بولی۔

زیمل:::: تمھارا نام؟

زیمل کے اس سوال پر وبچہ یوں کھلکھلا کر ہنسا کہ زیمل کے لبوں پر آتے نام پر اُس کی خود کی آنکھیں خوشی سے نم ہو گئی۔

زیمل:::::اورحان صالح۔

اور پھر یہ کہتے زیمل نے اورہان کو اپنے لبوں سے لگایا اور وہی اُس کا خواب ختم ہوتا

اُس کی بند آنکھوں کو کھول گیا۔

زیمل جیسے ہی اپنی آنکھوں کو کھولنے لگی تو دوانسوں خوشی کے ساتھ اُس کے گالوں کی سمت نیچے کو اُتر گئے۔

زیمل اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے مسکراتے ہوئے رونے لگی

تو دوسرے ہی پل سکندر زیمل کی کھولتی آنکھوں کے ساتھ اس قدر بے قرار ہو گیا

سکندر::::زیمل۔۔۔زیمل۔۔۔

سب ٹھیک ہے۔۔۔میں یہی ہوں۔۔۔کچھ نہیں ہوا۔

میری طرف دیکھو۔

کیا کہیں درد ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر۔۔۔ڈاکٹر۔

سکندر ڈاکٹر کو اچانک آوازیں دینے لگا تو زیمل روتے چہرے کے ساتھ سکندر کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے رونے لگی

سکندر:::: سب ٹھیک ہے۔

اور پھر یہ کہتے سکندر زیمل کو بیٹھاتے ہوئے پانی پلانے لگا

زیمل جو پانی پیتے اپنی نظروں کو سکندر کے چہرے پر ٹکا گئی تھی۔

سکندر بولا۔

سکندر:::: سب کچھ ٹھیک ہے۔

اور پھر پانی کے گلاس کو ایک طرف رکھتے اُس کے چہرے کو صاف کرتا بولا۔

سکندر:::: میری طرف دیکھیں۔۔

کہیں درد ہے ؟؟؟ پاؤں میں درد ہے۔

اچانک زیمل مسکراتے چہرے کے ساتھ نامیں سر ہلانے لگی

تو نظروں سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے بولی۔

زیمل:::::اور ہان

سکندر جو چہرے پر مسکراہٹ لیے زیمل کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے

چومنے لگا

تو بولا۔

سکندر:::::شکریہ۔۔۔

شاید دونوں کی زندگیوں میں بہت عرصے بعد کسی خوشی کا اس قدر بے تحاشا

احساس تھا۔

کہ پہلی دفعہ سکندر کے پاس زیمل کو شکریہ کہنے کے علاوہ الفاظ ختم ہو گئے

تھے۔

اور شاید اس احساس کے ساتھ زیمل کے لیے ہر احساس مختلف ہو گیا تھا۔

وہی زیمل سکندر کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتی بولی۔

زیمل::::مجھے آپ پر یقین ہے۔

زیمل کے ان الفاظ پر سکندر نے اپنی نظروں کو جھکایا تو زیمل سکندر کے سینے پر سر رکھے بولی۔

زیمل::::وہ بلکل آپ جیسا تھا۔

اُسکی مُسکراہٹ پر آپ کے چہرے کا بسیرا تھا۔

مگر آنکھیں مجھ جیسی تھی۔۔

وہ مسکرایا تو میرا وجود روشن سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

سکندر وہ ھمارا بیٹا تھا

سکندر جو زیمل کے انداز میں موجود ایک خوشی کو محسوس کر رہا تھا بولا

سکندر::::وہ ھمارا ہی بیٹا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا کہ تم حاملہ ہو۔

ابھی کہ سکندر آگے اور کچھ کہہ پتہ وہی کمرے کا دروازہ کھولا تو فلضاہ اور لیہ کمرے میں داخل ہوئی۔

جن کے داخل ہونے کے بعد سالار کمرے میں داخل ہوا۔

کسی مرد کو آمد پر زیمل۔اپنے سر پر ڈالی چادر کو ٹھیک کرتی سکندر کو دیکھنے لگی۔

تو لیہ فوراً سے زیمل کے قریب ہوتی بولی۔

لیہ::: کیسی ہو؟

اور پھر وہی زیمل نے لیہ کو خود کے گلے لگایا

اُس کی نظر نجانے کو سالار پر بار بار جا کر اٹک رہی تھی اُس کا چہرہ اُسے جانا پہچانا لگ رہا تھا۔

زیمل:::: ٹھیک ہُوں۔

فلضاہ جواب تقریباً ہوش میں تھی زیمل سے ملتے ہوئے بولی۔

فلضاہ:::: آپ سے دوبارہ مل کے بہت اچھا لگ رہا ہے۔

اور وہی سکندر کی طرف رُخ بدلتے ہوئے بولی۔۔فلضاہ:::: یہ سکندر بھائی ہیں؟

قسم سے میں تو آپ کی بہت بڑی فین ہو گئی ہوں۔

فلضاہ کے انداز پر زیمل مسکرائی تو سکندر بھی زیمل کو مُسکرا کر دیکھنے لگا

ابھی کہ کوئی کچھ اور کہہ پاتا وہی سالار زیمل کے قریب بیٹھتا بولا۔

سالار:::: کیسی ہو زیمل؟

زیمل جو عجیب نظروں سے سالار کو دیکھ رہی تھی۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ چہرہ کیوں اتنا جانا پہچانا ہے۔۔

سالار:::: تمھارے لیے یہ چاکلیٹس لایا۔۔۔ہوں صبح بی اماں کو دینا اور کہنا کہ سالار کی گڑیا اُسے مل گئی ہے۔

زیمل جو ابھی تک سالار کو حیرت سے دیکھ رہی تھی نجانے اُس کے چہرے کے سپاٹ تاثرات کے باوجود اُس کی آنکھوں سے انسوں نکل رہے تھے۔

زیمل:::: س۔۔۔ک۔۔۔ن۔۔در۔۔

اچانک زیمل سکندر کی طرف دیکھنے لگی جیسے اُسے سالار کی بات کا یقین نہیں آ رہا ہو۔

مگر جب سکندر نے چہرے کو ہاں میں ہلاتے ہوئے زیمل کو مُسکرا کر دیکھا۔

تو وہی نظروں کا رخ سالار کی طرف بڑھ گیا۔۔

جہاں زیمل چہرے کو ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی۔

سالار وہی زیمل کے چہرے سے اُس کے ہاتھ کو ہٹاتے ہوئے بولا۔

سالار::::: بھائی سے ملو گی یا روتی رہو گی۔

سالار نے ایسے اپنے لفظوں کو ادا کیا کہ جملے کے مکمل ہوتے ہی وہ بھی پھوٹ کر رو پڑا۔

بارہ سال بعد اُس نے اپنی بہن کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھا تھا۔

کیا یہ ممکن تھا کہ زیمل جس بھائی کو اب تک مرا ہوا سمجھ چُکی تھی اُس کا یوں اچانک اُس کے سامنے آ جانا اُس کی حیرت کو گم کرنے کے لیے کافی تھا۔

فلضاہ اور لیہ جو سالار کے پیچھے کھڑی مسکراتے ہوئے اپنی آنکھوں کو صاف کر رہی تھی۔

اچانک جمشید بھی کمرے میں جہانگیر کے ساتھ داخل ہوا۔۔ جہاں خضر اور فرقان بھی رونے کی آواز پر کمرے میں داخل ہو گئے۔

دونوں کا رونا ایک جیسا تھا جہاں

زیمل اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں دیے رو رہی تھی وہی سالار بھی رونے لگا تھا۔

مگر پھر زیمل اپنے چہرے سے ہاتھوں کو ہٹاتی سالار کی طرف ہوئی جب سکندر نے زیمل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اُسے نظروں سے اشارہ کیا۔

سالار جو زیمل کو خود کے سامنے بیٹھا دیکھ رو رہا تھا۔

زیمل سالار کی طرف رُخ کرتے بولی۔

زیمل::::س۔۔۔۔۔ل۔۔۔ا۔۔۔ر۔۔ یہ تم ہو؟

سالار زیمل کو دیکھ سر کو ہاں میں ہلانے لگا تو بولا

سالار:::::م۔۔۔میں۔۔۔نے۔۔۔ تمہیں بہت۔۔۔ڈھونڈھا۔

بارہ سال کا عرصہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔۔

زیمل سالار کو دیکھ رونے لگی تو وہی سالار زیمل کے پاس ہوتا اُسے گلے سے لگا گیا۔

زیمل:::: تم۔۔۔ کہاں۔۔۔ تھے۔۔۔ سالار۔۔

میں کتنا روئی۔۔۔ تم نہیں۔۔۔ آئے۔۔

مجھے لگا ماما بابا کی طرح تم بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

میں اس دنیا میں اکیلی رہ گئی۔۔

تم کہاں تھے۔۔۔۔ سالار۔۔

سالار:::: اپنے بھائی کو معاف کردو۔

میں تمہاری حفاظت نہیں کرسکا۔

اور اگر وہ دونوں ایسے روئے کہ کمرے میں موجود ہر شخص کو آنکھیں خوشی سے نم ہی گئی۔

جب کہ سکندر کچھ دیر بعد سالار کو دِیکھنے لگا۔

جیسے اُسے بس کرنے کی ہدایت کر گیا ہو۔

جہانگیر:::::اس کیفیت پر ایک شعر عرض کرتا ہوں

شاعر بھی کیا خوب کہتا ہے۔

جلن کی اب ہر حد پار ہو گی

کبھی بھائی اور کبھی شوہر کی تکرار ہو گی۔

جیتے گا کون یہ کون جانے

جب درمیان میں اک کی بہن اور دوسرے کی بیوی ہو گی۔

اچانک جہانگیر کے شعر پر سب کا قہقہ بلند ہوا

جمشید:::::میرے خیال سے جہانگیر تمھاری اب خیر نہیں ہے۔

خضر:::::تمھارا خیال ہے؟

مجھے تو یقین ہو گیا ہے۔

فرقان:::::مجھے تو لگتا ہے یہ بات سالار سے پوچھ لینی چاہیے۔

جمشید:::::یہاں ہر بات بھاؤ سے پوچھی جاتی ہے۔

فلضاہ:::::پر لگتا ہے کہ اس کہانی کے ہیرو سکندر بھائی ہیں۔

لیہ::::اور تمھارا خود کے بارے میں کیا خیال ہے؟

فلضاہ:::::میرا خیال۔۔۔تو کچھ بھی نہیں ہے۔

لیہ:::: سالار لگتا ہے تمھیں فلضاہ کے خیالات بدل لینے چاہئے۔

سالار:::: بدل لوں گا۔بس زیمل ٹھیک ہو جائے

زیمل:::: تم فلضاہ کو پسند کرتے ہو؟

زیمل ہولے سے بولی

تو سالار سر کو ہاں میں ہلا گیا۔

سکندر کو کمرے میں موجود رونق بہت

اچھی لگ رہی تھی۔

ہر کوئی مُسکرا رہا تھا۔

فلضاہ:::: ویسے زیمل سالار بھائی اتنے کھڑوس ہیں

کہ

سالار جو پل میں کھڑا ہوتا فلضاہ کی طرف موڑا تو بولا۔

سالار:::: کتنا کھڑوس ہوں؟؟؟

فلضاہ جو ڈر کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی اچانک دوبارہ سے دو قدم آگے لیتی بولی۔

....فلضاہ:::: اتنا

فرقان:::: سالار تم فلضاہ سے جیت نہیں سکتے۔

خضر:::: ہاں سر اس بات سے تو میں بھی اتفاق کرتا ہوں۔

زیمل جو سب میں بیٹھے مُسکرا رہی تھی

سکندر کے خاموشی کو محسوس کرتے سکندر کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے مُسکرا کر دیکھنے لگی۔

جیسے اُس نے اب تک کی زندگی کا سفر صرف اس خوبصورت لمحات کے لیے طے کیا ہو۔

سکندر کے لیے خود میں موجود محبت۔۔۔سالار کے زندہ وجود کے ساتھ اُس کا مسکراتا چہرہ۔

لیہ کا اُس کے ساتھ یوں بیٹھنا۔

فلضاہ کی باتیں۔

سب اُس کے لیے اُس کی زندگی کے اس سفر کے لیے

بہت خوبصورت تھا۔

اور پھر ڈاکٹر کے اندر داخل ہوتے ہی سب ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ڈاکٹر::::آپ کی رپورٹس آ گئیں ہیں۔

سکندر::::سب ٹھیک ہے؟؟؟

ڈاکٹر:::::جی۔۔آپ باپ بننے والے ہیں۔

اور ایک۔خاتمی رپورٹ کے ساتھ سکندر کے وارث کا اس دنیا میں

آنا لازم ہوا

تو ہر طرف مبارک باد کی آوازیں گونج گئی۔

اور سب کے چہرے ایسے کھل گئے جیسے

آنے والے ننھے صالح کی خبر نے سب کے چہروں پر ہزاروں رنگ بکھیر دیے ہوں۔

زیمل جو خود سے مخاطب ہوئی بولی۔

زیمل::::میری زندگی کی کتاب کا خوبصورت سفر ایک شخص کے نام

"""""" سکندر

اور پھر زیمل سکندر کے کندھے پر سر رکھتے۔کمرے کی موجود رونق کو دیکھنے لگی۔

((((((تین سال بعد

فلضاہ::::::اللہ اللہ

کیا اولاد دی ہے مجھے

فلضاہ جو بہرام کا پیمپر چنج کرتی سر پکڑ چکی تھی۔

فلضاہ:::::ابھی تمھارا میں نے کچھ دیر پہلے پیمپر چنج کیا تھا۔

بہرام::::م۔۔۔۔۔م۔۔۔۔م۔۔۔م

فلضاہ::::م۔۔۔۔م۔۔۔م۔۔۔ کر کے تم مجھ سے یہ صاف کروالو گے اور بعد میں اس بدبو سے میرے دماغ کی نسے پھٹ جائیں گی۔

بہرام جو بیڈ پر لیٹا فلضاہ کے بدلتے چہرے کے تاثرات آج کر ہنس رہا تھا۔

اچانک فلضاہ

بہرام کا پیمپر اُتارتے بولی۔

فلضاہ:::: بہرام تم کتنے گندے ہو۔

ابھی کہ فلضاہ جو رونی شکل بنا کر بہرام کا پمپر بدل رہی تھی اچانک کمرے میں داخل ہوتے سالار کی نظر فلضاہ کے پھولے چہرے پر پڑی۔

فلضاہ:::: آپ کہاں تھے ؟؟؟

کہاں تھے آپ ؟؟؟

سالار::: ہوا کیا ہے ؟؟؟

فلضاہ:::: ہوا کیا ہے ؟؟

آپ مجھے دیکھ کر ابھی بھی پوچھ رہے ہیں کہ ہوا کیا ہے۔

صبح سے میں بہرام کے پیمپر چینج کر کر کہ مرنے والی ہو گئی ہوں

اور آپ پوچھ رہے ہیں کہ ہوا کیا ہے۔

دیکھیں اسے

کس طرح ہنس رہا ہے۔

یہ بچا میری برداشت سے نکلتا جا رہا ہے

سالار جو فلضاہ کے بکھرے بالوں کے ساتھ اُس کی حالت کو دیکھ کر ہنس پڑا

تھا

بولا

سالار::::::: تم تو کہتی ہو بہرام تم اور گیا ہے۔

فلضاہ::: ہاں تو گیا ہے

میرا بیٹا ہے تو میرے پر ہی جائے گا۔

مگر سالار دیکھے نہ یہ کام بہت گندہ ہے۔

آگے بی اماں میری مدد کر دیتی تھی۔

جب سے ہم یہاں شفٹ ہوئے ہیں بہرام کا سارا یہ گندا کام مجھے کرن پڑتا ہے

اوپر سے دیکھے سب آنے والے ہو گے۔۔۔اب میں ایسے باہر جاؤں گی

اچانک فلضاہ اپنی بات کہتے بچوں کیطرح رونے لگی۔

سالار جو فلضاہ کا چہرہ دیکھ ہنستے ہی اُسے گلے سے لگا گیا تھا بولا

سالار:::::اچھا اچھا بس بس۔۔

فلضاہ::::آپ بھی ہنس لے۔۔۔

آپ دونوں باپ بیٹے ایک ہی پارٹی کے ہیں۔

ہنس لے۔۔۔

فلضاہ جو روتے ہوئے بولی جا رہی تھی

سالار::::اچھا بس بس۔۔

بی اماں نہیں ہے تو کیا ہوا

میں تو ہوں نہ۔

ایسا کرتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ مل کر بہرام کا پیمپر چینج کرواتا ہوں۔

فلضاہ جو سالار کی بات پر اچانک چہرے کو صاف کرتی بولی تھی۔

فلضاہ:::: آپ کتنے اچھے ہیں سالار۔

چلیں آئیں۔آپ اس گندے پیمپر کو نکال کر باہر پھینکے

باقی کام میں کرتی ہوں۔

سالار:::::فلضاہ!!!ایسا کرو تم بہرام کا یہ پیمپر نکل کر پھینکو اور اسے دھو

۔۔۔میں دوسرا پیمپر اُسے پہنا دوں گا۔

فلضاہ جو سالار کی بات پر سالار کو دیکھنے لگی تھی بولی۔

فلضاہ::::اب آپ یہ سارا کام میرے ساتھ کروائے گے۔۔

ورنہ۔۔۔۔

سالار:::: میں تو مذاق کے رہا تھا۔

ایسا کرو تم جا کر تیار ہو جاؤ ویسے بھی سب آنے ہی والے ہو گے۔

میں تب تک بہرام کو تیار کر دیتا ہوں۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو ایک ملازمہ اندر داخل ہوتے بولی۔

صاحب وہ نیچے خضر صاحب اور جہانگیر صاحب آ چکے ہیں۔

سالار:::: تم اُنہیں بیٹھاو میں آ رہا ہوں۔

سالار:::: چلو فلضاہ تک جلدی سے جا کر تیار ہو۔

بی اماں اور روح بھی آتی ہو گی۔

فلضاہ:::: نہیں آپ جائیں نیچے میں کروا لیتی ہُوں بہرام کو تیار۔

فلضاہ جس نے بہت ہی برے منہ کے ساتھ بولا تھا۔

سالار مسکراتے چہرے کے ساتھ اُس کا ہاتھ پکڑتے بولا۔

سالار:::: ویسے آئیڈیا اچھا ہے۔۔۔
تمھیں ان کاموں کی عادت ڈال لینی چاہیے۔۔

ویسے بھی میں سوچ رہا ہوں کہ ۔۔۔ بہرام کو ایک بھائی یا پھر ایک بہن کی ضرورت ہے۔

فلضاہ:::: نہیں ۔۔۔ پلیز ۔۔۔ نہیں۔

آپ پریشان نہ ہو۔

بہرام کا بھائی ہے۔

سالار:::: کب ۔۔۔ یہ کب ۔۔۔ ہوا ۔۔۔ تم نے ۔۔۔ بتایا ہی نہیں ۔۔

فلضاہ:::: سالار ۔۔

میں اورہان کی بات کر رہی ہوں۔

سالار:::: پر میں تو اُس کی بات نہیں کر رہا۔

فلضاہ:::: چلیں کمرے سے باہر۔

جلدی ۔۔

چلیں بھی ۔۔

فلضاہ جو ہنستے ہوئے سالار کو کمرے سے نکال چکی تھی۔

سالار::::: آرے۔۔۔فلضاہ۔۔۔بات۔۔۔تو سنو۔

فلضاہ::::: بی اماں آئے گی تو میں آپ کی شکایت اُن سے لگاؤ گی۔

اور پھر یہ کہتے فلضاہ دروازہ بند کر گئی۔

سالار:::: کہہ لینا۔

رہنا تو پھر بھی تم نے میرے ہی ساتھ ہے۔

دوسری طرف خضر اور جہانگیر ڈرائنگ روم میں بیٹھے جوس پی رہی تھے۔

جب سالار اوپر سے اترتا نیچے کو آیا۔

.خضر:::: کیسے ہیں سر

سالار:::: اب تو سر کہنا چھوڑ دو۔ خضر۔۔۔

جہانگیر:::: سر کہنا تو تب چھوڑے گا جب جناب کو ایک عدد بیوی مل جائے گی۔

خضر:::: تم تو ایسے کہہ رہے ہی جیسے تُمھیں تو مل گئی ہو؟

جہانگیر:::: میری والی تو پتہ نہیں کہاں بیٹھی ہے۔

لگتا ہے دنیا کہ کسی اور ہی کونے میں جا کر بیٹھ گئی ہے۔

سالار:::::اچھا کیا ہو گیا ہے۔

بس بھی کرو۔۔۔مل جائے گی تم لوگوں کی بھی۔

لگ جائے گا تم لوگوں کو بھی پتہ۔۔

جہانگیر:::::جو پتہ تمھیں لگ گیا ہے۔۔۔وہی ھمیں لگ جائے تو ہم بھی کسی کو یہ باتیں کہہ سکیں۔

سالار::::لگ جائے گا پتہ۔۔

فکر نہ کرو۔

جمشید:::::اسلام و علیکم

لیہ::::اسلام و علیکم

سالار::::وعلیکم السلام

جہانگیر::::آؤ آؤ۔۔۔تم بھی۔۔

خضر مجھے تو لگتا ہے کہ تم کنوارے مرو گے۔۔

دیکھو۔۔اس جمشید کو جو کبھی بھاؤ بھاؤ کرتا تھا اب وہ بھی۔۔بیوی بیوی کرنے لگ گیا ہے۔

لیہ:::::جہانگیر بھائی میں نے آپ کے لیے لڑکی دیکھی ہے۔

جھانگیر::::واقع بھابھی؟؟؟

خضر::::چلو جہانگیر لگتا ہے کہ تمہاری والی تُمہیں ملنے ہی والی ہے۔

جہانگیر::::تُمہاری والی کیا ہوتا ہے۔

بھابھی بولو اُسے۔

تمہاری بھابھی لگتی ہے۔

اچانک جہانگیر کی بات پر سب کا قہقہ بلند ہوا تو جہانگیر بولا۔

جہانگیر::::بھابھی آئیں مجھے دکھائیں۔

لیہ::::میں ایک دو دن میں آپ کو اُس سے ملواؤ گی۔

سالار::::فلضاہ اوپر ہے۔

لیہ::::زیمل نہیں آئی۔؟؟؟

سالار:::: سکندر سے بات ہوئی تھی۔۔۔ کہہ رہا تھا کہ وہ زیمل کو بھیج دے گا۔

اس کی کسی کے ساتھ میٹنگ ہے۔۔

.جمشید:::: بھاؤ نے مجھے تو بھی بتایا

جہانگیر::::: جمشید میری بات سن

یہ دیکھ میرے ہاتھ۔۔

اور یہ یاد رکھ کہ تیرا بھاؤ شادی شدہ ہے۔

اُس کی ایک عدد بیوی ہے۔

اور تیری بھی۔۔

اتنی فکرِ تو بھابھی کو نہیں ہوتی جتنی کے تجھے

لیہ؛:::: جمشید میں اوپر جائیں رہی ہوں

اچانک لیہ ہنستے ہوئے اوپر کی طرف چل دی

سالار:::: جمشید بیٹھ جا۔

اور جہانگیر کی باتوں پر غور کر۔

خضر:::::: یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔۔

جس شخص نے شادی بھی سکندر صالح کے حکم پر کی ہو وہ تو ہرگز نہیں ٹھیک ہو سکتا۔

جمشید:::::: وہ بھاؤ ہے میرے۔۔

جہانگیر:::::: اور میں تیرا۔

ابے سالے۔۔۔ یہ دیکھ لے ہم سب کے ہاتھ۔

ایک تو تم سب لوگوں کی شادیوں کا دیکھ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا اوپر سے تیری یہ محبت میری جان لے لے گی۔

جمشید:::: یہ وفاداری ہے۔۔

جہانگیر:::: تیری وفاداری کی ماں کی آنکھ۔۔

سالار:::: اوئے فلضاہ نے سن لیا تو تیرے ساتھ مجھے بھی گھر سے باہر نکال دے گی۔

جہانگیر::::: تُواسی لائک ہے۔۔

خضر::::: جہانگیر تیرا دماغ تو نہیں ہل گیا۔

جمشید::::: جس کا بچپن سے ہلا ہو اُس سے ایسی باتیں بھی پوچھنی چاہیے۔

فلضاہ جو لیہ کے ساتھ نیچے اُتر رہی تھی اچانک بہرام کو لیہ کو پکراتی بولی۔

فلضاہ:::: اور یہ میڈم اب آئی ہیں۔

روح جو فلضاہ کو دیکھ اندر داخل ہوئی تھی۔

بولی۔

روح::::: سو۔۔۔ سوری۔۔۔ بھابھی۔۔۔

فلضاہ::::: بھابھی کی بچی۔۔

بی اماں کہاں ہے؟

روح::::: وہ خالہ جان کی طرف جانا تھا انہوں نے وہاں سے بھائی علی چھوڑ جائیں گے۔

فلضاہ::::: ہاں وہ سالار نے صبح بتایا تھا۔

چلو جاؤ اوپر میں نے تمھارا اڈریس کل خرید لیا تھا۔ جا کر اوپر تیار ھو جاؤ۔

روح:::: جاتی ہوں۔

پہلے بہرام کو تو مجھے دے۔

لیہ:::: لو پکڑ لو۔

روح:::: بہرام۔۔۔۔

دیکھو پھوپھو آئیں ہیں

میری جان۔۔۔

روح بہرام کو پکڑے گھومنے لگی تو بہرام کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

روح:::: زیمل آپی نہیں ائ؟

لیہ:::: آنے ہی والی ہے۔

تم اوپر جا کر چینج کر لو۔۔۔ تب تک وہ بھی آ جائے گی۔

روح:::: بہرام۔۔۔ پھوپھو کا بس۔۔۔ دس۔۔ منٹ۔۔۔ ویٹ کرو۔۔۔

پھوپھو بس ابھی آتی ہے۔

فلضاہ::::: جاؤں جلدی۔۔ پھر تمھیں

سالار سے بھی مل لینا۔ کل سے تمھیں اور بی اماں کو بہت یاد کر رہے تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زیمل جو کچن میں تیار کھڑی اور حان کا دودھ گرم کر رہی تھی۔

اچانک اُسے کسی

کی آہٹ پیچھے محسوس ہوئی۔

زیمل:::: کہاں رہ گئے تھے آپ۔

سکندر:::: ابھی بس راستے میں ہوں۔

سکندر جو مسکراتے چہرے کے ساتھ زیمل کی بات کا الٹا جواب دے چکا تھا۔

اچانک زیمل کو پیچھے سے اپنی گرفت میں بولا۔

سکندر:::: اور اب پُہنچ ہو گیا ہوں۔

زیمل::::: مجھے دودھ تو گرم کر لینے دے۔

سکندر:::: پہلے میں اپنی بیوی کو تو دیکھ لوں۔

زیمل جو کالے رنگ کی فراک میں کھڑی مسکراتے چہرے کے ساتھ سکندر کی طرف موڑی تو بولی۔

زیمل::::: آپ روز ہی دیکھتے ہیں۔

سکندر:::: تو کیا ہوا۔

جب اللہ نے اتنی نیک اور خُوبصورت بیوی ہے تو اُسے ایسے دیکھنا تو بنتا ہے۔

زیمل::: اچھا پہلے یہ بتائیں آپ کس میٹینگ میں تھے ؟

اچانک زیمل بات کا رُخ موڑتے ہوئے بولی۔

سکندر:::: کون سی میٹینگ ؟

کس نے کہا ہے ؟؟؟

زیمل:::: سالار کا فون آیا تھا۔

کہہ رہے تھے کہ آپ کسی میٹنگ میں ہیں۔

سکندر:::: ایک تو اس ڈی آئی جی سالے کو کوئی کام نہیں ہے۔

زیمل:::: سکندر۔۔۔

سکندر:::: رشتا بتا رہا ہوں۔

سالہ ہی تو لگتا ہے۔

اچھا یہ سب چھوڑو۔

اور حان کہاں ہے۔

زیمل:::: کمرے میں ہے۔۔۔عالیہ اُس کے پاس ہے۔

سکندر:::: مطلب کچھ دیر کباب میں ہڈی نہیں ہو گی۔

زیمل جو سکندر کی بات پر مکمل ہنس پڑی تھی۔

سکندر بولا۔

سکندر:::: چلو باہر آو۔۔

مجھے تمہیں کچھ دیکھانا ہے۔

زیمل:::: رو کے میں دودھ ڈال لوں۔

سکندر:::: بعد میں کر لینا۔

ابھی اؤں۔

سکندر جو زیمل کا ہاتھ پکڑے اُسے کچن سے باھر لے جا چکا تھا۔

باہر ایک صوفے پر بیٹھاتے بولا۔

سکندر::::: اپنی آنکھوں کو بند کرو۔

زیمل جو بیٹھی اپنی آنکھوں کو بند کر گئ تھی۔

کچھ پل بعد کسی کا وجود اپنے ہاتھوں میں محسوس کرتی سکندر کی آواز پر آنکھوں کو کھول گئ۔

سکندر:::: آنکھیں کھولو۔

زیمل آنکھوں کو کھولتی سکندر کے مسکراتے چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد ہاتھوں میں موجود اُس چیز کو دیکھنے لگی جو کچھ پل پہلے ہی سکندر اُس کے ہاتھوں میں تھما گیا تھا۔

پہلی نظر میں زیمل کی آنکھیں چمک اٹھی تھی جب اُس نے ہاتھوں میں موجود ایک کتاب کو غلاف میں بند ہوتا دیکھا۔

سکندر:::: اسے کھولو اب۔

زیمل جو مسکراتے چہرے کے ساتھ اُسے کھولنے لگی تو ایک پل میں اُس کے چہرے کی ہنسی مدھم ہو گئی۔

جب اندر موجود کتاب قرآن پاک جو دنیا کی سب سے افضل کتاب تھی۔

اور خوبخو ویسی جیسے کبھی زیمل نے اپنے خوابِ دیکھی تھی۔

قرآن لال رنگ میں تھا۔

زیمل جو حیرانگی سے سکندر کو دیکھ رہی تھی۔

سکندر کے سر کو ہاں پر ہلانے پر اُس نے قرآن کے وجود کو لبوں سے لگا کر کھولا۔

تو حیرت سے اُس کا وجود کانپ اُٹھا۔

قرآن سونے میں۔ لکھا تھا۔

جیسے اُس کے کھولتے ہی زیمل کا چہرہ اُس کی چمک سے روشن ہوا تو

تو زیمل کی نم آنکھوں نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

سکندر جو کھڑا نم انکھوں سے زیمل کو دیکھ کر اُس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

وہ زیمل کی کیفیت سے آشنا تھا۔

زیمل:::: یہ۔

سکندر:::: یہ تحفہ ہے۔

تمہارے لیے۔

زیمل:::: بالکل ویسا۔

سکندر:::: جانتا ہوں۔

ایک تحفہ میرا ابھی تو ایسا ہماری کہانی میں ہونا چاہیے

جسے زمانہ یاد کر سکے۔

زیمل جو سکندر کے بات بدلنے کے انداز پر مسکرائی تھی بولی۔

زیمل:::: ہر تحفہ خود میں محبت کا اظہار کرتا ہے۔

یہ تحفہ میری زندگی میں آپ کی محبتۂ کی علامت ہے۔

سکندر:::: زیمل

یہ قرآن میری۔ محبتۂ کی علامت نہیں ہے۔

یہ تمھاری محبتؑ کی علامت ہے جو تُمھیں اس قرآن سے ہے۔
میری محبت کی علامت تو تمھارا خود کا وجود ہے۔
زیمل:::::ہر گزرتے وقت کے ساتھ زِندگی روز بر روز خُوبصورت ہوتی

جارہی ہے۔
سکندر؛::::زندگی کبھی اس قدر دلکش ہو جائے گی۔
میں نے کبھی اس کہ تصور نہیں کیا تھا زیمل۔
سوچتا ہوں کہ اگر زیمل سکندر کا نصیب نہ ہوتی تو سکندر آج کہاں ہوتا۔
زیمل:::پر میں آپ کا نصیب ہوں۔اور آپ میرا
میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میری زندگی کا ہمسفر اُس نے آپ کو چنا۔
سکندر:::::میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے میری ہدایت کے لیے
مجھے تمھارا ساتھ نصیب فرمایا۔
سکندر:::::کیا محبتؑ کے اس سفر میں تم میرا ساتھ چھوڑو گی تو نہیں؟
زیمل::::کبھی نہیں۔

سکندر:::: کبھی نہیں؟

.زیمل:::: کبھی بھی نہیں

سکندر:::: میری آخری سانس تک نہیں؟

زیمل:::: اپنی آخری سانس تک نہیں۔

وہی زیمل سکندر کے سینے سے سر لگاتی نم آنکھوں سے اللہ کہ شکرادا کرنے لگی۔

زیمل:::: اے اللہ زیمل کی زِندگی میں خوشیوں کے ان رنگوں کی برسات پر وہ تیری شکر گزار ہے۔

اگر تیری عنایات نہ ہوتی تو زیمل یہاں نہ ہوتی۔

میں سکندر سے بہت محبت کرتی ہوں اور اس محبت پر جو تو نے مجھے اولاد عطا کی زیمل اُس پر بھی تیری شکر گزار ہے۔

یہ زندگی تیری امانت ہے۔بس سکندر اور احان کے دل کو بھی اپنی محبتؐ اور قرآنِ پاک کی روشنی سے بھر دینا جیسا کہ تو اپنے بندوں پر اپنی رحمت کرتا ہے۔

سکندر جو زیمل کو خود سے لگائے اُس کے سر کو چوم چکا تھا۔

عالیہ:::::آپی۔۔۔سالار کا فون آرہا ہے۔

سکندر:::::بس ان کی کمی تھی

زیمل جو سکندر کی بات پر مسکراتے فون کو اٹھا چکی تھی بولی۔

زیمل::::بس نکلنے لگے ہیں۔

بس آرہے ہیں۔

جی۔۔۔۔جی۔۔

ہاں جی وہ بھی آئے گے۔۔

بس نکلنے لگے ہیں۔

سکندر:::::عالیہ تم اور احان کو باہر لا دو۔

عالیہ:::اچھا بھائی میں لادیتی ہوں۔

زیمل::::ہاں بس وہ ابھی ائے ہیں۔اس لیے دیر ہو گئی۔

وہ تو کہہ رہے تھے کے چلی جاؤں۔

ہم بس کوئی پندرہ منٹ تک وہاں ہو گے۔

چلیں ٹھیک ہے۔

او کے اللہ حافظ۔

سکندر:::::لاؤاِس کو۔

سکندر جو عالیہ سے اورحان کو پکڑتے ہوئے بولا۔

سکندر::::تو کیسا ہے میرا شیر بیٹا۔

اورحان:::: باب با۔۔۔۔می۔۔۔۔ری۔۔۔۔دان(گن)

اورحان سکندر کی بات کا جواب اپنی فرمائش کو یاد کرواتا بولا تھا۔

سکندر::::اورہان۔۔۔۔میں نے کیا کہا تھا آپ کو۔

گن۔۔۔ازآ۔۔۔بیڈ۔۔۔تھینگ

اورہان:::: نو۔۔۔نو۔۔۔۔ باب با۔

زیمل:::: آپ کی اولاد آپ پر جانے کی تیاری پکڑ رہی ہے۔

سکندر:::: یس۔۔۔

میرا بیٹا

زیمل:::: اورہان ادھر ماما کے پاس آؤ

اورہان::: ماما۔۔۔دن۔۔۔۔دان

زیمل::: آپ اسے مجھے دیں۔

اورہان:::: نو۔۔۔نو۔ مم ما

سکندر:::: اچھا تو آج میں اپنے بیٹے کے لیے ایک گن خود بناؤ گا۔

زیمل:::: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

سکندر:::: رک تو جاؤ۔

اورہان::::: باب با۔۔۔۔

سکندر:::: اچھا یہ دیکھو اپنے ہاتھوں کو ایسے ملاؤ

اورہان:::: ایتھے؟

سکندر:::: نہیں

سکندر جو اورہان کے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے ملا کر۔

اُسے گن کی شکل دے گیا تھا بولا۔

سکندر:::: اورہان۔۔۔یہ میجک گن ہے

اس سے شوٹ تو ہو گا مگر مجیک سے۔

اورہان:::: باب با۔۔۔۔۔یہ تو پلے دیم ہے

یہ تو۔۔۔مم ما۔۔۔۔نے ستھائے دی۔

زیمل:::: میرے خیال سے اب آپکو کوئی دوسرا بہانا لگانا ہو گا۔

سکندر:::: بہانہ؟

وہ بھی اس سے؟

زیمل جو سکندر کی بات پر مسکرائی تھی۔

زیمل::::اب آپ کا خون ہے۔۔۔۔۔۔ایسے کاموں میں جوش تو مارے گا۔

سکندر:::: پھر تو آپ بھی میری ہیں۔

.یہاں میری بھی محبت کا جوش مار جاتا ہے

زیمل::: پیچھے ہو۔

اورہان ہے۔

زیمل سکندر کا چہرہ دوسری طرف کرتے ہوئی بولی۔

اورہان:::: مم ما۔۔۔۔

.زیمل::::جی ماما کی جان

اورہان:::: باب با۔۔۔۔لوز۔۔۔تیو

سکندر جو قہقہ لگا کر ہنسا تھا بولا۔

سکندر::: کہا تھا نا کہ یہ میری اولاد ہے۔

باپ بیٹے کو سمجھتا ہے

اور بیٹا باپ کو۔

زیمل::::بس بھی کریں۔

سکندر::::اورہان تمھاری ماما ابھی کیا کر رہی ہیں۔

اورہان:::: باب با۔۔۔ مم ما۔۔۔از۔۔۔سائینگ (شائینگ)

زیمل::::اورہان۔۔۔تم۔۔اپنے بابا کی طرح..۔

سکندر:::: کیا بابا کی طرح؟؟؟؟

زیمل:::: سکندر۔۔۔بس۔۔۔ بھی کریں۔۔۔

بچہ۔۔ہے۔۔۔وہ

سکندر::::اچھا۔۔۔ بیگم جی

سکندر جو زیمل کے چہرے کو محبت بھری نظر سے دیکھ بولا تھا

اورہان:::: باب با۔۔۔ائی۔۔۔ام۔۔۔ہی یر۔

سکندر:::: پتہ ہے۔۔۔۔ پتہ ہے۔

اچانک سکندر کی نظر اورحان

کے کپڑوں کی طرف پڑی تو بولا۔

سکندر:::: دیکھو تو آج باپ بیٹے نے میچنگ کی ہے۔

زیمل:::: باپ بیٹے نے ہی نہیں بلکہ ماما نے بھی کی ہے۔

سکندر::::: ماما تو ہمیشہ بابا کے ساتھ کرتی ہیں

ہیں نہ اور حان۔

میرا شیر بیٹا۔

زیمل:::: چلیں اب چلیں بھی۔

اس سے پہلے اب فلضاہ کی کال آجائے۔

جمشید بھائی اور لیہ بھی پُہنچ چکے ہو گے۔

سکندر:::: نکلتے ہیں کچھ دیر میں۔

زیمل:::: ہم سب سے اخر میں پہنچے گے۔

آگے ہی سب کہتے ھیں۔

سکندر::: کون کہتا ہے؟

زیمل:::: کوئی نہیں۔۔ میں قرآن اندر رکھ آؤں۔۔

پھر نکلتے ہیں۔ سب پُہنچ گئے ہیں۔

سوائے آپ کے اور میرے۔

عالیہ تم بہرام کے تحفے گاڑی میں رکھواو۔۔

اور اور حاں کا بیگ بھی۔

عالیہ:::: جی آپی میں رکھواتی ہوں۔

زیمل:::: اور یہ بھی اندر رکھ دینا۔

عالیہ:::: لائیں آپی۔

سکندر:::: زیمل...

اور حان کا فیڈر۔۔

زیمل:::: ہاں وہ میں کچن میں بھول آئی۔۔

میں لاتی ہوں۔

سکندر:::: میں ساتھ چلو۔

زیمل:::: آپ اور ہان کو سنبھالے۔۔

زیمل سکندر کو فوراً سے منع کرتی بولی

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جہانگیر:::: خضر۔۔۔۔ میرا دل۔۔۔۔ بہت۔۔ دکھی ہے۔

یار تجھے کوئی دکھ نہیں ہوتا

خضر:::: نہیں۔۔۔۔

جہانگیر:::: کیسا تو پھیکھا انسان ہے۔

خضر:::: سکندر بھاؤ ابھی تک آیا نہیں۔

جہانگیر:::: سکندر بول

اگر اُس نے سنا تو بھاؤ بن کر تیرا ایسا بھاؤ لگائے گا کہ تو جو آج تک کنوارا ہے

ساری زندگی ایسے ہی رہے گا۔

اچانک روح اندر سے باہر نکلی تو جہانگیر کی نظر ایک پل کے لیے اُس پر جم گئی

جہانگیر:::: یہ۔۔۔ کون ہے۔۔۔؟

. خضر::::تو نہیں جانتا؟

. یہ سالار کی بہن ہے

جہانگیر::::یعنی سالے کی۔

خضر::::تجھے کیا ہو گیا ہے؟

جہانگیر::::لڑکی پیاری ہے۔

بھلا کنواری ہے؟۔

شادی شدہ تو نہیں۔

خضر:::: جہانگیر تجھے معلوم ہے کہ ہم ابھی ڈی آئی جی سالار فاتح کے گھر میں موجود ہے۔

اچانک دروزاہ کھولتے ہی زیمل بلیک فراک کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو سکندر بھی اور حان کو اُٹھائے اندر داخل ہو گیا۔

زیمل:::السلام و علیکم۔

لیہ::::یہ اب آئی ہے۔

فلضاہ'::: وعلیکم السلام۔

کہاں رہ گئی تھی؟

.سکندر:::::: سالار کہاں ہے

جہانگیر:::: پہلے مُجھ سے تو مل لے بعد میں اپنے سالے کو ڈھونڈ لائی

جمشید:::: سلام بھاؤ۔۔

جہانگیر::: یہ پھر سے شروع ہو گیا۔

خضر ایک کام کر اس کی لاش کو کہی دور دفنا آ۔

سکندر:::: جمشید کیسے ہو؟

جمشید:::: بھاؤ میں بلکل ٹھیک

جہانگیر:::: وٹھیک ہے۔۔۔

کی پریشانِی نہ لے۔اُس کے پاس کے ایک عدد بیوی ہے۔

ہم کنواروں سے مل لے۔

سکندر:::: تیرے لیے زیمل نے ایک لڑکی پسند کی ہے۔

جہانگیر::::کیا۔۔

آج میری بھابھیوں کو کیا ہو گیا ہے۔

پہلے ایک رشتا نہیں مل رہا تھا۔اب دو دو۔

زیمل:::جہانگیر بھائی۔

لڑکی ایک ہی ہے۔۔

لیہ اور میں نے مل کر ڈھونڈھی ہے۔

جہانگیر::::یعنی میری والی دُنیا کے دوسرے کونے سے نکل آئی۔

آ لینے دو اسے۔۔کتنے سالوں سے میں اس کا انتظار کر رہا ہوں اور یہ

خُضر::::ویسے لڑکی اچھی ہے۔
تمھیں پسند بھی کرتی ہے۔

اور اُس کے گھر والوں میں سے بھی زیادہ تر کا ووٹ تمھاری طرف ہے۔۔

بس اُس کے بھائی سے بات کرنا باقی رہ گیا ہے۔

جہانگیر:::::یعنی کہ کوئی مسئلے کی بات نہیں ہے۔

خضر::::مسئلے کی تو بات نہیں ہے۔

بس یہ ہے کہ وہ ڈی آئی جی کی بہن ہے۔

جہانگیر:::::تو کوئی بات نہیں ہمراہ سالار کب کام۔آئے گا۔

ڈی آئی جی۔۔۔ڈی آئی جی سے بات کرے گے اور میرا رشتہ پکا ہو جائے گا۔

زیمل::::یہ نہیں ہو سکتا۔

جہانگیر::::کیوں؟؟

سکندر::::اب روح کے رشتے کی بات سالار خود سے کیسے کرے گا۔۔

جہانگیر:::ک۔۔۔۔ک۔۔۔کیا؟

یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔روح۔۔۔۔

مطلب کہ یہ۔

خضر:::کیوں؟کوئی مسئلہ ہے؟؟؟

جہانگیر::::نہیں بلکل بھی نہیں۔

جمشید....دیکھ لے میرا ابھی رشتا ہو گیا۔۔۔

سکندر::::ہوا نہیں ہے۔

.ابھی بات کرنی ہے

جہانگیر:::::کوئی بات نہیں۔۔میں کرلوں گا بات۔۔

میں بھی ایک شاعر ہوں اور سالار بھی۔ایک شاعر ہمیشہ دوسرے شاعر کو سمجھتا ہے۔

کہاں ہے سالار؟؟؟

سکندر::: گن لوڈ کرنے گیا ہے۔

جہانگیر::::ابھی تو میں نے بات بھی نہیں کی۔

شادی سے پہلے ہی مار و گے۔

سکندر تم بات کرو نہ ہم دونوں کے سالے سے۔

زیمل::::ہاں بلکل سکندر کو بات کرنی چاہیے۔

لیہ::::ہاں آپ کرے سکندر بھائی۔

خضر::::روح تم بھی کچھ بول دو۔

روح جو خاموشی سے کھڑی مُسکرا رہی تھی اچانک خضر کی بات پر سر کو نہ میں ہلانے لگی۔

جہانگیر:::: میری ھونے والی بیوی کو۔ تنگ نہ کرو۔۔۔ خضر۔۔

خضر:::: کہاں سے ؟؟

ابھی تو سالار سے بات بھی نہیں کی۔

جہانگیر:::: سالار کو میں ایک بار کہو گا تو وہ مان جائے گا۔

فلضاہ:::: جہانگیر بھائی مجھے کام مشکل لگتا ہے۔

جمشید:::: جہانگیر مجھے بھی لگتا ہے تمھاری دال نہیں گلنی یہاں۔

جہانگیر:::: تو چپ ہی رھ۔
ابھی میں دال گلنے رکھی کب ہے۔

آج کوئی نہیں میرے اور سالار کے بیچ آئے گا۔

سکندر:::: ہاں تو فکر نہ کر کوئی نہیں آئے گا۔۔

جہانگیر:::: سوائے سکندر کے۔

سکندر::: میں تو بلکل بھی نہیں آرہا

جھانگیر:::: کمینے۔۔۔ تیری باری میں نے کتنا ساتھ دیا۔

اور تو۔

جمشید:::: یہ کب ہوا؟؟

جہانگیر::::: جب تو سو جاتا تھا۔

سالار:::: کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

سکندر::: جہانگیر کی شادی کی۔

جہانگیر:::: نہیں۔۔۔۔تو۔۔ نہیں تو۔

زیمل::: چلیں جہانگیر بھائی بات کریں۔۔

جہانگیر:::: کیا بات؟

خضر:::: وہی جو شاعر شاعر کی بات کو سمجھتا ہے۔

جمشید:::: بولو جہانگیر۔

جھانگیر:::: سالوں یہاں سے اگر میں بچ گیا تو تملوگوں کی خیر نہیں۔

سکندر:::: جہانگیر فلحال تم اپنی خیر مناؤ۔

سالار:::: جہانگیر کوئی بات کرنی ہے۔

جہانگیر:::: ہاں۔۔۔ایک چھوٹی سی۔۔میر امطلب ہے کہ ایک ضروری

۔۔

سالار::: کہاں کہو۔۔

جہانگیر:::: دیکھ سالار۔۔

سالار:::: کہاں دیکھو؟

جہانگیر:::: میرے ہاتھوں کی طرف۔

اچانک جہانگیر ار کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑے ہوئے بولا۔

جس پر سب کا قہقہ بلند ہوا۔

.سالار::: دیکھ رہاہوں

آگے بول؟

جہانگیر::::میری برداشت ختم ہو گئی ہے۔ تم سب کو تم لوگوں کی بیویوں کے ساتھ دیکھ دیکھ کر

میرا بھی ایک دل ہے۔۔

اور اوپر سے مُجھ سے پہلے اس جمشید کی شادی ہو گئی۔

تو تو میرا بھائی ہے۔

میرا دکھ تو سمجھتا ہے۔

اور یہ سکندر۔۔۔۔یہ۔۔یہ۔

یہ تو چاھتا ہی نہیں کہ میرا گھر بسے۔

اور یہ خضر یہ تو جب پیدا ہوا تھا تب ہی ڈاکٹرز نے کہاں تھا کہ مبارک ہو آپ کے گھر کنوارا پیدا ہوا ہے۔

سالار:::: سکندر.... جہانگیر تو بڑا دکھی ہے۔

سکندر:::: ہاں سالے صاحب۔۔۔

ھمیں کچھ سوچنا چاہیئے۔

سالار:::: ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔

جہانگیر:::: تو سوچو نہ۔۔

سوچو۔۔۔ کوئی لڑکی۔۔۔ کوئی آس پاس ہو۔۔

جو کوئی دائیں بائیں کھڑی ہو۔

پیاری سی۔

روح جو پیچھے کھڑی فلضاہ کے کندھے پر سر رکھے ہنس رہی تھی۔

جہانگیر اُسے دیکھ کر بولا۔

سالار:::: سوچ رہا ہوں۔

پر کوئی لڑکی نہیں ہے۔

جہانگیر:::: کمینہ۔۔

سکندر::: کچھ کہا ہے؟

جہانگیر:::: نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔

خضر::: میں تو پہلے کہا تھا یہاں دال نہیں گلنی۔

جہانگیر:::::جب جمشید جیسے کی دال گل گئی تو میری بھی گل جائے گی۔

جمشید::::اس پر ہنسنا تھا۔

جہانگیر:::: نہیں رونا تھا۔

جمشید:::ابھی تو تو رو رہا ہے۔

جہانگیر:::: تو تو ہنس لے

سکندر:::: سالار تم نے روح کا رشتا کہی دیکھا ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ہم

جہانگیر:::: جلدی بول۔۔

سکندر:::: میں کہہ رہا تھا کہ کیوں نہ ہم

جہانگیر:::: سکندر تیری کیسٹ کہی پھنس گئی ہے؟

جہانگیر منہ کو بسورتے ہوئے بولا۔

سکندر:::: میں کہہ رہا تھا کہ۔

جہانگیر:::: تو رہنے دے۔

سالار یہ شخص مجھے شروع سے اتنا زہر نہیں لگتا تھا جتنا کہ آج لگ رہ ہے۔

تو میرا اچھا دوست ہے۔

تو میری بات سن۔

سالار::: سنا۔

جہانگیر::: اچھا ایک۔منٹ میں سانس لے لوں۔

جہانگیر خضر کی طرف منہ کرتا لمبی سانس لینا لگا

جبکہ سبھی منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی کو دباائے کھڑے تھے۔

سالار:::: جہانگیر بول بھی دو۔

جہانگیر:::: سالار اپنی بہن کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے۔

جہانگیر جو ایک سانس میں بول گیا تھا اب دوبارہ سے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

سالار:::: کیا۔

جہانگیر:::: ہاں وہی جو تو نے سنا ہے۔

سالار:::: تم لوگوں نے اسے بتایا نہیں؟؟

جہانگیر::::: کیا نہیں بتایا۔

اچانک سب کا قہقہ بلند ہوا تو سالار بھی ہنسنے لگا۔

جہانگیر:::: تم سب ہنس کیوں رہے ہو۔

سالار:::: کیوں کہ اگلے مہینے تمھارا روح کے ساتھ نکاح ہے۔

سکندر اور میری بات ہو چکی ہے۔

جہانگیر:::: ہیں۔۔۔؟؟؟

یعنی دال گل گئی

جمشید:::: گلی نہیں بلکے پک گئی۔

جہانگیر:::: واقع۔۔

فلضاہ::::یقین نہیں ہے تو منگنی کی انگوٹھی پہنا دوں روح کو۔

جہانگیر:::: نہیں۔

زیمل:::: نہیں؟؟؟

جہانگیر:::: میرا مطلب ہے کہ ہاں۔

میرا مطلب ہے کہ سالار کی اجازت ہو تو میں خود پہنالوں۔

خضر:::: تو زیادہ فری ہو رہا ہے۔

جہانگیر:::: تو۔چپ رہ کنوارے کبوتر۔

سکندر:::: یہ نہیں سدھر سکتا

چلیں اب بیٹھ جائیں سب۔

روح تم بھی بیٹھو۔میں انگوٹھیاں لے آؤں۔

لیہ:::: تم بہرام کو مجھے پکڑاو اور جا کر لے آؤ۔

زیمل:::: چلو روح تم بیٹھو۔

سالار:::: جہانگیر چلو تم بھی بیٹھو۔

سکندر:::: اُسے کہنے کی ضرورت نہیں۔

سالار:::: ہاں جیسے کے تمہیں۔۔

سکندر:::: جیسے کے تمہیں سالے صاحب۔

سالار:::: اور حان کو تو مجھے دو زیمل۔

زیمل::: یہ لیں جی۔

سالار:::: ویسے سکندر اور ہان کا چہرہ بلکل تمھاری طرح ہے۔ سوائے اس کی آنکھیں۔

اس کی آنکھیں

سکندر::::زیمل جیسی ہیں۔

سالار:::: اور جانتے ہو زیمل۔ کی آنکھیں بلکل ماما کی طرح ہیں۔

سکندر:::: جانتا ہوں۔

فلضاہ:::: چلو چلو۔۔۔ جلدی سے یہ انگوٹھیاں پکڑو۔

جہانگیر:::: لائیں بھابھی۔۔۔

خضر:::: تجھے کتنی جلدی ہے۔

جہانگیر:::: تو نہ جل۔

خضر:::: میں نہیں جل رہا۔

جہانگیر:::: جھوٹا۔

لیہ::::روح انگھوٹی پہناؤ۔

جمشید::::جہانگیر ہاتھ آگے کرو۔

جہانگیر::::سکندر ایک فوٹو گرافر کو بھی بلوا لیتے۔

خضر:::: ہمارے فون ہے نہ۔۔

جہانگیر:::: پھر اچھی اچھی بنائی۔

زیمل::::جوڑی اچھی لگ رہی ہے۔

سالار::::اللہ نصیب بھی اچھے کرے۔

سکندر::::آمین۔

اور پھر انگوٹھیوں کے پہناتے ہی سب کے چہروں کی مُسکراہٹ اُبھر کر باھر نکل آئ۔

سکندر:::: تھک گئی ہو۔

زیمل:::: ہاں جی بہت زیادہ۔

پر لگتا ہے کہ اورہان نہیں تھکا۔

سکندر:::: اورہان کو کہاں رات میں نیند آتی ہے۔

زیمل:::: سوتا تو ہے۔

سکندر:::: ہاں جب میں سو جاتا ہُوں۔

سکندر جو گاڑی کو چلاتے زیمل سے بات کر رہا تھا۔

اچانک زیمل سکندر کے بازوں کو پکڑتے اُس پر اپنا سر رکھتے بولی۔

زیمل:::: سکندر مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔

سکندر::::: کہتی ہو تو گاڑی یہی روک دیتا ہوں۔

زیمل:::: نہیں گھر چلیں۔

سکندر:::: جو حکم آپ کا۔

زیمل::::: سکندر۔

سکندر::: کہے۔

زیمل::::: کچھ نہیں۔

سکندر:::: کچھ نہیں کہنے کہ مطلب ہوتا ہے کہ کچھ ہے

توبتاؤ؟

زیمل:::: اللہ کے گھر چلیں

سکندر:::: کب چلنا ہے؟

زیمل:::: جب آپ لے کے جا سکیں

سکندر:::: تو پھر کہو ہیلی کپٹر کا

زیمل:::: ابھی؟

سکندر:::: ہاں ابھی۔

زیمل:::: پیکنگ؟

سکندر::: وہاں پہنچنے تک سب تیار ہو جائے گا۔
تو پھر چلیں۔
زیمل جو مسکراتے چہرے کے ساتھ سر کو ہاں میں ہلانے لگی تھی۔
سکندر بھی مُسکرا دیا تھا۔

سکندر:::تو پھر چلو۔۔۔زیمل زندگی کے ایک اور خُوبصورت سفر پر میرے ساتھ۔

ختم شد